زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

(لاہور)

مکاتیب

۶۵، ۶۶

نومبر ۱۹۵۷ء

مرتب

محمد طفیل

موجودہ شمارہ ۱۰ روپے

سالانہ قیمت ۲۰ روپے

ادارۂ فروغ اُردو (ایبک روڈ، انارکلی) لاہور

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر ادارۂ فروغ اُردو ایبک روڈ لاہور سے شائع کیا

ترتیب

مرتبہ غلام ربانی تاباں

نام	خطوط	صفحہ	مکتوب الیہ	مکتوب الیہ	مکتوب الیہ
۱۳ ـ اکبر الہ آبادی	۱۶ خطوط	۱۹۹	مولوی بشیر الدین، ۸	محمد دین فوق، ۴	نواب سید علی حسن، ۱
			نامعلوم، ۳		
۱۴ ـ شاد عظیم آبادی	۱۰ خطوط	۲۰۵	پروفیسر محمد مسلم، ۷	شاہ سلیمان پھلواری، ۱	سید وصی احمد فانی بلگرامی، ۲
۱۵ ـ مولانا عبدالحلیم شرر	۱۰ خطوط	۲۱۴	مولانا حبیب الرحمن شروانی، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	نواب سید علی حسن، ۲
			مولوی سید ممتاز علی، ۱	احسن مارہروی، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۱	نامعلوم، ۱	
۱۶ ـ ڈاکٹر سید محمود	۳ خطوط	۲۲۱	نواب وقار الملک، ۱	حسین عطاء اللہ، ۱	مولانا حبیب الرحمن شروانی، ۱
۱۷ ـ رسا رامپوری	۱۷ خطوط	۲۲۶	احسن مارہروی، ۱۷		
۱۸ ـ سید احمد دہلوی	۷ خطوط	۲۲۹	مدار المہام، ۱	صفدر علی خوش نویس، ۲	مولانا حبیب الرحمن شروانی، ۳
			مہاراجہ کشن پرشاد، ۱		
۱۹ ـ ریاض خیر آبادی	۹ خطوط	۲۴۴	احسن مارہروی، ۴	دل شاہجہانپوری، ۲	سید شاہد علی، ۱
			چودھری فتح محمد شیفتہ، ۱	جگر، ۱	
۲۰ ـ غلام قادر گرامی	۶ خطوط	۲۵۱	نواب عماد الملک بہادر، ۱	دتا تریہ کیفی، ۳	نواب حسن علی خاں، ۲
۲۱ ـ سید امداد امام اثر	۳ خطوط	۲۵۶	احسن مارہروی، ۱	سید ہمایوں مرزا	محمد دین فوق، ۱
۲۲ ـ نظم طباطبائی	۶ خطوط	۲۵۹	مولوی ضیا احمد بدایونی، ۱	صغریٰ ہمایوں، ۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
۲۳ ـ حبیب الرحمن	۸۷ خطوط	۲۶۲	سید مخدوم عالم، ۴	مولانا حالی، ۱	نواب وقار الملک، ۱
			نواب رفعت یار جنگ، ۴	نواب سید علی حسن، ۱	علامہ عبدالعزیز میمن، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۳	مفتی شیر علی، ۲	نصیر الدین ہاشمی، ۴
			ضیا احمد بدایونی، ۱	امتیاز علی عرشی، ۱۴	نواب شمس الحسن، ۱
			ڈاکٹر سید محمود، ۱	کیفی چریا کوٹی، ۱	مالک رام، ۱۱
			غلام یزدانی، ۱	طاہر فاروقی، ۱	ہمایوں مرزا، ۱
			نامعلوم، ۷		
۲۴ ـ علامہ اقبال	۴۹ خطوط	۲۹۳	محمد دین فوق، ۱۷	محمد امین زبیری، ۱	منشی سراج دین، ۳
			میر نور رشید احمد، ۷	نصیر الدین ہاشمی، ۲	میر حسن الدین، ۱
			تمکین کاظمی، ۳	غلام رسول مہر، ۱۰	رشید احمد صدیقی، ۱
			مولانا محمد عرفان، ۱	مولوی عبدالحق، ۱	سید مبارک علی شاہ جیلانی، ۱
			نامعلوم، ۱		
۲۵ ـ سر عبدالقادر	۳۴ خطوط	۳۱۸	مولوی بشیر الدین، ۳	مولوی حبیب الرحمن، ۶	ڈاکٹر اقبال، ۱
			مولانا عبدالعزیز، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	ڈاکٹر محی الدین زور، ۷
			صوفی غیرت قادری، ۲	بشیر النساء بیگم، ۱	آغا صادق، ۷
			تمکین کاظمی، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۱	نامعلوم، ۱
۲۶ ـ مولانا محمد علی جوہر	۱۰ خطوط	۳۲۶	نواب سید علی حسن، ۱	غلام رسول مہر، ۲	مولانا شوکت علی، ۲
			مولوی محمود احمد عباسی، ۱	غلام بھیک نیرنگ، ۱	اکبر الملک بہادر، ۱
			مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۱	
۲۷ ـ مولانا شوکت علی	۴ خطوط	۳۶۷	غلام رسول مہر، ۳	نامعلوم، ۱	

نمبر و نام	خطوط	صفحہ			
۲۸ - سرکشن پرشاد	۳ خطوط	۳۷۱	عمادالملک، ۶	نصیرحسین خیال، ۴	خواجہ حسن نظامی، ۱
			بے نظیر شاہ، ۱	نواب اکبرالملک، ۱	
۲۹ - بیخود بدایونی	۳ خطوط	۳۷۸	مولانا احسن مارہروی، ۳		
۳۰ - خواجہ عشرت لکھنوی	۲ خطوط	۳۸۱	مولانا احسن مارہروی، ۲		
۳۱ - راشد الخیری	۴ خطوط	۳۸۳	مولوی سید ممتاز علی، ۳	سید امتیاز علی تاج، ۱	
۳۲ - حکیم اجمل خاں	۶ خطوط	۳۸۶	نواب وقار الملک، ۱	نواب محسن الملک، ۱	مولانا شوکت علی، ۱
			غلام رسول مہر، ۱	نواب سید علی حسن، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۳۳ - سائل دہلوی	۱۴ خطوط	۳۹۰	احسن مارہروی، ۵	سید افتخار عالم، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۱
			دل شاہجہانپوری، ۳	فنا تربہ کیفی، ۱	نواب میر حسن علی، ۱
			دل محمد فضا، ۱	اعجاز سکندر نازش، ۱	
۳۴ - محمد دین فوق	۹ خطوط	۳۹۹	محمد عبداللہ قریشی، ۹		
۳۵ - ڈاکٹر انصاری	۳ خطوط	۴۰۴	مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۲	
۳۶ - غلام بھیک نیرنگ	۸ خطوط	۴۰۷	سید ممتاز علی، ۱	فخر یار جنگ بہادر، ۱	حکیم محمد اسحٰق حقانی، ۶
۳۷ - سر تیج بہادر سپرو	۳ خطوط	۴۱۷	طاہر فاروقی، ۱	مولوی عبدالحق، ۱	نصیرالدین ہاشمی، ۱
۳۸ - آغا شاعر قزلباش	۱۰ خطوط	۴۱۹	مہاراجہ کشن پرشاد، ۵	بسمل دہلوی، ۱	آغا آفتاب علی، ۱
			سیکرٹری اُردو کانفرنس، ۲	صادق حسین غبار، ۱	
۳۹ - ظفر الملک	۱۲ خطوط	۴۲۵	سید افتخار عالم، ۱	پروفیسر محمد مسلم، ۲	سید الطاف علی بریلوی، ۱
			جلیل قدوائی، ۱	محمد دین فوق، ۱	محمد اظہار الحسن، ۶
۴۰ - احسن مارہروی	۲۶ خطوط	۴۳۵	مولوی بشیرالدین، ۱	محمد دین فوق، ۶	محمد اظہار الحسن، ۵
			دل شاہجہانپوری، ۳	منشی مہیش پرشاد، ۱	سید الطاف بریلوی، ۱
			تمکین کاظمی، ۳	خواجہ حمیدالدین احمد، ۱	ڈاکٹر محی الدین زور، ۵
۴۱ - صفی لکھنوی	۱۱ خطوط	۴۵۵	محمد کبیر رسا جالندھری، ۶	دل شاہجہانپوری، ۳	طاہر فاروقی، ۲
۴۲ - دیا نرائن نگم	۶ خطوط	۴۶۵	احسن مارہروی، ۱	تمکین کاظمی، ۲	محمد اظہار الحسن، ۳ نامعلوم، ۱
۴۳ - وحید الدین سلیم	۶ خطوط	۴۶۸	نواب سید علی حسن، ۳	نصیرالدین ہاشمی، ۳	
۴۴ - نصیر حسین خیال	۱۰ خطوط	۴۷۲	انوار احمد، ۱	پروفیسر محمد مسلم، ۳	مہاراجہ کشن پرشاد، ۳
			مسعود حسن رضوی، ۳		
۴۵ - جالب دہلوی	۴ خطوط	۴۷۹	احسن مارہروی، ۲	شاہ حسین میاں، ۱	سید الطاف علی بریلوی، ۱
۴۶ - سید سلیمان ندوی	۶۱ خطوط	۴۸۶	ہمایوں مرزا، ۱	نواب سید علی حسن، ۹	محمد عبداللہ قریشی، ۴
			میمن عبدالعزیز، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۱	مولوی محمد عرفان، ۱
			صغریٰ ہمایوں، ۱	امتیاز علی عرشی، ۹	اثر صہبائی، ۱
			نصیرالدین ہاشمی، ۶	غلام رسول مہر، ۱	نواب شمس الحسن، ۳
			سید الطاف علی بریلوی، ۱	محمد امین زبیری، ۱۱	مالک رام، ۵
			عبدالرزاق کانپوری، ۱	تمکین کاظمی، ۲	مولوی عبدالباری ۱۱
			نامعلوم، ۲		
۴۷ - خواجہ حسن نظامی	۲۹ خطوط	۵۱۸	محمد دین فوق، ۲	مہاراجہ کشن پرشاد، ۲	صغریٰ ہمایوں مرزا، ۵

نمبر و نام	خطوط	صفحہ			
			بشیر النسا بیگم، ۲	محی الدین زور، ۳	مولوی وحید احمد، ۲
			شفا گوالیاری، ۱	خواجہ حمید الدین شاہد، ۱	شاہ سلیمان پھلواری، ۱
			سید ہمایوں مرزا، ۴	نصیر الدین ہاشمی، ۲	
۴۸ — ڈاکٹر ریکیفی	۲۱ خطوط	۵۲۵	محمد دین فوق، ۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، ۱	طاہر فاروقی، ۴
			آغا محمد صادق، ۱	امتیاز علی عرشی، ۵	حبیب کیفوی، ۱
			مختار الدین آرزو، ۳	شفا گوالیاری، ۱	دل محمد فضا، ۱
۴۹ — مناظر احسن گیلانی	۱۶ خطوط	۵۴۳	سید الطاف علی بریلوی، ۱	محی الدین زور، ۵	محمد وارث کامل، ۳
			مظہر احسن گیلانی، ۱	سید انوار اعظم، ۱	مولانا محمد عون، ۱
			پروفیسر شیو موہن لعل، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۳	
۵۰ — سجاد حیدر یلدرم	۸ خطوط	۵۵۶	جلیل قدوائی، ۸		
۵۱ — عظمت اللہ خاں	۵ خطوط	۵۶۱	تمکین کاظمی، ۵		
۵۲ — سر راس مسعود	۹ خطوط	۵۶۶	محمد امین زبیری، ۱	کیفی چریا کوٹی، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۴
			مولوی عبد الحق، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱	رفعت یار جنگ، ۱
۵۳ — مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی	۵ خطوط	۵۷۰	دل شاہجہانپوری، ۵		
۵۴ — خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی	۱ خط	۵۷۳	محمد دین فوق، ۱		
۵۵ — مفتی کفایت اللہ	۳ خطوط	۵۷۶	غلام رسول مہر، ۲	دل محمد فضا، ۱	
۵۶ — عبد الرحمٰن بجنوری	۳ خطوط	۵۷۹	مولوی عبد الحق، ۳		
۵۷ — منشی پریم چند	۲۸ خطوط	۵۸۴	امتیاز علی تاج، ۲۷	مولوی عبد الحق، ۱	
۵۸ — اصغر گونڈوی	۹ خطوط	۶۰۱	کیفی چریا کوٹی، ۱	محی الدین زور، ۷	ضیا احمد بدایونی، ۱
۵۹ — حسرت موہانی	۱۱ خطوط	۶۰۷	نشاط النسا بیگم، ۱۰	مولوی بشیر الدین، ۱	
۶۰ — وحشت کلکتوی	۱۲ خطوط	۶۱۵	وفا راشدی، ۱۰	شفا گوالیاری، ۱	طاہر فاروقی، ۱
۶۱ — پروفیسر محفوظ الحق	۱۹ خطوط	۶۲۲	نصیر الدین ہاشمی، ۳	مختار الدین آرزو، ۱۴	سید الطاف علی بریلوی، ۱
			نامعلوم، ۱		
۶۲ — منشی مہیش پرشاد	۲۸ خطوط	۶۳۴	سید مسعود حسن رضوی، ۱	محی الدین زور، ۶	مالک رام، ۱۴
			نصیر الدین ہاشمی، ۱	مختار الدین آرزو، ۶	
۶۳ — شاداں بلگرامی	۷ خطوط	۶۵۰	آغا صادق حسین، ۵	سید دل محمد فضا، ۱	عبد الصمد صارم، ۱
۶۴ — سیماب اکبر آبادی	۱۴ خطوط	۶۶۵	منشی محمد دین فوق، ۴	محمد عبد اللہ قریشی، ۲	نثار اٹاوی، ۳
			ظفر الحق، ۱	شفا گوالیاری، ۴	
۶۵ — فرحت اللہ بیگ	۷ خطوط	۶۷۴	محی الدین زور، ۴	نصیر الدین ہاشمی، ۱	بشیر النسا بیگم، ۱
			غلام یزدانی، ۱		
۶۶ — فانی بدایونی	۷ خطوط	۶۷۷	میکش اکبر آبادی، ۱	حکیم مختار احمد، ۵	الطاف علی بریلوی، ۱
۶۷ — آرزو لکھنوی	۵ خطوط	۶۸۱	محمد علی اثر رامپوری، ۳	سید مسعود حسن رضوی، ۱	شفا گوالیاری، ۱
۶۸ — محمود شیرانی	۷ خطوط	۶۸۵	محی الدین زور، ۱	ڈاکٹر سید عبد اللہ، ۶	
۶۹ — تاجور نجیب آبادی	۱۳ خطوط	۶۹۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۲	شاکر صدیقی، ۶	محمد اظہار الحسن، ۲
			محی الدین زور، ۳		

۹۷ - شاہ سلیمان پھلواری	ایک خط	۸۰۷	سید جعفر شاہ پھلواری ، ۱	
۹۸ - محمد علی ردولوی	ایک خط	۸۰۹	تمکین کاظمی ، ۱	
۹۹ - مولانا عبد الباری	۲ خطوط	۸۱۰	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱
۱۰۰ - جلیل مانک پوری	ایک خط	۸۱۰	حسرت موہانی ، ۱	
۱۰۱ - مہدی حسن	۲ خطوط	۸۱۱	نواب سید علی حسن ، ۱	سید افتخار عالم ، ۱
۱۰۲ - ہوش بلگرامی	ایک خط	۸۱۱	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۱	
۱۰۳ - کشن پرشاد کول	۲ خطوط	۸۱۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۰۴ - شمیم بھرت پوری	ایک خط	۸۱۳	احسن مارہروی ، ۱	
۱۰۵ - میر نثار علی شہرت	ایک خط	۸۱۳	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۱۰۶ - خوشتر محمد ناظر	ایک خط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۱۰۷ - غلام احمد مہجور	۳ خطوط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۳	
۱۰۸ - مولانا رشید احمد گنگوہی	ایک خط	۸۱۶	نامعلوم ، ۱	
۱۰۹ - مولوی بشیر الدین	ایک خط	۸۱۶	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱	
۱۱۰ - مولانا عبد الباری آسی	۲ خطوط	۸۱۶	زاہدہ بیگم ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۱۱ - مولانا آزاد سبحانی	ایک خط	۸۲۰	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱	
۱۱۲ - پنڈت شیو نرائن شمیم	۳ خطوط	۸۲۰	منشی محمد دین فوق ، ۳	
۱۱۳ - میرزا ثاقب لکھنوی	۲ خطوط	۸۲۲	طاہر فاروقی ، ۲	
۱۱۴ - بیخود موہانی	ایک خط	۸۲۳	دل شاہجہانپوری ، ۱	
۱۱۵ - آزاد انصاری	۲ خطوط	۸۲۳	میاں محمد صادق ، ۲	
۱۱۶ - مولوی عنایت اللہ	ایک خط	۸۲۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ۱	
۱۱۷ - مولوی نور الحسن نیّر	۳ خطوط	۸۲۸	سید مسعود حسن رضوی ، ۳	
۱۱۸ - مولانا حمید الدین فراہی	ایک خط	۸۳۰	نامعلوم ، ۱	
۱۱۹ - میر ناصر علی	ایک خط	۸۳۰	ڈاکٹر غلام یزدانی ، ۱	
۱۲۰ - مرزا ہادی رسوا	۲ خطوط	۸۳۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۱	مسعود حسن رضوی ، ۱
۱۲۱ - بے نظیر شاہ	۲ خطوط	۸۳۲	سر امین جنگ بہادر ، ۱	سر راس مسعود ، ۱
۱۲۲ - شفق عماد پوری	ایک خط	۸۳۴	کیفی چریاکوٹی ، ۱	
۱۲۳ - ڈاکٹر ضیاء الدین	۲ خطوط	۸۳۴	مولوی محمود احمد عباسی ، ۱	مولوی بشیر الدین ، ۱
۱۲۴ - مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۳ خطوط	۸۳۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	الطاف علی بریلوی ، ۱ غلام رسول ، ۱
۱۲۵ - سید طفیل احمد منگلوری	ایک خط	۸۳۷	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	
۱۲۶ - مولانا ظہور احمد وحشی	ایک خط	۸۳۷	نامعلوم ، ۱	
۱۲۷ - مولانا عبد الماجد بدایونی	ایک خط	۸۳۸	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱	
۱۲۸ - مولوی سید ممتاز علی	ایک خط	۸۳۹	نامعلوم ،	
۱۲۹ - سر سید رضا علی	۲ خطوط	۸۴۰	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۳۰ - منشی نوبت رائے نظر	ایک خط	۸۴۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	
۱۳۱ - عبد اللہ یوسف علی	ایک خط	۸۴۳	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۱	

غالب

سرسید

محمد حسین آزاد

امیر مینائی

مولوی بشیر الدین

صفیر بلگرامی

نواب محسن الملک

نواب وقار الملک

داغ

ڈپٹی نذیر احمد

مولانا شبلی

مولانا حالی

مولانا حبیب الرحمن شروانی

شاد عظیم آبادی

مولانا شرر لکھنوی

امداد امام اثر

مولانا گرامی

ڈاکٹر اقبال

سر عبدالقادر

اکبر الہ آبادی

مولانا راشد الخیری

مولانا محمد علی

مولانا ظفر علی خان

سید علی بلگرامی

میر ناصر علی

مہدی افادی

احسن مارہروی

دتاتریہ کیفی

حسن نظامی

سجاد حیدر یلدرم

پریم چند

فرحت اللہ بیگ

سیماب اکبر آبادی

ڈاکٹر تاثیر

سلطان حیدر جوش

اختر شیرانی

۳

طلوع

جناب، السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے روایتی ہی انداز میں یوں بات شروع کروں۔ "یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے" آپ کی خیریت بے شک مطلوب ہے مگر یہاں سب خیریت ہے۔ اس کا مجھے کچھ علم نہیں، اپنی [illegible] کہاں ہی۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مشاہیر کے خطوط جلد پیش کروں گا۔ جلد پیش نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوئی۔ شرمندہ ہوں جیسے جیسے دن گزرتے گئے، میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ اگر آپ کو یقین آ سکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کئے ہیں۔ واضح رہے دن رات کا فقرہ میں نے بطور محاورہ استعمال نہیں کیا ہے۔

میں نے ان خطوں کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے سے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ یوں سمجھئے کے دروازے پر چلتا چلتا نیم جان ہوگیا۔ مگر جزو میں کمی واقع نہ ہوئی۔

چھپنے چھپانے میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی۔ مگر اس کمبخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر۔ اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لئے کی ہو تو مجھے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔

چاہئے تو یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں جتنے خطوط پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کروں۔ واقعی یہ ضروری بات ہے مگر اس ضروری بات کی وضاحت کے لئے کم از کم بھی پچاس صفحے درکار ہوں گے۔ اتنی ضخامت میں اور پچاس صفحوں کا اضافہ کروں۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میرا مخاطب خوب پڑھا لکھا ہے اور اسے رہبری کی ضرورت نہیں۔

خطوط کے اب تک کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ گویا یہ صنفِ ادب کچھ زیادہ مُردہ نہیں ہے۔ غالب، سرسید، محمد حسین آزاد، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، مہدی افادی، اقبال، نیاز فتحپوری اور ابوالکلام کے مکاتیب کے مجموعے آپ کے سامنے ہیں۔ اُن میں میری بھی یہ ایک مخلصانہ کوشش شامل کر لیجئے۔

خطوط صرف ادب و انشا ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتب کی جا سکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا، تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔ اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کر لینے دیجئے کہ میری اس کاوش سے سو سالہ علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ یا مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

میرے نزدیک خطوط کو دلچسپی کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ اُس نے لوگوں کے خط چوری چھپے نہ پڑھے ہوں۔ باپ نے بیٹے کے خط پڑھے، بیٹے نے باپ کے خط پڑھے، ساس نے بیٹی کے خط پڑھے، بیٹی نے ماں کے خط پڑھے اور ویسے خط کس نے نہیں پڑھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کام پر دو برس صرف کر دیئے ہیں۔ مگر اتنا عرض کر دوں۔ یہ کام دس برس کا تھا۔ جسے میں نے دو برس میں کیا ہے۔ اگر مجھے عمرِ مستعار پر اعتبار ہوتا، تو میں آپ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کام پر دس ہی برس صرف کرتا۔ تاکہ میری اس سے زیادہ ڈھارس بندھتی، اس سے زیادہ سکون نصیب ہوتا۔ مگر زندگی کا اعتبار ہی کیا۔

لیجئے اب اجازت دیجئے۔ میری یاوہ گوئی تو ختم ہوئی۔ کچھ اپنی بھی تو کہئے۔

آپ کا
محمد طفیل

تصریحات

۱ — اپنی دانست میں، ہم نے تمام خطوط غیر مطبوعہ جمع کئے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲ — ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں، وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا۔ اُسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳ — اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط، اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اس نمبر میں میرے نزدیک ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے چاہا ہے کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴ — ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خط نہ چھپیں، جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا دیکھیں تو، یا ایسے خط، جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے سنسنی خیز مکتوبات کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵ — بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ مثال کے طور پر محسن الملک، منشی ذکاء اللہ، داغ اور راشد الخیری کے (عکسی) خطوط پڑھ کے دیکھ لیں۔

۶ — ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (بہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوں کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوں پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصّہ کے آخر میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ عکسی خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔

۷ — ہم نے زیادہ معروف ادبا و شعرا کے عکسی خط پیش کر دیئے ہیں۔ اگر زیادہ اخراجات کا خوف نہ ہوتا، تو یہ سارا نمبر ہی عکسی خطوط میں پیش کر دیا جاتا۔ چند مشاہیر کے خطوط کو ضرورتاً REDUCE کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اصل خط اس سے ڈیوڑھا سمجھ لیجئے۔ ایسے مشاہیر کے نام یہ ہیں: سرسید، حالی، حبیب الرحمٰن شروانی، مولوی عنایت اللہ، ظفر الملک اور غلام بھیک نیرنگ۔

۸ — اس نمبر کی دو جلدیں ہیں۔ ان جلدوں کو الگ الگ کرنے کا جواز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نمبر کی ضخامت کو بانٹ دیا جائے۔ کسی اصول اور ضابطہ کے تحت اس کی تقسیم ممکن نظر نہ آئی۔

۹ — ترتیب میں اس نمبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ۱ میں اُن مشاہیر کے خطوط ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی۔ نمبر ۲ میں اُن ادیبوں کے خطوط ہیں جن کی تعداد نسبتاً کم تھی یا جو بعد میں ملے۔ اس ترتیب سے بھی میرے نزدیک خطوں کے معیار اور اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں۔ نمبر ۳ میں صرف چند زندہ ادیبوں کا ایک ایک خط شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ نمبر بھی اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ پروگرام کے مطابق زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمایہ کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

۱۰ — ہم نے میراجی، منٹو اور مجاز کو زندہ ادیبوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم انھیں پہلے جگہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے یہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہوں۔

۱۱ — اس نمبر میں خطوط پر مقالات بھی ہیں تاکہ یہ نمبر کسی جہت سے تشنہ نہ رہے۔ مشاہیر ادب کے مختصراً حالات زندگی پر بھی ایک کار آمد مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مرتبہ کا بھی کچھ نہ کچھ اتہ پتہ ملتا جائے۔

۱۲ — رئیس احمد جعفری صاحب کے ارشاد اور پھر اصرار پر میں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ جب مشکلیں بڑھیں تو مولانا غلام رسول مہر، مولوی محمد عبد اللہ قریشی، ڈاکٹر محمد اکرام، ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے میری دستگیری فرمائی۔ مجھے سہارا دیا۔ اور مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی نے خطوط کی نقول اور پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی۔ میں ان سب حضرات کے احسانات کا شکریہ ادا کروں تو کس طرح کروں۔ صرف چند الفاظ ان کرم فرماؤں کی عملی محبت کا جواب نہیں ہو سکتے۔ آخر میں میں نے اپنے دوستوں کے عنایت فرمائے ہوئے خطوط کی نام بہ نام فہرست بھی چھاپ دی ہے (اس میں زندہ ادیبوں کے خطوط کی فہرست شامل نہیں ہے) اس فہرست میں سے بیشتر خطوط پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ خطوط بر وقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آئندہ سہی۔

(محمد طفیل)

علم و ادب میں خطوط کا درجہ

غلام رسول مہر

اس حقیقت سے غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار و خیالات اور ان عواطف و امیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے جو شخصیت کے قلب و دماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔ ان میں سے صرف تھوڑے ہی عمل کا لباس پہن کر محسوس و مشہود شکل میں منظرِ عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اکثر ضروری اسباب کے فقدان یا موانع کی فراوانی اور مساعدت کی ناسازگاری کے باعث بطونِ قلب و دماغ ہی میں مصروفِ سیر و گردش رہتے ہیں یہاں تک کہ آخری منزل پیش آ جاتی ہے۔ بلکہ اعمال کی حقیقی حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تو ہمیں انسان کے افکار و احساسات ہی کا پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قصد و نیت کے اندازے کی اور کوئی تدبیر نہیں۔ کائناتِ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور فطرت کے ماہر ترین نباض صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محتاجِ تشریح نہیں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔

لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف و امیال کلاً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے؟ سائنس کی پرواز انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی، حتیٰ کہ چاند تک سفر کے راستے میں سنگ ہائے میل نصب ہونے لگے تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار و احساساتِ شبانہ و روزانہ کا مکمل خاکہ تیار کرتا رہے۔ ایسا کوئی کیمرا اب تک تیار نہیں کیا جا سکا جو بواطن کی گہرائیوں کے اسرار و رموز کی مرئی تصویریں لے سکے۔ زمانے کے مصریوں نے ممی کے ذریعے سے مردہ جسموں کو محفوظ کر دینے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا اور ہزاروں سال پیشتر کی حنوط شدہ لاشیں آج عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے حیرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں۔ مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی ہنرمندی انھیں بھی نہ سوجھ سکی۔ پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں، بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں، پھر ہر پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے بے حیف و میل کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔

اس طریقِ تفتیش و فیصلہ کی مشکلات بالکل واضح اور مبرہن ہیں اور ان کی تشریح ضروری نہیں۔ اول سرمایۂ تحقیق کی حیثیت "بضاعتِ مزجاۃ" کی سی ہے، آخری فیصلہ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط و کاوش سے کام لینا لازم ہے، اس لیے کہ ہر مقولے اور ہر تحریر کے محرکات و متعلقات اتنے عریاں اور روشن نہیں جنھیں دو جمع دو چار کی طرح یقینی و قطعی قرار دیا جا سکے۔ ہر سراغ اور ہر کھوج کے لیے بڑی حد تک قیاس کا معیار استعمال کرنا پڑتا ہے اور اس کی درستی و پائیداری پر کتنا ہی اعتماد کر لیا جائے تاہم لغزش و خطا کا امکان بہرحال باقی رہتا ہے۔

پھر خطابت و نگارش کے دائرے میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کے محسوسات و وارداتِ قلب یا افکار و خیالات کا واقعی مظہر ہو۔ بناوٹ اور دوئیت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشتر انسان ڈاکٹر جیکل اور ہائیڈ کی طرح دوگونہ زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ خواجہ شیراز نے تو صرف ایک گروہ کے بارے میں فرمایا تھا جو شومیٔ قسمت سے ہر دور کے شعرا کی رندانہ و قلندرانہ لطیفہ بازیوں کا ہدف بنا رہا ہے:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

حقیقتِ حال پر نظر رکھی جائے تو یہ دو رنگی اور جلوت و خلوت کا تفاوت بلکہ تضاد عجب واعظوں تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے حصے کی صحیح تصویر ہے۔ وہ خلوت و تفرید کی پردہ پوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو تکلفات کا ہر حجاب ان کی شخصیت کے چہرے سے اٹھ جاتا ہے اور جب منظرِ عام پر جلوت رونمائی کی نوبت آتی ہے تو وضع و ساخت کی ہنرمندیوں اور نقش بندیوں سے ان تمام پہلوؤں کو نظر افروز آرائشوں میں چھپا لیتے ہیں، جن کی عریانی و بے تعلقی کو وہ دابِ عظمت اور شکوہ و برتری کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہم اہلِ علم کی تصانیف اور اربابِ خطابت کی سحر کار بلند آہنگیوں کے دفاتر و مکاتیب میں اس غرض سے غواصی کریں تو ممکن ہے کہ ان کے باب میں زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات کے گوہر ہاتھ آ جائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ جو گوہر اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں

پہلوؤں میں سے بعض یا اکثر صرف وضعیت کی جلاکاری کے باعث جگمگا رہے ہوں۔

ہمارے سامنے مختلف زبانوں میں خود نوشتہ سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں ایسے مرقعے بھی یقیناً موجود ہیں جن کے نقاشوں کی راستبازی نظر بظاہر تمام شبہات سے بالا ہے۔ لیکن یہ مرقعے اس علم و یقین کی بنا پر تیار کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی وقت لازماً عوام کے سامنے پہنچیں گے اور ایک مرتبہ شائع ہو جانے کے بعد ان کے کسی نقش کو نہ دھویا اور مٹایا جا سکے گا اور نہ اس پر کوئی نیا رنگ چڑھا دینے سے پہلے نقش کی یاد حافظۂ عوام سے محو کی جا سکے گی۔ لہٰذا کون وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس علم و یقین نے نقاشوں کی وضعِ احتیاط اور شیوۂ حزم پر کم یا زیادہ اثر نہ ڈالا ہوگا اور اس اثر نے راستبازی کی بیرنگی میں اک گونہ وضعیت کی رنگ آمیزی غیر محسوس طور پر نہ کر دی ہوگی۔ غرض نظر بظاہر یہ سرمایہ معلومات بھی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے اس درجہ شایانِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کم از کم وضعیت و ساخت کے اختلاط سے برأت کاملہ کا دعویٰ مشکل ہے خواہ اس کا عمل بیانات میں جاری نہ ہوا ہو اور محض بعض وقائع کے ترک و حذف اور بعض کے اختیار و انتخاب تک محدود رہا ہو۔

تحریر و نگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضعیت و تکلف کے اختلاط و آمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے یعنی بزرگانِ علم و فضل اور اکابرِ حکمت و دانش کے خطوط و مکاتیب جو انھوں نے اپنے عزیزِ دل دوستوں اور نیازمندوں کو لکھے۔ ان کا سرمایہ ہر زبان کے ادبیات میں بڑا ہی گراں قدر اور بیش بہا سمجھا جاتا ہے اور اس ابرِ مطیر کی گوہر باریوں نے خود ہماری زبان کے دامن میں بھی متاعِ شہوار فراہم کر دی ہے۔

ذخیرۂ مکاتیب کے سلسلے میں بھی ایک شبہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی کاتبوں نے سب کے سب نہیں تو زیادہ تر خطوط اس علم و احساس کے ساتھ حوالۂ قلم کیے کہ وہ شائع ہوں گے۔ گویا وضعیت و تکلف کی کارفرمائی اس صنف میں بھی کم و بیش جاری رہی۔ اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب دینا محال ہے، جس سے شکوک و شبہات کا قطعی ازالہ ہو جائے۔ اور میں خود یہاں بھی امکانِ وضعیت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ اسی لئے عرض کیا کہ اس میں تو آمیزش کی کم سے کم گنجائش رہ جاتی ہے۔ یہ نہ کہا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی لیکن یہ بات پیشِ نظر رکھ لینی چاہیے کہ مجموعہ ہائے خطوط ہر صاحبِ قلم کی زندگی کے طویل حصے پر حاوی ہوتے ہیں اور آغاز سے انجام تک وضعیت کی آمیزش کا شبہ ہرگز معقول و پائدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ وجوہ طولِ کلام اور درازیِ سخن کے متقاضی نہیں، صرف بعض اہم امور کی طرف توجہ منعطف کرا دینا کافی ہے۔ مثلاً:

۱۔ کوئی صاحبِ قلم اس وقت تک اپنے خطوط کی اشاعت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا، جب تک وہ شہرت و ہر دلعزیزی میں ایک درجہ حاصل نہ کر لے۔ یہ درجہ اکثر اکابر کو عمر کے خاصے مراحل طے کر لینے کے بعد نصیب ہوتا ہے جب ان کے قلم کی ہر تراوش کے لئے اہلِ ذوق اور عوام میں تشنگی پیدا ہو جاتی ہے اور خطوط نگاری کا سلسلہ ابتدا سے جاری رہتا ہے لہٰذا عقلِ سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ ذخیرۂ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ خطوط نگاری کا آغاز عموماً ان دوستوں، عزیزوں اور دلی محرموں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے ہر راز بے ساختہ کہہ دیا جاتا ہے بعض اوقات اپنے عزائم و افکار کے چہرے سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوست اور عزیز خوش ہوں اور ان کے دل میں اعتبار جم جائے۔ البتہ دائرہ شہرت پھیلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو اجنبی اور نامحرم بھی مکتوب الیہم میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت یقیناً وضعیت و ساخت کی دیواروں کا چناؤ شروع ہو جاتا ہے، لیکن خاصا بڑا سرمایہ اس آمیزش سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ پھر بعض اصحاب خاص محرکات و ہیجانات کی خود فراموشیوں میں بعض مکتوب الیہم تک دل کی باتیں زیادہ سے زیادہ واشگاف انداز میں پہنچاتے ہوئے متامل نہیں ہوتے۔ ایسے مکاتیب کے نمونے ان اکابر و مشاہیر کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں، جنھیں یقیناً احساس ہوگا کہ یہ خود فراموشیاں زمانے کی نگاہوں سے ہمیشہ مستور نہ رہ سکیں گی۔ مثلاً کبھی خاص ذاتی مقاصد کا انجاح مکتوب الیہم سے وابستہ ہوتا ہے اور دل کا بھید صاف زبانِ قلم پر لائے بغیر بات نہیں بنتی۔ کبھی خاص قسم کے جذبات و تاثرات کا سیلِ متلاطم وضعِ احتیاط اور فکرِ مآل کے اس حصار کو توڑ ڈالتا ہے جو انسان کی دانش آرائی اور عاقبت اندیشی تحفظِ شخصیت کے لئے بڑے اہتمام سے تعمیر کر لیتی ہے۔ سیل گزر جائے یا اس کا زورِ تلاطم و تموج ختم ہو کر حالات طبعی صورت اختیار کر لیں تو ممکن ہے ان نگارشات پر پشیمانی کا احساس پیدا ہو، لیکن جو گوشۂ سیرت ایک مرتبہ بے نقاب ہو جائے، پھر اس پر تاویلات دور از کار کے پردے ڈالنا یا معذرت کی تہیں اٹھانا بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ: نوشتہ بماند سیہ بر سفید

ہمارے بعض بلند مرتبت اکابر کے مجموعوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ مثالیں محفوظ نہ ہو جاتیں تو ہم ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی نظارہ آشائی سے محروم رہ جاتے۔ محرمی کی یہ تقریب خطوط و مکاتیب ہی کے ذریعے سے ہمیں میسر آئی، تصانیف کی وضعیت میں اس کا سراغ کب مل سکتا تھا۔

غرض خطوط و مکاتیب ہر شخص کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے نہایت عمدہ اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر و مشاہیر کے خطوط فراہم کرنے کی طرف اربابِ علم و ادب ہمیشہ بہ اہتمام خاص متوجہ رہے اور اس سرمایے کو ادبیات و سیر کا بڑا قیمتی اندوختہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے۔ بعض اکابر کی گراں قدر تصانیف کے مطالعے سے کم تر اصحاب مستفید ہوتے ہیں لیکن مکاتیب کو اس لیے زیادہ ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے کہ ان کے مطالب میں تصانیف کی متانت و یک رنگی کے بجائے تنوع اور بوقلمونی کی گل افشانیاں ہوتی ہیں۔ نیز مکاتیب علم و ادب کے چھوٹے چھوٹے جواہر پارے ہوتے ہیں، جنھیں پڑھتے وقت دماغ پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ استفادہ بیشتر ہوتا ہے اور زحمت کم۔

مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کی اہمیت کے متعلق میری رائے مدت سے یہی ہے۔ جب میرے عزیز دوست محمد طفیل صاحب مدیر "نقوش" نے اپنے گراں قدر رسالے کا ایک ضخیم "خطوط نمبر" مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے تہِ دل سے اس کا خیر مقدم کیا کہ اس طرح ان اہم خطوط کے فراہم ہو جانے کا قوی امکان تھا جو عام حالات میں شاید مرتب ہو کر شائع نہ ہو سکتے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میرے نزدیک خطوط کی افادی حیثیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

طفیل صاحب نے اپنے رسالے کے خاص نمبروں کی ترتیب میں جو درجۂ امتیاز حاصل کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے لیے سعی و اہتمام میں کس حد تک زحمتیں اٹھائیں۔ "خطوط نمبر" کی ترتیب کے بعض مراحل کا علم مجھے بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، اس لیے اندازہ کر سکا ہوں کہ اس میں انھیں بدرجہا زیادہ زحمت برداشت کرنی پڑی، لیکن انسان جب کسی کام کا بیڑا اٹھاتا ہے تو اسے بہتر سے بہتر شکل میں انجام دینے کے لیے سعی و ہمت کی عطا شدہ متاع صرف کرنے میں دریغ نہ ہونا چاہیے۔ یہی تقاضائے ذمہ داری ہے اور یہی شیوۂ مردی ہے۔ باقی رہا مسئلہ نتائج تو اسے فیصلے کے ذوقِ نظر اور صلاحیتِ قبول کے حوالے کے بغیر کوئی راستہ ہی نہیں۔ سب ہی راستے برکارانی کے لیے مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں نظیری نیشاپوری کا یہ حکیمانہ ارشاد مجھے کبھی نہیں بھولتا:

مشتری گو رد کن و دلال گو در پا فگن
جنس گر خوب است خواہد کرد پیدا قیمتے

آخر میں اتنا اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اردو زبان بہ اعتبار سِن عمر دوسری دیرینہ سال زبانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے اتصال و آمیزش سے پیدا ہوئی۔ ابتدا میں محض بولی تھی، جو مختلف اللسان افراد کی عام ضرورتیں ایک دوسرے تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ بنی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے زبان کی حیثیت اختیار کی۔ پہلے پہل اس نے منظومات کے لیے ایک ایسا لباس مہیا کیا جس نے عوام سے پسندیدگی و دل آویزی کی خاص سند حاصل کر لی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں نثر نگاری کی طرف توجہ ہوئی۔ اس زمانے تک فارسی زبان ہی کو مدارِ علم و فضل مانا جاتا تھا اور بیچاری اردو کے لیے اہلِ علم کی بارگاہِ جلال میں بار یابی کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک کم و بیش یہی حالت رہی۔ بایں ہمہ اردو اپنی ذاتی خوبیوں اور عوام کے طبائع سے حد درجہ غیر معمولی مناسبت و سازگاری کی بنا پر قدم آگے بڑھاتی رہی۔ اگرچہ آج اسے منزلِ بلوغ پر پہنچے ہوئے صرف سو ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں۔ تاہم اس قلیل مدت میں اس کا دامن مختلف اصناف علم و فن کے جن جواہر پاروں سے جگمگا رہا ہے، وہ ان زبانوں کے لیے بھی باعثِ صد رشک ہیں، جو صدیوں سے شہوار سرمایے فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس میں گوناگوں اسالیب و مناہج پیدا ہو گئے اور ہر اسلوب و منہج کی اپنی خاص شان دل آویزی اور منفرد طرزِ دل پذیری ہے۔

اس کی ایک وجہ یقیناً یہ ہے کہ ہمارے وطن نے گزشتہ سو سوا سو سال میں جو نادر العصر مشاہیر علم پیدا کیے، ان میں اکثر کی گوہر باریاں دامنِ اردو ہی کے لیے وقف رہیں لیکن ساتھ ساتھ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو کی وضع و ساخت کے حسنِ خداداد نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور چونکہ یہ عوام کی زبان تھی، اس لیے عوام تک پہنچنے کے ہر آرزو مند کو اس کا سہارا لینا پڑا۔ گویا یہ زبان خود بھی حیرت انگیز تیزی سے آگے بڑھی اور اپنا دامن تھامنے والوں کو بھی ہر دلعزیزی کی انتہائی منزل میں پہنچا دیا۔

مکاتیب و خطوط ہی کے مجموعوں کو لے لیجیے۔ اس زبان میں جسے بہ لحاظِ عمر ہمیں "تازہ واردانِ ہوائے بساطِ دل" میں شمار کرنا چاہیے، اتنا گراں ارز ذخیرہ موجود ہے کہ کہن سالی پر فخر کرنے والی زبانوں میں بھی ویسا ذخیرہ بہ آسانی نہ مل سکے گا۔ پھر اس ذخیرے کا بیشتر حصہ اتنا حسین و جمیل اور اس درجہ خوش پیکر و بدیع الاوصاف ہے کہ ہر صاحبِ نظر اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ یقیناً اس لیے کہ اتنی تھوڑی مدت میں ایسا نادر ذخیرہ فراہم ہو جانا واقعی اردو زبان کا ایک معجزہ ہے۔

یہ موضوع جس جمعیتِ فراغِ خاطر اور فرصت و مہلت کا متقاضی تھا۔ وہ مجھے بعض ذاتی پریشانیوں کی وجہ سے میسر نہ آ سکی۔ بہرحال عزیزی طفیل صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی۔

اُردو خط نگاری

ڈاکٹر سید عبد اللہ

خط تہذیبِ انسانی کے محیر العقول عجائبات میں سے ہے۔ انسان کی یہ اختراع اس کی زندگی کے عجیب و غریب اور ہمہ گیر تقاضوں سے پیدا ہوئی ہے پہلے محض سادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک محدود رہی اس کے بعد جملہ فنونِ عالیہ کی طرح ایک فنِ لطیف — بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔

یہ ایجاد ضرورتِ ابلاغ کی رہینِ منت ہے اور ابلاغ فطرتِ انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے اجتماع خود بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک ابلاغی مظاہرِ حیات ہے۔ انسانوں کا کوئی اجتماع — اور اجتماعی رابطے کا کوئی ذو اضعاف اقل یعنی دو انسانوں کا باہمی معمولی افہام و تفہیم بھی ابلاغ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر صوفیانہ و عارفانہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذاتِ باری بھی ابلاغ کی (از روئے حکمتِ بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے — اور انسانی دائرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدن کی اساسِ اولیٰ ہے جس کے بغیر مدنیت تو درکنار بشریت تک قائم و برقرار نہیں رہ سکتی —!
انسان نے جب مشقت کا آغاز کیا ہوگا تو اسے محسوس ہوا ہوگا کہ بالمشافہ ابلاغ تو ایک قدرتی سا عمل ہے اور اس کے اظہار میں کوئی خاص دقت نہیں مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں ان تک بھی ابلاغی مقاصد کی خاطر پہنچنے کی کوئی سبیل ہونی چاہیے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جن کے فاصلے بعید ہیں جن کی دوری سماعت کے لیے ناقابلِ عبور ہے۔ یا جن کی نزدیکی بھی دوری کے مترادف ہے۔ اس سے مجبور ہو کر ذہنِ انسانی نے اپنی خداداد قوتِ تخیل سے کام لے کر خط ایجاد کیا اور ایک ایسا نیا وسیلۂ اظہار پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوا بیان اور نطق سے زیادہ فصیح اللسان تھا — یہ اس دنیا کی بات نہیں جہاں خموشی بھی گفتگو بن جایا کرتی ہے۔ اور سکوت گویائی کی حریف بن کر بقول نظیری —

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بلکہ اس دنیا کی جہاں گفتگو بہرحال ضروری ہوتی ہے مگر ایسی گفتگو جو زبانی مکالمے سے بلیغ تر ہو۔ مندرجہ بالا شعر پر

مزید غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ گفتگو (بذریعہ زبان) کی نارسائی ایک مسلم سی شے ہے گویا محض گفتگو کے مقابلے میں تو خاموشی بھی زیادہ بلیغ ذریعہ ہے ـــــ لہٰذا تحریر کی بلاغتیں مجرد نطق کے مقابلے میں بے حد و لاانتہا ہیں۔ تفصیل سے بچنے کے لئے اگر صرف ایک دلیل پر ہی کوئی اکتفا کرنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ نطق (یا ابلاغ بذریعہ زبان) بہت رسا بھی ہو جائے تو بھی فاصلوں (مکانی یا معنوی) کی دشواریوں کو طے کرنا اس کے بس کی بات نہیں ـــــ یہاں پہنچ کر وہ منزل بھی آ جاتی ہے جہاں زبان خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو کر بے زبانی کی سپاس گزار بن جانا چاہتی ہے ؂

بناتے زبان محو سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

خلاصہ یہ ہے کہ خط (یا تحریر) کی ایجاد ذہنِ انسانی کے دورِ ارتقا کی ایک اہم ایجاد ہے، یہ اس کی اپنی گوناگوں مجبوریوں سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی ترقی میں سعی اور جدوجہد کو بڑا دخل ہے اسی لئے اس کی فتوحات و فیوض بھی غیر معمولی ہیں ـــــ خط نے انسان کے لئے فاصلے کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ابعاد کی تسخیر کے جو کمالات انسان نے بعد میں دکھائے ان کا پہلا اور اہم قدم یہی واقعہ ایجادِ خط تھا ـــــ گویا دوری کا احساس یا مجبوری ایک اہم چیز ہے جس نے انسان کو گفتگو کے ابہام و ایہام اور اس کے شکوک و شبہات، اس کی تحریف و مسخ اور اس کے ناقابلِ اعتماد ذرائع اظہار سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زبانی ابلاغ ابدالاباد تک نارسا ہی رہتا اور مکالمات کو مشکوک و ضعیف ہی رکھتا دیکھئے غالب کے محبوب نے بھی جس شے کو ہراس انگیز اور مشکوک بنانا تھا اس کو قاصد کی زبان کے حوالے یوں کر دیا ؂

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

عربوں کے تصور میں ایجادِ تحریر کی بنیادی غایت علم و معلومات سے پہلے محض پیغام رسانی اور جذبات یا معاملات ضروری کا ابلاغ تھی یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسمِ تحریر یا تحریر ہی کو "خط" کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورتِ خاص کے لئے جس کو خط و کتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی ـــــ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب و مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانہ میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نویسی قرار پائی ـــــ جو شخص اس زبان و بیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوسروں کے دل و دماغ سے ہے، یا جو شخص ان آداب و رسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط و تعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے۔ اس کو اسلامی ادوار میں اکتسابات و فضائل کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا ـــــ ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت و فضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی ایک اہم کلید ہے چنانچہ ترسل کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں

خیر یہ تو ہوئی سیاسی یا دفتری خط نگاری کی اہمیت۔ عام خط نگاری بھی کچھ کم اہم چیز نہیں۔ یہ انسان کی بنیادی

ضرورتوں میں سے ہے دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس کو کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو ـــ خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری یا بنیادی طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔ اس ادارے کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ محض ایک عام کاروباری پیمانے کی تحریر سے کر ادبِ عالیہ کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے یہ عام بھی ہے اور خاص بھی یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہے مگر اتنی خاص بھی ہے کہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے اور یہ سچ بھی ہے مگر اس سے بھی بڑی علامت کسی کی شائستگی اور تہذیب کی یہ ہے کہ اس کو خط نگاری کا سلیقہ کہاں تک ہے ـــ جان لاک نے مسئلہ تعلیم سے بحث کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار قدرے وضاحت کے ساتھ یوں کیا ہے [1]

When they understand how to write English with due cuonnection propriety and order, and are pretty well masters of a tolerable narrative style, they may be advanced to writing of letters.
The writing of letters has so much to do in all the occurrences of human life, that no gentleman can avoid showing himself in this kind of writing.

آگے چل کر جان لاک نے گفتگو کے مقابلے میں خط کی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور مطلب ہے کہ گفتگو میں آواز، لہجہ، چشم و ابرو کی حرکات، اور اشارے کے دوسرے وسائل منفر سخن کی خامیوں کو چھپا دیتے ہیں اور بعض اوقات بے کار بات بھی اثر کر جاتی ہے ـــ خط ان خارجی وسائل سے محروم ہوتا ہے مگر جو شخص اس کے باوجود خط کو موثر اور بلیغ بنا سکتا ہے وہ درحقیقت ایک شائستہ اور تربیت یافتہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔

خط و کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں مثلاً سیاسی، دفتری، تجارتی، کاروباری، عام تحریری اطلاعاتی، علمی اور معلوماتی، شخصی، جذباتی، خیالی وغیرہ وغیرہ ـــ مگر موجودہ مقصد میں سہولت و وضاحت کے نقطۂ نظر سے ان کو صرف دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) نجی جن کا تعلق ذات سے ہے۔ یہ پرائیویٹ حیثیت سے لکھے جاتے ہیں اور اشاعتِ عام کے لئے نہیں ہوتے۔
(۲) دوسرے وہ جو پبلک ہو سکتے ہیں ـــ ہر خط بنیادی طور پر ایک شخصی اور نجی چیز ہے (ماسوا اس صورت کے کہ

1. Four centuries of letters - by W. B. Scoones viii

کوئی شخص پبلک کو خط کے ذریعے خطاب کرے) اس لئے اصولاً اس کا افادہ نہایت محدود ہوتا ہے ——— مگر عملاً خط جب منظرِ عام پر آ کر مطالعہ کی چیز بن جاتے ہیں تو ادب اور علم کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

خطوں کی سب اقسام اپنی جگہ نفع بخش اور مفید ہیں۔ خطوں سے علمی اور معلوماتی فائدے بھی ہو سکتے ہیں مگر پرانے خطوں کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو خطوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خطوط فن اور ادب کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں اپنی جگہ ہر خط دلچسپ ہوتا ہے مگر ادبی و علمی مطالعہ کی حیثیت سے خطوط کی اہمیت کچھ اس چیز پر بھی ہے کہ ان کا کاتب کون ہے اور مکتوب الیہ کون ——— ؟ اس لحاظ سے خط کا فن ایک شخصی فن ہونے کے علاوہ شخصیتوں کا فن بھی بن جاتا ہے ——— عام طور سے ان خطوں میں زیادہ دلچسپی لی جاتی ہے جن کے طرفین کی شخصیتیں کسی نہ کسی وجہ سے جاذبِ توجہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط کے جو مجموعے ابھی محفوظ رہے ہیں یا رکھے گئے ہیں وہ عام طور سے وہی ہیں جن کا تعلق جاذبِ توجہ شخصیتوں سے ہے۔ یہ مجموعے تاریخ شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے لئے بیش بہا مواد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہر بڑا آدمی (خواہ ادب سے متعلق ہو یا کسی دوسرے شعبۂ زندگی سے) لازماً اچھا خط نگار بھی ہو سکتا ہے ——— خط نگاری تو بذاتِ خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہے۔ خط نگار کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اس کے علاوہ اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے جو ہر اس شخص کے لئے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے ——— مگر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیونکہ اس میں فنی نزاکتوں کی نمو کچھ اس طرح کی مشکل شے ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے ——— عدم سے وجود اس لئے کہ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس اصلاً ادب نہیں بلکہ محض ایک میکانکی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد، ایک خاص آن، خاص گھڑی اور خاص ساعت میسر آجاتے تو یہ ادب بن سکتی ہے ——— مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے یہ شیشہ گری ہے، شیشہ گری ——— اور پھر آئینہ ساز ہو کر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسا آئینہ ڈھال سکتے ہوں گے جس کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں گے اور پھر نظارہ اپنے جوہری ہر ادا کو نیشترِ مژگاں بنا دیں ؎

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فنِ لطیف نہ بھی ہو تب بھی بسا اوقات لطیف بلکہ "لطیف ترین" فن کے درجۂ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے ——— اس لحاظ سے خط نگاری کے فن پر نظر ڈالی جاتے تو اچھی اور باذوق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات خط نگاری کے سلسلے میں یہ ہے کہ ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہیئے جو اس کے لئے

جو وسیع معنوں میں ایک وسیع تر انسانی جذبہ ہے ــــ اسی لیے خط کا نام جب زبان پر آتا ہے تو ایک پراسرار قسم کی جستجو۔ ایک پرلطف سی گدگدی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خط کے مطالعے سے مسرور یا متاثر ہونے کا جذبہ ہر انسان کے لئے یکساں ہے اس لیے دوسروں کے خطوط پڑھ کر ایک حد تک انسان اپنے ہی تجربات کا اعادہ کر رہا ہوتا ہے پھر جب وہ انسانی مزاج اور دل کے رنگا رنگ تاثرات کی طلسم انگیز بوقلمونیوں کو دیکھتا ہے تو کسی ادب پارے کی طرح خطوط سے بھی عام انسانی بوالعجبیوں کے مطالعے سے خیال انگیز مسرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی کہ خطوں میں خالص سچائی اور صداقت کی توقع ہوتی ہے۔ ڈر، خوف، شہرت، نمود و نمائش اور اس قسم کی دوسری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اس "برہنہ صداقت" کے تجربے سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خط کی بنیادی ضرورت یا بنیادی جذبہ ہم کلامی کی تمنا ہے ــــ وہ خط جن کا مخاطب جو کوئی بھی نہیں ہوتا ــــ وہ بھی صورت اور رسم کے اعتبار سے ہم کلامی کی آرزو ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ہم کلامی کا جذبہ ہی ان کو وجود میں لاتا ہے۔ خط بہرحال شاعر کی خود کلامی سے مختلف شے ہے ــــ زندانِ احمد نگر کی تنہائیوں میں جب ابوالکلام آزاد نے کسی سے کلام کرنے کی آرزو کی تو انہوں نے وہ خط لکھے جو ہر چند خود کلامی ہی کی ایک صورت ہے مگر خط ہو کر کسی دوسرے کے نام منسوب ہوتے ــــ قصہ مختصر ــــ خط بنیادی طور پر دو انسانوں کے وجود کا طالب ہے پھر اس میں "غیبیت" یا رازیت کا ایک ایسا تحیر انگیز ماحول بھی شامل ہو جاتا ہے جو ادب میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں سوشل اپیل ہے بھی اور نہیں بھی ــــ! اگر خط نگار کو مناسب فضا مل جائے تو خطوط ایک عجیب و غریب پرمسرت اجتماعی نظام یا "ادارہ" بن سکتے ہیں۔ جن خط نگاروں میں اس فضا کے پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے خط وسیع تر مطالعہ کے وقت زیادہ خوشگوار اور پرتاثیر بن جاتے ہیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے "المکتوب نصف الملاقات" یہ ایک لحاظ سے درست ہے مگر مجھے اکثر محسوس ہوا ہے کہ اس سے خط کے منصب کی قدر سے تنقیص ہوتی ہے۔ کیونکہ محض کاروباری مفہوم سے قطع نظر، ایک مادی ضرورت کی حد تک بھی خط محض نصف ملاقات نہیں ہوتے بلکہ ایک معنی میں پوری ملاقات ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ ملاقات ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ اور کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بلیغ اس سے زیادہ رسا۔ خوشگوار اور مسرت بخش بہرصورت "نصف ملاقات" تو ایک ٹھیٹ کاروباری تخیل ہے ــــ ملاقاتیں بعض اوقات تلخ اور ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی ملاقات کی کوتاہیوں سے بچنے کے لئے خط کی ملاقات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے ــــ زندگی میں بارہا ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں روزانہ اور ہر وقت کی ملاقات کے باوجود بھی حقیقی مسرت اس غائبانہ ملاقات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا موقع خط بہم پہنچاتا ہے بنابریں میں تو خط کو نصف ملاقات قرار دینے میں متامل ہوں، اور اس کو ملاقات کی ایک ارفع صورت قرار دیتا ہوں جس میں جسمانی اور مادی واسطے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں ــــ اور روحوں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے ــــ انسانی شعور کی یہ ایسی معراج ہے جس کی لطیف فضاؤں کی سیر صرف روحوں ہی کے لئے ممکن ہے۔ اجسام کا واسطہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

بااین ہمہ خط ملاقات ہی کا نمائندہ ہوتا ہے جو زبانِ بے زبانی ان سب جذباتِ لطیف اور وارداتِ نازک کی ترجمانی

ے سوانح نگاروں سے ان خطوں کی تعریف بھی کی ہے مگر یہ اتنے تامل کے بعد ہی تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ ان کے سوانح نگاروں کی
دت ہے یہ تعریف دو وجہ سے ہے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ کیٹس کے خط ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ کیٹس کی پرشور جذباتی طبیعت پر یہ خط
بہت روشنی ڈالتے ہیں اس کے سوانح اور اس کی نفسیات کو سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں —— اگر یہ صحیح ہے تو ان خطوں کی یہ تعریف
ان کے فن کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے سوانحی افادے کے سبب سے ہے۔ اگر محض عاشقانہ فریاد ہی کسی خط کے عمدہ ہونے کی
علامت ہے تو پھر ہر عاشق کا ہر خط ایک صحیفۂ فائقہ بن سکنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

یہی حال افسانوی خطوں کا ہے —— بعض افسانوں کے خط واقعی معیاری ہوتے ہیں مگر افسانہ نگار نفسی کوائف کا غواص اور
شناسا ہے کامل ہو کر بھی افسانہ نگار ہی رہتا ہے اور کم از کم خطوں میں وہ قائم مقام ہی رہتا ہے اصل خط نگار تو نہیں بن جاتا۔ ان خطوں میں جذبات
کی قائم مقامی کامیاب بھی ہو تب بھی سچی شخصی خط نگاری کا بدل نہیں بن سکتی۔ ایسی خط نگاری میں قدرے غیر قدرتی پن ضرور در آتا ہے
قاضی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" اپنی رومانی جذباتی چاشنی کے باوجود اور سب کچھ ہو سکتے ہیں کامیاب خط نہیں کہے جا سکتے۔

خطوں کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بہترین خط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ
دیئے جاتے ہیں —— میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت استاد رشید نے پڑھ کر پھاڑ دینے کو کن وجوہ سے اہمیت دی ہے —— مگر میں
تو جانتا ہوں کہ کسی حسین خط کو پھاڑ کر پھینک دینے کی ہمت ہی کب ہو سکتی ہے —— جو خط پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں
وہ شاید ہوتے ہی اس قابل ہے کہ پڑھ کر (یا بعض اوقات بغیر پڑھے ہی) پھاڑ کر پھینک دیئے جائیں —— فن جس خط کو اعلیٰ قرار
دیتا ہے وہ تہذیب نفس اور حسن کلام کا غیر معمولی آمیزہ ہوتا ہے۔ اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاست طبع اور لطافت قلم) کا ایسا
عمدہ امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے درد ہی ان کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا —— خط وہی پھاڑے جانے کے قابل ہوتے ہیں
جن میں ہیجان و طغیان جذبات کا اظہار ہوا ہو اس میں شوق کی بلند بالی یا بے نیازی کا جو تقاضا ہو گا وہ اپنی جگہ درست مگر شوق کے
یہ شور انگیز انداز اصل خطوں کے معیار کو تنزل کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر عاشقانہ مکاتیب ناکام رہتے ہیں اور ان میں ابدیت
کا رنگ نکھرنے نہیں پاتا۔

مقصود یہ کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے کوئی خط اعلیٰ خط نہیں بن سکتا —— عاشقانہ جذبات کے ساتھ
ساتھ لطافت و لوازم کی بھی ضرورت ہے عموماً یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے ادیب خط نگاری میں ناکام رہے ہیں۔ اس
کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ اکثر بڑے ادیب اپنے مخصوص فن میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ خط نگاری کے
معاملے میں کوتاہ قلم سے ہوتے ہیں۔ پھر خط نگاری کا میدان بظاہر تنگ ہے —— ان کو اس کے ادبی امکانات بھی کچھ زیادہ
نظر نہیں آتے "ایک پرزۂ کاغذ" —— چند سطریں —— اور وہ بھی اصولاً کاروباری سی۔ غرض خط کی ہستی بظاہر اتنی حقیر نظر آتی
ہے کہ اس کو اپنی ریاضت و استعداد کا تختۂ مشق بنانے کی کسی اعلیٰ ادیب کو ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خط کی کچھ اور
مشکلات بھی ہیں۔ اول تو ایک عام خط اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایجاز و اختصار کا متقاضی ہوتا ہے۔ خط ایک مختصر صنف
تحریر ہے اور اس کا حسن اس کے اختصار میں نکھرتا ہے۔ لمبا خط لمبی غزل کی طرح بے کیف ہو جاتا ہے خط نگاری میں طول کلام

عیب ہی نہیں تضیع وقت بھی ہے۔ اس لحاظ سے ادیب کے واسطے میں مشکلات کم ہیں مگر خط لکھنے کے لئے مناسب فرصت کی بہرحال ضرورت ہے اور غالب کی سی خط نگاری آلکم فرصت آدمی کر ہی نہیں سکتا اور کامیاب خط نگاری بھی کم فرصت آدمی سے کبھی دل نہیں لگاتی پھر مزاج و طبیعت کا بھی سوال ہے خواہ کسی کا خط دو سطروں پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو مگر طبعی طور پر جو شخص خط نگاری کے لئے سازگار رجحان نہیں رکھتا یا خط کے فن کو خط کے شوق سے ملا کر اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اس کے خط لکھے ہوتے نہیں ہوتے "گھسیٹے" ہوتے ہوتے ہیں ان کو خط نہیں کہا جا سکتا یہ کوئی لمیٹ ہی ہوگا یا کوئی غالب جو خط کو کاروباری رسید بھی بناتے گا اور مشغلۂ فن بھی ——— جو شخص بھی خط کو گھسیٹنے کی چیز نہیں بلکہ لکھنے کی چیز سمجھ کر لکھے گا اس کے خط بہار دانش بھی بننے لگیں گے اور گلدستۂ مسرت بھی! غالب نے تو غزل کی طرح خط کو بھی ایک ادبی مشغلہ بنا لیا تھا ——— اس کے خط انہیں تقاضوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جن سے ان کی غزل پیدا ہوتی۔ غالب نے اپنے نظام زندگی میں خط کو بھی وہی درجہ اور رتبہ دے رکھا تھا جو اس نے اپنی غزل کو دیا ہوا تھا۔ خط نویسی کا یہی شوق تھا۔ جو خارجی محرکات سے آزاد ہو کر ان کے لئے ایک داخلی تجربہ سا بن گیا تھا اور وہ کہا کرتے تھے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اور بعض اوقات تو یہ داخلی تجربہ بالکل ایک طرفہ چیز بن جاتی تھی کہ خامہ فرسائی کا ذوق ان سے کہے جاتا تھا کہ ہاں اور ——— کہاں اور ———

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

خلاصۂ کلام یہ کہ خط بڑا ہی نازک فن ہے یہ کارگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی ——— یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بے کراں بھی ہے یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی ——— اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق پھر بھی دفتر ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا ——— یہ لکھنے والے کے لئے تو محض عرض سخن ہے۔ مگر پڑھنے والے کے لئے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے ——— غرض خط ایک پنہاں راز ہے جس کے مانا کہ سربستہ رہیں تو سینوں کو گہر ہائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشک بار بن جاتے۔

دنیا بھر کے مجموعہ ہائے خطوط کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہی خط دیرپا اور مستقل ادبی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں جن میں طبع انسانی کے بنیادی ذوق کی تشفی کے وسیع تر سامان موجود ہیں۔ خط یوں تو دو چار باتوں کا نام ہے مگر چونکہ خط کا ہیولیٰ فی الحال شخصیت دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے لہٰذا مستقل شہکار بننے کے لئے دانش و بینش کے جوہر کے علاوہ خط میں کچھ وہ چیز بھی ضروری ہے جس کو آدمیت کا رنگ آشنائی کہا جا سکتا ہے تاکہ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہو کہ کسی خط میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اسکی روح مانوس اور شناسا ہے ——— یہی وہ روحانی آشنائی ہے جو ہر اونچے ادب کو زمان و مکان کی حدود سے

سے وسیع کرتی ہے۔ خط میں بھی یہی روحانی آشنائی مطلوب ہے یہ وہی شے ہے جسے انگریزی خطوط کے ایک ایڈیٹر نے Freindliness
سے تعبیر کیا ہے ۱؎ یہ رنگ آشنائی دنیا کے بڑے بڑے خط نگاروں کے مکاتیب میں ہر جگہ موجود ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا خط اپنی بے بنیادی غرض وغایت کے اعتبار سے ایک کاروباری چیز ہے یا ایک مادی ذریعہ ہے
نظام تمدن کا جیسے مثلاً تار یا ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ ۔ — مگر ذہن انسانی نے اس کو تہذیب و تکمیل کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے
کہ یہ بجائے خود ایک فن بھی بن گیا ہے بلکہ اپنے خاص احاطے سے بلند تر اور وسیع تر ہو کر اس کے بہترین حصوں نے بلند ترین ادب میں
بھی مقام حاصل کر لیا ہے — چنانچہ ادب کی تاریخ میں اعلیٰ خط بھی ادبی شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں — مگر اسلامی
تہذیب و تمدن نے خط نگاری کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے مسلمانوں نے خط کو شائستگی اور اعلیٰ تر زندگی کے زاویے سے
دیکھا ہے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو شخص خط کے فن کا ماہر ہے وہ تہذیب کی روح کا حقیقی شناور بھی ہے۔ مسلمانوں
کا یہ تصور بے مقصد نہ تھا اس سے دراصل ان کی اجتماعی نفسیات کے بعض دلکش پہلوؤں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ انہوں نے
خط کے ادارے سے جو دلچسپی لی ہے وہ ان کے بعض بنیادی ذہنی رجحانات اور اساسی روحانی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مسلمانوں
کو غیب اور غیب الغیب سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یؤمنون بالغیب کا ارشاد قرآنی ان کے لئے نادیدہ روابط
کی استواری و پختگی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ یعنی نہ دیکھنے کے باوجود ایک برتر ہستی کا یقین کامل تھا ان کے اس قلبی روحانی اور
جذباتی تعلق نے اسلامی فکریات کے اکثر شعبوں کو بے حد متاثر کیا ہے اور اس سے ان کے یہاں بعض خاص افکار و نظریات کی
بنیاد قائم ہوتی وہ گویا اپنی تربیت اور ذہن کے اعتبار سے کسی غائب از نظر ہستی یا شخص سے رابطہ رکھنے کی داخلی صلاحیت کے مالک تھے
اور خط و کتابت بھی ایک ایسا ہی عمل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے گزشتہ ادبیات میں خطوط و مکاتیب کے وسیع ذخیرے موجود ہیں اور ان کے
یہاں ترسل ایک عظیم علم کا درجہ رکھتا ہے جس کے اصول و معانی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقع پر قدیم خط نگاری پر مفصل تبصرہ
تو بے ضرورت ہے مگر چند اہم رسوم و شرائط کا تذکرہ بے محل نہیں ہو گا — فن میں سب سے پہلے صورت کا سوال آتا ہے پرانی خط نگاری
میں صورت کے حسن و جمال پر بڑا اصرار کیا جاتا رہا ہے اس کے مختلف اجزا کی خوبصورتی، مناسبت اور دلکشی کے لئے خاص اہتمام
کئے جاتے تھے (سادہ اور رنگین خطوں دونوں میں) سب سے پہلے مثلاً سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور سرنامے کی
موزونیت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ بعض اوقات پرانے طریقے کے سرناموں کا استخفاف کرتے ہیں غالباً
بے فکری اور سہل خیالی میں؛ لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مناسب سرنامے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے
خط کا پہلا اثر بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ خط نگاری کے اس لچھے اصول سے بے اعتنائی کا ایک برا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جدید زمانے میں
عام بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی خط کے آداب سے نہیں جانتے؛ اور عموماً خطوں میں جو شے زد ہوتی ہے فرق مراتب، ادب و احترام
یا درجے و رتبے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا سبب اس کا یہ ہے کہ اب لوگ اس تربیت سے محروم ہو گئے ہیں جو پرانے زمانے میں گھر

1. The personal Art - Edited by Philip Wayne vii

اور مکاتیب کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی بہرحال القاب، سرنامے اور خطاب کا سوال بڑا اہم سوال ہے۔ جب اسی میں فرقِ مراتب ملحوظ
نہ رہا تو جذبات اور احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف و نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں، جو کسی قاعدہ دان، مہذب اور
شائستہ سوسائٹی میں از خود بخود نکھر آتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کسی معاشرت کی بہار اپنی رنگ برنگ پھولوں اور کلوں سے
فروزاں ہے یہ صحیح ہے کہ قدیم خط نگاری میں رفتہ رفتہ القاب کی یہ رسم تکلفات و لغویت کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی مگر موجودہ
بے رنگی اور فرقِ مراتب سے بے نیازی بھی بعض اوقات کج خلقی اور درشتی تک جا پہنچی ہے ــــ میرے نزدیک یہ چیز یا تو تہذیبی
مزاج کے بگاڑ کا نتیجہ ہے یا استعداد و لیاقت کی کمی کا ــــ صورت جو بھی ہو بے ربطی عنوان مکتوب نگار کی ذہنی ابتری اور نفسی
خلفشار کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

غرض خط میں خاص اسالیب اور موزوں القاب و آداب و تخاطب و کلام کی مختلف صورتوں کا لحاظ ہی خط کو بے تکلف پیغام
باوا ترسیں کی جیتی جاگتی گفتگو سے فائق تر اور ممتاز تر بناتا ہے۔ ان آداب و رسوم سے خط کے وقار اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ ان
میں سادگی اور خلوص کو برتا جائے محض کاروباری سا انداز کج خلقی کے علاوہ خط کو اس کی سپرٹ سے بھی محروم کر دیتا ہے جو کہ ب
خط کے مدنظر ہے۔

مشرقی خط نگاری کی تاریخ میں حسن صورت کے لئے کیا کیا کچھ اہتمام کئے جاتے تھے اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ
سرگزشت بھی دراصل تہذیب کے مختلف ادوار کی تمدنی مزاج کی تفصیل سے وابستہ ہے ــــ مجھے خطوط کے مختلف ارتقائی
ادوار میں عجیب عجیب تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آتی ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداً خط نگاری میں سادگی، ایجاز و اختصار، مدعا نگاری
خلوص اور مناسبت و موزونیت کے اوصاف کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا جتنا بڑھتا گیا اسی
قدر خطوں میں بھی تکلف اور رنگینی کا عنصر زیادہ ہوتا گیا۔ طویل سرنامے۔ لمبے القاب و آداب۔ طرزِ تخاطب میں بناوٹ اور تصنع اور
"دفتریت" کے انداز نمایاں ہوتے گئے ــــ جن کا خاتمہ اسلوب پر ہوا جس کو غالب نے "محمد شاہی روشوں" کا نام دیا ہے
یہ روش دراصل محمد شاہ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ اس کا سلسلہ عربی ادب کے "دورِ مصنوعیت" سے جا ملتا ہے جس کے اثر میں
کم و بیش سارا ہی فارسی انشائی ادب مدتوں ڈوبا رہا ــــ مصنوعیت کا ایک سبب دفتریت کا غلبہ تھا جس نے خط نگاری کو بری
طرح ملوث اور مجروح کیا اور اس کو بے جا تکلف کے راستوں پر ڈال دیا ــــ گویا عام خط نگاری بھی ترسل (دفتری انشا) کی
غلام ہو کر رہ گئی ــــ خط ایک نجی، شخصی و کاروباری چیز نہ رہی بلکہ رنگین نثر کی ایک شاخ بن گئی۔

ہندوستان کے فارسی ادب میں ترسل کا اولین ممتاز ہدایت نامہ اعجازِ خسروی ہے۔ یہ بھی سادگی سے زیادہ تکلف
اور رنگینی ہی کی تحریک کرتا ہے ــــ کلام میں (بشمول خط) نمکینی کو بڑی اہمیت دیتا ہے ــــ اور کہتا ہے کہ نمکینی کا ذائقہ
ترکوں کو خاص طور سے عطا ہوا ہے مگر یہ نمکینی بھی ایک خاص مرحلے کے بعد صنائع بدائع کی رنگینیوں میں ڈوب جاتی ہے ــــ خسرو
کے بعد فن انشا کے اکثر ماہر اسی رنگینی سے متاثر رہے البتہ ابوالفضل نے خط نگاری کو ایک نئے انداز سے آشنا کیا جس
کو رنگین تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو دقیق اور پیچیدہ ضرور کہا جا سکتا ہے اور ہرچند کہ اس کے نجی خطوط بھی اس کی انشا کے

دوسرے دفتروں میں ہیں سرکاری و دفتری خطوں سے سہل تر ہیں مگر ان کے دقیق ہونے میں شک نہیں ان میں گہرا انفرادی رنگ پایا جاتا ہے لیکن بے بناوٹ بالکل موجود نہیں وہ ابوالفضل کی عظیم شخصیت کے قدم سے نکلے ہیں۔ اور شخصی جزئیات و معاملات کا کثیر عنصر ان میں پایا جاتا ہے اسی لئے ابوالفضل کے خط ادب العالیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی میں اور بھی بڑے بڑے انشا پرداز خط نگار ہو گزرے ہیں مگر یہ مضمون چونکہ اردو خط نگاری سے متعلق ہے اس لئے اس میں ان سب کے تذکرے اور تبصرے کی کوئی گنجائش نہیں ـــ سرسری طور پر البتہ اورنگ زیب عالمگیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جن کا تعلق ہندوستان کی خط نگاری سے ہے ان دونوں مکتوب نگاروں کی خط نگاری کا امتیاز خاص یہ ہے کہ ان میں سادگی، سلامت اور مدعا نگاری کا عنصر بھی ہے اور ان میں مکتوب نگار کی شخصیت کا انفرادی رنگ بھی پایا جاتا ہے خصوصاً اورنگ زیب کے خطوط تو ادب میں بدیں وجہ خاص مقام رکھتے ہیں کہ ان میں مدعا نویسی کے باوجود ادبی شان اور بلاغت کا کمال پایا جاتا ہے۔ برہمن کے خطوں کی بات یہ ہے کہ تکلف اور رنگینی کے رواج عام کے باوجود اس نے خطوں میں سادگی اور مدعا نگاری کو مقدم رکھا اس کے علاوہ اس کی انشا میں معصوم، نرم و ملائم اور تہذیب یافتہ لہجے کی چاشنی ہے ـــ خط کے فن پر اس کو خاص قدرت معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی کاروباری حیثیت کو زوال ہوا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی تو اردو میں مراسلت کا رواج زیادہ ہو کر بڑھتا گیا اور اب عام خط و کتابت انگریزی کے علاوہ اردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اردو خط نگاری کا اولین دور فارسی انداز سے متاثر تھا ـــ وہی القاب و آداب، وہی سرنامے، وہی عنوان، وہی اختتامیے، وہی رنگ انشا، وہی دہی تکلف، وہی رنگینی مگر انیسویں صدی کے ربع اول میں سادگی کا کچھ کچھ میلان پیدا ہو چلا تھا جو انشا نے بے خبر سے ظاہر ہوتا ہے ـــ نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں غالب کے سر ہے ۱۸۴۹ء کے لگ بھگ انہوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز نو نکالی بلکہ خود اردو نثر کو بھی ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔

مرزا غالب کے خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں منفرد امتیازات کے حامل ہیں۔ ان میں مرزا کا رنگ طبیعت بلکہ نجی اور پرائیویٹ زندگی کے انعکاسات بھی شعاع ریزی کر رہے ہیں ـــ ان سے پہلے خطوں میں خلوت کی زندگی کے اشارات کبھی آتے بھی تھے تو چیستان اور معمّے کی زبان میں آتے تھے ـــ اس کے باوجود ایسے خط شاید ہی کبھی محفوظ رکھے گئے ہوں گے جن میں کسی کی بھی زندگی کا کوئی ایسا پہلو آتا ہو گا جو قابل اخفا ہو ـــ مرزا غالب نے اس رسم کو ترک کرکے اپنی زندگی ہی میں اپنے خطوط شائع ہوتے دیکھے اور ان میں دلچسپی لی۔ یہ وہ خط تھے جن میں ذاتی معاملات اور عام مطالب کے علاوہ ان کی زندگی کے ہر قسم کے حالات ملتے ہیں یہاں تک کہ ان کی مے نوشی اور عشق بازی کے تذکرے بھی آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں اس طرح کے اعترافات گناہ نہیں پائے جاتے جس طرح مثلاً ہم مغرب کے بعض لوگوں کے خطوں میں دیکھتے ہیں پھر پردہ داریوں کے اس دور میں مراسلت کی یہ "بے پردگی" بھی بڑی جرأت کی بات ہے غالب کے اکثر خطوط کاروباری معاملاتی تحریک سے زیادہ خط نگاری کے ذوق سے لکھے گئے ہیں ـــ ان کے خطوں میں ہم کلامی کی وہ بے کلاں آرزو موجزن ہے جو کسی طور تسکین نہیں پاتی اور ایسا

ذرا میٹھا غبار میں اِن سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ان کے عام خطوط علمی و تنقیدی موضوعوں پر ہیں مگر جہاں اپنایت اور شفقت و محبت کا رنگ ہے وہاں بھی قدرے بالا دستی کا انداز ہے گو سچ تو یہ ہے کہ شبلیؔ کی بالا دستیاں بھی کچھ بھلی بھلی محسوس ہوتی ہیں ـــــ پھر ان کے خطوں میں خصوصیت زیادہ ہے۔ مکتوب الیہ کے متعلق خاص باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے عمومی انداز میں دوسرے لوگوں کو ان کے مطالعہ سے بنیادی انسانی رفاقتوں کی مسرتیں ذرا کم ہی میسر آتی ہیں مگر خطوں کی زمین اتنی ملائم اور شاداب ہوتی ہے کہ سارا خط ایک قطعۂ چمن معلوم ہوتا ہے۔ مخاطب کے ذوقی تقاضے ہی اتنے مدنظر رہتے ہیں کہ خط میں مکتوب الیہ کے لئے تلخی بھی ہو تو بھی اس کے لئے بڑے مزے ہیں ـــــ بعض بزرگوں نے خطوط شبلیؔ کو چھاپ کر شبلیؔ کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مگر یہ بھول گئے کہ ہر زمانے کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے یہ شبلیؔ کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو زمانہ اچھا ملا ـــــ کیونکہ موجودہ زمانے کو تو شبلیؔ کی یہ ادا کچھ اور بھی اچھی لگی بالفرض اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو شاید شبلیؔ کے یہ راز ان کی رسوائی کا سامان بنتے یا بنا تے جاتے ـــــ مگر اس دور میں تو یہ بے نقابیاں اور بے حجابیاں رنگین مزاج شبلیؔ کے قصے کو کچھ اور بھی رنگین بنا گئیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خط نہ بھی چھپتے تو بھی شبلیؔ کی جذباتی تشنگی کے راز تو "شعر العجم" کے انداز بیان سے ہی کھل جاتے ہیں۔ اس لئے "شعر العجم" کا مصنف اگر خطوط شبلیؔ کا ہیرو بھی نکلا تو چنداں تعجب نہ ہوا ؎

گرچہ تمی طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

سرسید کے گروہ میں حالیؔ کے خطوط بھی ان کی سادہ اور متوازن شخصیت کے آئینہ دار ہیں ان کے خطوں میں خوش مذاقی اور مدعا نگاری کا پر لطف آمیزہ موجود ہے ان میں شخصی اوقات کم ہے۔ مکتوب الیہ کا لحاظ زیادہ نمایاں ہے۔ حالیؔ کے خط ان کی ذات سے زیادہ ان کے مکتوب الیہ کے حالات اور ذہنی کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صاف بیانی اور قطعیت، سادگی کے ساتھ آمیز ہو کر ان کے خطوط کو معنی دار بنا دیتے ہیں ـــــ بعض فاضل ناقدوں نے حالیؔ کے مزاج کی خشکی کا گلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خط پڑھ کر مکتوب الیہ کو اطمینان بخش پیغام تو مل جاتا ہے مگر دل میں جوش پیدا نہیں ہوتا ـــــ لیکن اس سے انکار نہ ہوگا کہ حالی کے خطوں کے مطالعہ سے تہذیبی کشادگی اور وسعت کی ایک فضا ضرور پیدا ہوتی ہے ـــــ ان کے خط دو آدمیوں کی ذاتی ملکیت تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ نفع عام ذوق عام کی چیز بن جاتے ہیں ـــــ حالیؔ کے خط دراصل سرسید کی طرح محض مقصد کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں غالبؔ کی سی آرزو تے ہم کلامی اور شبلیؔ کا سا جوش حیات نہیں جس کا ظہور رفاقتوں کے جذبات اور تقاضوں کی آبیاری سے ہوتی ہے حالیؔ کی زندگی ہی ایک ایسی جوئے نرم رو سے مشابہ ہے جس کی موسیقی کی دھنیں خاصی نرم اور مدھم سی رہتی ہیں۔ حالیؔ کے مزاج کا تنزل ان کے خطوں میں کم منعکس ہوا ہے۔ ان کے یہاں خود نمائی نہیں ـــــ ان کے خطوں میں حقیقت کی پر خلوص سادہ بیانی ہے ـــــ انہوں نے خط کو زن کا تماشا بنایا ہے نہ سخن کا پردہ یعنی ان کے خط زن ہیں نہ

سخن مختصر خطوط میں ہمارا اپنا اصلی فرض (مدعا کا ابلاغ) نہایت اچھی طرح انجام دیتے ہیں، اور اس سے زیادہ حالی کا ان سے کوئی مطالبہ بھی نہیں۔ نہ ہم اس سے زیادہ ان سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سرسید کے زمانے سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کے دور تک کے کئی اکابر کے مکاتیب مجموعے شائع ہو ستے ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے لکھنے والے اور ہر مزاج کے خط نگار سامنے آسکتے ہیں۔ ان میں داغ دہلوی، امیر مینائی، شوق قدوائی، ریاض خیرآبادی، سید ناصر علی وغیرہ کے خطوں میں جدا جدا لذتیں اور جدا جدا مسرتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض ادبیت پر زور دیتے ہیں بعض شخصی جزئیات کے ابلاغ کو مد نظر رکھے رہے ہیں بعض مکتوب الیہ کے پاس خاطر اور دل جوئی کو باقی ہر شے پر مقدم جانتے ہیں۔ ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب میں رنگِ قدیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی ذرا ذرا تکلف زیبائش و آرائش کا خاص خیال شخصی جزئیات کم گرا رہی ذوق کی زیادہ احتیاط شعر کا برمحل مگر فراواں استعمال، مکتوب الیہ کے رتبے کا خاص لحاظ اور اپنے سے زیادہ اس کی دلداری اور فرحت کا خیال پھر یہ خاص کوشش کہ خط کا کوئی لفظ ترکِ عار یا ترکِ موزن کی حد تک بھی پہنچ نہ جائے ـــــ اور یہ قدیم مجلسی اخلاق کا بنیادی عقیدہ تھا۔ ؎

اگر چشم خطا بینی بہ بخشند
زمینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

اس دور میں البتہ القاب و آداب میں نیا رنگ آگیا ہے یعنی ان میں اختصار پیدا ہوا ہے اور اغلبًا یہی بھی بس حد مناسب کے اندر ہی امیر مینائی اپنے مختصر القاب میں کبھی کبھی سجع و قافیہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر پر لطف طریقے سے مثلاً سعادت ضمیر، پیارے ضمیر یا عزیز از جان من منشی ضمیر حسن وغیرہ۔

اس دور کے خط نگاروں میں ریاض خیرآبادی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ـــــ ریاض کے خطوں میں ان کی اپنی شخصیت کے داخلی رنگ کھلتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں غالب کی سی بو باس ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"سرکار کی طرف سے یہ پرورش کیا کم ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور دن رات دعائیں دیتا ہوں یہ مستزاد بر آں کہ اللہ نے آپ سے محبت والے کو مجھ بے آس کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ کی ہر چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہوں اور خوش رہتا ہوں آپ کو دیکھ کر سب فکریں دور ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ...."

اس اقتباس میں سوائے "یہ مستزاد بر آں کہ" کے سوا باقی کسی قدر غالب کے تیور ہیں۔ ان کے خط عمومًا مختصر مگر جچے اور ضرورت پڑے تو مناسب طوالت بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ لمبے خطوں میں طبیعت کچھ زیادہ ہی کھلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں ادبی چاشنی کچھ زیادہ تیز ہے ـــــ مکتوب الیہ سے زیادہ وہ اپنی طرف متوجہ ہیں۔ ہاں کبھی کبھی جو خیال آتا ہے تو ایک آنکھ اس کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں، وہ شعر کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب کرتے ہیں تو برمحل۔

اکبر الٰہ آبادی کے خطوط دلچسپ بھی ہیں اور مختصر بھی۔ اختصار کی خشکی ظرافت سے اور اکثر موقعوں سے اپنے ہی اشعار سے دور کر جاتے ہیں ـــــ ایک خط ملاحظہ ہو۔

"برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ

افسردگیٔ طبع روز افزوں ہے۔ شاید کچھ کہا بھی ہو تو یاد نہیں ؎

پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں

زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

ارادہ ہے کہ آخر اگست میں لکھنؤ میں حاضر ہو جاؤں

آپ کی محبت اور یاد آوری کا ممنون"

اکبر

جوانی کے خط نسبتاً لمبے ہیں مگر رفتہ رفتہ اختصار پسندی کی طرف میلان ہے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے خط محض مجبوراً لکھتے ہیں۔ خط ان کے لئے جذبات کی "رہائی" کا نام نہیں۔ یہ کام وہ اپنی شاعری سے لیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں بحث و مذاکرہ کی نوبت آجاتی ہے تو استدلال کی تکمیل اور مخاطب کی تشفی کے لئے طویل نویسی سے بھی دریغ نہیں چنانچہ خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے خطوط معمول سے زیادہ طویل ہیں۔ اس دور کے باقی خط نگاروں کی بھی اپنی اپنی خصوصیات ہیں مگر یہ مضمون ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنگِ عظیم اوّل کے بعد ذہن و فکر نے جو نئے انقلاب قبول کئے ان سے خط نگاری بھی متاثر ہوئی۔ یہ دور ۱۹۳۶ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سرسید کے دور کی کلاسکی منطقی اور افادی رُوح کے خلاف ایک جذباتی و رومانی ردِ عمل ہوا اس کے بڑے علمبردار ابوالکلام اور اقبال تھے۔ اس قافلے میں جدا جدا حیثیتوں سے مہدی الافادی، نیاز فتحپوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی، رشید احمد صدیقی اور کئی دوسرے اہلِ قلم بھی شامل ہوتے گئے البتہ سرسید کا رنگ بھی کہیں کہیں قائم رہا اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب اور خط نگار مولوی عبدالحق ہیں۔

اگر اس دور کی خط نگاری میں منفرد اسلوب کے مالک مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ممکن ہو سکے گا ——— مہدی، نیاز، سید سلیمان اور عبدالماجد کے خطوط میں بھی انفرادیت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ممتاز ادبی خصائص کا عکس ان کے خطوط میں بھی موجود ہے۔ مگر سابق الذکر دو بزرگوں کی خط نگاری فن کی تاریخ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصاص کے اس نقطۂ عروج پر پہنچی ہے جہاں ادب کی بین الاقوامی سرزمین نمودار ہو رہی ہے ان کے خطوط کا جو سلسلہ "مکاتیب ابوالکلام" کے نام سے ادبستان لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں بعض خطوط ۱۹۱۲ء کے بھی ہیں (ایک سلسلہ کاروانِ خیال بھی ہے) ان خطوط میں ابوالکلام کے اس دور کی شخصیت جلوہ گر ہے جس میں ان کا جوشِ حیات عین عالمِ شباب میں تھا۔ اور ان کی تحریر کا دریا بھی چڑھاؤ پر تھا ——— الہلال (دورِ اوّل) کے انداز ان کے ان خطوں میں نمایاں ہیں۔ جوش، خطابت، کہیں سادگی، کہیں اغلاق، اختراع و ایجاد، الفاظ و معانی ——— عربیت، عالمانہ طرزِ تخاطب، عربی کے اشعار، قرآن و حدیث کے اقتباسات، فارسی کے اشعارِ نغز ——— جذباتی خطیبانہ اور

ہیجانی طرزِ بیان، نثر کی شعریت خیال کی رنگینی ـــــ مخاطب کو اپنے ساحرانہ طرزِ تکلم کے طلسم سے مبہوت رکھنے کے ڈھنگ ـــــ غرض رنگِ ابوالکلام کی سبھی سحر آفرینیاں ان کے مکاتیب میں موجود ہیں ـــــ ان کے معمولی کاروباری اور معاملاتی خط بھی کاروباری معلوم نہیں ہوتے ـــــ ان میں بھی سپردگی اور دل گرمی اور مخاطب سے لگاؤ کی صفات پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خط نگاری کو "غبارِ خاطر" کے خطوط سے بڑی شہرت حاصل ہوئی ـــــ یہ خطوط ۱۹۴۳ء میں منظرِ عام پر آئے اور اس دور سے متعلق ہیں جب مولانا قلعہ احمد نگر میں اسیرِ فرنگ تھے ـــ ان کا مخاطب کون ہے بظاہر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ـــ مگر ان خطوں کے مطالب خصوصیت کی تنگنا میں محدود نہیں کئے جا سکتے ـــــ ان کا مخاطب مشرق و مغرب اور حال و مستقبل کا ہر قاری ہے ـــــ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خط نگار خود ہی اپنا مکتوب الیہ بھی ہو ـــــ بہرحال یہ خطوط بہت مقبول ہوئے ان کے قبولِ عام کا دائرہ ایک لحاظ سے تذکرہ اور الہلال سے بھی وسیع تر نکلا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط میں طرزِ ابوالکلام کے لطیف ترین نقوش ملتے ہیں ـــــ وہ شخصی رنگ جو ان کی دوسری تحریروں میں چھپ چھپا کر رونمائی کر لیتا تھا اب اس کو قلعہ احمد نگر کی تنہائیوں میں کھلنے کا خوب خوب موقع ملا ـــــ ان کی دوسری تحریروں میں گل و سنبل یا سبزہ و گل کے ساتھ خار و خس بھی کھٹکتے ہیں۔ جوشِ خطابت اور زورِ کلام کے سیلاب میں جو کچھ سامنے آتا ہے موجوں کے پردوں پر اڑتا۔ تیرتا نظر آتا ہے مگر غبارِ خاطر میں گل ہی گل ہیں۔ یہاں آزاد کی طبیعت کا باغ سدا بہار ہے یہاں بات کا انداز نسبتاً سادہ۔ بیانِ واقعات میں خوش بیانی، خوش مذاق گفتگو کرنے والے کی سلاست، کہانی کی طرح کی دلچسپی ـــــ اس میں جا بجا خیابانِ فارس سے لائے ہوئے ارمغان۔ بہترین و منتخب اشعار جن میں انسانی ذہن و فکر اور دانش و بینش کا خلاصہ سمٹ آیا ہے۔ سبحان اللہ! اگر یہ غبارِ خاطر ہے تو پھر شمیمِ گل کس بلا کا نام ہے۔

غبارِ خاطر کہنے کو خطوط کا مجموعہ ہے مگر ان کا پیغام والا حصہ اتنا برائے نام ہے کہ ان کو خط کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ یہ خطوط شخصی اور خیالیہ EASSAY ہیں جن میں زیادہ تر اپنی ہی ذات مرکزِ توجہ ہے۔ ان میں کاتبِ خط مخاطب کے لئے اپنے ماحول کے متعلق بہت کچھ سیراب و شاداب معلومات بہم پہنچاتا ہے ـــ مگر ایسی جن میں مکتوب الیہ کے متعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں ـــ بس اپنی ہی شخصیت اور ماحول کی رنگین اور خیال انگیز تصویر کشی ہے ـــ غالب کے یہاں بھی اس قسم کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ مگر غالب ایک باقاعدہ خط نگار تھے۔ یعنی ان کے لئے سلسلۂ مکاتبت تفریح سے بڑھ کر فن اور فن سے گزر کر جزوِ زندگی تھا ـــ ان کے خطوں میں مکالمہ ہم کلامی یا ہم کلامی کی آرزو ہے ـــ ابوالکلام کے خط خود کلامی کے سرچشمے سے فیض یاب ہو رہے ہیں ان کو کسی خاص مکتوب الیہ کے سہارے کی ضرورت نہیں ـــ ابوالکلام کے خطوط کے جتنے مجموعے نظر سے گزرے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام خط نگاری میں دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ مختصر خط کی بے ذوقی اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کوئی راہِ فرار نہ نکل سکے۔ ان کے اکثر خط مناسب طول کے مالک ہیں ـــ دوسری بات یہ کہ ان کے نزدیک خط محض ابلاغ میں سے ایک لطیف ترین فن ہی نہیں بلکہ وہ اسے اعلیٰ درجے کے مجلسی ذوق اور حسنِ معاشرت کا نمائندہ بھی سمجھتے ہیں ـــ مولانا ابوالکلام کا شوقِ تنہائی اور خلوت سے ان کی محبت کا راز تو سبھی کو معلوم ہے مگر وہ اس تنہائی سے خط کے جلوت کدے میں جب نکلتے ہیں

زندگی کو نصف ملاقات ہی نہیں رہنے دیتے بلکہ اس کو پوری ملاقات کی مسرتوں سے لبریز کر دیتے ہیں وہ دوسروں کے بھی شاداب اور بھرپور خطوط وصول کر کے خوش کلام اور لذت یاب ہوتے ہیں مولانا سید سلیمان کو ایک خط میں لکھتے ہیں! ـــــ "آپ کے دلچسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا" [۱] اور اس پوری ملاقات سے مراد سید صاحب کا وہ خط تھا جو دلچسپ تھا اور مفصل بھی۔ وہ خط جو کسی تشنہ ہی رکھے ابوالکلام کے بلا آتشام ذوق کے شایان نہیں ـــــ ان کے اپنے خطوں میں بھی اس کی پوری احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ابوالکلام آزاد کے اس منفرد طرز نے اردو ادب اور اردو خط نگاری دونوں کو متاثر کیا ـــــ اس سے ایک بار پھر اس مختصر نویسی اور تشنہ خط نگاری کے خلاف ایک ردعمل پیدا ہوا جو دور سرسید کے منطقی اور افادیت پسند ذہن کے زیر اثر رواج پذیر ہو چکا تھا اور اب خط پھر مادی افادیت کے دائرے سے نکل کر جذبے اور تخیل کے دائرے میں داخل ہوئے۔

مولوی عبدالحق نثر نگار، مدیر، محقق، ماہر لسانیات اور بلیغ خط نگار کی حیثیت سے ایک منفرد شخص ہیں۔ وہ کثرت سے خط لکھتے ہیں اور اچھے خط لکھتے ہیں ان کا ہر خط اپنی سادگی اور بلاغت کے لحاظ سے ایک ادب پارہ ہوتا ہے ـــــ ان کے خطوط خاص بیفائی اور کاروباری ہونے کے باوجود ادبی شان رکھتے ہیں۔ بے تکلف بول چال کا انداز اور صرف کام کی بات ان کا امتیازی وصف ہے۔ ـــ انشا پردازی اور زیبائش و آرائش سے یکسر خالی! وہ ادائے مطلب پر اس قدر قادر ہیں کہ حیرت ہوتی ہے وہ اپنی ذات کو خواہ مخواہ تماشہ نہیں بناتے۔ نہ مکتوب الیہ کو خطابت سے متاثر کرتے ہیں ـــــ اپنے جذباتی لمحات کے پیچیدہ احساسات سے مکتوب الیہ کو بالکل گرفتار نہیں کرتے ـــــ ان کے خط ان کی عملی زندگی کے مصور اور ترجمان ہیں ان کی خلوت کی زندگی اگر کوئی ہے بھی تو وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ان کی جلوت و خلوت برابر ہے مولانا حالی اور سرسید کی دعا گوی کے کامیاب ترین وارث وہی ہیں۔ شبلی کی طرح ان کے خط ایک تحریک کے داعی اور کارکن ہیں۔ ان کے خط طول کے معاملے میں صرف مناسبت کے پابند ہیں۔ ضرورت ہو تو لمبے، ضرورت نہ ہو تو چند سطریں۔ ان کے نزدیک موقعہ و ضرورت ہی سب سے بڑا اصول ہے! وہ شعر اور استعارہ بازی سے شاذ ہی کام لیتے ہیں ـــــ ان کی عام گفتگو اور ان کے خط کے درمیان فاصلے بمنزلہ صفر ہیں واقعیت، سچائی، خلوص ان کا وصف خاص ہے ان کے خطوں میں ان کے سوانح نگار کو ان کے کام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اہل ادب میں سے اقبال ایک ایسے شخص ہیں۔ جن کے خطوط میں مغرب کے بلند پایہ عالموں کے مکاتیب کا علمی رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے خط علمی اور سیاسی افکار کے مخزن ہیں اور ان سے اقبال کے اپنے فکر اور شاعری پر اتنی اچھی روشنی پڑتی ہے کہ ان سے ان کا کوئی سوانح نگار بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ـــ اقبال کے خط ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں وہ صرف مطلب کی بات کہتے اور مطالب کو علمی عبارت میں ادا کرتے ہیں ـــ زیبائش و آرائش یا ادبی شان پیدا کرنے کا کوئی اہتمام ان کے یہاں نہیں ان کے خط تنہائی اور افسردگی کے لمحات کی پیداوار نہیں بلکہ ضرورتِ وقت کے تابع ہوتے ہیں ـــ عموماً مختصر

---

[۱] مکاتیب ابوالکلام۔

خط لکھتے ہیں۔ جہاں ان کا مدعا ختم ہوا، وہیں ان کا قلم رک گیا۔ ان کے خطوں سے ان کی شخصی عادات واطوار سے زیادہ ان کے افکار وتصورات کی تشریح ہوتی ہے اور واقعاتی سوانح سے زیادہ ان کے فکر پر روشنی پڑتی ہے ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی تفریح کا خاص خیال رہتا ہے۔ نفاست تہذیب، سلیقہ اور شائستگی ان کے خطوں میں بھی کچھ ہے ان کے خط ان کے مخاطبوں کو زیادہ بے نقاب کرتے ہیں خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ——— طول واختصار ان کے یہاں اضافی ہے۔

شبلی تک کے رنگ خاص کے ایک مداح مہدی بھی اچھے خط لکھکر چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی ذات زیادہ زیر بحث رہتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ ماحول کا حسن اور اس کا یقین مکتوب الیہ کی ذات کے مطابق ہوتا ہے۔ یا حالات کے تحت وہ بیان میں بول چال سے زیادہ ادبی زبان اور شان کے قائل ہیں۔ ان کے خطوں پر کہیں کہیں مختصر مقالات کا دھوکہ ہوتا ہے۔

نیاز کے خط ان کی عام انشائی، رومانی تحریروں کی طرح شراب وشعر میں ملفوف ہوتے ہیں ——— ایام شباب کے خطوں میں کہیں کہیں ابوالکلام کا رنگ بھی نمایاں ہے جس کا خاص وصف القاب کی عربیت ہے مگر "صدیقی الاعز" اور اس طرح کے القاب رفتہ رفتہ ترک ہو کر ان کے خط بے القاب بھی ہو گئے ہیں اور "معاف فرمایئے گا" اور "آپ کہاں ہیں" اور "کس رنگ میں ہیں" سے ہی خط کا آغاز ہو جاتا ہے۔ انہوں نے غالب کے سے انداز بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ ان کا بنیادی رنگ نہیں — ان کے شخصی ذوق کے ترجمان تو ہیں مگر تفصیلات میں مکتوب الیہ کی شخصیت نگاری کے لئے اچھا مواد چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ادبی مسلک کے لحاظ سے رنگین نگار ہیں اور شعر وغیرہ سے خوب کام لیتے ہیں ان کے خط بھی عام مطالعہ کرنے والے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں کیونکہ کاروباری خشکی ان میں بالکل موجود نہیں۔ جہاں ایسی حالت پیدا ہوتی بھی ہے وہ کسی رنگین ترکیب یا اچھے سے شعر سے اس کا مداوا کر لیتے ہیں۔ ——— خطوں میں صاف گوئی کے معتقد ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک حیات انسانی کا کوئی رخ گھناؤنا نہیں بشرطیکہ اس کو پیش کرنے والا سلیقہ مند ہو۔

سید سلیمان ندوی کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبدالماجد دریابادی کے خط اپنی اور نیاز شان کے لئے جن کے اندر کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چھپی رہتی ہے، خاص طور سے لائق ذکر ہیں۔ ماجد کے خطوں کا مزاج مذہبی ہے جو شبلی کے خاندان کا خاص وصف ہے مگر علم وفضل اور باوقار طرز زندگی کا کچھ ایسا عکس ان پر پڑتا ہے کہ ان کے خطوں کو پڑھنے والا ان میں مستقل دلچسپی لینے لگتا ہے ——— سلیمان بھی خانوادہ شبلی کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلے میں زیادہ فرحت افزا ہیں ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں تلخی اور جھنجلاہٹ آ جاتی ہے۔ سلیمان کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر پڑتی ہے مگر ماجد خود پر زیادہ نظر رکھتے ہیں ان کی زندگی میں محاسبہ نفس اور خود سے پیکار کے سلسلے پھیلے ہوتے ہیں اس کا اثر ان کے خطوں پر بھی پڑا ہے۔

سیاسی مشاہیر میں مولانا محمد علی بھی اچھے خط نگاروں میں شامل ہیں ان کے خط مفصل اور مشرح ہوتے تھے وہ کام کی بات بھی پھیلائے بغیر آگے نہ نکل سکتے تھے۔ مگر بعض خطوں میں خاص ادبی لطف پیدا کر جاتے تھے۔ خصوصاً جب جوش اور ناراضگی کے عالم میں ہوں۔

خواجہ حسن نظامی کے خطوط سادہ اور کاروباری ہوتے ہیں اور مطلب ومدعا سے باہر ان کے خطوں میں کوئی خاص

چونکہ نہیں جو عام قاری کے لئے لذت آفریں ثابت ہو سکے مگر سادہ بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی کے سبب ان کے خط پڑھنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ تفصیل کے وہ بھی شیدائی ہیں اور جزئیات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا جو ذوق بیدار ہوا۔ اس کے زیر اثر خط نگاری کے آداب و رسوم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اس نئے ماحول میں جن لوگوں کے خط منظر عام پر آتے ہیں ان میں واقعیت خاص طور سے ملحوظ ہے اور خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے خطوں میں چلا آتا تھا۔ اب وہ ترک ہوتا گیا۔ اور صاف گوئی کا سلسلہ عام ہو گیا۔ آداب والقاب میں بھی یک گونہ آزادی برتی جانے لگی۔ اور بعض اوقات تو مقام و رتبہ کی رعایات بھی ترک ہو گئی۔ خطوں میں قدیم وضع داریوں کے خلاف اس دور میں کامل بغاوت نظر آتی ہے۔ اس دور کے خطوط میں اس زمانے کی افراتفری اور پریشانی طبع کے پورے آثار موجود ہیں عام طور سے خطوں میں نظم اور اہتمام کی بھی کمی ہے۔ ادبیت کے لئے بھی کوئی خاص کوشش نظر نہیں آتی۔ مگر واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی کے غلبے نے خط نگاری پر خاص اثر کیا گزشتہ چند برسوں میں بعض مشاہیر کے خطوں کے کچھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم عصر شعراء کے خطوط (مرتبہ ضیاء الاسلام) اور روح مکاتیب (مرتبہ ساغر نظامی) اول الذکر میں وہ خط ہیں جو ضیاء الاسلام کے نام جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، ساغر نظامی آزاد انصاری۔ تاجور نجیب آبادی۔ ولی شاہجہاں پوری۔ سیماب اکبر آبادی۔ حفیظ جالندھری اور اعظم خسروی جے پوری نے لکھے ہیں ـــ دوسرے مجموعے میں ساغر نظامی کے نام خطوط ہیں جن کے لکھنے والوں میں کم و بیش ملکی، ادبی اور سیاسی شخصیتیں ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے (مزاح و ظرافت کے سلسلے کے لوگوں میں شوکت تھانوی کا مجموعہ بار خاطر بھی ہے) ان سب خط نگاروں میں جوش ملیح آبادی اور فراق کے خطوط خاص طور سے لائق ذکر ہیں ـــ جوش کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے ـــ "میں بدنامی اور تلخی کی حد تک صاف گو انسان ہوں" تو بس ان کے خطوط بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط آزار گا بدنام کنندہ اور تلخ ہی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔

فراق کے خط بھی صاف گوئی کے معاملے میں جوش کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں مگر جب علمی موضوع زیر بحث آتا ہے تو ان کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خطوں کی رونق اپنے ہی اشعار سے بڑھاتے ہیں، اور ان کی توجہ دوسرے سے زیادہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ ساغر نظامی نے "روح مکاتیب" کے ایک نوٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے ـــ
"اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی نکلی ہوئی آنکھیں، آنکھیں مٹکاتا ہوا۔ عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ کرشن جیسی دلکش اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آتے اور اتنی صداقت! جو فراق کی اخلاقی بلندی اور فطرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔"

اس نئے زمانے میں اردو میں مکاتیب کے تین اہم مجموعے اور بھی شائع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں (۱) نقوش زنداں (مسنّد سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام) (۲) زیر لب (صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام) اور عزیزم کے نام

ڈاکٹر تاثیر کے خط اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام (خطوں کے ان مجموعوں کے علاوہ حال ہی میں چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا" کے نام سے اکادمی پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خط نگاری کے جداجدا مگر جدید ترین مذاق کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔

بیویوں کے شوہروں کے نام اور شوہروں کے بیویوں کے نام خط کوئی نئی بات نہیں مگر ایسے خطوں کی اشاعت یقیناً نئی سی بات ہے ۔۔۔ تاریخ میں صرف واجد علی شاہ کے خط اپنی بیگمات کے نام ایک ایسا استثنا ہے جو مندرجہ بالا کلیے کی تائید کرتا ہے کسی بیوی کی طرف سے دوری اور ہجر و فرقت کے زمانے میں اشتیاق کا اظہار قدرتی ہونے کے باوجود ذرا سا غیر رسمی فعل معلوم ہوتا ہے مگر دورِ جدید میں مذاق و میلان کی تبدیلی نے اس صاف گوئی کے لئے میدان تیار کر دیا ہے "نقوشِ زنداں" یں ان تنہائیوں کی یاد ہے۔ جن میں سید سجاد ظہیر اپنی سخت جان سیاسی زندگی کے باوجود محبت کی دوری کو محسوس کر رہے ہیں۔ سجاد ظہیر کے یہ خط واقعیت اور خلوص سے لبریز ہیں ان میں کوئی تصنع نہیں کوئی بناوٹ نہیں بس ان سادہ جذبات کا پاکیزہ سا اظہار ہے جن سے ان کا قلب معمور ہے۔ سجاد ظہیر نے ان میں کسی فلسفیت کا اظہار نہیں کیا۔ واقعات و معاملات سے جو پیغامات وابستہ ہیں ان پر بے تکلف لہجے میں گفتگو کی ہے۔ خطوں میں گھریلو ماحول پیدا کیا ہے۔ بچی کی یاد۔ بچی کی تصویر۔ احمدی بوا کا ذکر۔ بجو بی بی کے سلام۔ غرض ان خطوں میں ساری خاندانی فضا آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ پھر شادی کے دورِ اول کی یادیں ہیں۔ جن کی ایک ایک جھلک خط نگار بار بار پیش کرتا جاتا ہے ۔۔۔ ان خطوں میں خط نگار کے اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ مکتوب الیہ کے جذبات کا جواب اور ردِ عمل بھی ہے۔ ان خطوں میں ترازو کے دونوں پلڑے برابر نظر آتے ہیں یعنی خط نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی تصویریں آمنے سامنے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوں میں صاف گوئی تو ہے مگر بے باکی نہیں، وقار، ٹھہراؤ، تہذیب سب کچھ ہے ۔۔۔ مگر خشکی نہیں۔ محبت، سچی محبت اپنی ساری شرافتوں اور متانتوں کے ساتھ ان خطوں میں جلوہ گر ہے۔ کہیں کہیں تخیل بھی ہے اور خیال کا مصور بھی دنیا کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ مبالغہ ہیجان اور بے ضرورت جذباتیت کہیں بھی نہیں ۔۔۔ ہاں ردواردواد تنہائی کی کمی نہیں: نقوشِ زنداں "کے خط اردو خطوط میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

"زیرِ لب" بھی نقوشِ زنداں ہی کا الٹا رنگ ہے۔ مگر ان خطوں میں اطمینان کی وہ فضا نہیں ملتی جو نقوشِ زنداں میں ہے ۔۔۔ ان میں مجبوری اور حرماں کے گہرے زخم رستے نظر آتے ہیں اس میں پیاس ہی پیاس ہے ۔۔۔ ایسی پیاس جس سے لب خشک ہی نہیں بلکہ لب گویا پھٹ سے رہے ہیں ع

"لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا"

ان خطوں کا سارا لہجہ زیرِ لب کا نہیں ایک فریاد برلب کا ہے ان میں وہ قدرتی جذباتیت ہے جو نسوانیت کے ساتھ اس وقت ضرور وابستہ ہو جاتی ہے جب اس کا ہونٹ اپنی محرومیوں کے خلاف کھل جاتیں۔ ان خطوں میں واقعات و معلومات کا عنصر کم ہے جذباتیت کا زیادہ ۔۔۔ سادگی "بے تکلفی اور خلوص۔ یہ سب صفات ان خطوں میں بھی ہیں ان میں گہری اپنائیت اور خصوصیت ہے گرم جوشی اور غم کی تپش نے ان کی فضا کو قدرے تلخ بنا دیا ہے ۔۔۔ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں

کہ اس قبل کی چیزیں ہماری زبان میں معدوم ہیں۔

عزیزم کے نام ڈاکٹر تاثیر کے خط ہیں (ایک شاگرد کے نام) ان خطوط کا انداز علمی ہے اور بیشتر جزئیات بھی [illegible] وفضیلت سے متعلق ہیں۔ ان میں خلوص تو ہے مگر بے تکلفی نہیں اور شاگرد و استاد کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ قائم ہے ذاتی تفصیلات سے زیادہ افادہ و تربیت مدنظر ہے اور بعض خط تو مقالات کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خط طویل ہیں مگر ان کا علمی مواد کبھی کبھی ثقیل ہو گیا ہے لیکن اندازِ بیان کی برجستگی اور تاثیر کی گرمیِ طبیعت نے ان کو خشک نہیں ہونے دیا۔

"گویا دبستان کھل گیا" ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں۔ جس نے خط نگاری کو زندگی کا ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں کا مالک خط نگاری کو صرف مسرت کا چشمہ خیال کرتا ہے بلکہ ان کو دانش و بینش اور بصیرتِ حیات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے ـــــ یہ خط ذہنی فراغت اور روحانی سکون سے لبریز ہیں۔ ان میں گھریلو پن بھی ہے اور حقیقت یہ خط نگار گھریلو گفتگو اور جزئیات نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی ماحول کی تفصیل بندی کا خاص شوق رکھتا ہے ان خطوط سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی تالیفِ قلب کا ہر حال میں خیال رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اردو کا خط نگار ادیب کہا جاتا ہے ان کے ان خطوط نے ان کے اسلوبِ بیان کی انفرادیت کے جوہر خاص طور سے نمایاں کئے ہیں۔ ان خطوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو بات چیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے ـــــ یہ خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں ایک نئے مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

اُردو کے منفرد مکتوب نگار

مالک رام

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ اردو میں خطوط نویسی کی ابتدا غالب سے ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ غالب سے پہلے فسانۂ عجائب والے رجب علی بیگ سرور نے خطوط لکھے اور شائع کیے اور یوں اکا دکا خط دوسرے اور صاحب کے بھی ملتے ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ غالب نے خطوں میں ایسا بدیہہ انداز اختیار کیا کہ انہیں سحر حلال بنا دیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگرچہ غالب کے بعد بیسیوں خطوط کے مجموعے شائع ہوئے لیکن کسی میں وہ خلوص اور صداقت، برجستگی اور آمد نہیں جو ان کے خطوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

غالب کی اردو شاعری اپنے مشکل اور کوہ کندن و کاہ برآوردن طرزِ تحریر کے باعث مشہور، بلکہ بدنام ہے اس لئے تعجب ہوتا ہے کہ ان سے ایسی سلیس اور سہل ممتنع نثر کیونکر لکھی گئی۔ ان سے پہلے اور خود ان کے زمانے میں بھی فارسی خطوں میں لمبے لمبے القاب و آداب اور عبارت آرائی کی یہ بھرمار تھی کہ سطروں کی سطریں پڑھ جائیے لیکن "مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا"۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کسی کو بھی اس اسلوبِ تحریر کی لغویت کا خیال نہ آیا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی کو بھی اسے ترک کر دینے یا اس میں اصلاح دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کا سہرا بھی غالب ہی کے سر رہا۔ وہ نہایت ابتدائی زمانے میں بھی خطوں کا طریقہ بدلنا چاہتے تھے۔ یعنی اس زمانے میں جب وہ خود اپنی تمام خط و کتابت فارسی میں کر رہے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے ۲۸ برس کی تھی، لکھتے ہیں:

> "ادا شناس داند کہ ہنجارِ من در نگارش اینست کہ چون کلک و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ
> را بہ لفظے کہ فراخورِ حالت اوست، در سرآغازِ صفحہ آواز دہم و زمزمۂ سنجِ مدعا گردم۔
> القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زاید ست و بچگان حشو را وقع نہ نہند۔"

(کلیاتِ نثرِ غالب، صفحہ ۵۔ نولکشور ۱۸۷۵ء)

اگرچہ ان کے فارسی خطوط بھی بیشتر اسی اصول پر لکھے گئے تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی یہ سب کے سب حشو و زواید سے پاک ہیں میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ان کے مکتوب الیہم عام طور پر ان سے عمر میں بڑے اور پرانے دبستان کے تعلیم یافتہ بزرگوار تھے۔ یہ اصحاب لفظی وضعداری اور رکھ رکھاؤ کے قتیل، وہ بھلا ایسی بدعتوں کو کیوں گوارا کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی خطوط میں اپنے مقررہ اصول سے ہٹ کر کہیں کہیں وہ روایتی تکلفات کا استعمال کر گئے ہیں۔

لیکن جب انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا تو اب فضا بدل چکی تھی۔ اب ان کے مخاطب زیادہ تر ان کے ہم عمر دوست

اور شاگرد تھے۔ جو لوگ ان کی ٹیڑھی ترچھی شاعری کو جھیل چکے تھے۔ ان کے لئے اب ان کی نثری جدّتوں کو برداشت کر لینا کیا مشکل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنا اصلاحی منصوبہ کسی اعتراض یا احتجاج کے خدشے کے بغیر مکمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ اردو میں "حضرت مخدوم، مکرم و معظم جناب"، "فقیر" صاحب دامت برکاتہم" یا "سید صاحب، جمیل المناقب، عالی خاندان، سعادت و اقبال توامان" یا "برخوردار، سعادت آثار، منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ" قسم کے القاب الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جو اس کے حسب حال ہو۔ میاں، بھائی، صاحب، میری جان، برخوردار، پیر و مرشد، حضرت، جناب عالی، قبلہ، سید صاحب وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ کوئی لفظ بھی نہیں لکھتے، فوراً اظہار مدعا کرنے لگتے ہیں:

"کیوں مرزا تفتہ! تم بے وفا یا میں گنہ گار؟"

"سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں "بروئے استادِ رنگ" کہاں سے سمجھتا۔"

"کیوں یار! کیا کہتے ہو؟" وغیرہ۔

اس طرح کے تخاطب کی بے تکلفی اور یگانگت ظاہر ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ خط پڑھنے والا پہلے لفظ ہی سے اپنے آپ کو لکھنے والے کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ شروع کی دو تین سطریں رسمی ادب و آداب میں صرف کر دیں تو جب تک مکتوب الیہ مطلب کی بات تک پہنچے اس کا ذہن ان تکلفات میں اُلجھ کر آپ سے کوسوں دور پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ خط ایسے انداز سے شروع کریں جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں، تو بُعدِ مکانی کے باوجود آپ دونوں ذہنی اعتبار سے آپس میں بہت قرب محسوس کریں گے اور آپ کو کاغذ پر لکھے ہوئے بے جان الفاظ میں سے بھی لکھنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ میرزا خود بھی اپنے خطوط کی اس خصوصیت سے آگاہ تھے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

میرزا کے خطوط کی دوسری خصوصیت ان کا خلوص اور صداقت ہے یقیناً وہ فرشتہ نہیں، بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان ہیں اور لازماً ان میں بشری کمزوریاں بھی ہیں اس لئے ان کے خطوں کے بارے میں یہ قسم تو نہیں کھائی جا سکتی کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور انہوں نے کسی واقعے کے ما لہ و ما علیہ سے متعلق سب کچھ بے کم و کاست لکھ دیا ہے اور ان میں کسی جگہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست اور شک و شبہ سے بالا ہے کہ صاف گوئی اور بے ریائی ان کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ وہ واقع کے اظہار میں نہ کسی اور کو بخشتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں خود غالب ہی کے خطوں سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر غالب ایسے ہی تھے جیسا ان کا خیال ہے، تو وہ یہ مقامات اپنے خطوں میں سے حذف نہ کر دیتے۔ ان میں سے بیشتر خط غالب نے خود اپنے احباب سے جمع کر کے مرتب کے حوالے کئے تھے اور جو دوسروں نے جمع کئے تھے ان سے متعلق بھی گمانِ غالب ہے کہ شائع ہونے سے پہلے ان کی نظر سے گذرے تھے۔ اس صورت میں ان کے لئے ان میں رد و بدل اور ترمیم کر دینا کیا مشکل تھا۔ وہ چاہتے تو آسانی سے ان کی وہ عبارتیں نکال ڈالتے جن سے ان پر کسی طرح حرف آ سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ستم یہ کہ آج انہیں خطوں کی بنا پر لوگ ان پر حملے کرتے ہیں

میں لکھتے ہیں:

"عزیزی! میرا ہر خط جواب طلب نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ تم کو بار بار
نہ گراں گزرے کہ ہر وقت لکھنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ جب فرصت ہو اور جی چاہے جواب لکھو۔
لیکن مجھ کو اجازت دو کہ "بے ضرورت بے ضرورت" جب جی چاہے لکھوں۔"

مکتوب الیہا یورپ کے سفر پر گئیں اس لئے خط و کتابت بند ہو گئی۔ واپس آئیں تو یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔ جب ان کا خط ملا تو جواب میں لکھتے ہیں:

"قرۃ عینی! تمہارا خط بہ مدت کے بعد ملا تو بے ساختہ میں نے آنکھوں سے لگایا اور دیر تک
بار بار پڑھتا رہا۔ افسوس دیر تک ملنے کی امید نہیں۔ میں وطن، احباب، آرام سب چھوڑ سکتا
ہوں لیکن ایک مذہبی اور قومی کام کیونکر چھوڑ دوں۔ وہ نہ بمبئی یا جزیرہ دو قدم پر تھے۔ زہرا صاحب
نے منتوں رد و کد کے بعد منظور کر لیا کہ کبھی کبھی لکھنؤ آئیں لیکن تم اتنی غریب نوازی کیوں کرو گی؟"

ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہیں۔ دیکھئے کیا مزے کا خط لکھا ہے:

"خاتون محترم! کل اتفاق سے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی ملنے آ گئے تھے۔ ان سے
آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ "وہ میری مہمان ہوں گی" اس لئے میں یہ لکھنا
ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لکھنؤ آئیں اور کسی کی مہمان ہوں تو میں اس زمانہ میں لکھنؤ چھوڑ کر
چلا جاؤں گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ایک دو روز آپ ان کے ہاں ٹھہریں اور ان کے
ہاں کی مستورات سے ملیں۔"

پھر انہی مولوی مشیر حسین (رئیس گدیہ) سے ان کی آمد کی خبر سنی تو دوبارہ لکھتے ہیں:

"مولوی مشیر حسین نے تمہارے ارادۂ سفر کی خوش خبری سنائی لیکن وہ فقرہ یاد ہے کہ میرے
ہوتے اور کہیں ٹھہرو گی تو میں لکھنؤ سے نکل جاؤں گا۔"

بعض خواہشوں کا اظہار کس حسرت سے کرتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میرے کسی کام میں تمہارے نام کی شرکت ہو۔ اس کا اصلی طریقہ
تو یہ تھا کہ کوئی تصنیف تمہارے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا لیکن افسوس نہیں کر سکتا۔ میں جن حالات
میں گھرا ہوں تم سمجھتی ہو اور جانتی ہو کہ اس سے دفعتاً ان قومی کاموں کو نقصان پہنچے گا جو
میرے ہاتھ میں ہیں۔"

"عطیہ! بار بار جی چاہتا ہے کہ تم کوئی چیز طلب کرو اور میں یہاں سے بھیجوں کیا لکھنؤ
میں کوئی چیز تمہارے قابل نہیں؟ آم تو جزیرہ تک اچھے نہ پہنچیں گے۔"

جناب عطیہ بیگم صاحبہ کی ایک بہن جناب نازلی بیگم نواب صاحب جنجیرہ کی بیگم تھیں۔ انہوں نے شبلی کی فرمائش پر ندوہ میں ایک کمرہ اپنے خرچ پر بنا دیا
شبلی نے اس کے شکریہ میں چند شعر کہے۔ ان میں ایک شعر ہے ؎

نازم کہ ایں عطیۂ فیضِ امیرہ ایست　　　　کاوازۂ سخائش بہ عالم رسیدہ ایست

اس میں عطیہ کا لفظ آیا ہے تو اس کی تشریح کرتے ہیں:

"شعراء اور اہل ادب عموماً کنایہ سے نام لینا بلاغت اور لطافت خیال کرتے ہیں جو لوگ
جہانگیر بادشاہ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے عموماً نور جہاں بیگم کا نام لاتے تھے۔ لیکن
ہمیشہ کنایۃً۔ کبھی کسی نے تصریح نہیں کی۔ مثلاً سعیدا کا ایک قصیدہ ہے جس کا ایک
شعر یہ ہے ؎

اے سایۂ خدا از نور خورشید جہاں | بادا ہمیشہ نور خدا سائبان تو

اسی مصرع پر میرا شعر بھی ہے اور یوں تو صراحۃً قرار دے لئے وہ داعیہ غزل۔ خیر مقدم وغیرہ
اب کچھ لکھ چکا ہوں اور عطیہ! لکھنے پڑھنے کی کیا بات ہے ایرا ہر رونگٹا اور ہر ترچھے بدن
تمہاری توصیف اور تعریف کا ایک شعر ہے۔"

ستم یہ ہوا کہ جناب عطیہ بیگم اس پر بگڑ گئیں کہ میرا نام کیوں شعر میں لکھا ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ حالانکہ ابھی لکھ چکے ہیں کہ میں نے کنایۃً یہ تمہارا نام لکھا ہے لیکن اس عتاب سے پٹنا گئے اور معذرت کی:

"عزیزی! اچھا ہوا کہ میں نے ان سطروں کے معنی تم سے دریافت کئے، ورنہ ممکن تھا
کہ میں پھر تمہارا نام کسی موقع پر لاتا اور تم کو رنج پہنچتا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم یہ کیونکر
سمجھتی ہو کہ وہ تمہارا نام ہے۔ عطیہ کے معنی داد و دہش اور انعام کے ہیں اور اسی معنی میں
یہ لفظ میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اتفاق سے یہی تمہارا نام بھی ہے۔
غیر آدمی کیونکر جان سکتا ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس لئے تم کو رنج کرنے کی
کیا وجہ، بہرحال آئندہ نہ لکھوں گا۔ تم شاید اس کو حسن طلب سمجھتی ہو اور میں شاہنشاہ سے
بھی اس قسم کا خیال ننگ سمجھتا ہوں۔"

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط تین چار مہینے سے نہیں آیا۔ لکھتے ہیں اور صرف ایک مصرع۔ لیکن کیسا مصرع کہ جس کی تفسیر میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

"چہ شود، گر بہ سلامے دل ما شاد کنی"

ایک دوسرے خط کے آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں:

"میں وہی شبلی نعمانی ہوں"

لیکن کہاں تک اقتباس نقل کرتا جاؤں۔ یہ خطوط بقول ...... ڈاکٹر مولوی عبدالحق "بمنزلہ سدا بہار" ہیں۔ یہ ایک مخلص اور بے ریا دل کی آواز ہیں۔ ان میں صداقت کی کھنک ہے اور ان کے لفظ لفظ میں لکھنے والے کی روح بول رہی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ موتیوں سے تولنے کے لائق ہے۔ شبلی اگر ان خطوط کے سوا اور کچھ نہ لکھتے (حالانکہ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس زبان کا دامن مالا مال کر دیا) تو بھی ان کا نام اس وقت تک زندہ رہتا جب تک اُردو کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔

مہدی کے مضامین (افادات مہدی) اور خطوط (مکاتیب مہدی) کے مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی شعور ایسا پختہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب میں بلکہ سیاسیات پر بھی ان کے اشارے بعد کے واقعات نے صحیح ثابت کر دکھائے۔ بقول نواب صدر یار جنگ مرحوم مہدی کے مزاج میں "یونان کے سنگتراشوں کی سی نزاکت اور مصوری کی سی [illegible] ہے۔ ان کے مزاج کی نفاست کا یہ عالم ہے کہ وہ دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کر سکتے کتاب کا موضوع بلند ہو اور جلد اور اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپے، اس کی جلد اعلیٰ درجے کی ہو۔ یہی صورت مضمون کی بھی ہونا چاہیے، اس میں کوئی جھول یا گھٹیلاپن نہ ہو، اسلوب میں توازن رہے اور زبان میں ناہمواری نہ آئے۔ غرض ہر ایک چیز کی تراش خراش پر ان کی نظر رہتی تھی ان کے دماغ میں اپج کا مادّہ بہت تھا۔ ہر روز نئی نئی اصطلاحیں گھڑتے رہتے۔ اگر خود نہ جا پاتے تو دوستوں سے پوچھتے۔ اسی طرح انہیں لکھنے کے لیے بھی نئے نئے عنوان سوجھتے رہتے اور وہ اپنے ہم عمر پڑھے لکھے دوستوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ ان نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں۔ ان کی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے زیادہ اور مولانا، پروفیسر، عبدالباری سے بہت کم بے تکلفی تھی۔ ان کے نام کے خط دیکھیے۔ ہر خط میں لٹو کے دیتے جاتے ہیں کہ اس موضوع پر کتاب لکھیے، اس پر مضمون قلمبند فرمائیے۔ آپ کے فلاں مضمون میں یہ کمی رہ گئی۔ اس میں یہ غیر ضروری بات در آئی۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنا جال اپنے حلقے سے باہر بھی ڈالنے سے نہیں چوکتے۔ حالی اور عبدالرزاق کانپوری (البرامکہ والے) ان سے عمر میں کہیں بڑے تھے لیکن وہ ان سے بھی فرمائش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے لیے یہ موضوع انتخاب کیا ہے اس پر کتاب لکھ ڈالیے۔ میر ناصر علی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھاپیے۔ غرض کہ مہدی نے عجیب و غریب دل و دماغ پایا تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور انہیں جب بھی سوجھتی تھی، اردو زبان کی آرائش و زیبائش کی، اس میں تصنیف و تالیف کی اور علم و فن کی ترقی کی۔

مہدی صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کی زبان آسان نہیں بلکہ مشکل الفاظ سے بوجھل ہے، اس کے باوجود اس میں رنگینی اور رومانویت بدرجۂ اتم ہے۔ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں ان کی رومانویت کا سلسلہ بلکہ منبع صلائے عام والے میر ناصر علی دہلوی تک پہنچتا ہے۔ نیاز فتحپوری بھی میر ناصر علی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں میر صاحب موصوف کے نیازمند اور دوست، صلائے عام کے مداح اور مضمون نگار رہتے۔ میر ناصر علی کی نثر میں ایک خاص قسم کا البیلاپن تھا۔ ان کے حافظے میں خدا معلوم کتنے شعر محفوظ تھے اور وہ اپنی نثر میں ان کا استعمال ایسا برجستہ اور بے ساختہ کرتے تھے جیسا انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جاتا ہے۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ناصر علی بہت مقبول رہے اور ہمارے بہت سے اچھا لکھنے والے پہلے پہل صلائے عام ہی کے افق پر نمودار ہوئے۔ ان میں مہدی اور نیاز نے کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے مقالے "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں دنیا جہان کی اور باتیں تو لکھی ہیں لیکن اردو کی رومانوی تحریک پر ناصر علی کا کتنا اثر اور احسان ہے، اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب مہدی کے خطوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

مسز سروجنی نائیڈو جب ابتدا میں قومی جلسوں میں شریک ہوئی ہیں تو ان کی جاذب نظر شخصیت اور ولولہ انگیز خطابت نے "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" کا ایک ایسا دلفریب امتزاج پیش کیا کہ کتنے صاحب ریش و بروت اور اہل جبّہ و عمامہ تک نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے معارف میں شذرات میں اس پر تبصرہ کیا۔ مہدی نے جب یہ شذرات دیکھے تو انہیں خط لکھا:

"آپ نے شاعرۂ دکن پر جو بجلیاں گرائی ہیں اور اس سلسلہ میں "ممنون" سوسائٹی پر جس

جا رمیل کی سڑک کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ کی نقل و حرکت شرق و مغرب میں دیکھی گئی کہ یہ دونوں آپ پر مٹے ہوئے ہیں۔ شملہ آپ کو پسند نہیں آیا لیکن مجھے تو نام سے دلچسپی ہے دیکھئے پھولوں کی سیج پر "جوانی کی ورزش" کی نشانقہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا انیسرا یہ مسلہ ہے — یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے "

---

(۲) "مدت سے وطن (گورکھپور) نہیں گیا۔ ایک سیکٹر میں پڑگیا تھا۔ "گورے" کی دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ پھیلتی ہے۔ لباس متمدن پر ایک کم سن کی نظر لگی تکن مصیل برنچ کی ایک ٹانگ "حریف" کو سپرڈالنی پڑی اور میں خدا خدا کر کے ڈیڑھ سال کے بعد کہن سے چھوٹا یعنی تحصیلداری پر جس کا چنداں شائق نہیں، منتقل ہوگیا۔ یہ اضافی تصریح اس لئے ہے کہ وطن آیا تو دارالمصنفین میرے لئے گھر آنگن ہوگا اور آپ سے بوسہ بہ پیام کی جگہ آپ عورت ہونے تو گستاخ لب، بہ لب کی ٹھہرے گی۔ آخری فقروں سے آپ کے تقدس میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟"

---

(۳) "آپ کا پرستان سفری، وہ بھی "تخت رواں" ریل پر بہت ہی لائق رشک رہا۔ سچ یہ ہے کہ جنس لطیف اپنی پاکیزہ وشی اور رکافرادائی کے ساتھ "کائنات" کے خوبصورت چہرے کا "غازہ" ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے شرط زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا سرے سے رہنے کے لائق نہیں۔"

---

(۴) "بھائی سنبھل! مدت سے کچھ خبر نہیں۔ میں بھی خاموش رہا لیکن آپ کے درد دل کے احساس سے خالی نہیں۔ رفیقۂ زندگی شراب کی طرح جتنی پرانی ہو زیادہ باکیف ہوتی ہے یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے شیدائیوں کی سمجھ میں نہ آتے۔ لیکن میں اس کے اندازہ سے قاصر نہیں ہوں کیونکہ اس زہر کی تلخی میرے حصہ میں آچکی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اس وقت مجروح ہوا جب عمر کی دوپہر تھی لیکن ڈھلتی چھاؤں یعنی عمر کے پچھلے دور میں تو یہ سانحہ بالکل ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ خاص کر ایک ایسی خوش صفات اور باوفا ہستی کی ابدی جدائی دراصل شوہر کی روحانی موت ہے۔ ان خیالات کے ساتھ میں کیا آپ کی تشفی کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ تو بہت دیندار اور پورے مولوی ہیں حوادث کے لحاظ سے "مشیت ایزدی" یا اس کی مترادف سہی لیکن یہ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔"

صلائے عام کے لئے ایک مضمون بھیجا۔ میر ناصر علی نے اسے پسند کیا، اس پر انہیں لکھتے ہیں:

"تعریف سے خوش ہونا انسانی کمزوری ہے جسے اگلے لوگ حماقت سمجھتے تھے لیکن سچا اعتراف میرے خیال میں ادبی ترقی کو ابھارتا ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ آپ کے سلسلہ میں میری بات بھی بنی ہوئی ہے۔ "مقیاس الشباب" کی آپ کو داد دینی ہوگی۔ نورجہاں کے ذکر کے ساتھ کیونکر ممکن تھا کہ .... اس کا خیال نہ آتا، جسے مغربی شعراء "بہترین عطیۂ فطرت" کہتے ہیں۔ میں نے اس موقع پر "ضعیفۂ حسن" کے لئے "مقیاس الشباب" لکھا ہے اور یہ خاص میری گھڑت ہے۔ آپ دیکھیں گے متانت میں کس قدر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور گو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس ترکیب پر مجھے ناز ہے تاہم لذتِ احساس سفارشی ہے کہ اچھی سوجھی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ کہیں اس سے میرے مذاقِ خاص کی غمازی تو نہیں ہوتی؟ میں آپ کی نگاہ میں ذرا ثقہ رہنا چاہتا ہوں۔"

مہدی کی پہلی بیوی انہیں جوانی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ ایک مدت کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اسی زمانے میں میر ناصر علی کو اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا:

"پیارے جناب! میں ادھر ہفتہ عشرہ آپ کی طرف سے کچھ غافل سا رہا لیکن اس کی وجہ بہت دلچسپ ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو چاہنا غضب ہے لیکن اس سے زیادہ قیامت یہ ہے کہ کہیں سے آواز آئے کہ "تو مجھ پر مرتا ہے تو میں تجھ پر جان دیتی ہوں"۔

پہلے پہل آنکھیں کھولیں، مدت ہوئی ایک رفیقِ زندگی مل گیا تھا تو خوابِ طفلی و آرزوئے شباب پہلو میں تھی۔ زندگی کا بہترین حصہ اس کی پرستش میں گذارا لیکن اس نے ترکِ رفاقت کی، آج تک داغ دل میں موجود ہے ؎

یہ سینے میں تا زندگانی رہے گا　　ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

دنیا سے طبیعت بیزار ہو گئی۔ قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا۔ کئی برس یوں ہی گذر گئے اپنے ڈھب کی چیز ملی نظر نہ آئی۔ جیسی چاہتا تھا وہ بس کی چیز نہ تھی۔ خدا خدا کر کے ایک جیتی جاگتی زہرۂ شب تاب آئی اور آج اس لائق ہو گیا کہ آپ کو اپنے انجامِ بد کی خبر دینے بیٹھا ہوں۔ میں بعض صورتوں میں کسی حد تک مغربیت پسند کرتا ہوں یعنی تھوڑی سی آزادی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ تعزیرِ خاندانی کے ساتھ گھٹاؤ کی کوئی حد نہیں اور ہمارے ہاں اس قسم کے اجرام اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں بجلی چمکی اور وہ گوہرِ شب چراغ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ عورت نہیں تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں جس کی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزا دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے

شائستگی کا انتہائی تخیل ہو۔
نفاست چاہتی ہے حسنِ سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی سے اچھی ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے
کہ ہندوستان میں گوری چٹی ہندا اور زہرہ کی جگہ سانولی کرتین اور نصیبن پیدا ہونے لگیں اور
حسنِ صبیح کی جگہ ایک طرح کا نمک ایجاد کیا گیا۔ لیکن جس طرح میں روم و زہرہ کی کوئی چیز پسند
نہیں کرتا، یہاں بھی یہ معیار قائم رہا۔ آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائے گی اور آپ
اس کی جلوہ گری کے آثار صلائے عام کے صفحوں پر پردے پردے میں دیکھیں گے۔"

اقتباسات غالباً طویل ہو رہے ہیں۔ لیکن جی نہیں مانتا کہ مہدی کی تنقید کی دو ایک مثالیں پیش کئے بغیر گزر جاؤں۔ کسی زمانے میں لکھنؤ سے مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ایما پر ایک ہفتہ وار اخبار "حقیقت" نکلا تھا۔ پس پردہ مولانا دریا بادی کا ہاتھ تھا اور وہ نام سے اور بے نام اس میں لکھا کرتے تھے۔ مدیر حقیقت نے ایک ناول زلیخا لکھا اور اسے مولانا دریا بادی کے نام معنون کیا۔ جب اس کا ایک نسخہ مہدی کو ملا تو انہوں نے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"زلیخا میں لکھنؤ کی شستہ رفتہ زبان کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن ایک مرقع پرزنہ بھاوج کی
گفتگو اور اس کا لب و لہجہ اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ (VULGAR) ہے کہ ایک بھٹیاری
بھی اس بھدے پن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ فاطمہ شوخ سہی، لیکن بےباکی میں بھی ایک انداز ہوتا
تھا۔ اظہار سے زیادہ خیال کے لئے بعض نکتوں کو چھوڑنا تھا لیکن ان نزاکتوں پر آپ
کی طرح دوسروں کی نظر نہیں پڑے گی۔ بہتیرے سمجھیں گے تصویر کے دونوں رُخ ہیں،
جُزے کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا ہے اور یوں مقصود بالذات نہیں گیا۔"

ادب اور لٹریچر کی تعریف ملاحظہ ہو:

"میری غرض مستقلاً "لطائف ادبی" یعنی (Belles letters) سے ہے۔ غالب
نے اپنی مشکل پسندی کے ساتھ اس رنگ کو کسی حد تک نباہا، لیکن نفسِ لٹریچر جو خود
ایک مستقل چیز ہے، خاص طرح کی شرافت اور نزاکتِ خیال چاہتا ہے۔ نرے روزمرہ اور
محاورے کے الٹ پھیر سے کام نہیں چلتا۔ یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں، یعنی آپ
جو کچھ لکھتے ہیں خالص ادیب کی حیثیت سے، اور کمالِ انشاپردازی کا اقتضا بھی یہی ہے
کہ ادب یعنی لٹریچر اور اصنافِ سخن کی طرح خود مستقل بالذات ہو۔"

افسوس کہ مہدی نے بہت کم وقت پایا۔ سرکاری ملازمت تھی اس لئے بھی فرصت کم ملتی تھی اور عمر بھی کم ہی پائی۔ خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود۔

میں نے مہدی کے ساتھ نیاز فتحپوری کا نام لیا ہے۔ نیاز کے خطوط کے تین مجموعے مکتوباتِ نیاز کے نام سے چھپ چکے ہیں شاید یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ چند خطوں کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کسی خاص شخص کے نام نہیں لکھے گئے بلکہ جب انہیں خیال آیا انہوں نے

کہا تھا ؎

"تا دست رسم بود، زدم چاک گریباں — شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم"

مولانا چائے کے بہت رسیا ہیں اور چائے بھی خاص چینی۔ جن ایام میں یہ جیل میں تھے وہاں بھی پیتے تھے لیکن ان کے بیشتر خواجہ تاش اس متاعِ گراں مایہ کے قدر داں نہیں تھے۔ ان کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہاں ہمارے زندانیوں کے قافلہ میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے۔ عمریں گذر جائیں پھر بھی یہ مسافت طے نہیں ہو سکتی۔ کہاں چائے کے ذوقِ لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور کہاں دودھ اور دہی کی شکم پروری کی نگری۔

اک عمر چاہئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

جواہر لال بلاشبہ چائے کے عادی ہیں اور چائے پیتے بھی ہیں خواہ اس یورپ کی ہم مشربی کے ذوق میں بغیر دودھ کی۔ لیکن جہاں تک چائے کی نوعیت کا تعلق ہے شاہراہِ عام سے باہر قدم نہیں نکال سکتے اور اپنی چھچھو چیچوڑی کی قسموں پر قانع رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی زحمت دینا نہ صرف بے سود تھا بلکہ "وضع الشئ فی غیر محلہٖ" کے حکم میں داخل تھا ؎

مے بہ زاہد مکن عرضہ کہ ایں جوہرِ ناب
پیشِ ایں قوم بہ شورابۂ زمزم نہ رسد

ان حضرات میں صرف ایک صاحب ایسے نکلے جنہوں نے ایک مرتبہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ چائے پی تھی اور محسوس کیا تھا کہ "اگرچہ بغیر دودھ کی ہے مگر اچھی ہے"۔ یعنی بہتر تو یہی دودھ والا گرم شربت ہوا جو وہ روز پیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی چنداں بُری نہیں۔ زمانے کی عالمگیر خیرہ مذاقی دیکھتے ہوئے یہ ان کی صرف "اچھی ہے" کی داد بھی مجھے اتنی غنیمت معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی انہیں بلا لیا کرتا تھا کہ آئیے ایک پیالی اس "اچھی ہے" کی بھی پی لیجئے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ان کے لئے یہ صرف "اچھی" ہوئی۔ یہاں چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے اگر یہ "اچھی ہے" ختم ہو جائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے ؎

زاہد از ما خوشۂ تاکے بچشمِ کم مبیں — ہیں! نمی دانی کہ یکجا نقصاں کردہ ایم"

"رات کا سناٹا، ستاروں کی چھاؤں، ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات۔ چاروں طرف تاج کے منارے سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ میں چاندنی سے دھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی پتلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہی تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے الوہی نغمے بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے تارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے ؎

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم   کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم"

حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی خوبیوں کا اندازہ ان اقتباسات سے نہیں ہو سکتا۔ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے مسلسل مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک اور ایسا خطوط کا مجموعہ شائع ہوا ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور اسے پڑھ کر وجدان وجد کرنے لگا خدا کا شکر کیا کہ ؏

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری مراد چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط سے ہے جو "گویا دبستاں کھل گیا" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں وہی بے ساختگی اور آمد ہے جو غالب کا حصّہ تھی۔ چودھری محمد علی کی ندرتِ زبان کی تعریف فضول ہے کہ وہ اس دریا کے پرانے شناور ہیں۔ بقول نیاز فتحپوری "وہ لکھتے نہیں بات کرتے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں انہوں نے بھی غالب کی طرح مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ میں نے انہیں باتیں کرتے نہیں سنا لیکن ان خطوں کے پڑھنے کے بعد میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی گفتگو بھی بڑی دلچسپ اور باغ و بہار ہوگی۔ نیاز ہی نے لکھا ہے کہ "جس نے انہیں بات کرتے سنا ہے وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑنا کسے کہتے ہیں۔" میں شرحِ صدر سے اس پر "آمنت بالغیب" کہہ سکتا ہوں۔

آج کل ہمارے ادیب اور مصنف جو زبان لکھتے ہیں اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ مشکل مشکل لفظ، عربی اور فارسی ترکیبوں کی بھرمار، عبارت میں الجھاؤ، طولِ کلامی ان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ اصحاب گھر بار یا گلی بازار میں اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ آخر کیا بات ہے کہ ایک شخص بات چیت میں تو چنگی بھلی زبان بولتا ہے جس کے بولنے میں خود اسے کوئی کاوش نہیں کرنا پڑتی اور جس کے سمجھنے میں سننے والے کو دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ ادھر دل سے نکلی اُدھر دل پر اثر انداز ہوئی۔ لیکن جونہی وہ کچھ لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا تحریر انتخاب صراح و قاموس ہے۔ ممکن ہے اس کے اور اسباب بھی ہوں لیکن بولنے اور لکھنے کی زبان میں جو نمایاں فرق ہے میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ خود لکھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب تک مشکل اور پُرشکوہ الفاظ نہ لکھے جائیں پڑھنے والے پر رعب نہیں پڑے گا، یا شاید تحریر کمزور رہ جائے گی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بے شک بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کی سیدھی سادی زبان کافی نہیں ہوتی اور شاید مناسب بھی نہیں ہوتی، لیکن علمی اور فنی موضوعات کو چھوڑ کر جہاں اصطلاحات سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں

کوئی اور ایسا مضمون نہیں جو ہم اپنی عام فہم زبان میں ادا نہ کر سکیں۔ جب سے ہمارے انگریزی داں احباب نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے آہستہ آہستہ ایک اور نقص بھی داخل ہو گیا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر صاحب یا بی اے ایم اے کا مضمون دیکھ لیجئے۔ آپ کو قدم قدم پر ایسے فقرے ملیں گے جو انگریزی سے ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بدیشی ترکیبیں اور محاورے کسی طرح ہماری زبان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احباب سوچتے انگریزی میں اور لکھتے اردو میں ہیں۔ دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے اپنے خیال کا ترجمہ تو اردو میں کر لیں گے لیکن چونکہ مزاج میں سہل انگاری بہت ہے اس لئے وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ ہمارے مسلمہ معیار پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ بے شک زبان بڑھتی دولت ہے۔ اس میں نئے الفاظ آتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ میں سے ترک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلوب اور طرز کا بھی یہی حال ہے۔ آج ایک طرز مقبول ہے، کل وہی مردود ہو جاتا ہے۔ تجربوں سے کوئی نہیں روکتا، اگر کوئی روکتا ہے تو وہ زبان کی ترقی کا دشمن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ آپ زبان کو امیر خسرو کی انمل بنا کے رکھ دیں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ چودھری محمد علی کے یہ خط پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ زبان کسے کہتے ہیں اور اس میں کیسے کیسے خیالات ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ صفحوں کے صفحے پڑھ جائیے آپ کو کسرۂ اضافت کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ جو زبان بولتے ہیں اسی میں انہوں نے خط لکھ دئے ہیں۔ ایسی رواں دواں نثر بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آئی اور اسے پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکل گیا "خوش گفتی و دُر سفتی"۔

اب دو تین مثالیں دیکھئے۔ پہلے دو ایک تازہ تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔
بیٹی کی بیماری کی خبر سنی ہے اسے لکھتے ہیں:

"قربانت شوم! سُن رہا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو حرارت آ گئی۔ تمہاری بیماری میں میری
وہی کیفیت ہوتی ہے جو میر تقی میرؔ کی برسات میں پرانے گھر کو دیکھ کر ہوتی تھی ؏
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم"

ان کی ایک کتاب "کشکول محمد علی شاہ فقیر" ہے۔ کاتبوں اور ناشروں نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کی اطلاع ایک دوست کو دیتے ہیں:

"کشکول محمد علی شاہ فقیر" امید ہے کہ ڈھائی برس کے بعد پریس سے آ جائے۔
جیسے ہی آئی حاضر کروں گا مگر صلاح الدین صاحب! چھاپنے والے نے کیا ظلم کیا
ہے۔ چھپائی ایسی ہے جیسے یتیم بچے کا منہ ہوتا ہے۔ غلطیاں ایسی ہیں کہ جیسے بڑے
گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ کتاب مسخ ہو کر رہ گئی ہے اور ہم ہیں کہ بے بس بے اختیار
دم بخود بیٹھے ہیں۔"

ایک دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہیں اسے تعزیت کا خط لکھتے ہیں اور دیکھئے کیسے انوکھے طریقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے:

"میں ناتجربہ کاری کے زمانہ میں تعزیت اور پرسے پر ہنسا کرتا تھا۔ میری ایک لڑکی

(THINKIC ALOUD)

تصدیق تو اصل کے مطابق ہی ہوگی۔

ان خطوں کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا محبت کرنے والا باپ، مخلص دوست، خدا سے ڈرنے والا عمل اور اچھا اور نیک شہری اور بڑے مرتبے کا انسان ہے اور جب کوئی آدمی بڑے مرتبے کا انسان ہو تو اسے اس کی پروا نہیں رہتی کہ لوگ مجھے شیعہ سمجھتے ہیں یا سُنّی۔ ہندو خیال کرتے ہیں یا مسلمان۔ اس کے نزدیک انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے نہ کہ سُنّی یا شیعہ، ہندو یا مسلمان۔

ختم کرنے سے پہلے ایک بات لکھ دوں کہ اگر "گویا دبستان کھل گیا" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو تو اس کی کتابت اور تصحیح پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ چودھری محمد علی کی مختصر سوانح عمری کا اضافہ لازمی ہے اور مکتوب الیہم کے کوائف اور ان کا مکتوب نگار سے کیا رشتہ ہے، اس کی وضاحت اشد ضروری۔

عکسی خطوط

مکتوب ڈپٹی نذیر احمد

عالی جناب

السلام علیکم - آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے.
مجھکو اس کے لئے تین برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ
اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا
پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک با محاورہ سلیس مطلب خیز
مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے - ترجمہ کے ساتھ اشارات بھی
رکھ دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے
کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے - پہلے آپ دیکھ کر اچھی طرح اطمینان
حاصل کر لیجئے کہ آیا واقع میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے کسی طرح بہتر ہے یا نہیں
اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے
کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض بیانات کی تکمیل کرنا ہے
بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کچھ جلدیں سرکار کے گوش زد کریں
اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں - ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپے سے
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد
مقصود نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو [illegible]
لاگت پڑتی مگر میں نے یہ تمام حق تابع کیا ہے ان اجری الا علی اللہ
میسور میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا -

فقط عاشق نذیر احمد
۶ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء

ترجمہ نو ہدیۃً آپ کی خدمت میں
روانہ کیا گیا ہے اور رجسٹری کا
ویلیو ایبل کیا گیا ہے براہ مہربانی
وصول کر لیجئے گا -

مکتوب الیہ نواب مولانا سید علی حسن صاحب

مکتوب نواب محسن الملک

Honorary Secretary's Office.
M A-O. COLLEGE.
Aligarh. 190

مولوی بشیر الدین صاحب (اٹاوہ)

56/9/19

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ اس کے جواب میں

آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ

اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المقتطف" کی [illegible] جلدیں [illegible] کہ

آپ [illegible] زیادہ ہی مرحمت ہوں

تو عنایت بزرگانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام [illegible]

آپ کا نیاز مند قدیم

وحید الدین سلیم

مکتوب سید احمد دہلوی (فرہنگ آصفیہ)

حافظ صفدر علی صاحب مصحح سنگ [illegible] عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ

کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے ہیں - میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے

زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو

میں میرے ماتحت ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک ہمیشہ کتب [illegible] کے مورد رہے - دوسرے

یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں - لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے

یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے - اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے

بہتر لاہور میں کوئی نستعلیق نویس نہیں ہے - انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو

پتھر پر لکھے اکثر اوقات خطا سے خطا ہو [illegible] غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے

بنایا بلکہ املا ہی کہیں غلطی نہیں کی - انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے

پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے - میں خوش ہو کر انکو کچھ پان کھانے کیواسطے

بھی دیا لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت انکی خدمت جیسا دل چاہتا تھا

ویسی کر سکتا اور مجکو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی - فقط ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

12/7/1901

مکتوب الیہ حافظ صفدر علی صاحب

مکتوب جالب دہلوی

دفتر روزنامہ ہمت لکھنؤ

نیا گاؤں

مکتوب الیہ مولانا الطاف علی بریلوی صاحب

مکتوب ظفر علی خاں

حیدرآباد دکن
۱۳ اگست

رفول

مخدومی السلام علیکم - اس کا تو آپ کو وقوف
ہے کہ آپ دوکان دار نہیں لیکن کچھ عرصہ تک رسالہ
سا مل کر نکلتی ہیں آپ کو تو اس قسم کا تجربہ ہے کہ
مسکین کیا ہیں اس کا علاوہ ایسے رسالہ کے [illegible]
کہ رسالہ نہ کتنی بھی آپ کی مدد میں ہیں
حکایت الشیر کہ آج کل اشاعت میں آپ
ایک سبزہ نوٹ دیجئے؟
ہاں ڈاکٹر ضیاء الدین آج کل یہاں نہیں ہیں
بہت کام میں مصروف رہے [illegible] ظفر علی

مکتوب الیہ مولوی محمد بشیر الدین

مکتوب وحشت کلکتوی

ڈھاکا ۲۴ نومبر ۵۱ء

مکرمی عزیزی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ نومبر پہنچا باعث مسرت ہوا — معلوم ہوا کہ آپ عنقریب حیدرآباد سندھ جانے والے ہیں وہاں پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے — جرم صاحب ڈھاکا آئے تھے معلوم ہوا کہ وہ منیجر کائنات کو اپنا مضمون بھیج چکے ہیں — محمود صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں "وحشت نمبر کائنات" کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں — ترانۂ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے دسمبر کے اخیر تک کتاب مکمل ہو جائے —

آپکا مضمون "ترقی" میں میری نظر سے گزرا — یہ مضمون قابل قدر ہے — ڈھاکا میں اکثر میرے ملنے والوں نے اسکو دیکھا اور تعریف کی — ایک فہرست سی میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی — یہ نہوتی تو بہتر تھا — اس فہرست میں دو چار نام ایسے ہیں جنکے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں — خیر: "تیر از کماں رفت" —

حضرت شمس کے تذکرہ میں آپ نے عزیز کا نام لکھا ہے یہ انکے شاگرد نہ تھے اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے — انکو آپ نے بقید حیات بتایا ہے دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی — انکی مرحوم کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اگر انکا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں — یہ حقیقت نہیں ہے بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے — مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے —

ڈھاکا کے شعرا میں آپنے ایک نام لکھا ہے سید ظل الحسنین کمالی — انکا تخلص کمالی نہیں شرف ہے۔

امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر ہیں۔

آپکا خیر طلب
وحشت

مکتوب الیہ وفا راشدی صاحب

مکتوب میر ناصر علی

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب نواب نصیر حسین خیال

سیف آباد - حیدرآباد دکن
۲۰ جنوری ۲۰ء

مکرمی مسلّم ۔ آپکا ۱۲ کا خط پاکر بیحد مسرت ہوئی ۔ اسکے
قبل آپکا کوئی خط نہیں ملا ۔ ورنہ ضرور جواب دیتا ۔ آپ
میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس لیت میں ہوں جواب خط ضرور
دیدیتا ہوں ۔

میں ۲۳ اکتوبر سنہ گذشتہ کو یہاں پہونچا اور سمجھا کہ ایسے الجھے
ہیں مجھ کو رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگا اور
جب سے جیتا مرا ہوں ۔ ابتک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں
اور جبتک اس کا فیصلہ نہ ہوجائے میرا جی لگ نہیں سکتا ۔
دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے ۔ جوں توں بسر
کر رہا ہوں ۔ میں ان شعبہ جات (دارالترجمہ و جامعہ عثمانیہ)
کے ستون خود کو رہا ہوں کہ کسطرح انہیں تقویت دوں ! آپ مجھ سے برابر

خط و کتابت جاری رکھیں ۔

راسخ کا تتمہ آخر آپنے تحریر کر ہی دیا ۔ مجھے اسکی بڑی خوشی ہوئی ۔ مجھے اب
اسکے دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے ۔ آپکے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے میں
اسے دل سے پڑھتا ہوں ۔

مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظر ثانی کرکے
اب اسے شائع کرسکوں ۔ کاپیاں اسکی اس درجہ نایاب کہ ہمارے
پاس بھی کوئی نسخہ اس کا نہیں ہے ! آپ کیوں زحمت میں گئے اور کیونکر
بھیجوں ۔ دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں اپنی صحیح جگہ ملجائے کہ میں
مطمئن ہوکر کچھ کام کرسکوں یا یہاں سے گلوخلاصی ہوجائے کہ عافیت کی
زندگی نصیب ہو ۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں ۔ والسلام

خیال

عزیزی حسین میرزا سلمہ کہاں ہیں ؟

مکتوب شاد عظیم آبادی

مولانا محمد مسلم روحی فداکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہونچا مجکو پہلے ہی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر
کریں گے - قریب پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کوئی سو ایسے محاورے جن میں بسبب
استعداد فہم کے مجکو شبہ تھا ملا جلال الدین احمد مرحوم کی جیل المتین کے پاس بھیج دئے ہیں
عنقریب جواب آجائے گا میرے خیال میں ہزار سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے
گرمی کی شدت اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے [illegible]
[illegible] لکھا تھا کہ آپ کا خط پایا اچھا معلوم ہوا کہ [illegible] نمونہ آپ کے پاس بھیج دوں جن تک
اس نمونہ میں محاورات درج ہیں وہ ہنوز [illegible] نہیں ہیں آگے ایسے ایسے الفاظ اور
محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے [illegible] نزد [illegible] نہیں ہیں - اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کیجئے اور
اس کو جلد واپس کیجئے - فارسی والی مثنوی اور وہ دستور العمل اور انشا نامہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے
اس کے [illegible] کے دعا ہو کو میرا عدو بیکار بنا دیں گے غالباً آپ کبھی اسکو گوارا نہ کریں گے
[illegible] یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام ہے
آج کل اپنا حال کچھ نہ لکھا - کہیں ریاض میں رمضان کیا کیا [illegible] کہاں پر مشغولی تھی [illegible] مجھے
[illegible] تو سب کا جواب دیگر مضمون [illegible]

دعاگو
شاد عظیم [illegible]
۲۹ رمضان ۱۳۴۱ھ

مکتوب الیہ پروفیسر محمد مسلم صاحب

مکتوب مولانا عبد الحلیم شرر

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب اصغر گونڈوی

ہندستانی اکیڈمی
صوبہ متحدہ
الہ آباد
تاریخ ۳۰ اپریل ۳۱ء

ہندستانی
(سہ ماہی رسالہ)
نمبر 876
J. 2/22

جناب مکرم - تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، غرض یہ تھی کہ آپ کوئی مضمون

اس کے لیے عنایت فرمائیں، مگر اب تک سرافراز نہیں ہوا ہے مگر انتظار ہے آپ کی عنایت کا ،

ایک بار مولانا احسن مارہروی کے یہاں آپ کے شرف نیاز حاصل ہوا تھا،

شاید آپ کو یاد ہو۔ اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست کو قبول فرمائیں گے،

ورنہ اس کا بیڑا اکبر ... احمد صاحب کو سفارش کی تکلیف دیتا۔

مضمون کے لیے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کر لیں۔ ہندستانی اکیڈمی رسالہ میں

کا معقول معاوضہ بھی دیتی ہے۔ والسلام

نیاز کیش
اصغر

پروفیسر ضیاء احمد ایم۔ اے
شعبۂ فارسی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مکتوب الیہ پروفیسر ضیاء احمد صاحب

مکتوب حسرت موہانی

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی محمد بشیر الدین صاحب

[illegible] ۔ لاہور

قبلۂ محترم   آداب فرزندانہ ۔ گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔
زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا۔ اجازت
ہو تو اسے شائع کر دیا جائے۔
"تاجور نمبر" کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں ضروری
ہدایات جلد بھجوائیے۔
بیدار صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے۔
احسان کو کل بلواؤں گا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اس سے کس قسم کا مشورہ
لیا جانا چاہیے۔
ٹائٹل پیج اس مرتبہ بدلنا ہے۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے
بھی فیصلہ کر لیا تھا مگر دفتر کی سستی اور پریس کی جلدی نے معاملہ خراب
کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے پرچے طبع کر چکے تھے۔
اب آپ کا نام یوں شائع ہوگا "شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی"
مجھے اندیشہ ہے کہ شائع [illegible] شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ
کی ہوگی کیونکہ دور سے سرورق دیکھ کر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہوتا ہے
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط (۴) اور ہدایات
کا سختی سے انتظار ہے۔
دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں۔ یہ فیصلہ کیے بغیر کہ وہ شروع
میں جائیں گی یا آخر میں، پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی۔
امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب

بھائیوں کو دعا اور پیار۔
زیادہ حد ادب
نیازمند
اختر

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب سلطان حیدر جوش

Hamid Manzil,
Marris Road
ALIGARH U.P.
7.6.44

محبی! السلام علیکم۔

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گزر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا

اب یہ سنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام [illegible] میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۱۲ نہایت پھڑکتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے جتنے نمونے مغرب نے آج تک بنائے ہیں وہ سب آ جائیں، بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا، اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں اسکول کی اوّل دار کاپیوں کے، جن ۱۸ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں، پورے ۲۵۸ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی

اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؟ — سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام
جواب اگر دینا ہے تو جلد دیجئے۔

احقر سلطان حیدر جوش

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ نہیں یاد۔ اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیج رہا ہوں۔

مکتوب الیہ محمد طاہر فاروقی صاحب

مکتوب پنڈت دتاتریہ کیفی

Brij Mohan Dattatrya Kaifi

77-D Block, Model Town, P.O.
LAHORE

۱۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۳ر نومبر ۵۴ء

جناب مکرم

تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:

(۱) پینڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں

(۲) ریوڑیاں - میں یے اور و ساکن ہیں - واؤ ساکن ہے اور ڑ مکسور۔

(۳) غرّہ - اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں مغرور بھی لکھا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے

(۴) - شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کا بھی تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اسکے معنی ہونگے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک بیماری ہے - اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھہرتا ہے - صحیح فقرہ ہوگا "زخم سے شفا ہو گئی" جسم کو مقصود ہے

نیاز کیش

برجموہن دتاتریہ کیفی

مکتوب الیہ آغا قمر محمد صادق صاحب

غالب

(۱)

بنام چودھری عبدالغفور سرورؔ[1]

جناب چودھری صاحب

میں تو خدمت بجا لایا۔[2] مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آرہ میں مولوی سید فرزند احمد[3] کے مکان کا
پتہ مجھے لکھ بھیجو تا کہ میں ان کو تہنیت لکھوں[4]۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط تم کو واپس بھیجتا ہوں۔ حضرت صاحب[5] کی وہ تحریر جس کی عبارت کو حرف بحرف

---

[1] غالب کے قدردانوں میں کون ہے جس نے غالب کے خطوط پڑھے ہوں اور وہ چودھری عبدالغفور سرورؔ سے ناواقف ہو۔ چودھری صاحب مارہرہ ضلع ایٹہ کے رؤسا میں تھے اور ان کا خاندان کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ غالب کے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور ان کا شمار ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ اشعار اب بہت کم ملتے ہیں۔ غالب کا یہ نادر رقعہ راقم نے ان کے خاندان کے افراد سے حاصل کیا ہے۔ (مختار الدین احمد)

[2] سرورؔ نے ۶۳ شعروں کا ایک اردو قصیدہ اور ۹ قطعات اصلاح کے لئے میرزا کے پاس بھیجے تھے۔ یہ قطعہ کاغذ جس پر سرورؔ نے اپنے ہاتھ سے اشعار لکھے ہیں اور غالب کی اصلاح سے مزین ہیں اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ قصیدے کے ۱۱ اشعار پر غالب کی اصلاح ہے بعض قطعات پر غالب نے خاصی توجہ کی ہے۔ ایک قطعہ انہیں پسند نہ آیا تو سراسر تکلفات بارد لکھ کر اسے قلم زد کر دیا ہے۔ خدمت سے مراد انہی شعروں کی اصلاح ہے۔

[3] صفیرؔ بلگرامی (۱۲۴۹-۱۳۰۸ھ) حضرت صاحب عالم کے نواسے اور میرزا غالب کے شاگرد۔ ان دونوں کے تعلقات کی داستان دیکھنی ہو تو احوال غالب ملاحظہ فرمائیے۔

[4] صفیرؔ بلگرامی کے گھر میں ۱۲۸۳ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ سرورؔ نے اسی سلسلے میں تہنیت کے قطعات لکھے ہیں اور اب غالب صفیرؔ کو مبارکباد کا خط لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ قیاس ہے کہ غالب نے تہنیت کا خط ضرور لکھا ہوگا لیکن یہ خط بھی ان کے ہزاروں خطوں کی طرح اب تک نامعلوم ہے۔ یہ صاحبزادے غالباً سید نور احمد ہیں جو گرامیؔ تخلص کرتے تھے، ان کا ذکر مرقع فیض ص۵۰ (تذکرۂ شاگردان صفیرؔ) اور تذکرۂ یادگار ضیغم میں موجود ہے۔ مرقع الذکر میں ان کی تصویر بھی چھپی ہے جو راقم نے اور اردو شعرا کی تصاویر کے ساتھ رسالہ "آجکل" دہلی دسمبر ۱۹۵۵ء میں شائع کر دی ہے۔

[5] مراد صاحب عالم مارہروی (۱۲۱۱-۱۲۸۸ھ) جن کے خطوط سے غالب کو ہمیشہ شکایت رہی کہ ان سے پڑھے نہیں جاتے۔ سرورؔ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ بھی اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بجنسہٖ آپ کے پاس بھیجتا ہوں حرف بحرف
اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تاکہ جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں۔"

(مختار الدین احمد)

اپنے ہاتھ سے لکھ اور مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ پر سے اٹھالو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور [illegible] اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۲)

۳ مارچ ۱۸۶۷ء

اے میری جان!

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہلِ محلہ سے دریافت کر لے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ بارے نفسِ ناطقہ نے بُری بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچتے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ۔

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں　　میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں
ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو　　گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن　　از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں
نہ سُبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے رابطہ　　میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں
ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ　　نہ دانۂ فتادہ ہوں نہ دامِ چیدہ ہوں
جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت　　میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ　　ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ وَرَع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل　　پر عاصیوں کے فرقے میں مَیں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

(۳)

بنام جناب ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا آپ از روئے شرافتِ نسبی و لیاقتِ حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں آپ کا کیا کہنا ہے۔[1]

[1] یہ خط نواب امین الدین احمد خاں بہادر والیٔ لوہارو کے نام ہے۔ اس کے شروع میں تاریخ درج ہے۔ اس خط میں اُردو کی جو غزل ہے وہ شائع شدہ ہے۔ خط سے معلوم ہو گیا کہ یہ غزل کب لکھی گئی تھی۔ (مالک رام)

ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا سبب یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جو کچھ نثر ہو اور رہی ہو لکھ دوں۔

اوراق اشعار مرحوم زین العابدین خاں[1] مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کرلو۔ پھر یہ واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمۂ ابوالفضل[2] کی جلد واپس پہنچی ہے۔

جواب کا طالب: غالب

(۵)

بنام مولوی عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری[3]

خان صاحب عنایت مظہر سلامت!

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراق پنج رقعہ[4] نظر فروز ہوئی۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعۂ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اس میں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے ارادت خاں متخلص بہ واضح عالم گیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا بازار[5] اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ توالی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ مو بعد سے [illegible] بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے متعرف ہوئے ہیں۔ متوقع ہوں کہ یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔[6]

نجات کا طالب: غالب

---

[1] زین العابدین خاں عارف، مرزا کی سالی کے بیٹے، جنہیں غالب اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ پہلے شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے، پھر مرزا سے اصلاح لینے لگے۔ دیوانِ اردو کے کئی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔

[2] غالباً تاریخ عالم مصنفہ ابوالفضل کا وہ ترجمہ مراد ہے جو مولوی کریم الدین دہلوی نے کیا تھا اور مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ مختار الدین احمد۔

[3] عزیز صفی پوری ۱۸۱۴ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر کے ہنگامے ہوئے تو لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور (اناؤ) اپنی ننھیال چلے گئے اور وہیں انہوں نے اپنی پوری عمر گذار دی۔

تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہیں جن میں دیوانِ اردو، نورِ ولایت، ختم فکر، کلام نظم فارسی، ارمغان، پیش کش شاہ جہانی، پنج رقعہ، ترجمۂ فسانۂ عجائب (منظوم)، اور مثنوی فتح مبین در جواب شاہ نامہ قابل ذکر ہیں۔ عزیز کا انتقال ۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

یہ دونوں رقعے غالب کے رقعات کے کسی مجموعے میں اب تک نہیں شائع ہوئے۔ (مختار الدین احمد)

[4] شاہ صاحب کی فارسی نثر کا مختصر سا مجموعہ جو چھپ بھی گیا ہے۔

[5] یہ بات مشکوک ہے کہ مینا بازار اور پنج رقعہ واضح کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بحث کیلئے ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ [illegible] دیکھا جائے۔

[6] شاہ صاحب نے غالب کی جگہ مرزا نوشہ لکھ دیا تھا۔ غالب کو اپنے عرف سے جو چڑ تھی وہ معلوم ہی ہے۔ (مختار الدین احمد)

(۶)

بنام حزب اللہ شاہ عزیز صفی پوری

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست ۔ یہ جملہ کیا میرا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو موجب ملالِ خاطر کیوں ہوا اور اس سے یہ مفہوم کیونکر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے ۔ ۔ ۔ عرف سے ۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے بُرا مانا۔ ذہن تمہارا معوج ہے اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں۔ پنج رقعۂ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی اعوجاجِ طبع ہوگا مع سوءِ ظن۔

نجات کا طالب: غالب

(۷)

بنام نامعلوم

بندہ پرورا!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔
اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لانا بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے۔

امید بہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع کا میم مشدد ہے۔

غالب!

(۸)

بنام نواب علاؤالدین خاں علائی

جانِ غالب!

دو خط تمہارے متواتر پہنچے۔ معرفی عرفا میں سے ہے بیشتر اس کے کلام میں مضامین حقیقت انگیز ہیں لیکن داماں گلہ دارد و گریباں گلہ دارد، اس زمین میں اس کی غزل میں نے نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

در بزمِ وصالِ تو بہنگامِ تماشا　　　نظارہ زجنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بے دردے　　　بدست مرگ ولے بد تر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رہی ہے وہ مجھ کو شعر و سخن کا طالب ہی زندہ سمجھتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر یہ تکلیف اٹھوا لو اور تم اسی زمین میں شعر کہہ کر بھیج دو میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا عصائے پیر بجائے پیر واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آ گیا وہ لکھتا ہوں ؎

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست　　　در امر خاص حجت دستور عام چیست

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خط کس کے نام ہے (اکبر علی خاں رام پور)

سر سیّد

(۱)

بنام سید حبیب اللہ صاحب

عزیزی سید حبیب اللہ اکبرہٗ

تمہارا خط اسپیچ کرنے پر تمہاری مستعدی معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی۔ بعض مصلحتوں سے ہم نے تمہارے یہاں آنے کی بھی ۱۳ فروری مقرر کی ہے تم کو مناسب ہوگا کہ بارھویں تاریخ یہاں آ جاؤ کچھ اور باتیں تم کو سمجھائی جاویں گی۔ ۱۳ تاریخ ایک بجے مدرسہ میں جلسہ ہوگا اور رات کو ڈنر۔

آج میں نے تمہارے چچا صاحب کو خط لکھا ہے کہ وہ تاریخ مذکورہ کو پسند فرمالیں۔ ان کا جواب آنے پر ہم کارروائی شروع کریں گے۔ اس درمیان میں تم کو مناسب ہے کہ ہائی کورٹ میں ان رول ہو جاؤ۔ تم کو دو اسپیچیں کرنی ہوں گی۔ ایک دن جلسہ میں اور ایک رات کے ڈنر پر۔ ان دونوں اسپیچوں کو تم لکھ لو اور خوب یاد کر لو۔ اسی میں چند فقرے مناسب وقت بڑھا دینا۔ طرزِ بیان و طریقہ کھڑے ہونے کا نہایت عمدہ ہونا چاہئے۔ ایک مہینہ کا عرصہ ہے اس میں تم بخوبی طیار ہو سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عمدہ اسپیچ ہو کہ کسی کو مقام گرفت نہ رہے۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ر جنوری ۱۸۸۵ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب والا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم

آپ کا نوازش نامہ مورخہ تیسری ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ معہ قطعہ کرنسی نوٹ تعدادی پانسو روپیہ پہنچا، باعث افتخار و ذریعہ ہزاراں اعزاز ہوا۔ گو عطیہ کو میں شعبۃ من الشرک سمجھتا ہوں مگر اس فیاضانہ مرحمت کو مدرسۃ العلوم کے اور قوم کے لئے فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ کچھ شبہ نہیں کہ مدرسۃ العلوم اور رہبری کوشش فلاحِ قومی دنیاوی امور سے متعلق ہے لیکن اگر نیت نیک اور تمام کام [illegible] تو خدا سے امید ہے کہ جزائے انما الاعمال بالنیات سے جو نتیجۂ ایمان ہے محروم نہ رکھے گا۔

آپ باور کریں یا نہ کریں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس اسلامی اخوت اور ہمدردی قومی کی جزائے خیر ضرور خدائے تعالیٰ آپ کو عطا فرماوے گا۔ یہ توجہ کو یقین کامل ہے جبکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وظیفہ سے کسی طرح کی شہرت و یادگار آپ کو [illegible]

منظور نہیں ہے اور بلاشبہ خیرات مخفی ہزار درجہ خیرات جلی سے بہتر ہے۔ مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا جو قومی بھلائی سے نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے، ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا اور خیرات دینے والا اجر الدال علی الخیر کفاعلہ میں ضرور داخل ہوگا۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں باعلان خیرات کرنا اگر نیت نیک ہو تو دو چند اجر کا مستحق کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین تمنا اور آرزوئے دلی ہے۔ آپ نے مدرسۃ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی ہے اور جس قدر کہ اس وقت تک بن چکی ہے قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے۔ ایک انگریز نے کہا کہ یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی، علیگڈھ میں جا کر اور مدرسۃ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ جبکہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جا بجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے۔ پس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپیہ کو ایک مناسب فنڈ میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نام نامی کی بقید ولدیت نشانی قائم رکھوں۔

مدرسۃ العلوم کی درمیانی عمارت جو سٹریچی ہال سے موسوم ہے بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہزار روپیہ اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آوے گی —— اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک سو بیس پتھر لگائے گئے ہیں۔ جس بزرگ نے پانسو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں غیر قوم کے لوگ جب آن کر دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر ان کے دل پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے زر عطیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کندہ کر دوں جبکہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو متولی کیا کہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت ضرور نہیں ہے۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے۔ اب جو گناہ و ثواب رہا میری گردن پر ہے۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے امید ہے کہ مجھ کو بھی میری نیت کے موافق بدلہ دے گا۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا۔ میں یہ کروں گا جو جو اللہ چاہے گا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الٰہ آباد میں ہوگا۔ ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں پہلے اجلاس میں ۱۵ امور تنقیح پا دیں گے جو بحث کے لئے پیش ہوں گے۔ مگر تمام بحثیں تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان غالباً اسباب تنزل مسلمانان پر لیکچر دیں گے۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ چین اور جاوہ میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لیکچر دیں گے۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی زور حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے۔ اس وقت انہی دو صاحبوں کا ارادہ معلوم ہوا ہے مگر غالباً مولوی سید علی بلگرامی جو حیدر آباد سے آنے والے ہیں وہ بھی کوئی لیکچر دیں گے غرضکہ تمام جلسہ میں ہائے مسلماں ہائے مسلماں اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

گذشتہ سال کی اجلاس رپورٹ علیحدہ آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیازمند ایک عاجز نیازمند متصور فرماویں، آپ کی خدمت میں نیازنامجات ارسال کرنے باعث میرے فخر کا ہوگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

خاکسار سید احمد علی گڈھ ۲۰ر نومبر ۱۸۸۹ء

(۳)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم من مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر۔

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ممنون اور آوری ہوا اگر آپ تشریف لاتا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو نہایت عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات سے میرے لئے باعث فخر و مسرت!

جلسۂ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لئے اس میں نہایت کامیابی ہوئی۔ رپورٹ جلسۂ مذکور مع متن لکچروں کے جو اس میں دیئے گئے خدمت عالی میں روانہ ہوتی ہے۔ امید کہ از راہ الطاف ان کو قبول فرماویں گے انگریزی خوان ماسٹر جو لائق ہو تلاش سے مل سکے گا۔ سررشتہ جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جاوے مگر ہمیں مدرسہ کے لئے درکار ہے اس کا کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا۔ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک ان کو طمانیت نہ ہو لائق آدمی جانا پسند نہیں کرتے۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا یا اچھی لیاقت نہیں رکھتے وہ آنے کو تیار رہتے ہیں۔ بس اگر ان کو پسند ہو تو کچھ مفصل امر تحریر فرماویں میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ حیدرآباد جانے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے گو کہ بھوپال میں کالج کی بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اس سے زیادہ کہ وہاں کے ارکان میں باہمی رنج و بےلطفی ہے اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں چندہ! خیرات چاہوں گا پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لئے کچھ امداد نہیں ہوتی اور شاید اب بھی نہ ہو۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس اور اہلکار ہیں ان سے کیوں توقع امداد نہ رکھی جاوے۔ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد امتیاز علی صاحب کو لکھتا ہوں۔ آپ کی اس بات میں جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ!

خاکسار سید احمد علی گڑھ ۱۰ جولائی ۱۸۹۱ء

---

(۴)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر

نوازش نامہ عالی محررہ ۲۸ ذوالحجہ پہنچا ممنون عنایت کیا۔ جو کچھ کہ آپ نے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالیہ سے سعی فرمائی اور مدرستہ العلوم اور اس ناچیز کے حق میں کلمۃ الخیر فرمائے اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجرکم علی اللہ اور کیا کہہ سکتا ہوں بلاشبہ سرکار عالیہ کو تائید مدرستہ العلوم میں تامل ہوگا خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرستہ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہوتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات

(۴)

(٥١)

کیا جاوے۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جناب بیگم صاحبہ سے بھی اس باب میں عرض و معروض کریں۔ اگر جناب ممدوحہ [illegible]
بھی کچھ عنایت فرماویں گی تو اس وقت میں نہایت مدد پہنچے گی۔

اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ حضور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی کوئی عرضی لکھوں مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ [illegible]
اس باب میں کچھ ممکن ہو تو عرض معروض کیجیے

تیسری درخواست یہ ہے کہ علاوہ اپنی ذات خاص اور حضور جناب بیگم صاحبہ کے اور لوگوں سے بھی اگر ممکن ہو تو اس
کے لئے کچھ چندہ وصول کیجیے۔ آپ کی کوشش اور سعی سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ والسلام علیکم!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

محمد یعقوب علی صاحب اسلام نگار روبکاری جناب کا خط مورخہ ۸ ستمبر ۱۸۹۶ء معہ نصف قطعہ نوٹ ہائے تعدادی [illegible]
روپیہ جو آپ نے ازراہ فیاضی و شفقت بنگار تلافی نقصان کالج عنایت فرمایا ہے میرے پاس پہنچا۔ میں آپ کی عنایت اور نوازش
کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور شکر ادا کرتا رہوں گا اور رسید عنایت نامہ بازبطہ رسید نصف قطعہ ثانی نوٹ مذکور خدمت عالی میں مرسل ہے

والتسلیم مع التعظیم!

خاکسار
سید احمد۔ علی گڈھ ۸ ستمبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۲)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ میں نے مولوی صاحب سے کتاب کے ترجمہ کی بابت کہا تھا انہوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے میری رائے [illegible]
ان سے کسی قسم کی کوشش کی توقع نہ رکھنی چاہیے بلکہ وہ اس کتاب کو پسند نہیں کرتے ہیں آپ کو جہاں سے مل سکے تلاش کیجیے ان سے کچھ توقع نہ رکھیے [illegible]

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۳)

بنام نواب سید علی حسن

مخدومی و مکرمی ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ نومبر پہنچا ممنون یادآوری ہوا آپ کی خیر و عافیت و صحت مزاج سے طمانیت ہوئی مفتی [illegible]
صاحب کے انتقال کا افسوس ہے۔ خدا کرے کہ جناب عالیہ بیگم صاحبہ کو کوئی ایسا وزیر مل جاوے جو ملک کی اور قوم کی بھلائی کرے
باعث نیکنامی ریاست اور سبب مرضی و پسند جناب عالیہ ہو۔ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا ہی شخص ریاست کو مل جاوے۔

آپ کی یادآوری کا شکرگزار رہوں۔ والسلام علیکم!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۳۰ نومبر ۱۸۹۶ء

بنام جناب محمد عبدالسلام صاحب مرحوم

(۱۴)

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب

آپ کا عنایت نامہ از مقام پنجاب گڈھ پہنچا۔ جو تجویز کہ آپ نے اس میں مندرج کی ہے میں تو اس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سراسر بیجا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۶ جون ۱۸۹۵ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۱۵)

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا۔ اول تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسہ کی تائید کا خیال رہتا ہے بعد اس کے سید عبدالرب صاحب کا اور ان نیک دل لوگوں کا جنہوں نے سید عبدالرب صاحب کے اضافہ کی خوشی میں ایک ایک روپیہ دیا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کم مایہ بزرگ جو باوجود اپنی قلت معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں ان کا میں زیادہ از حد شکرگذار ہوتا ہوں کہ باوصف قلت معاش کے قومی مدرسہ کا خیال رکھتے ہیں۔

مبلغ ۔۔ میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسہ میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں ۲۱ جون کو واپس آ جاویں گے۔ خطبات احمدیہ انگریزی زبان میں موجود ہے۔ ایک جلد خدمت عالی میں روانہ ہو رہی ہے۔ پانچ روپیہ اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ۔

میں آپ کی عنایت اور یادآوری کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۹ جون ۱۸۹۵ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۱۶)

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

چونکہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیازمندی ہے اس واسطے میں بلا تکلف تین امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں آپ بھی بلا تکلف ان کا جواب ہاں یا نا کا ارقام فرماویں گے۔

امر اول یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ٹرسٹی مقرر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ آپ میرے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرسبزی نمایاں رکھیں گے۔ پس آپ اطلاع فرمائیے کہ آپ بخوشی ٹرسٹی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیر مسجد کے لیے عنایت فرمایا تھا اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے صرف برج اور مینار اور استرکاری باقی ہے۔ نماز اس میں ہونے لگی ہے اور موذن اور امام وغیرہ اس کے لیے مقرر ہو گئے ہیں اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیم مذہبی کے بتنخواہ اسی روپیہ ماہوار مقرر کیے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ پچاس روپیہ ماہواری بالکم و بیش حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجات مسجد کے مقرر ہو جائے۔ میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پس آپ کی سعی اس امر میں

کچھ کارگر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کارگر ہو سکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہو سکے تو خیر۔

تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور نیز ان دوستوں کی عنایت کا جنہوں نے واسطے تلافی نقصان کالج کے چندہ دینا ہے شکر ادا کرتا ہوں لیکن فاضلات بنک کی اب تک قریب پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپیہ کے باقی ہے اس کی ادا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں پانچ برس کی میعاد پر اور میں ان کو دستاویز لکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرا دوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا۔ ہم کو ۱۲ روپیہ سیکڑہ کے حساب سے زر فاضلات سود دینا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے۔ ہمارے پاس بھی نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود (۱۲۸۲) [illegible] سالانہ ملتا ہے جو اس قرضہ کی ادا کے لئے بنک میں جمع ہوتا رہے گا۔ پس پانچ برس کے اندر (۲۳۹۴) [illegible] صرف سود ہماری نوکروں کے ہو [illegible] سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رک گیا تھا مگر اب اس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور ہے ۔ ہمارا واجب الطلب ہے وہ یکمشت ملے گا۔

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لئے چندہ لکھا ہے منجملہ اس کے (۱۲۰۵۵) روپیہ وصول ہونا باقی ہے جو وصول ہو جاوے گا ڈیڑھ سو (۱۵۰) روپیہ ماہواری ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے عرصہ میں نو ہزار (۹۰۰۰) روپیہ ہو جاویں گے۔ مجموعہ ان کل رقومات کا بتعداد (۲۸۹۲۹) ہوتا ہے۔ پس ہم بآسانی میعاد معین پر کل زر قرضہ ادا کر دیں گے بلکہ اس سے پیشتر۔ پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجئے گا۔ میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن ہے لیکن اگر دس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے۔ اس قدر میں خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا۔

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اٹھانا چاہتے ہیں دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں۔ والسلام علیکم

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۴ جولائی سنہ ۱۸۹۰ء

محمد حسین آزاد

(۱)

[illegible] مچھلی شہری

آپ کے حب الوطن کا خیال قابل ہزار تعریف کے ہیں اور یہ عنایت خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوتی ہے اس کا تو شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں۔ آپ تصویر منگاتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ کئی برس ہوئے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا۔ کبھی آئینہ سامنے آجاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر شرمائے اسے فوٹوگراف اتروانا اور تصویر کو اس عالم شہیر کرنا کب گوارا ہوگا۔

دو برس ہوئے ایک دوست رستے میں سے بہانہ کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی۔ اگرچہ رنج ہوا مگر پھر شکر خدا کیا کہ الحمد للہ اسے حسن الاتفاق اور سلیم الصورۃ پیدا کیا ہے اور رکھا ہے۔ حقیقتاً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد آج ان شاء اللہ نہانے کا ارادہ ہے اگر خدا پورا کرے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں کہ چار سطریں لکھوں گا۔ نہانے کو پھر دیکھ لیا جائے گا۔ آج کل دربار اکبری لکھ رہا ہوں۔ اس میں اکبر کے امرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح آپ [illegible] شعرائے اردو کا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد اس کی تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ - فروری ۱۸۸۲ء

(۲)

[illegible] حیدرآباد

جناب من: ادام اقبالکم و حفظکم اللہ امالکم!

تسلیم۔ آپ کا مرحمت نامہ تو پہنچا مگر اس نے رنج کو دوبالا کیا۔ کیونکہ نہایت دل شکستگی پائی جاتی تھی۔ بے دل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ مولیٰ اسد اللہ الغالب موجود ہیں۔ ان شاء اللہ پہلے سے اچھا ہوگا۔ میں نے انہیں احتیاطاً کچھ نہیں لکھا۔ آپ لکھ بھیجئے گا کہ رجوع قلب سے عرض کرتے رہیں، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

ع تجھے پھر کون سی مشکل ہے لے تیر   اگر تیرا علی مشکل کشا ہے

[illegible] میں گنہگار روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں۔ خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے۔ دنیا کے اعتبار سے [illegible] کر جہاں جہاں ہر کا خیالات کو بدلا، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو رسائی دی ہے۔ جو کچھ خدمت میں پہنچا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ [illegible] پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں، آپ ہی کوئی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین [illegible] غالباً آپ کے دل پر اس فقرہ کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ آپ سے کم رنج ہو۔ میں رو دیا اور میں نے اور بہت سے میاں [illegible] اس مرحوم کی نمازِ جنازہ بہ نیت پڑھی۔ مجھے امید نہیں کسان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی۔ حضرت آپ ہم لوگوں کو نہیں جانتے آپ [illegible] جبہ جانتے ہیں۔ ہم کچھ اور لوگ ہیں۔ اللہ ان کے صدقے سے ان کی خاکِ آستاں کے صدقے سے، ان کے کتوں کے صدقے سے خیر و برکت شاملِ حال رکھے اور فی الحال تو یہی عرض ہے کہ خدا آپ کی بات کو بنا دے۔ فقط والدعاء بالتماس الدعاء!

آزاد - ۱۵ فروری ۱۸۸۳ء

(۳)

جنابِ من!

تسلیم۔ الحمد للہ علی احسانہ۔ قد رجع الحق علی مکانہ۔ کل اخبار میں اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے ...... میں بڑا بیان [illegible] کیا تھا۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے بھائی صاحب) کو مبارکباد لکھوں۔ پھر سمجھا کہ آپ کو لکھنا، انہی کو لکھنا ہے۔ [illegible] پروردگار عالم استقلال اور خیر و برکت کے ساتھ مبارک کرے۔ دل بہت چاہا کہ حاضرِ خدمت ہوں مگر کالج میں سماہی کا امتحان [illegible] ۱۸ اور پھر کے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے۔ مجھے جماعتوں کے لئے سوالات بنانے ہیں۔ کچھ بنائے ہیں کچھ کل بناؤں گا۔ [illegible] کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں۔ انشاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا اور خان ننکران کو بھی ساتھ لیتا آؤں گا۔ تسلیم بالا ذوالتکریم والتماس دعا۔

محمد حسین آزاد۔ لاہور، بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ فروری ۱۸۸۴ء

(۴)

<u>بنام میر حسن حیدر آباد</u>

جنابِ من!

تسلیم۔ پرسوں شفق کے ۳ پرچے ایک ہی لفافہ میں پہنچے۔ کل صبح کی ریل میں روانہ کئے ہیں رسید ضرور عنایت فرمائیے [illegible] خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح سرخرو ہوں۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں، روز نقصان اٹھا رہا ہوں۔ قومی جنگ کوئی صاحب [illegible] ہیں انہوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا اور تصنیفات طلب فرمائے۔ میں نے نیرنگِ خیال بھیجے۔ ۲۰ دن کے بعد [illegible] آیا کہ کتاب نہیں پہنچی۔ فرمائیے ۳ کی کتاب پر ۲ رجسٹری کے دیتا تو آپ کو کیا جواب دیتا۔ موٹی کی بڑھیا کا سر منڈائی [illegible] کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ یونیورسٹی لیت و لعل کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں۔ بہت خوب اور بھی اچھا [illegible]

ے یہ مکتوب غالباً میر سید حسن بلگرامی کے نام ہے، وہ افسر ... تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد انہی کو "جنابِ من" یا "سعادتی جناب من" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ نیز انہی کے نام [illegible] مرقومہ ۲۴ فروری ۱۸۸۴ء میں 'خان ننکران' کے ارسال کا ذکر ہے (مکتوبات آزاد طبع ثانی ص۲۱)

میں اگست ستمبر کی چھٹیاں بھی اسی میں گذر جائیں گی۔

ابراہیم انشاء اللہ ۸، ۱۰ دن میں رڑکی کو روانہ ہوگا کیونکہ یکم مئی سے جماعت کھلے گی اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے مگر دعا و التماسِ دعا!

آزاد - لاہور بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ اپریل ۱۸۸۴ء

---

(۵)

بنام معلوم

عزیز من زاد اللہ انسائکم!

بعد از دعائے فراواں معلوم باد۔ تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ اس لئے باعثِ مسرت ہوا۔ مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ خدا انہیں صحت دے۔ گھبراؤ نہیں، علاج کرتے رہئے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔

میرا حال بدستور ہے، مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائم صاحب بہادر پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری حلقہ لاہور کی بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر شلپ نائل صاحب انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملہ تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لائے ہیں۔ کوب صاحب ان کا نام ہے یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں۔ ماسٹر پیارے لال پرشاد اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ماسٹر ساگر چند بشرح ایضاً بابو شانتی بھوشن بشرح ایضاً مگر مستقل۔

بس اور کیا لکھوں۔ اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب رو بصحت ہے والدعا و التماس دعا
محمد حسین عفی عنہ، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

امیر مینائی

(۱)

بنام منشی محمد عسکری وسیم ترمذی خیرآبادی

نورچشم من - کل قطعات تاریخ بھیج چکا ہوں - ایک قطعہ تاریخی اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ نام سے تاریخ پیدا کی جائے - اس وقت ایک صورت سے موزوں ہوئی اس کو بھی لکھے بھیجتا ہوں اگر یہ قطعہ پسند ہے تو خیر ؎

طالعش در گردش از دور نجوم آمد کنوں	خفت کہ بانو بخاک و گشتہ شد سینہ چاک
در ریاض فاطمہ باد سموم آمد کنوں	سال مرگ از نام آں مرحومہ پیدا کرد امیر

۱۵۳ - ۱۴۶ = ۱۲۹۹

چاہیے کہ رسید دونوں تاریخوں کی اور کیفیت پسند اور ناپسند سب عزیزان دیامانی انجمن کے لکھ بھیجئے اور جس تاریخ کا کندہ ہونا قرار پائے اس سے بھی اطلاع دیجئے - میرے ایک شفیق سخن سنج شیرازی میرے پاس تشریف رکھتے تھے - انہوں نے اس تاریخ کو پسند کر کے دو مصرعے اول کے اس طرح موزوں کیے

ماتم زنیاں کہ از دور نجوم آمد کنوں	اندریں ماتم سرا نا دیدہ چشم روزگار

۱۲ر جمادی [illegible]

راقم آثم امیر احمد از رام پور

(۲)

بنام جناب سید محمد عسکری صاحب وسیم ترمذی خیرآبادی

میاں وسیم - تمہاری پریشانی سے مجھ کو بھی پریشانی ہوئی - سوائے کام چھوڑ کر چلے جانے کے، جو بات امکانی ہو تم مجھ کو بتاؤ تو وہ میں کروں - میں کسی حالت میں اپنے عزیز اپنے دوست کا نقصان نہیں چاہتا مگر تم خود سمجھتے ہو کہ (امیر اللغات کا) ایک حصہ مکمل ہو جانے تک تمہارے جانے سے اس کام کو نقصان سخت پہنچے گا تم کو اختیار ہے، تم بجائے خود خوب سوچ کر جو درخواست قابل قبول ہو - مجھ سے کرو اس میں میں حاضر ہوں تمہاری راحت سے بہ حلف لکھتا ہوں کہ مجھے راحت ہوتی ہے اور تمہاری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے تمہارا ؟ کم ہے اور اب مجھے پسند نہیں کہ تمہارا کفاف ترقی نہ کرے - آیندہ سے میں تم کو معہ تنخواہ [illegible] ماہوار کے دوں گا - اور تمہارے پاس سے یہ خط نہ آتا تو بھی میرا یہ قصد حتماً تھا - اس سے زیادہ کوئی [illegible]

خیال میں نہیں آتی کہ تمہاری پریشانی رفع کردوں تم میری پریشانی مٹانے کے لئے جواب مفصل مجھے لکھو کہ سکون خاطر ہو فقط

۳۱ دسمبر ۱۸۹۸ء　　　امیر فقیر عفی عنہ

اس رقعہ کو ضائع نہ کرنا یا واپس کردینا یا احتیاط سے رکھنا۔

(۳)

بنام مرزا داغ دہلوی

مصدر لطف اتم۔ قدیمی مکرم سلامت۔ سلام مسنون، اخلاص مقرون۔ مدت کے بعد نوازش نامہ آیا۔ ممنون یاد آوری فرمایا۔ بندہ نواز، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی خط کا جواب قلم انداز کیا ہو۔ یہ میرے مقدر کی نارسائی کہ خط نہ پہنچا ہو۔ بہرکیف جرم ناکردہ کا عذر خواہ ہوں۔ اخبار گورکھپور میں دیکھا کہ آپ کا مخاطب بخطاب استاد السلطان ہونا اور سات سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونا چھاپا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوا تھا۔ مگر اس تحریر میں ان دونوں اعزازوں کا ذکر نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ سرور کھیت گیا۔ عزت افزائی جو سرکار دولت مدار نے تلگذ سے فرمائی وہ میرے سروساماں آئندہ ترقیوں کی امیدوں کو بڑھا رہے ہیں۔ خدا جلد ظہور میں لائے۔

شکایت جو آپ نے "صنم خانۂ عشق" دیوان دوم کے نہ پہنچنے کی لکھی ہے۔ وہ دیوان چھپا کہاں؟ ورنہ ممکن تھا کہ نہ پہنچتا؟ تالیفات کہنہ کا حضور میں آپ کے واسطے سے نہ پہنچنا معاذ اللہ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ نے رشک و حسد سے نہ گزرانیں۔ افسوس کہ اتنی مدت تک یکجائی اور میری طبیعت کی صفائی دیکھ کر بھی آپ کو بدگمانیاں باقی ہیں۔ میاں بوڑھے ہوگئے ہو، یہ شیوہ چھوڑ دو کہ زبردستی رکاوٹ کے لئے ایک بات قرار دی ہے۔

افل ترین خطاب لینے ہی کے قابل اپنی قابلیت کو نہیں سمجھتا۔ اور پھر درخواست دے کر خطاب مانگنا یہ تو بالکل پسند نہیں۔ میاں، اب تو وہ وقت آگیا کہ مرحوم و مغفور کا خطاب بارگاہ شہنشاہ حقیقی سے عطا ہو۔ کوئی اور حوصلہ نہیں ہے۔

آپ کا تازہ کلام دیکھ کر جی خوش ہوجاتا ہے۔ میں کہتا کیا ہوں جو بھیجوں۔ جی افسردہ رہتا ہے۔ کبھی کسی گلدستے والے کے اصرار سے کچھ بکتا ہوں تو وہ چھپ جاتا ہے۔ یہ فراغتیں چشم بد دور آپ کے واسطے ہیں کہ شعر کے سوا کوئی فکر نہیں۔ خدا جمعیت خاطر بڑھائے۔

اور سنئے یار، استاد السلطان ہونے کی مٹھائی تو لا۔ یا استاد، یا استاد برسوں کہا گیا ہے۔ اب جو

۱۸۹۱ء میں نظام دکن میر محبوب علی خاں نے مرزا داغ کو "استاد السلطان" کا خطاب دیا۔ اخباروں میں اس کا تذکرہ چھپا۔ امیر مینائی نے بھی دیکھا۔ اُن ہی دنوں میں مرزا داغ کا خط امیر کے پاس آیا۔ لیکن انہوں نے اپنے خطاب و اعزاز کا ذکر نہ لکھا تھا۔ اس خط کے جواب میں امیر صاحب نے یہ خط لکھا۔

یعنی مرزا داغ کے خط میں۔

مرزا داغ نے اپنے خط میں امیر صاحب کے خطاب کے متعلق استفسار کیا ہوگا۔ اس کا جواب ہے۔

اس بے تکلفی اور خلوص کا کیا کہنا!

وہ وقت آیا تو اُستاد کی شیرینی ندارد۔ امید ہے کہ کبھی کبھی رسم رسل و رسائل رہے۔ میں ابتدا سے تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے گمان فاسد نہ کیا کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۳۱ مارچ ۱۸۹۱ء امیر فقیر

(۴)

بنام ولی شاہجہانپوری

محبی، سلام مسنون۔ آپ کے اکثر مہربانی نامے آئے اور افسوس ہیں اپنی معذوریوں کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ تپ لرزہ کا دورہ اب کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ قاتا طیر سے کام لیا گیا۔ خون کئی روز تک آیا۔ اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی خیریت سے کبھی کبھی مسرور کرتے رہیں گے۔ اور اگر جواب میں تاخیر ہو تو مجھے رنجور و معذور سمجھ کر بے التفاتی پر محمول نہ کریں۔

رام پور ۶ نومبر ۱۸۹۳ء امیر فقیر

(۵)

بنام ولی شاہجہان پوری

محبی سلام مسنون۔ دعائے مشمول بہت سے گرامی نامے آپ کے آ کر باعث شکر گزاری ہوئے۔ رنجوری و معذوری نے مجھے جواب دینے سے محروم رکھا۔ اس وقت ۸ اپریل کا کارڈ پیش نظر ہے۔ اس کا جواب سنیے۔ چلمن نہ فارسی ہے نہ عربی اس کی اضافت فارسی کی ہرگز جائز نہ ہوگی جانب متھرا اس کے لیے سند نہیں متھرا علم ہے شہر کا نام ہے اس کا ترجمہ عربی فارسی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا یہی لفظ ترکیبوں کے ساتھ بلا تردد باندھیے آپ کا مصرع جس میں پس چلمن ہے یوں اصلاح ہو سکتی ہے

دلِ صد چاک میں دیکھا نہ گیا روشن ان کا ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن ان کا

آپ ہر خط میں اپنی غزل طلب کرتے ہیں۔ آج میں نے امکان بھر تلاش کی نہیں ملی ورنہ دیکھ کر بھیجتا۔ مختلف کلام کثرت سے جمع ہے اس میں کہیں بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر ہو گئی ہوگی جواب ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی اطلاعاً لکھ دیا

رام پور ۲ مئی ۱۸۹۵ء امیر فقیر

(۶)

بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری

پیارے راز عمر دراز۔ خزانہ خالی ہونے کا جو ذکر تم نے کیا۔ اس عذر کے مرتفع کرنے کے لیے میں نے رُباعی

ل منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری مرحوم (عرف پیارے خاں)، امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے۔ ریاست رام پور میں حضرت امیر کے قریب ہی رہتے تھے۔ بستا پڑھتے تھے۔ یعنی سرکاری دیہات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ حضرت جلیل مرحوم کے ساتھ و فراہمی امیر اللغات میں بھی راز صاحب نے کام کیا ہے۔ حضرت امیر جب ان کو خط لکھتے تھے تو راز صاحب کے عرف (پیارے) کی مناسبت سے القاب میں کبھی "پیارے راز" کبھی "پیارے پیارے" لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب پیارے خاں صاحب راز ریاست بھوپال میں تھے۔ حضرت امیر مینائی نے بیگم صاحبہ بھوپال کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرایا تھا۔ بیگم صاحبہ نے پسند کیا اور فرمایا کہ قحط کے سبب سے خزانہ خالی ہے ورنہ اس کا معقول صلہ دیا جاتا۔ یہ جواب امیر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رباعی لکھ کر راز صاحب کو بھوپال بھیجی کہ سرکار میں پیش کر دیں۔

ہیں۔ جسے خوشخط لکھوا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ بہت جلد اچھے صاحب کی خدمت میں پہنچاؤ۔ اور کہو کہ مہربانی کر کے سرکار عالیہ متعالیہ کے ملاحظے سے گزرانیں۔ اور جو کیفیت ہو اس سے آگاہ کرو۔ یہاں خیریت ہے۔ کئی روز ہوئے تمہارے خط کے جواب میں ایک تحریر بھیج چکا ہوں۔

۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء   امیر فقیر

وہ رباعی یہ ہے :-

رباعی

کب ہے یہ خدائی کارخانہ خالی   حاتم سے نہیں کوئی زمانہ خالی
معمور ہے گنجینۂ دل ہمت سے   ممکن ہی نہیں کہ ہو خزانہ خالی

(۷)

[illegible] جہان پوری

محبی ضمیر سلمہ القدیر۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ ایک نوجوان کشیدہ قامت کوئلوں کے تاجر شاید عبدالقدیر ان کا نام ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور اس تجارت کا کارخانہ ان کا رونق پر ہے، یہاں کے سوداگری طلب پر کرنے لائے تھے اور مجھ سے بھی مل کر کچھ اپنے شعر سنائے تھے تمہاری خیر و عافیت بھی میں نے ان سے پوچھی تھی۔ غالب ہے کہ ان سب پتوں سے تم ان کو پہچان گئے ہو گے ان سے مل کر میری طرف سے کہو کہ کوئلے بھیجنے کا وعدہ اب تک وفا نہ ہوا۔ اب فی الفور حسب وعدہ سیتے اعلیٰ کے کوئلے پختہ جو چٹکتے نہ ہوں میرے پاس بھجوا دیں میں نے ان کے بھروسے پر یہاں کوئلوں کا بندوبست نہیں کیا۔ اور جو کچھ وہ کہیں اور جو بات قرار پائے اس سے مجھے مطلع کرو اپنے بزرگوں کو میری طرف سے سلام مسنون پہنچا دو۔ مکرمی منشی ظہور خاں صاحب اور مخدومی جناب حافظ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کرو۔

رام پور ۴ جنوری ۹۷ء   امیر فقیر

(۸)

منشی امتیاز احمد خانصاحب رازؔ رامپوری

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت امیر مینائی نے پیارے خانصاحب رازؔ سے فرمایا کہ اپنے علاقے سے کچھ کھورا اور اُپلے بھیج دینا۔ جب تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی تو اس طرح یاد دہانی کرتے ہیں :-

رام پور۔

پیارے راز۔ ایک مطلع ٹھٹھرتے ہوئے دل سے کہا ہے اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا ہے سنو اور اس کی قدر کرو :-

نہیں کچھ تاپنے کو، دست و پا سردی سے اکڑے ہیں
نہ کھورا ہے، نہ کنڈے ہیں، نہ سینٹھے ہیں، نہ کوڑے ہیں

۱۲ دسمبر ۹۷ء   امیر فقیر

[illegible] کی چھیلن یا چھوٹے ٹکڑوں کو کھورا کہتے ہیں۔

(11)

(10)

(6)

[illegible] شاہجہانپوری

(۱۲)

محبی و شفیقی - سلام مسنون - مدت کے بعد آج آپ کی غزل دیکھنے کی نوبت آئی - معاف کیجئے گا بیمار تھا - ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا مہینوں مجھے بستر معذوری سے اٹھنے نہ دیا - آپ کے بہت سے عنایت نامے آئے - سخت انفعال ہے کہ جواب بھی نہ دے سکا - اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور دلنوازی کی توفیق اس سے زیادہ عطا فرمائے - حافظ صاحب کی فارسی غزل دیکھ کر بہت خوش ہوا - اگر مجھ میں مصرع لگانے کی فرصت اور اطمینان کہاں - آپ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا حال تمام و کمال عرض کر کے میری طرف سے معذرت کر دیجئے کہ وہ کسی طرح ناخوش نہ ہوں - فقط

امیر فقیر　　۲۹ جولائی رام پور

[illegible] شاہجہان پوری

(۱۳)

محبی سلام مسنون - غزل آپ کی دیکھ کر بھیجتا ہوں - مجھے اس زمانے میں حبس بول کے متصل دورے پڑے تا تاخیر کی بار بار اذیت اٹھانے میں بالکل چور ہو گیا - یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھنے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی - زمین بہت تنگ تھی اس پر بھی آپ نے بہت زیادہ شعر کہے اور اچھے کہے عیوب سے پاک کرنے کی نظر سے کچھ شعر نکال کر منفرد کر دئے گئے ہیں اب بھی سترہ شعر ہیں بہت ہیں - تیروں کا گنجان ہو کر بیٹھنا زبان نہیں ہے - درخت آبادی اور خطہ کی نسبت گنجان کہا جاتا ہے - بہت سفید قسم اعلیٰ قند کی جائے کے واسطے ضرورت ہے - معلوم نہیں شاہجہان پور میں اس کا آج کل کیا نرخ ہے آپ تحقیق کر کے لکھئے بلکہ تھوڑا سا قند بطور نمونہ بھیجئے تاکہ آئندہ بقدر ضرورت آپ کو بھیجنے کی تکلیف دی جائے -

رام پور ۲۲ ستمبر　　امیر فقیر

[illegible] شاہجہان پوری

(۱۴)

عزیز از جان من منشی منیر حسن سلمکم اللہ تعالیٰ - دعائے صلاح و فلاح دارین محبت نامہ سعادت شمامہ آیا - یہ شکر کی تسلی بھی پہنچی - دونوں نے مرہون منت کیا - حق تعالیٰ سعادت و لیاقت کے ساتھ تم کو شاد و آباد رکھے اور عمر و اقبال میں ترقی دے -

از دست امیر بے نوا ناید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

مجمع محامدن فراواں مکرم محترم ظہید خاں کی خدمت گرامی میں سلام مسنون و اخلاص مشحون پہنچے - مجتبیٰ و عزیزی حافظ جلیل حسن اور سعید سرمد قرۃ العین مسعود احمد باوجب رساں ہیں -

امیر فقیر

داغ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۱)

نواب صاحب تغافل شعار سلمہ اللہ تعالیٰ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں جواب ندارد۔ نفلاں جو شرفا کے واسطے ہے اس پر خفا ہوں میں نے خوب جھاڑا ہے۔ پانچ روپیہ لڑکی سے لائیں پچاس یہاں سے گئے دس آپ سے مانگتی ہیں ذرا ان کو جھاڑیے گا۔ میں نے جوان کو خط لکھا ہے نہ اتنا کے نسلا میں ہے اس کو اتنا سے لے کر آپ پہنچائیں تو بڑی عنایت۔ ایک غزل ملفوف اور بھیجتا ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلی سب غزلیں سفینہ میں صاف چڑھ گئیں کہ ابھی کوئی باقی ہیں۔ یہاں خیریت ہے گرمی کی شدت ہے۔ بچوں کو دعائیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی یکم جون ۱۹۰۳ء مطابق ۵ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ

(۲)

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

نواب صاحب سلام!

میں خیر کا طالب ہوں، ہرج کا منظور نہیں۔ مرمت کی کیا صورت ہوئی اس بارش میں مشکل ہے۔ بی حجاب کل سے مارد ہیں اور آپ کی مشتاق۔ ان کا مکان گرا، جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز!

فصیح الملک داغ دہلوی

یکم اگست ۱۹۰۳ء مطابق ۷ جمادی الاوّل ۱۳۲۱ھ بروز یک شنبہ

(۳)

بنام لقمان الدولہ[1]

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب سفاؤ چادر گھاٹ سے جھگڑا ہے۔ شانہ کے درد کے واسطے دوا بھجوا دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔ فقط!

داغ دہلوی

---

[1] یہ خط لقمان الدولہ کی ایک غزل پر اصلاح لکھ کر اسی کے نیچے مرزا داغ نے قلمبند کر دیا ہے۔

بنام نواب لطفی الدولہ مرحوم[1]

(۴)

مہربانِ من!

آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے استاد[2] شاگرد فیض صاحب[3] نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی تعریف آپ کی طبیعت کی روانی کی اور ان کی اصلاح کی داد دیتا ہوں۔ کہیں بھی گنجائش اصلاح نہیں ہے۔ نسخہ جو لکھے ہیں اس کو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔

بیچمدان: فصیح الملک داغ دہلوی

۱۔ مکاتیب احسن مارہروی ؟

۲۔ ان کے پہلے استاد حفیظ الدین یاس (۱۲۶۰ھ۔ ۱۳۲۳ھ) تھے جو مرزا داغ کی آمد حیدرآباد سے قبل مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف کے بھی استاد تھے۔ مرزا داغ نے ان کی اصلاح کی تعریف کی ہے۔

۳۔ حافظ شمس الدین محمد فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۶۳ھ) حیدرآباد کے استاد الاساتذہ اور مشہور صوفی تھے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے مصنف شاعر اور اہل اللہ سمجھے جاتے تھے۔ شمس الامرا کو علمی و ادبی خدمات کی طرف مائل کیا۔ ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور متعدد دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

ذکاء اللہ

(۱)

بنام مولانا محمد حسین آزاد

جناب مولانا صاحب!

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ افسوس ہے کہ   لغات کشوری[1] اور   دونوں میرے پاس ہیں مگر ان کے مالک اجازت بھیجنے
کی نہیں دیتے۔   وہ ایسا غلط لکھا ہوا ہے فائدہ نقل کا بھی نہیں۔   چھاپے کی کتاب ہے اگر کسی سوداگر انگریزی کی کوٹھی میں
تلاش کرو گے تو مل جائیں گی۔ مجھ سے کئی دفعہ لوگوں نے کہا کہ یہ صلح آپ کرا دیجئے۔ لیکن میں نے یہی کہا کہ دل کا حال کپڑوں کا سا
نہیں ہوتا کہ دھونے سے ہی صاف ہو جائے۔ جب دل میں کدورتیں آ جاتی ہیں تو مشکل سے وہ صاف ہوتی ہیں۔ جب تک مولوی صاحب
کا یہ خیال ہے کہ میری نظم کا خاکہ اڑانے کا اب لوگوں نے قصد کیا ہے تب تک دل صاف نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک صلح نہ
مناسب ہے اگرچہ اس کو بقا بہت دنوں تک نہیں۔ مگر اس میں ایک بات ہے اور اس میں آپ کی عالی حوصلگی پائی جاتی ہے۔ فقط۔

ذکاء اللہ (۱۸۷۴ء)

(۲)

بنام نواب محسن الملک

جناب فیض مآب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سلامت!

تسلیم و نیاز کے بعد معروض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جناب کا والا نامہ نسبت ضابطہ مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ نمبری
منفرق ۵۳۴م/ میرے پاس آیا۔ اسی مضمون کا والا نامہ نواب انتصار جنگ بہادر کا مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۹۰ء میرے پاس آیا تھا۔ ان دونوں
خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور تصفیہ طلب تین ہیں۔ اوّل اکتیس[2] روپیہ جو باسعل میرے پاس ہی رکھا ہے وہ ساہوکار اور منشی سید احمد
میں کیونکر تقسیم ہو۔ دوم لغات آصفیہ کا حصہ غیر مطبوعہ کیونکر منطبع ہو کہ جس سے کتاب تمام ہو جو سرکار عالی مقام کی غرض خریداری سے ہے۔
سوم منشی سید احمد کو ساہوکار سے کیونکر نجات ہو۔

امر اوّل کی نسبت عرض یہ ہے کہ ساہوکار رائے شیو پرشاد صاحب اور منشی سید احمد صاحب کے درمیان ۲۲ فروری ۱۸۸۶ء کو اس روپیہ کی بابت

---

[1] یہ خط پوری طرح پڑھا نہیں گیا۔ [2] یہ رقم سمجھ میں نہیں آئی۔

فیصلہ ہوگیا تھا کہ دو ہزار تین سو اٹھاون روپیہ چھ آنے نو پائی ساہوکار لے اور سات سو اکتالیس روپیہ نو آنہ تین پائی منشی سید احمد لیں۔ چنانچہ اس فیصلۂ باہمی کے موافق تقسیم روپیہ کی مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے پاس رجسٹری شدہ لفافہ میں ۲۴ فروری ۱۸۹۰ء کو بھیج گئی اور رسید اس کی مولوی صاحب نے بھیج دی یہ خط ان کے پاس یا دفتر سرکار عالی میں مثل خریداری لغات میں شامل ہوگا۔ میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جو فیصلہ بہ تراضی طرفین ہو چکا ہے اس کو تبدیل کروں اس لئے ہی سے روپیہ کی تقسیم اس طرح قرار دی اور ساہوکار نے میرے پاس رسید بھیج دی ہے میں اس کو روپیہ دے دوں گا۔ مگر منشی سید احمد نے مجھے رسید روپیہ کی نہیں دی نہ وہ اس روپیہ کے لینے پر راضی معلوم ہوتے ہیں۔ سو یہ ان کی عاقبت اندیشی سے بعید ہے۔ اگر انہوں نے روپیہ لے کر رسید دے دی تو میں دونوں شخصوں کی رسیدیں بھیج دوں گا۔ نہیں تو ساہوکار کو روپیہ دے کر رسید اور باقی روپیہ بھیج دوں گا۔

دوم امر کی نسبت التماس یہ ہے کہ منشی سید احمد اپنی کتاب لغات آصفیہ کا مسودہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں اس کو ساہوکار مذکور سے روپیہ لے کر بہت جلد چھپوا دوں گا۔ اس صورت میں جناب کو یہ ضرور ہوگا کہ چودہ سو پچاس روپیہ جو بابت قیمت لغات آصفیہ باقی ہے وہ میرے پاس اثنائے طبع کتاب میں یا مابعد ارسال فرمائیں۔ جناب نواب انتصار جنگ بہادر نے مجھے ارقام فرمایا ہے کہ اگر تم اس روپیہ کے ملنے کی درخواست کرو تو سرکار عالی یہ روپیہ بھیج دے گی۔ بموجب اقرار نامہ رجسٹری شدہ کے منشی سید احمد خود اس کتاب کو چھاپنے کے مجاز ہیں نہ دوسرے کو اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر حیدرآباد میں کتاب چھپے گی تو عدالت میں غالباً فیصلہ دائر ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

سوم امر کی نسبت یہ گزارش ہے کہ جس وقت کتاب چھپ جائے گی تو دونوں شخصوں میں آدھی آدھی کتابیں دے دی جائیں گی وہ اپنے آپ فروخت کریں گے۔ ساہوکار اقرار نامہ کے بموجب ایک دفعہ اور چھاپنے کا مجاز ہوگا اور سید احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جتنی دفعہ چاہیں چھاپیں۔

میری رائے ناقص میں یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس میں انصاف بھی ہے اور آئندہ کوئی عدالت میں جھگڑا بھی نہیں کھڑا ہوگا۔ آئندہ جو مصلحت رائے عالی ہو اس کی تعمیل کی جائے فقط!

جناب کا نیاز مند: محمد ذکاء اللہ۔ ۴ فروری ۱۸۹۰ء اور ۱۳ جمادی الثانی، ۱۳۰۷ھ

نوٹ: یہ خط بجنسہٖ نقل کیا گیا ہے۔ مولانا جگہ جگہ بعض الفاظ چھوڑ دینے کے عادی تھے۔
اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

ڈپٹی نذیر احمد

(۱)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

کرامت نامہ پہنچا۔ میں نے حقیقت واقعی بے کم وکاست بالمشافہ عرض کردی تھی اب کامیابی ہو تو اور ناکامی ہو تو دونوں صورتوں
میں جناب کا احسان میرے ذمہ ثابت ہو چکا اور میں مدت العمر ممنون رہوں گا۔ اگر کسی مدِ مقابل کے لئے سفارش نہیں کی گئی تو ناکامی کا
احتمال ضعیف ہے لیکن آپ نے خط میں اس کی کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ رہی حکام انگریزی کی سفارش، اس کا حال یہ ہے کہ میں برسوں
میں سرکار انگریزی سے بے تعلق محض ہوں۔ دس برس کے قریب حیدرآباد رہا اور اس کے بعد سے خانہ نشین ہوں سازش کی عدم
جستجو تھی طبیعت نے بے فائدہ خوشامد اور روزبارداری کو گوارا نہ کیا لیکن جس وقت تک میں سرکار انگریزی میں تھا لیفٹیننٹ گورنر
تک کے سرٹیفکیٹ کتاب میں آپ نے ملاحظہ کئے ہوں گے۔ بڑی خدمت کے لئے بڑے عہدیداروں کی سفارش درکار ہے اور یہ
دلی کے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر مجھ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں نے میرے لیکچر سنے ہیں اور ضرور میری نسبت اچھا خیال رکھتے ہیں ان
سے پوچھا جائے تو اچھا ہی ظاہر کریں گے لیکن میں ان کی کوٹھیوں پر ان کے سلام کو بھی نہیں گیا۔
چونکہ آپ نے ایک طرح کا تعلق اس معاملہ سے پیدا کر دیا ہے وقتاً فوقتاً مجھ کو اطلاع ہوتی رہے تو مزید عنایت۔

خاکسار: نذیر احمد۔ ۲ دسمبر ۱۸۹۶ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

السلام علیکم! آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے مجھ کو اس کے لئے تین
برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا
تب کہیں جاکر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ، سلیس، مطلب خیز، مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمے کے ساتھ

(۳)

(۴)

(۵)

(۶)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد، اٹاوہ،

(بجواب خط یکم دسمبر ۱۹۰۲ء)

السلام علیکم - سب سے پہلے میں آپ کو مرگ عزیز پر جس کی مرگ کا حال آپ نے اخبار میں بھی چھاپا تھا، تعزیت ادا کرتا ہوں اگرچہ آپ تعزیت چیز کے معتقد نہیں ہیں۔ حمائل شریف کی جلد بندی کے دام لے چکا ہوں۔ کمیشن جو آپ طلب فرماتے ہیں اس کی بابت استفسار طلب بات یہ ہے کہ کمیشن جو آپ منظور کرتے ہیں اس کی تعداد کیا ہے مجھے یاد نہیں اور نہ میرے پاس اس کی کوئی یادداشت ہے کالج کی شرکت موقوف ہے اور ادخال مزاج پر مائل ہوتا ہے وہ وجہ سے اول دوری سفر دوسرے وہاں کے لوگ اردو کم سمجھتے ہیں اور اکثر نہیں سمجھتے آپ کا اور آپ جیسے لوگوں کا شریک کار ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ میں تو اتنے ہی کام کا ہوں کہ مسودہ مستعمل پیش پا افتادہ باتوں کا کٹھے ہو کر اعادہ کر دیا۔

اخبار کی نسبت مجھ کو یہ کہنا ہے کہ عربی کا اہتمام جیسا چاہئے نہیں۔ مذہبی مضامین بھی بعض بُرے ہوتے ہیں جیسے کسی شخص نے آپ کے اخبار میں لکھ مارا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے پابندی مذہب ضروری نہیں۔ اگلے شمارے پچھلے پرچے میں کسی صاحب نے دعقد الامم تمار بر سے دلیل کی پیش گوئی استنباط کی لغو ہے ہم اب جوڑ لیں ضرورت۔ ایسی باتوں سے قرآن کے ظاہر الفاظ سے اعتبار اٹھا جاتا ہے اس قسم کے مضامین آپ کے اور آپ کے اخبار کے شایان شان نہیں اور میرے نزدیک ایسی باتوں سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔

ہاں — حمائلیں جو مجلد جائیں گی ان کی جلد قسم اول ہوگی بعض نے اسے قسم ادنیٰ پڑھا۔

خاکسار: نذیر احمد - ۴ دسمبر ۱۹۰۲ء

(۷)

(نقل خط شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم بخط شکستہ کا غذ بوسیدہ سفیدی مائل تھا)

مخدومی!

غلام محمد خاں جو بالفعل ملوی صاحب کے متوسل ہیں بھتیجے اور داماد ہیں محمد جہانگیر خاں بنگلوری کے اور جن دنوں میں بنگلور اور گیا تھا مجھ کو جو کچھ آرام ملا اور جس قدر ذاتی اور سرکاری کام نکلا سب جہانگیر خاں صاحب کی بدولت۔

محمد نعماں وجیہہ آدمی ہیں - جوان، انگریزی خوان، اردو انگلش بولتے اور رکھتے ہیں۔ فن تحصیلداری کے لئے نہایت مناسب ہیں اگر مجھ کو ملیں تو میں خوشی سے لوں گا اور ان کے مقرر ہونے سے محمد جہانگیر خاں کی نظروں میں مجھ کو سرخروئی ہوگی۔

نذیر احمد

لے یہ خط جواہر میوزیم (اسلامیہ کالج اٹاوہ) میں موجود ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم نے یہ خط غالباً نواب محسن الملک کی خدمت میں لکھا تھا جس زمانہ میں نواب صاحب حیدر آباد میں ریونیو سکریٹری تھے۔ (عبدالشکور)

بنام مولوی عبدالرحیم خان صاحب

(۲)

مولوی صاحب مخدوم و مکرم دام مجدکم

تسلیم! عنایت نامہ آیا حسب ارشاد قطعہ رسید ٹکٹ لگا کر اس نیاز نامہ کے ساتھ خدمت شریف میں ارسال کرتا ہوں جب روپیہ وصول ہونے کا وقت آئے اس رسید کو داخل فرما کر روپیہ وصول کر لیجیے گا۔ ایک عریضہ جناب مولوی سید مہدی علی خاں بہادر کی خدمت میں بھی اسی وقت بھیجتا ہوں کہ روپیہ مولوی عبدالرحیم خاں صاحب کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ روپیہ کی رسید میں نے مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیج دی ہے آپ کی تحریر کے موافق شکریہ کا خط بھی جناب ممدوح کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ روپیہ اگر مناسب ہو تو بذریعہ کرنسی نوٹس کے بھیج دیجیے گا کیونکہ منی آرڈر کی فیس زیادہ لگے گی مگر لفافہ جس میں نوٹ ملفوف ہوں اس کی رجسٹری اور بیمہ کرا دینا چاہیے آئندہ جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسا کیجیے گا۔ زیادہ نیاز

نیاز نامہ خاکسار الطاف حسین از دہلی کوچہ پنڈت ۲۲ جولائی ۱۸۸۶ء

(۳)

نقل رسید

منکہ الطاف حسین حالی مدرس عربی و فارسی اینگلو عربک اسکول دہلی ام باشم چونکہ مبلغ پانصد روپیہ سکہ چہرہ شاہی عطیۂ سرکار عالی در وجہ قیمت مجلدات "حیات سعدی" و "مسدس مد و جزر اسلام" بتوسط مولوی محمد عبدالرحیم خاں صاحب دہلوی ملازم سرکار عالی از دفتر معتمد [illegible] وصول یافتہ ام لہذا این چند حرف بطریق رسید نوشتہ شد کہ بطریق یادگار داخل دفتر موصوف باشد۔

تحریر تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۸۶ء مطابق ۸ ماہ رمضان ۱۳۰۳ھ

یہ عبارت ٹکٹ پر ہے ۱ الطاف حسین حالی بقلم خود

(۴)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

لفظ ہاتھ میں بلاشبہ ہائے مخلوط ہے لیکن رات اور بات کا قافیہ بھی شعرا نے باندھا ہے۔ قافیہ کی ضرورت ایسی ایسی تخفیف و فروگذاشتوں کو جائز کر دیتی ہے۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن ان کے اردو دیوان میں قافیہ کی جگہ کسو اور کبھو بندھا ہوا ہے۔ میں بھی ہمیشہ ہاتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں مگر قافیہ میں رات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت محلہ انصاریاں ۱۲ فروری ۱۸۹۰ء

(۵)

والا جناب[1]

مکرمی مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ خدمت والا میں آتے ہیں۔ جو امر کہ ان کو اس سفر دور دراز پر جرأت کرنے کا باعث ہوا ہے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لیے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، ان کی سفارش خود ان کی واجب الرحم حالت ہے جس کا کسی قدر اندازہ آپ مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی رپورٹ سے جو ان کے پاس موجود ہے کر سکتے ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لیے لکھتا ہوں کہ حیدرآباد سے چلتے وقت میں نے ان کے باب میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا۔ اس وقت

---

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے معلوم نہ ہو سکا یہ کس کے نام ہے۔ — تمکین کاظمی

جناب نے کسی قدر مجبوری ظاہر فرمائی تھی مگر بایں ہمہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ دل سے ان کی اعانت و امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں خیال
کرتا ہوں کہ اب آپ ان کی اعانت بوجہ شائستہ فرما سکتے ہیں جو مشکلات ان کو درپیش ہیں اُن کے حل ہونے کی توقع سرکار عالی کے سوا
اور سرکار ممدوح میں آپ کے سوا کسی سے نہیں کی جا سکتی پس بجائے اس کے کہ میں خدمت عالی میں ان کی سفارش کروں میری یہ دعا
ہے (نہ محض بمقتضائے فطرتِ انسانی بلکہ برامید استجابت) کہ ان کی پچیس سال کی محنت و جانفشانی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہو اور
آپ کی عنایت و توجہ کی بدولت اسلام کی ایک لازوال نشانی یعنی زبان اُردو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے جڑ پکڑ جائے۔ یہ احسان
صرف مولوی سید احمد پر نہیں بلکہ تمام ہندوستان پر عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں پر خصوصاً سمجھنا چاہیئے۔ زیادہ حد ادب

عریضہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از دہلی ۱۳ دسمبر ۱۸۹۲ء

(۶)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

آج باقی کتاب کے دیکھنے کا موقع بھی مل گیا اور کتاب کی عظمت پہلے سے بہت زیادہ دل میں پیدا ہوئی۔ مختصر یہ ہے کہ
گذشتہ پانچ برس میں اگر کوئی کام ندوۃ العلماء نے کیا ہے تو علمائے سلف کے حالات کا لکھوانا ہے اور بس۔ یہ کتاب اس قابل ہے
کہ ہر مسلمان عالم اور ہر مسلمان طالب علم اس کو حرز جان بنائے۔ فجزاکم اللہ عنا و عن سائر المسلمین المنۃ خیرا۔

خاکسار: حالی از پانی پت ۱۲ ستمبر ۱۸۹۸ء

(۷)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

مخدومی!

مہمان ناخواندہ عزیز تراز مہمان خواندہ پہنچا باوجودیکہ آج کل ضیق فرصت کے سبب مطبوعات جدیدہ کے مطالعے کے لئے
بالکل وقت نہیں ہے مگر اسی حالت میں قریب نصف کے رسالہ علمائے سلف کو دیکھا گیا۔ افسوس ہے کہ مجھے اس عمدہ تصنیف پر
مفصل مبارکباد کہنے کی فرصت نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس رسالے نے میرے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بہ نسبت سابق
کے اضعاف مضاعف کر دی ہے۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں اپنی طرز کی یہ پہلی کتاب ہے۔ شاید کوئی ناواقف آدمی کہے کہ کیا مسلمانوں نے
فنِ رجال میں ایسی صدہا کتابیں نہیں لکھیں مگر ایسا سوال کرنا سخت غلطی کی بات ہے۔ آپ نے درحقیقت وہ کام کیا ہے جو انگلستان
کے مشہور مصنف مسٹر سمائل نے سلف ہیلپ کے لکھنے میں کیا ہے۔ اس نے بھی ہزاروں بائیوگرافیاں پڑھ کر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی
ہے جس سے بہتر آج تک کوئی کتاب انگریزی میں اس طرز کی نہیں لکھی گئی۔ مسلمان علما کے حالات لکھنا اور بات ہے اور تمام بائیوگرافیوں
کو دیکھ کر چند عنوان تجویز کرنا اور ہر عنوان کے مناسب اس دفتر طویل الذیل سے مضامین انتخاب کرنا اور ان کو جدا جدا عنوانوں
کے تحت میں درج کرنا نہایت محنت اور لیاقت اور غور و فکر کا کام ہے۔ آپ کی تصنیف میں اور مسٹر سمائل کی کتاب میں صرف
یہ فرق ہے کہ اس نے سلف ہیلپ میں کتاب کا موضوع صرف علما میں محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں تمام ریفارمر اور موجد و مخترع اور
سٹیٹسمین اور سپہ سالار وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور اس رسالے میں صرف علمائے سلف کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ اگر آپ

اس کے حاشیے کو زیادہ وسیع کر دیتے تو یہ بالکل اسی قسم کی کتاب ہو جاتی جیسی سلف ہیلپ ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں مگر میں صرف ایک خوبی کا جو کہ تمام تصنیف کی جان ہے ذکر کرنا کافی سمجھا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ انگلش لٹریچر سے واقف نہ ہوتے تو ایسی تصنیف کا خیال ہرگز آپ کے دل میں نہ گزرتا۔ پس تاوقتیکہ اعلیٰ انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور دیے گی اس کی چیخ و پکار سے کوئی معتد بہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ میرا یہ بھی خیال ہے کہ صرف انگریزی تعلیم جب تک کہ اس میں مشرقی تعلیم کی چاشنی نہ دی جائے گی ہرگز مفید کام پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک انگریزی تعلیم یافتہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمان علماء کے حالات پر ایک ایسی کتاب لکھ دے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے۔ میرے نزدیک یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی ایک ایک دو دو جلدیں ہر مدرسۂ اسلامیہ میں رہنی چاہئیں بلکہ محمڈن کالج کے طلبا بھی اس سے مستفید ہوں تو بہت مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہے یا ندوۃ العلماء نے اس کو چھپوایا ہے۔ مسلمان اور خاص کر پرانے خیالات کے مسلمان ایسی کتابوں کے خریدنے میں بہت ممسک ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ میں اس کو مفت تقسیم کرنا چاہئے۔ آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے عام رئیسوں اور رئیس زادوں کو اسی طرح زیور علم و لیاقت و حسن اخلاق سے آراستہ کرے جیسا کہ اس نے شروانی رئیسوں میں آپ کو زیور علم و فضل و اخلاق سے آراستہ کیا ہے اور آپ کو جملہ مکروہات روزگار سے محفوظ رکھ کر صد و سی سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت ۱۰ ستمبر ۱۸۹۸ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۸)

والا جناب!

مکرمت نامہ شرف صدور لایا جس سے خاکسار کو عزت حاصل ہوئی۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کبھی نہ کبھی کامیاب ہوں گے۔

جو عنایت آمیز الفاظ در باب طلب خاکسار تحریر فرمائے گئے ہیں وہ میرے لئے سرمایۂ نازش ہیں ؎

حاجت کند از طرب فراموش　　خوانی چو بسوئے خود گدا را

میں تعمیل حکم کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں مگر آج کل سرسید مرحوم کی لائف لکھنے اور اس کے چھپوانے میں مصروف ہوں اس لئے جب تک کہ اس ضروری کام سے فارغ نہ ہو جاؤں کہیں نقل و حرکت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سرسید کی لائف اب تک کبھی کی ختم ہو جاتی مگر اوّل تو میں دو تین مہینے بیمار رہا پھر صاحب مطبع کی بی بی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد وہ خود شدید بیمار ہو گئے اور کئی مہینے تک مطبع کا تمام کار و بار بند رہا اس سبب سے حرج عظیم واقع ہو گیا۔ اب چند روز سے پھر کام شروع ہوا ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو تین چار مہینے میں کتاب ختم ہو جائے گی۔ لیکن تحریر سے کی پہلی علامت کتاب کا ملاحظہ حالی میں گنتا ہوں گا۔ لائف میں جو سب سے زیادہ دشوار گذار مرحلہ ہے وہ تفسیر قرآن کا ریویو ہے اور اس کا ابھی ہوا زیر تحریر ہے یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر آگے میدان صاف ہے۔ غالباً افاعق ملاحظہ سے گزر چکی ہوگی بحر حصہ مصنف نے ایک نسخہ مجھ کو عنایت کیا ہے اور میں اس کو اوّل سے آخر تک دیکھ چکا ہوں۔ حق یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف کرنا تحصیل حاصل ہے بس اس کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جس زمانہ میں وہ ہے اسی رتبہ کی اس کی یہ لائف کی گئی ہے اگر وہ حالی سے نگاہ ہو تو اس کو ایک فورہ دکھنا چاہئے بہ زیادہ نیاز۔

خاکسار دعا گو الطاف حسین حالی از پانی پت ضلع کرنال ۱۰ ... ۱۸۹۹ء

(١١)

(١٠)

(٩)

(81)

لوگوں کو ضرور مشتاق ہونا چاہیے تھا مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مصنف کی بے وقعتی نے ہیرو کی بھی قدر گھٹا دی ہے۔ جن لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس کتاب کے منگوانے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں گے ان کی طرف سے سرد مہری کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں دیکھا۔ اگرچہ اس قلیل عرصے میں کتابیں توقع سے زیادہ فروخت ہو گئی ہیں مگر ایسی قدر دانی سے وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو تجارت کے سوا تصنیف و تالیف کا اور کوئی مقصد خیال نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں نے کسی سے اشتہار یا ریویو وغیرہ لکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی مگر یہ خواہش نہ کرنا اس بات کا ہرگز مقتضی نہ تھا کہ سرسید کا کوئی دوست اس کتاب سے بالکل نوٹس نہ لے اور اخباروں کو جانے دیجیے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جس کو سرسید کی یادگار کہا جاتا ہے اور جس کا اہتمام محمڈن کالج کے آنریری سیکرٹری اور سرسید کے جانشین اور ان کے زبدۂ احباب کے ہاتھ میں ہے، آج تک حیات جاوید کی نسبت اس میں ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سرسید کی لائف جیسی کہ چاہیے تھی ویسی مجھ سے نہیں لکھی گئی لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے باوجود اپنی نااہلیت کے اس بار گراں کو اپنے ذمے لے کر سرسید کے تمام اصحاب اور حواریوں کو ایک فرض کفایہ سے سبکدوش کیا ہے اور اس لیے میں اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سرسید کے احباب اگر اس تصنیف کو پسند نہ کریں گے تو بھی اس کی اشاعت میں ضرور مدد دیں گے مگر آج تک کسی نے اس کی بات نہیں پوچھی بلکہ بجائے امداد کے بعض اصحاب متوقع ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک ایک کاپی ہدیۃً پیش کی جائے۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے سرسید کی زندگی میں وعدہ کیا تھا کہ پانسو روپیہ کی کتابیں خرید کر کالج کو دوں گا مگر میں سرسید کو اور اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا کہ جب یہ سنوں گا کہ انھوں نے کوئی کاپی ڈیوٹی سے خرید فرمائی ہے اور اس کو مطالعے کے لائق سمجھا ہے۔ آپ یقین جانیے کہ میں اس زمانے کی لٹریری ترقی کے آگے ایسے لوگوں کی تحریرات کو جو میری طرح محض اردو فارسی کے مرد میدان ہیں لاشئے محض جانتا ہوں مگر کوڑی جو اپنا جالا پورنے میں نہایت طاقت صرف کرتی ہے وہ اسی کو حریر و اطلس بلکہ ان سے بھی زیادہ گراں قدر تصور کرتی ہے اس لیے کہا گیا ہے ؎

اگر بریاں کند بہرام گورے — نہ چوں پائے ملخ باشد ز مورے

امید ہے کہ آپ میری اس خارج آہنگی اور زیادہ سرائی کو معاف فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز

آپ کا نابعدار الطاف حسین حالی از پانی پت، ۱۷ رجب [illegible]

(۱۷)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

عنایت نامہ پہنچا۔ برسات کے مطالعے سے برسات کا لطف دوبالا ہو گیا۔ بہت عمدہ مثنوی ہے اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کہیں کہیں شعرائے ایران و ہندوستان کے مسلمات کے خلاف کیا گیا ہے جیسے کرشمہ کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ بھریں یا بدلا کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کو اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب سے شاعری کا میدان نہایت تنگ ہو گیا ہے۔ گبن کی تاریخ کا ترجمہ حسب تحریر مولوی بہادر علی صاحب ایم۔ اے جو انھوں نے مسٹر مارلیسن کے ایما سے مجھے بھیجی تھی میں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ مارلیسن صاحب کے پاس بھیج دی ہے مگر اب تک باوجود گزرنے چند روز کے اس کی رسید نہیں آئی۔ میں بعنایت الٰہی جہاں تک تندرست رہ سکتا ہوں اچھا ہوں۔ مولوی سید حمید الدین صاحب سلّمہ نے

رسالہ معارف ماہ جون و جولائی میں حیات جاوید پا ایک لمبا چوڑا ریویو لکھا ہے جو غالباً اگست کے شروع تک شائع ہو جائے گا۔ نواب محسن الملک بہادر نے بھی کچھ ریمارکس کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر ان کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسا ہر مسلمان حج کا ارادہ رکھتا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر نے خلاف توقع اس کتاب کی تعریف رسالہ دلگداز میں لکھی ہے۔ شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بھی ارادہ کچھ لکھنے کا ہے میں نے سوا اس کے کہ نواب محسن الملک کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس کتاب سے نوٹس نہ لینے کی شکایت لکھی تھی اور کسی صاحب کو اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس لئے میں سب صاحبوں کا شکرگزار ہوں۔ اور بھی کئی دوستوں نے ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر چونکہ ریویو لکھنا ذرا محنت کا کام ہے امید نہیں کہ ایک آدھ کے سوا کوئی کچھ لکھے۔ افسوس صد افسوس و ہزار افسوس کہ پرسوں بروز چار شنبہ چار بجے حکیم حاذق الملک عبدالمجید خاں نے اسی مرض میں جو ایک عرصے سے ان کو لاحق تھا دلی میں وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون — امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین کے بخیریت ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

(۱۷)

علی گڑھ ۱۹۰۱ء

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! میں بعض وجوہ سے ووٹ کا کاغذ بابت اس جلسہ کے ٹرسٹیان کو جو ۲ر اکتوبر سن حال کو منعقد ہونے والا ہے ۲۸ر ستمبر تک سیکرٹری صاحب کی خدمت میں نہیں بھیج سکا اس لئے قواعد جدیدہ کے موافق میں نے ان پر رائیں جلسہ مذکور میں پیش کرنے کے لئے آپ کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا ہے اور پراکسی کے فارم جو سیکرٹری صاحب نے میرے پاس بھیجے تھے اس کی خانہ پری کر کے ان کے پاس بھیج کر لکھ دیا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے آپ کو اپنے ووٹ دینے کے لئے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ شاید جلسہ ٹرسٹیان میں میں خود حاضر نہ ہو سکوں۔ لہٰذا اس نیاز نامہ کے ساتھ میں اپنی رائیں ہر مد کے متعلق آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں امید ہے کہ آپ جلسہ ٹرسٹیان منعقدہ ۲ر اکتوبر میں میری رائیں پیش کر دیں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا نیاز مند الطاف حسین حالی ٹرسٹی محمڈن کالج علی گڑھ

میں آپ کو یہ بھی اختیار دیتا ہوں کہ میری جس رائے کو آپ قرین صورت نہ سمجھیں اس کی جگہ جو کچھ آپ کی رائے ہو میری طرف سے ظاہر فرما دیں۔

حالی

(۱۸)

باعث تحریر آنکہ

۱۳۰۹ف فصلی الٰہی میں حسب دستور سررشتہ تعلیمات سرکار عالی میں نیازمند کی مصنفہ کتابیں خریدی گئی تھیں ان کی قیمت مبلغ دو سو چونتیس روپیہ دس آنے سکہ کمپنی معرفت مولوی عبدالحق بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ افسر وصول ہوئے اس لئے یہ رسید لکھ دی گئی۔

فقط! مرقومہ ۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء

وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(اصل محفوظ در ذخیرہ ملکیپو کاظمی)

(۱۹)

<u>بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور</u>

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہز مجسٹی ایمپرر آف انڈیا کی علالت کی وجہ سے آج دربار تاج پوشی ملتوی ہوگیا اور ہندوستان میں
کی تعطیل قرار پائی تھی اس کے التوا کا حکم بذریعہ تار برقی کے تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ چونکہ بیماری کا حال معلوم نہیں ہوا کہ
یا خدانخواستہ کوئی سخت مرض ہے اس لئے آج کا دن تشویش و تردد میں گزرا۔ اس حالت میں کسی کام کے کرنے کو جی تو نہیں چاہتا
آپ کے عنایت نامے کو آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اس لئے اس کا جواب عرض کرنا ضرور تھا۔

لکچر اور نظم اور عنایت نامہ تینوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ تصویر عبرت کو اول میں نے مخزن میں دیکھا تھا پھر
میں دیکھا اور اب لکچر کے ساتھ اس کو بھی اول سے آخر تک پھر پڑھا اور بلا تصنع ہر دفعہ اس کے پڑھنے سے لطف
ہوا۔ فالمسک ما کررتہ یتضوع —— اول تو مضمون ہی فی نفسہ موثر اور عبرت انگیز ہے اور پھر مناسب الفاظ اور
نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے مگر شاید یہ کبرسن کا تقاضا ہے کہ جو اثر پہلے عمدہ نظم کے پڑھنے یا سننے سے دل پر ہوتا
بات اب نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ ذکر شعر سے اب طبیعت کوسوں بھاگنے لگی ہے۔

لکچر جس وقت میرے پاس پہنچا جب تک اس کو اول سے آخر تک نہیں دیکھ لیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اگرچہ
بعض خیالات ایسے ظاہر کئے گئے ہیں جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لیکن اس بات کے خیال کرنے سے بے انتہا مسرت
ہے کہ ہمارے سیکڑوں اور لکچراروں میں آپ کے سبب سے ایک معقول اور قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے
آپ کی وہ بے مثل تقریر سنی تھی جو حافظ الملک کی یادگار کے جلسے میں بمقام علی گڑھ اسٹریچی ہال میں آپ نے کی تھی۔ اس کے
اخلاق اسلامی پر جو لکچر آپ کا انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپا ہے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اب یہ لکچر جو حمایت اسلام
لاہور میں دیا تھا میری نظر سے گزرا۔ مسلمانوں میں اول تو عموماً قحط الرجال ہے اور پھر خاص کر روسا کے طبقے میں تو علمی مذاق بالکل
ہی ہوگیا ہے پس یہ کچھ کم خوشی اور فخر کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے رئیسوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو قطع نظر اعلیٰ درجے
علمی اور لٹریری مذاق کے مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا حامی اور قومی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ مکروہات سے
اور اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی ہمدردی سے آپ کو حظ وافر نصیب کرے۔ زیادہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۶ جون ۱۹۰۲ء

(۲۰)

<u>بنام مولوی بشیر الدین</u>

جناب من!

کانفرنس گزٹ کا بطور ضمیمہ کے البشیر کے ساتھ شائع ہونا بہت مناسب ہوا ہے خدا کرے کہ وہ مفید بھی ہو
نے یہ صلاح دی ہے کہ "کانفرنس گزٹ" کے اوپر ذرا اچھی قلم سے یہ الفاظ اور لکھنے چاہئیں "ایم اے او ایجوکیشنل" تاکہ
کانفرنس اور مسلمانوں کی کانفرنس میں تمیز ہو۔ میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اگست ۱۹۰۲ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۲۱)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب کے انتقال کا حال معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا۔ میں آپ کے حال سے اور ان کے خاندان کے اکثر لوگوں سے واقف ہوں۔ ایسا آدمی ملنا سخت دشوار ہے۔ یہ صاحب دہلوی الاصل نہ تھے بلکہ ان کا خاندان نزیلِ دہلی تھا۔ ریاست دادری و بہادر گڑھ کے علاقہ میں ایک قصبہ کلیانہ ہے جو مردم خیزی میں ضرب المثل ہے۔ مولوی ظہور علی بتقریب ملازمت سرکاری وہاں سے دہلی چلے آئے تھے پھر اپنے وطن کی طرف رُخ نہیں کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب اور ان کے بڑے بھائی نے شاید کلیانہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اہلِ کلیانہ معقول کے فن سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے۔ ایک کلیانوی بزرگ سے میں نے بھی صغر سنی میں کچھ پڑھا تھا۔ بہرحال مرحوم کا بدل مشکل سے ملے گا اور خاص کر پانی پت میں تو ایسے لوگوں کا وجود عنقا ہے مگر میں گرد و نواح کے قصبوں میں اور نیز دہلی میں تلاش کراؤں گا۔ اگر کوئی لائق آدمی میسر آیا تو فوراً آپ کو اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ مدت دراز کے بعد بتقریب تودیع مسٹر آرنلڈ علی گڑھ جانا ہوا تھا مگر آپ سے اور نیز مکرمی محمد مزمل اللہ خان صاحب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ دہلی میں بھی جبکہ حکیم واصل خان صاحب کے ہاں ہنگامۂ رقص و سرود گرم تھا ایک بجلی کی سی چمک نظر آئی تھی پھر برابر آنکھیں ترستی رہیں۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام خیر ختام۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۳ اپریل ۱۹۰۴ء

(۲۲)

نقل رسید

مبلغ ۱۰؍ روپے بابت قیمت کتاب یادگارِ غالب جو ۱۳۰۸ فصلی میں حسب الحکم سرکارِ عالی نظام اعلیٰ اللہ ملکہ بصیغۂ تعلیمات سرکار موصوف میں نیاز مند راقم سے خریدی گئی تھی معرفت سررشتۂ موصوف کے وصول ہوئی۔

چونکہ پہلی رسید تلف ہو گئی تھی اس لئے مکرر یہ رسید لکھی گئی۔ فقط المرقوم ۱۲ ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء

(یہ الفاظ ایک آنہ کے ٹکٹ پر ہیں) : وظیفہ خوار سرکارِ عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

(۲۳)

بنام عبداللہ حسینی حریف

کوسگی علاقہ جاگیر نواب سرسالار جنگ بہادر میں ایک قدیم قصبہ ہے جس کے تاریخی و جغرافی حالات پر ایک مفید رسالہ سید عبداللہ صاحب حسینی متخلص بہ حریف نے جو خاص کوسگی کے رئیس ہیں مرتب کیا ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو قدیم زمانہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک نہایت قابلِ قدر چیز ہے۔ مصنف موصوف نے اس کے ترتیب دینے میں بہت سی قدیم و جدید تواریخ سے مدد لی ہے اور بہت سے ایسے دلچسپ حالات اس میں درج کئے ہیں جن کے فراہم کرنے میں ان کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہوگی۔ رام چندر جی کے زمانہ سے لے کر زمانۂ حال تک کے اہم واقعات جو کوسگی اور اس کے گرد و نواح سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کا جغرافیہ اور اس کے ذرائع آبپاشی و محاصل زمین و خانہ شماری و مردم شماری اور باشندوں کی زبان وغیرہ کی کیفیت اور مزارات اہل اللہ کا بیان بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک مقامی تصنیف ہے جس سے خاص کر وہاں کے باشندوں کو

زیادہ دلبستگی ہونی چاہیے لیکن چونکہ اس کو ہندوستان کے افضل ترین مدبر نواب مختار الملک بہادر مرحوم و مغفور کے طفیل القدر خلف
سے تعلق ہے اور نیز خاندان موصوف کے حالات بھی اس میں درج ہیں اس لحاظ سے وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے عام ہندوستانی
برابر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ مولوی سید عبداللہ صاحب کی کوشش جو اس کتاب کے ترتیب دینے میں ان کو اٹھانی پڑی ہے
ملک میں حسن قبول کا درجہ حاصل کرے گی۔ راقم الطاف حسین حالی وارد حیدرآباد ۲۸ر جولائی ۱۹۰۶ء

(۲۴)

بنام مولوی قمر علی صاحب

مہربانی فرما کر عزیزی محمود احمد صاحب عباسی کے حال سے مطلع فرمائیے کہ وہ بالفعل بریلی میں ہیں یا علی گڈھ میں اور ان کا مزاج
کیسا ہے اور حضرت شاہ نظام الدین صاحب کے صاحبزادے یعنی مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے کا پورا نام اور لقب اور
جس محلہ میں وہ تشریف رکھتے ہیں بالتفصیل مجھے لکھ بھیجئے اور اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ بہمہ جہت بخیریت ہوں گے
خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۹ر فروری ۱۹۰۹ء

(۲۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم ادائے بالتقدیم! آپ کی تصنیف جدید فطرۃ الاسلام کا ایک نسخہ عطیہ جناب خاکسار کے پاس پہنچا۔ اس خاص عنایت
کا شکریہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میں ایک عرصہ سے علیل چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ اب تک
کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ فطرۃ الاسلام کے مطالعہ سے مستفیض ہونے کے بعد
جواب عرض کروں لیکن ضعف بصارت اور ضعف دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔ اکثر احباب و اکابر اپنی تصنیفات بھیج کر ممنون فرماتے
ہیں مگر میں ان سے بہت ہی کم مستفیض ہوتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے شخص سے پڑھوا کر سننا ممکن ہے مگر سننے سے جی خوش نہیں ہوتا مختصر
عمدہ تصانیف کو خود پڑھ کر جو لطف آتا ہے سننے سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرحال جو وجہ شکایتیں رفع ہونے کے بعد
ضرور کوشش کروں گا کہ خود پڑھ کر یا کسی عزیز سے سن کر آپ کے افادات و طیبات سے مستفیض ہوں۔
فہرست مضامین دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دہریت اور الحاد وبائے عام کی طرح چاروں طرف پھیلا جاتا ہے
ایسی کتابوں کا شائع ہونا نہایت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے خدائے تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ امید ہے
کہ جناب مع متعلقین و متوسلین کے بہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ زیادہ نیاز!
خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۱ء

(۲۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مکرمی سید صاحب دام مجدہم

آپ کا الطاف نامہ مع طلوع ترجموں کے پہنچا۔ میرے سر میں پانچ سات دن سے درد رہتا ہے اس وجہ سے اب تک رسید نہیں
لکھ سکا۔ درد میں تخفیف ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ دیوان کے
ساتھ ہی حیات النذیر کی ناکمل جلد جو آپ نے بھیجی ہے وہ بھی بھیج دوں گا اور دوسری مکمل جلد کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ نیاز
خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت [illegible] اکتوبر ۱۹۱۲ء

نواب محسن الملک

بنام منشی ذکاءاللہ صاحب

(۱)

مخدوم و مکرم بندہ شمس العلماء منشی ذکاءاللہ صاحب زاد لطفہٗ

مولوی سید احمد مصنف فرہنگِ آصفیہ جن کی چار سو کتابیں سرکار نے خرید فرمائی ہیں یہاں آئے اور جناب نواب مدارالمہام سرکارِ عالی کی ملازمت حاصل کی۔ نواب انتصار جنگ[1] بہادر اور بندہ نے بھی ان کے مشکلات جو کتاب کے چھاپہ کے ختم ہونے میں پیش ہیں سنیں اور سرکار میں عرض کیا کہ کسی طرح اس کتاب کا تمام ہو جانا چاہئے تاکہ جس غرض سے سرکار نے چار سو جلدیں خریدی ہیں وہ حاصل ہو اور اس پر یہ امر قرار پایا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا جائے اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے اتنی محنت اپنے اوپر گوارا فرمایئے کہ جو معاملہ ان کا ساہوکار سے ہے وہ کس طور پر ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح اس کے پنجے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور سرکار کی کیا مدد اس کام میں مطلوب ہے اور آئندہ باقی ماندہ کتاب کے چھاپنے کے لئے یہ بہتر ہو گا کہ سرکاری مطبع حیدرآباد میں چھپوائی جاوے اور مولوی سید احمد صاحب اس کی تصحیح یہاں آ کر یا وہاں رہ کر کر دیا کریں۔ آپ سے بہتر اس کام کے واسطے دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے آخری تصفیہ اس کا آپ کی رائے عالی پر عمدہ طور پر ہو سکے گا۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک ۔ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ (۲ فروری ۱۸۹۰ء)

بنام انتصار الملک بہادر

(۲)

بخدمت شریف جناب معتمد صاحب مال[2]

یہ خطوط سید احمد صاحب کے آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے براہِ مہربانی مطلع فرمایئے تاکہ ویسا ہی جواب ان صاحب کو دیا جاوے۔ فقط!

محسن الملک ۷ شوال ۱۳۰۷ھ (۲۷ مئی ۱۸۹۰ء)

---

[1] نواب وقار الملک۔

[2] یہ خط محسن الملک کا انتصار جنگ بہادر کے نام ہے اور اسی کی پشت پہ انتصار جنگ کا جواب بھی ہے۔ یہ متعلق ہے سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے، اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

جناب من!

اصل تو یہ ہے کہ سرکار کا منشا اس قدر یا مال سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رہا ہے کہ کتاب تمام و کمال چھاپی جاوے اور جو معاملات مصنف اور ساہوکار کے درمیان ہوئے پہل ان سے ہم کو کچھ مطلب نہیں۔ سرکار عالی کا تعلق خود مصنف سے ہے انہوں نے سرکار میں کتابیں داخل کی ہیں اس وقت تک جو خیال کیا گیا تھا کہ ساہوکار سے اور مصنف سے فیصلا ہو جاوے سو وہ محض ایک اخلاقی امر تھا مگر اس قدر اور ہونا چاہئے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں بہادر سے اور دریافت کیجئے کہ ان کی رائے کیا ہے اور ان کو سرکار کی یہ پالیسی بتلادی جائے اور اس وقت ہی مصنف کو مطلع کر دیا جاوے کہ وہ چندے اور تامل فرماویں اور مطمئن رہیں۔ میری رائے یہ ہے آئندہ آپ کے نزدیک جیسا مناسب ہو۔

انتصار جنگ معتمد مال، ۷ شوال ۱۳۰۷ھ (۲۷ مئی ۱۸۹۰ء)

(۳)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

مجھے اوروں سے کچھ امید نہیں کہ لکھنؤ جا کر کانفرنس کا انتظام کریں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ فوراً لکھنؤ جائیے اور کوشش کیجئے اگر آپ کی کوشش میں ناکامیابی ہوئی تو یا آپ کی کانفرنس موقوف رہے گی یا علی گڑھ میں رسم فاتحہ خوانی ادا کی جائے گی۔

خط راجہ نوشاد علی خاں کے نام بھیجتا ہوں اور کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا کہ میرے خط پر کچھ خیال کرے۔ فقط!

مہدی (محسن الملک) علی گڑھ ۴ اگست ۱۹۰۱ء

(۴)

بنام نواب سید علی حسن

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب علی حسن خاں بہادر

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں اور امین الدین کے ذریعے سے آپ کا پتہ بھی دریافت کیا تا کہ خط لکھوں مگر پتہ معلوم نہ ہوا۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عنایت نامہ بھیج کر یاد فرمایا۔

آپ نے جو خواہش فرمائی ہے وہ تمام قوم کی ممنونی کا باعث ہے۔ آپ کو قومی ہمدردی تو ہمیشہ سے ہے اب دو آتشہ اور مشتعل ہو گئی ہے۔ یہ قوم کی خوش نصیبی ہے۔ اگرچہ آپ کا بھوپال سے تشریف لانا دشمنوں کو پسند ہوا ہو تو قوم کے لئے مفید ہوا

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد　　خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قوم کی پہلی خدمت تو یہ ہے کہ آپ تعلیمی معاملات پر وقتاً فوقتاً کچھ مضمون لکھ کر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بھیج دیا کیجئے۔ دوسرا یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو قومی کاموں پر متوجہ کر دیجئے اور عمدہ مشورہ اور صلاحیں ہم کو دیا کیجئے۔ ایک تجویز ہو رہی ہے کہ تعداد ٹرسٹیوں کی زیادہ کی جائے۔ اس وقت جتنی جگہ ہیں وہ سب بھری ہیں اگر یہ تجویز منظور ہوئی تو ٹرسٹیوں کی فہرست میں آپ کا معزز نام بھی جلد نظر آوے گا مگر ٹرسٹی ہونا اور نہ ہونا اور بات ہے۔ آپ کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور آپ سے ہر طرح کی مدد ملنے کی امید ہے۔

۱۔ اصل خط تمکین کاظمی کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔

(۸)

(۹)

اور اس کا سبب صرف بدانتظامی اور فضول خرچی ہے۔ اب کی مرتبہ ایسے رنج اور شکایت کے خط میرے نام آئے ہیں کہ ا[illegible]
شرم کے جواب بھی نہیں دے سکا۔ دل نہیں چاہتا اور نہ جرأت ہوتی ہے کہ کانفرنس کے لئے روپیہ مانگا جائے یا چندہ [illegible]
جاویں۔ غضب خدا کا معہ[1] صرف ہوا اور نتیجہ سوائے شکایت اور ملامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آج آپ کا خط آیا اس [illegible]
اور نیز خوار احمد کی زبانی آپ کی پریشانی اور تکلیف کی کیفیت معلوم ہو کر نہایت رنج ہوا اور جو خطوط میں نے لکھے تھے ان [illegible]
لکھنے پر نہایت افسوس اور شرمندگی ہوئی۔ مجھے اگر یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہرگز کوئی ایسی بات نہ لکھتا جس سے آپ کو رنج [illegible]
ہوتا۔ میں نے صرف جلد کام ہونے کی غرض سے بے تکلف آپ کو وہ باتیں لکھی تھیں جن سے آپ کو غصہ آنا اور میرا یہ خیال تھا
میں اگر آپ جلد رپورٹ لکھ کر بھیج دیتے اور سب کام چھوڑ دیتے مگر مجھ کو یہ کیا معلوم تھا کہ وہاں حالت ہی دوسری ہے اور آپ
بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اور جو رنج آپ کو پہنچا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی [illegible]
اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ مجھ پر چھاڑ دوسری چیز ہے مگر کوئی ایسی بات جس سے آپ کو [illegible]
کرنا نہایت رنج دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس رنج کو جو میرے خطوں سے پہنچا معاف کریں گے۔

مدراس کی رپورٹ کی نسبت میرا وہی خیال ہے جو پہلے تھا ہرگز کسی قسم کی تبدیلی میری رائے میں نہیں ہوئی۔ جو [illegible]
اس رپورٹ پر آپ نے کی اور جس خوبی سے آپ نے اس کو لکھا اس کی تعریف عارضی نہ تھی بلکہ اصلی تھی۔ انوار احمد صاحب
شاید میری بات سمجھے نہیں۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ دلی کی کانفرنس کی رپورٹ میں تقریریں طویل طویل لکھنا فضول اور بے [illegible]
اور اسپیچوں کے طول دینے میں کچھ حاصل نہیں۔ پر میں نے کیا غلط کہا کہ اسپیچیں آپ نے لی ہیں۔ میں نے خود اپنی اسپیچوں کو
دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا گو مطلب وہی تھا مگر آپ نے اس کی نظم و ترتیب ایسی خوبی سے کی کہ مجھے اس کے دیکھنے سے [illegible]
خوشی ہوئی۔ مگر کیوں اتنا وقت آپ ان اسپیچوں کے مرتب کرنے میں ضائع کریں جس میں کوئی خاص خوبی اور خاص بات [illegible]
رہا روپیہ کا زیادہ خرچ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ . . . . . [2] . . . کانفرنس کا خرچ ادا کرنا اب تک باقی ہے۔ [illegible]
تقاضا جاری ہے اور ضمیمہ خرچ کے نہ ہونے سے اب تک چھپا نہیں۔ روپیہ معمولی کام کے لئے بھی نہیں مختلف سیکشن جا[illegible]
ہوئے ہیں ان کے لئے روپیہ مانگا جاتا ہے۔ یہاں کیسہ خالی ہے روپیہ کہاں سے دیا جائے؟ ایسی حالت میں رپورٹ کا
اگر زیادہ ہوا اور وہ بھی دس ماہ کے بعد شائع ہوئی تو اس سے کیا حاصل؟ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے آپ نا[illegible]
ہوتے۔ ہاں جس طرز سے آپ کو میرا بیان نقل کیا گیا اس سے رنج پہنچنا ممکن تھا۔ آپ کے اس فقرہ سے کہ خوب الفاظ [illegible]
نے آپ کو دیا ہو درحقیقت مجھے شرمندگی ہوئی۔ بلاشبہ بعض فقرات سے میرے خطوں کے آپ نے ایسا خیال کیا ہوگا [illegible]
بشیر الدین بالیقین جانو کہ وہ باتیں صرف تمہاری طبیعت کو مشتعل کرنے اور جلد کام کرنے کے لئے تھیں، نہ کہ دل سے۔

یہ امر مجھے نہایت ناگوار ہوا کہ آپ بوجہ آزادی طبیعت کے علی گڑھ نہیں آتے۔ یہاں کون سی آزادی آپ سے
چھینی جاتی ہے اور کیا آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کسی کے نوکر نہیں آپ کسی کے ذلیل نہیں [illegible]
کسی کے ممنونِ احسان نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ آزاد نہ رہیں اور یہاں کے آنے کو آزادی کے خلاف سمجھیں؟ [illegible]

---

[1] یہ رقم صحیح نہیں معلوم نہیں ہوتی۔ [2] یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

اور میرا آپ پر زور دینا وہ صرف دوستی کے سبب ہے۔ آپ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں، مہربانی سے پیش آتے ہیں، برا کہنا سنتے ہیں اس لئے مجھے بھی جرأت ہوتی ہے کہ آپ سے وہ باتیں کہوں جو دوسروں سے نہیں کہہ سکتا۔ شکایت را بود شرط آشنائی۔ اگر یہ خیال میرے دل میں نہ ہوتا تو کسی بے تکلفی کی حالت میں بھی ایک لفظ زبان سے ایسا نہ نکلتا جو سوائے خاص دوستوں کے دوسروں سے نہیں کہا جا سکتا۔

کانفرنس کا کام آپ نے اپنی مہربانی سے لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں آپ کو کچھ مالی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان پہنچا۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ میں نے آپ کو معاوضہ کے خیال سے تاکیدی خطوط لکھے تو اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے تو وہم و گمان میں ایسی ناپاک بات نہ تھی اور نہ ہے۔ چونکہ آپ خود جانتے ہیں کہ رپورٹ کے شائع ہونے میں تاخیر ہونے سے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اور سب سے بڑھ کر آپ اس تاخیر کے شاکی رہتے تھے اس لئے میں نے آپ پر تاکید کی اور اسی حالت میں بعض الفاظ قلم سے ایسے نکل گئے جن سے آپ کو رنج ہوا۔ رہا دہلی میں تکلیف پہنچنا اس کے اکیلے آپ ہی شاکی نہیں ہیں بلکہ کم کوئی کانفرنس کا ممبر ہوگا جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ میں ڈھائی مہینے برابر بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ اب تک اس تکلیف سے جو ان کو دلی میں پہنچی فارغ نہیں ہوئے۔ ایسا منحوس دن تھا جب دہلی میں کانفرنس کرنے کی تجویز قرار پائی تھی سوائے نقصان اور تکلیف اور شکایت کے کچھ حاصل نہ ہوا اور جو نقصان، بدانتظامی اور فضول خرچی کی وجہ سے پہنچا اس کی تلافی برسوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ تو درحقیقت وہاں بیمار ہو گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔

طاعون نے جو اس مصیبت کو دوبالا کر دیا وہ بھی ہماری ہی بدقسمتی ہے۔ مجھے یہ سن کر کہ آپ کے مکان کی آب و ہوا خراب ہو گئی تھی اور طاعون کے سبب سے کام بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ اخبار بھی جاری نہ ہو سکا، نہایت افسوس ہے اور مجھے کس قدر رنج کہ ان باتوں کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے آپ کو اور پریشان کیا جس کی میں معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور معاف کریں گے۔

رپورٹ موجودہ مسودات سے اگر کوئی لکھ سکتا ہے تو صرف آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت اس قدر بحال ہو کہ آپ ایک ماہ میں اس رپورٹ کو لکھ دیں تو میں آپ کے پاس سب کاغذات واپس کر دوں ورنہ میں خود رویداد بطور خلاصہ کے لکھ کر شائع کر دوں گا اور جو اصلی اسپیچیں اور تقریریں ملیں گی وہ درج کر دوں گا۔ باقی اسپیچوں کا نہایت مختصر خلاصہ لکھ دوں گا۔

مجھے آپ کے اس خیال سے کہ جو خرچ آپ نے کیا وہ آپ اپنے اوپر جرمانہ سمجھیں گے اور کانفرنس سے نہ لیں گے نہایت رنج ہوا۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا دوست نہ سمجھوں اور آئندہ مثل غیروں کے آپ سے بھی برتاؤ کروں اور آخری فقرہ سے آپ کے خط کے مجھے نہایت رنج ہوا اور آپ اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں یہ لکھ کر کہ میں ماحصل اپنے اوپر جرمانہ کرتا ہوں، اس لئے میں آپ کا قصور معاف نہیں کرتا۔ والسلام!

مہدی
(محسن الملک)
۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

(۷)

(۹)

بنام نواب سید علی حسن　　(۱۰)

جناب من:

والا نامہ مورخہ ۱۸ راگست پہنچا۔ ممنون فرمایا۔ یہ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے کہ ہز آنر[1] کے نام سے وظیفہ موسوم کیا جائے مگر ہز آنر کو اس وقت اطلاع دی جاوے گی جبکہ اس کا سرمایہ مستقل کالج میں جمع ہو جاوے گا۔

اس لئے کہ جو وظیفہ ہز آنر کے نام پر ہو وہ دوامی ہو اور دوامی کا اعلان کالج اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ مستقل سرمایہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ قاعدہ کی بات ہے آپ بھی خود اس کو پہلے سے سمجھتے ہوں گے۔ والسلام!

محسن الملک

از آنریری سیکرٹریز آفس ایم۔ اے۔ او کالج ۲۴ راگست ۱۹۰۵ء

بنام نواب سید علی حسن　　(۱۱)

بعالی خدمت جناب مخدوم بندہ صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں صاحب زاد الطافکم!

تسلیم! میں عربی تعلیم کے متعلق نقل چٹھی کی جو گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھی بذریعہ عریضہ مورخہ ۲۰ رمارچ کے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد میں ہز آنر سے بمقام لکھنؤ ملا۔ ہز آنر نے زبانی ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے عربی کے وظیفہ کے لئے چندہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے جب تک وہ بقدر اس آمدنی کے فنڈ جمع نہ کر دیں اور کالج کے ہاتھ میں اس کی آمدنی نہ آ جائے یا کالج پورے طور پر اس آمدنی کے دوامی ہونے پر اطمینان نہ کر لے ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں دوبارہ عربی کی اسکیم کی منظوری اور عربی کے پروفیسر کی تنخواہ دینے کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ کا وعدہ کرنے والے اس کا انتظام نہ کر دیں گے تو ان کا وعدہ سالانہ چندہ دینے کا قابل اطمینان نہ سمجھا جائے گا نہ ان کا چندہ دوامی خیال کیا جائے گا نہ گورنمنٹ اس پر بھروسا کرے گی اور نہ اس کی بنیاد پر گورنمنٹ آف انڈیا اس اسکیم کو منظور کرے گی۔

چونکہ ہز آنر اخیر جولائی میں علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں اور اس وقت حضور ممدوح قطعی فیصلہ اس کا فرمائیں گے، اس لئے آپ ۲۵ رجولائی ۱۹۰۵ء تک اپنے موعودہ چندہ کی آمدنی کے بقدر یا روپیہ نقد بھیج دیں یا کالج میں بقدر اس آمدنی کے کرے بنوانے کا خرچ بھیج دیں یا کوئی دوسرا ایسا انتظام کر دیں جس سے آپ کے موعود وظیفہ کی آمدنی کالج کے ہاتھ میں آ جائے یا اس پر ایسا باضابطہ اطمینان ہو کہ وہ وظیفہ مستقل اور دوامی سمجھا جائے۔

چونکہ یہ معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا تک باضابطہ جا چکا ہے اور ہز آنر نے خود اپنے جواب میں جو ٹرسٹیوں کے اڈریس کا ۲۸ رجولائی سنہ گذشتہ[2] کو دیا تھا آپ کا نام نامی اور موعود چندہ تحریر فرما کر مشتہر کر دیا ہے اس لئے اگر اس چندہ کے دوامی ہونے کے لئے آپ نے فنڈ کا انتظام نہ کر دیا اور آپ کا نام نامی فہرست میں چندہ کی قائم نہ رہا تو یہ امر آپ کی شان اور درجہ سے بعید ہوگا اور پبلک پر بھی اس کا اثر اچھا نہ پڑے گا اور یہ تو یقینی بات ہے کہ عربی کی مجوزہ اسکیم ہمیشہ کے لئے خارج اور نامنظور ہو جائے گی۔

---

[1] یعنی یو۔ پی کا لفٹیننٹ گورنر　　[2] جولائی ۱۹۰۴ء

(۸۱۱)

(الف)

(الف)

آپ کو جو کامیابی انٹرنس کے امتحان میں ہوئی اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں[1] یہ نتیجہ آپ کے اس حال کا ہے اور خدا نے چاہا تو روز بروز اس میں ترقی ہوگی۔ آپ بمبئی ضرور آئیے، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کیا ملے گا مگر میں کوشش ضرور کروں گا اور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب تک جس طرح پر نوکل پر کام ہوتے ہیں ویسے ہی یہ کام بھی کیجئے۔ آپ کی ملاقات کو خود دل چاہتا ہے اس لئے کہ یہاں تنہا پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے کچھ دن لطف سے گذر جائیں گے۔

محسن الملک

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم بندہ!

دو تین روز سے میں یہاں آیا ہوا ہوں اور متعلق ریفارم مجوزہ کے گورنمنٹ کے خاص خاص حاکموں سے گفتگو ہوئی ہے منشاء گورنمنٹ کا یہ ہے کہ جو تجویزیں اوس نے پیش کی ہیں اون پر کامل بحث اور کافی غور کیا جائے اور پبلک اپنی رائے آزادی کے ساتھ دے اور اس میں جو اصلاحیں معلوم ہوں اون کو پیش کرے۔ تاکہ بعد آ جانے تمام رایوں کے گورنمنٹ اوس پر غور کر کے قطعی فیصلہ کرے۔ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک اور کام کرنے کا وقت ہے اور لازم ہے کہ جو چاہیئے کہ گورنمنٹ کی منشاء کے موافق اوس کی تجویزوں کی نسبت اپنی رائے صاف صاف دیں اور متفق ہو کر متفقہ یادداشت پیش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اس کام کا ہونا مناسب ہے اور جس طرح پر ڈیپوٹیشن کے وقت سب ہندوستان کے معزز مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا ویسا ہی اب ریفارم کے متعلق مل کر کام کرنا چاہیئے۔ کسی کسی خیال سے اختلاف کرنا اور اپنی طرف سے علیٰحدہ علیٰحدہ کارروائی کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اس طرف چاہتا ہوں کہ جو تحریریں نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری مسلم لیگ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچیں اون پر آپ غور کریں اور ایک جلسے میں اپنی تجویزیں بطور یادداشت کے تحریر کر کے ان کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ بعد آ جانے تمام رایوں کے پھر ایک یادداشت مرتب کی جائے اور کراچی میں جبکہ کانفرنس کا اجلاس ہوگا انہی دنوں میں کوئی ایک دن اس کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا جاوے اور جو آخری یادداشت گورنمنٹ میں بھیجنی قرار پاوے وہ وہاں مرتب کر لی جاوے۔ اس کام میں اگر ذرا غفلت یا تاخیر کی گئی یا کسی غلط خیال سے اختلاف کیا گیا اور مل کر کارروائی نہ کی گئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا کہ جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسرا امر لائق گذارش یہ ہے کہ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی مجلس کر کے شکریہ کا تار وائسرائے کے حضور میں بھیجا جاوے۔ مناسب یہ ہے کہ مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور مختلف انجمنوں کے ذریعے سے علیٰحدہ علیٰحدہ شکریہ کے تار وائسرائے کے حضور بھیجے جائیں۔ اس کا اثر بھی اچھا ہوگا اور پبلک اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی دلچسپی لینے کا یقین ہوگا۔ اس لئے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کا انتظام کریں اور نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اس کے متعلق آپ کو لکھیں گے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ ایک مسودہ تار کا جو تحریر کیا گیا ہے

[1] بظاہر سکول کے طلبہ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جو تار شکریہ کا آپ کی طرف سے بھیجا جائے اس میں یہ تبدیل الفاظ اگر ایسا ہی مضمون ہو تو مناسب ہوگا۔

آپ نہ صرف اپنی انجمن کی طرف سے ہی تار بھیجئے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی جن کو آپ جانتے ہوں۔ اگرچہ لکھنؤ کے راہ سے آیا تھا مگر رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو اطلاع نہیں دی اور آپ کو آنے کی زحمت سے بچایا۔ میری طبیعت مکدر ہے شاید یہاں کی ہوا کچھ فائدہ دے[1]۔ فقط

محسن الملک

(۱۶)

مخدوم و مکرم بندہ!

بعد سلام بیشمار کے التماس ہے کہ ڈاکٹر سید سراج الحسن کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ کرنل بار نے بہت عمدہ چٹھی لکھ بھیجی ہے غالباً اب تک آپ کو اوس کی کیفیت معلوم ہو گئی ہوگی۔ بالفعل وہ دورہ پر ہیں جب آپ اون کے بلانے کی ضرورت سمجھیں مجھے اطلاع دیں۔

مجھے بعض دوستوں نے صلاح دی ہے کہ کالج کی مدد کے لئے حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ڈیپوٹیشن آنے کی اور کالج کے حالات سننے کی اجازت دیں اور کچھ مدد فرمائیں۔ اگر ہر ہائنس اجازت دیں تو میں خود اس ڈیپوٹیشن میں شریک ہوں گا مگر میں بغیر آپ کی صلاح کے ایسی جرأت نہیں کر سکتا اس لئے میں آپ سے پرائیویٹ طور پر پوچھتا ہوں کہ ایسی درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس وقت کالج کی طرف ہز ایکسیلنسی لارڈ کرزن اور تمام حکام کی نہایت توجہ ہے۔ اگر حضور عالیہ اپنے قومی کالج پر توجہ کریں تو نہایت ناموری ہوگی اور حضور عالیہ کی عالی دماغی کا ثبوت ہوگا۔

آپ سے بہتر کوئی شخص جان سکتا ہے کہ اس سے کیسے آئندہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ قوم میں ناموری اور شہرت اور پبلک کے لوگوں کی محبت اور عزت انہی باتوں سے پیدا ہوتی ہے اور گورنمنٹ پر جو ایسی باتوں سے اثر ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بالفعل اگر زیادہ امداد عطا کرنے کا موقع نہ ہو تو عربی کی تعلیم کے لئے ماہانہ مدد حضور عالیہ اچھی طرح فرما سکتی ہیں۔ ہمارا کالج اگرچہ مسلمانی کالج ہے مگر افسوس ہے کہ عربی کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے عالم درکار ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے وظیفے دینے کی ضرورت ہے۔ اس صیغہ کے اچھی طرح چلانے کے لئے بالفعل ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار درکار ہیں اگر اس میں کا نصف حصہ یا جس قدر مناسب ہو حضور عالیہ عطا فرمائیں تو اون کے نام سے عربی ڈیپارٹمنٹ قائم ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں اس وقت خانگی طور پر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیپوٹیشن کے آنے کی درخواست کی جائے یا نہیں۔ آپ خانگی طور پر اس کا جواب دیں[2]۔

محسن الملک۔ علی گڑھ۔

---

[1] اس مکتوب میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ منٹو مارلے کی اصلاحات تھیں جو اس زمانے میں حکومت کے زیر غور تھیں۔ ڈیپوٹیشن سے مراد وہ ڈیپوٹیشن ہے جو سر آغا خان کی سرکردگی میں لارڈ منٹو کے پاس پیش ہوا تھا اور اس نے دوسرے معاملات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

[2] یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ خط کس کے نام ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضور عالیہ سے علیاحضرت بیگم صاحبہ بھوپال مراد ہیں۔ اغلب ہے یہ خط نواب سید علی حسن خان (صفی الدولہ حسام الملک) کو لکھا گیا ہو۔

(٧١)

(٩١)

بنام منشی منصب علی خان　　(۱۹)

جناب مخدوم مکرم بندہ منشی منصب علی صاحب!

تسلیم؛ شد مدتے کہ گفت و شنو با تو روند اد　　اے بے نصیب گوشم و اے بے نوا لبم

میں نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اوس کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ آپ
ملال یا رنج ہوگا مگر جو لوگ بھوپال سے آئے اون کی باتوں سے یہ خیال تو جاتا رہا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی مہربانی
ہے اور جو عمدہ خیالات آپ کے تھے اون میں کچھ فرق [۲] نہیں آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ ظفر عمر سے وہ امید پوری نہ ہوئی جو
اور آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات رکھنے کے لئے جو کچھ میں نے نصیحتیں اون کو کی تھیں، میں نے اون کو ہمیشہ خانگی خط
میں لکھا اور اب زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اگر نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ غلطیاں اون سے ہوتی ہوں تو آپ معاف
کیجئے اور پھر اون کو ایک موقع آپ کے ساتھ خوش رمانہ برتاؤ کرنے کا دیجئے۔ مگر آپ یقین کیجئے کہ میں بھوپال میں صرف آپ
ہوں اور ہمیشہ آپ ہی کو اپنا دوست اور مددگار سمجھتا رہوں گا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ کے خیالات بھی میری نسبت
عمدہ ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے البتہ کالج کے لئے ہمیشہ تکلیف دینے کی ضرورت رہی ہے
اور رہے گی اور اوس کے لئے سب سے بڑی امید آپ سے ہے اور الحمد للہ کہ آپ ویسی ہی اب تک مدد دیتے ہیں
اب تک دیتے رہے ہیں۔

میں دو قطعہ اپیل مطبوعہ کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اون کے دیکھنے سے آپ کو موجودہ ضرورت کی کیفیت
ہوگی۔ یہ موقع آپ کے خاص مدد کرنے کا ہے۔ اب تک جو توجہ ہز ہائنس[1] نے کالج کی نسبت ظاہر فرمائی ہے اوس کا شکریہ
ہو سکتا۔ مگر اس وقت تک کوئی سالانہ گرانٹ خاص کالج کے لئے ریاست سے مقرر نہیں ہوئی۔ اگرچہ سو روپیہ ماہوار
کے لئے جو دی جاتی ہے وہ بھی علی گڑھ ہی کے مقاصد کے لئے ہے۔ اگر اس وقت سائنس کی تعلیم کے لئے ریاست سے
ماہانہ گرانٹ مقرر ہو جائے تو عزت [۳] رہ جائے ورنہ یادگار کا قائم ہونا مشکل ہے اور اگر مدد نہ ملنے کی وجہ سے یادگار
نہ ہوئی تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا اور ہمیشہ کے لئے شرم اور ذلت نصیب ہوگی۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہز ہائنس پسند فرمائیں تو میں خود حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔

چونکہ وقت بہت کم ہے براہِ عنایت اس عریضے کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔[2]

محسن الملک

---

[1] ہز ہائنس سے اشارہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف ہے۔

[2] یہ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد کا عطیہ ہے۔

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۰)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آج آپ کا خط آیا۔ اگر یہی کیفیت پہلے لکھ بھیجتے تو نہ مجھے انتظار کی تکلیف ہوتی نہ تم کو میری تحریروں سے رنج ہوتا بہرحال آئندہ آپ جواب دے دیا کریں اور جو کیفیت ہو وہ لکھ بھیجا کریں۔

متعلق رپورٹ کے آپ ایک مضمون البشیر کانفرنس گزٹ میں چھاپ دیجئے اور جو معذرت کرنی ہو وہ معذرت کیجئے تاکہ لوگوں کو تاخیر کا سبب تو معلوم ہو جائے۔ علاوہ ازیں پنجاب کے اکثر مسلمان بہت شاکی ہیں ان کی شکایت دور نہ ہو مگر کسی قدر کم تو ہو جائے۔

رپورٹ کا مسودہ جس قدر تیار ہوتا جائے اس کو آپ میرے پاس بھیجتے جائیں۔ فقط والسلام!

محسن الملک ۵ رجون

بنام مولوی بشیر الدین

(۲۱)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

تم سوتے ہو یا جاگتے۔ زندہ ہو یا دنیا سے چل بسے۔ تمہاری طرف سے کوئی صدا سننے میں نہیں آتی اور کانفرنس کے متعلق تمہاری کوشش کی کوئی نشانی معلوم نہیں ہوتی۔ اب تک کانفرنس کے لئے کہیں سے دعوت نہیں آئی۔ کیا تم کانپور میں امسال کانفرنس قائم کرنے کے لئے کچھ کوشش نہیں کر سکتے۔ ذرا ہمت کرو۔ کانپور جاؤ وہاں کے لوگوں سے ملو اور اگر ممکن ہو تو امسال وہاں کانفرنس قائم کرنے کا بندوبست کرو۔ اخوان الصفا کے بعض ممبر گو غریب ہیں مگر ایسے کام کے لئے مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

اگر وہاں سے ناامیدی ہو تو جیسا تم کہا کرتے ہو اٹاوہ میں تجویز کرو، گو میرے نزدیک اٹاوہ اس کے لائق نہیں ہے۔ خود اٹاوہ میں یقین ہے کم مسلمان ایسے ہیں جو ممبری کا چندہ بھی دے سکیں لیکن ہندوؤں سے کچھ ملنے کی امید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کانفرنس کے لئے مشن ہائی اسکول جو ان دنوں خالی ہوگا مل سکے۔ غالباً ہیڈ ماسٹر صاحب اس کام کیلئے مدرسہ کی اجازت دے دیں اور ایسی حالت میں جلسہ کیلئے کسی ہال بنانے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور مہمانوں کیلئے میں اپنی کوٹھی خالی کر دوں گا اور کچھ خیمہ کرایہ پر کانپور سے منگوا لئے جائیں گے مگر ممبر کہاں سے آئیں گے۔ اٹاوہ اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع ایسے نہیں ہیں کہ جہاں سے چندہ دینے والے ممبروں کے آنے کی امید ہو اور نیز سواری اور گاڑیوں کی بھی مشکل ہوگی اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس کا شوق لوگوں کو وہاں آنے پر آمادہ کرے۔ مگر چونکہ آپ کا مدت سے یہ خیال تھا اس لئے میں نے اسے بھی ظاہر کر دیا۔ آپ یہ خط جناب صاحبزادہ روح اللہ خاں صاحب کو دکھلا دیجئے اور جو رائے قرار پائے اس سے اطلاع دیجئے۔

میرے دوست محمد حسین صاحب ضلعدار کا ایک خط میرے نام عبد الصمد صاحب طالب علم کے متعلق آیا تھا مجھے افسوس ہے کہ جواب بھیجنے میں دیر ہوئی۔ عسہ روپیہ میں بھی چندہ میں بھیج دوں گا۔ آپ ان کو مطلع فرما دیجئے۔ فقط!

محسن الملک بمبئی ۶ ستمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۲)

مکرمی بشیرالدین صاحب!

دو دن کے لئے آپ ضرور ہو جاؤ اور اپنے دل کا غصہ مجھ پر دل کھول کر نکال جاؤ مگر میرا حال بھی کچھ سن لو۔ بالخصوص میں آپ کو رام پور کی کانفرنس میں چند امور ضروری کے لئے صلاح لینے کے واسطے بلاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ یہاں سے ناخوش نہ جائیں گے۔

اے یار بیا بجانب ما　　بیگانہ مشو بیگانہ ما

زکم کہ شوی زخواب بیدار　　گر گوش کنی فسانہ ما

محسن الملک۔ علی گڈھ ۸ دسمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۳)

مکرمی!

میں انتظار کرتے کرتے آخر پونا روانہ ہوا اور آپ نے رپورٹ نہ بھیجی۔ ابتدا میں طاعون اور بیماری وغیرہ کا عذر گو صحیح ہو مگر میں سمجھتا ہوں کہ اخیر کو سوائے بے توجہی اور بے پروائی کے یا کثرت اشغال کے دوسرا کوئی عذر تیاری رپورٹ کے لئے نہ تھا۔ میں کیا کہوں میرا تو منہ کالا ہو گیا۔ اوّل دلّی کی کانفرنس کی وجہ سے دوسرے آپ کی وجہ سے۔ آٹھ ماہ تک سارے کاموں کا جاری رہنا اور رپورٹ کا تیار نہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے لئے پبلک کوئی عذر نہ سنے گی۔ آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ پبلک میٹنگ میں یعنی سنٹرل کمیٹی کے روبرو آپ کہہ گئے کہ جولائی کے اخیر تک ضرور رپورٹ بھیج دوں گا اور آپ نے اپنے ان الفاظ کا خیال تک نہ رکھا۔ علاوہ اس کے آپ نے اپنے اخبار میں باوجود میری متواتر تاکیدوں کے کوئی معذرت بھی نہ چھاپی۔ اب لاچار ہو کر اور عاجز ہو کر میں نے ایک مختصر مضمون علی گڈھ گزٹ میں دے دیا ہے اور اپنی ندامت اور ذلت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کام آپ کے سپرد تھا آپ اس کی وجہ پبلک کو بتا دیں گے۔ میں کل صبح پونا جاتا ہوں اور غالباً ۱۵ اکتوبر سے پہلے واپس نہ ہوں گا۔ اس وقت تک رپورٹ نہ دیکھ سکتا ہوں اور نہ درست کر سکتا ہوں۔ پھر دسمبر قریب ہو جاوے گا۔ ممکن ہے کہ رپورٹ دسمبر تک چھپ سکے اس لئے غالباً کانفرنس دہلی کی رپورٹ نہ چھپ سکے گی نہ شائع ہو سکے گی۔ چونکہ آپ مجھ سے بڑھ کر قوم کے ہمدرد اور ان باتوں کے خیال کرنے والے ہیں آپ سے کیا شکایت کروں۔ مگر آخر یہ بات ثابت ہو گی کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں اور ہم پر خدا کا قہر ہے اور ہم اس کے مستوجب ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو سخت رنج اور افسوس ہے اور مارے شرمندگی کے میں نے کسی ایک شخص کو بھی نہ خط لکھا نہ ممبر ہونے کی درخواست کی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔ میں کس منہ سے اب لوگوں سے ممبر ہونے کی درخواست کروں اور کس طرح اپنی روسیاہی دور کروں۔ اپنی مہربانی سے افسار احمد کو بھی آپ نے روک لیا اور جو کچھ وہ کرتے وہ بھی نہ کرنے دیا۔

محسن الملک

بنام مولوی حسین عطاء اللہ خاں

(۲)

جناب مخدومی و مکرمی

تسلیم: سرکار نے ارشاد فرمایا ہے کہ نواب نادر جنگ بہادر کے زمانۂ مددگاری کو توالی بلدہ کے تنخواہ کی مثل سرکار میں پھر پیش کی جاوے۔ والتسلیم

خاکسار

وقار الملک ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ مطابق ۵ اکتوبر [illegible]

(۳)

بنام سر سید احمد خاں

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت

تسلیم! آپ کا ارشاد تو بمنزلہ حکم کے ہے جس کے بعد سکوت کے سوا اس قسم کے معاملات میں کچھ چارہ ہی نہیں ہے لیکن وجوہ ارشاد عالی میں اون کی نسبت اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ممبروں میں سے بھی بہت سے بھول گئے جو ان مضامین کو وہ سن چکے شاید دوبارہ پڑھنے کی تکلیف نہ کریں اور جن ہزاروں غیر ممبروں نے غلط رپورٹ پڑھی ہے ان کو تو مطبوعہ رپورٹ سے بہت کم تعلق ہے گا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ "پایونیر" اخبار کے انگریز پڑھنے والوں کے لئے تو اردو مطبوعہ رپورٹ سے کچھ تعلق نہیں اور اس طرح ہزار ہا فہمیدہ لوگوں کا خیال اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی بیوقوف مسلمان نے اس بات کی بھی کانفرنس میں رائے دی کہ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ اپنے موجودہ مسلمان ماسٹروں کے ذریعے سے مذہبی تعلیم بھی کرا دے۔

مگر میں اوپر عرض کر چکا کہ اگر آپ کی رائے سوسائٹی کے اخبار میں جو اردو و انگریزی دونوں کا اخبار ہے اصلاح کی [illegible] تو مجھے اوس پر کوئی اصرار نہیں ہے لیکن اس حالت میں اپنے آپ کو آزاد سمجھوں گا کہ اگر کوئی موقع مجھے ملے تو میں اپنے اوپر سے اس [illegible] مٹانے کی کوئی مناسب کارروائی کر سکوں اور راوی کے سا [illegible] دوسری اصلاح بھی ہوگی۔ گو کہ یہ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کروں گا مگر شاید کبھی کروں۔ والتسلیم [2]

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ مارچ ۱۸۹۳ء

(۴)

بنام نواب سید علی حسن صاحب

جناب نواب صاحب مستغنی عن الالقاب نواب معتمد الدولہ حسام الملک مولوی سید علی حسن خاں بہادر سلامت

تسلیم! اس عریضہ کے ساتھ میں ایک مطبوعہ خط ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڑھ جو ہفتہ گذشتہ میں جاری [illegible] معروف کرتا ہوں اس سے جناب عالی کو معلوم ہوگا کہ کمیٹی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم میں قانون ٹرسٹیان کی ترمیم کا مسئلہ پیش ہو کر ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی ہے جس کے سیکرٹری ہونے کی عزت احقر کو بخشی گئی ہے سلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ان بزرگان قوم سے بھی اس [illegible] میں مدد لی جاوے جو کہ ٹرسٹی ہونے سے گو ابھی ٹرسٹیز کمیٹی کو عزت حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن جن کی توجہ ہمیشہ اس قسم کے قومی کام [illegible]

---

[1] یہ چٹھی نواب وقار الملک کی لکھی ہے جہاں دونوں معتمد تھے، سرکار سے مراد مدار المہام وقت ہیں نادر جنگ افسر الملک کے بیٹے تھے، یہ چٹھی مولوی حسین [illegible] کو لکھی گئی ہے جو مددگار معتمد تھے۔ (اصل محفوظ در ذخیرۂ متمکین کاظمی)

[2] اس خط کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ذخیرۂ امین زبیری لٹن لائبریری سے بھیجی ہے۔ نواب وقار الملک نے کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۲ء میں تعلیم دینیات [illegible] پیش کیا تھا اس کے سلسلے میں یہ مراسلت ہے۔

(۵)

کی مرضی اور رضا پر منحصر ہوگا اور حضرات ندوہ یقیناً کمال تشکر و امتنان سے اس کو قبول کریں گے اور پھر یہ امر محتاج بیان نہیں ہے
کا جلسہ بھوپال میں وہ پہلا جلسہ ہوگا جس کی نسبت یہ صحیح طور پر کہا جاسکے گا کہ ندوہ اب تک ایک جسم تھا اور اس جلسہ نے اس میں
ڈال دی ہے اور اس جسم بے جان میں جان کا پڑنا ان کٹھلیوں کو پھر درست اور مستعمل کر دے گا جن کے کمزور ہو کر ٹوٹ جانے سے
سلسلہ علما اور قوم کے ساتھ صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے اور حضور عالیہ دامت اقبالہا اسی زمانہ میں ندوہ کی درخواست پر
ہو جانا منظور فرمائیں جو گویا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور قوم کی مربی گری ہوگی اور یہ لحاظ ان کی نظر اور عمدہ اور علمی قابلیتوں اور
مراسم اور نوازشات کے جو حضور ممدوحہ کی ذات بابرکت کے ساتھ مختص ہیں، ندوہ کے پیٹرن کا عہدہ حضور ممدوحہ کے واسطے
موزوں سمجھا جاوے گا۔

حضور ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کے زمانۂ فرماں روائی ہندوستان میں حضور عالیہ متعالیہ ہی اس کی مستحق ہیں کہ وہ مذہبی حیثیت
مسلمانانِ ہند کی مادر مشفقہ و معظمہ تسلیم کی جاویں۔ حضرت کے نام نامی کے ساتھ ڈائریکٹری تعلیمات کا انضمام دیکھ کر جس انضمام سے
عہدہ کو افتخار حاصل ہوتا ہے میں آج کی ڈاک سے چند کاغذات اردو انگریزی جناب کے ملاحظہ کی غرض سے بھیجتا ہوں اور یہ
جو میں نے چار سال کی متواتر کوشش میں اپنے صوبجات متحدہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے واسطے حاصل کیا ہے اور جس
سے اب یہ بات خود اہل ملک کے ہاتھ میں آگئی ہے کہ وہ انگریزی سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام کریں اور جو ایسا
نہ کریں تو پھر ان کو خدا سمجھے۔

ندوہ کے جلسۂ بھوپال کی نسبت ایک احتیاطی کارروائی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر پیش کیا تھا مگر تاہم اس کے
متعلق بھی عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر مدار المہام اس کو پسند فرمائیں تو قبل اس کے کہ اس پسندیدگی کا کچھ اظہار کیا جاوے
صاحب ریجنٹ گورنر جنرل سے کسی ملاقات کے موقع پر اس کا صرف زبانی تذکرہ کفایت کرے گا اور ابھی میری طرف سے
میرے ہی خیالات کا اظہار ہے حضرات ندوہ پر میں بھی اس کے بعد ہی پیش کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین از امروہہ۔ ۲۷ر جولائی ۱۸۹۹ء

بنام مولوی محمد بشیر الدین صاحب

(۶)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! محبت نامہ نے مشکور کیا۔ آپ کی فرمائش اخبار میں مضامین لکھنے کی نسبت
ہے۔ پہلے بھی آپ نے لکھا اور فی الحقیقت قطع نظر دیگر امور کے تمہارا اخبار ریل بھی میرا ہی اخبار ہے اور مجھ کو بہت خوشی
اس میں میں کچھ لکھتا رہتا لیکن طبیعت کچھ ایسی بجھی بجھی ہوگئی ہے کہ بہت ہی کم کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ اس کے
لکھنے کے لئے جو قابلیت درکار ہے وہ بھی میں اپنے میں نہیں دیکھتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنا کوئی درد دل ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ
ہی لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی موقع پیش آیا اور میں کچھ البشیر کے لئے کسی وقت لکھ سکا تو وہ خود میری مسرت کا باعث ہوگا۔

ل نواب سید علی حسن (صفی الدولہ حسام الملک) نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اصغر تھے۔ مدت تک محکمہ تعلیمات کے انچارج رہے۔ پھر
اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی۔

علی گڑھ میں سیکرٹری کو مدد دینے کی کیفیت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر وہ شخص ہیں جو ایسے ایسے دس کا بجوں کا کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ کام کی طرح اس کو کریں نہ کہ پالیسی کی طرح اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ پالیسی ہے نہ کہ کام۔ پریسیڈنٹ، آنریری سیکرٹری، اسسٹنٹ سیکرٹری، رجسٹرار اور ایک پورا عملہ موجود ہے اور پھر بھی کام کی پکار مچی ہوئی ہے اور لوگ مدد کے لئے تلاش کئے جاتے ہیں تو آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے اور جو وجہ ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تقررات سوائے ایک رجسٹرار کے کام کرنے کی غرض سے ہوئے ہی نہیں۔ میں مخالف تھا کہ سید محمود کی پریسیڈنسی سے بہت ہرج ہوگا لیکن پالیسی اسی کی مقتضی ہوئی۔ خود نواب محسن الملک بہادر نے اپنے تقرر کے وقت یہ بھی خیال نہیں کیا کہ پتا مار کر کام بھی کرنا پڑے گا انہوں نے کام کے لئے ایک رجسٹرار کو مقرر کر لیا اور سب بوجھ ان پر چھوڑ دیا جس کو اکثر لوگوں نے بہت افسوس کے ساتھ دیکھا۔ اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ سید محمد احمد کے ہاتھ میں کس قدر بے معنی عہدہ ہو رہا ہے۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کو جائنٹ سیکرٹری بنانے کی تجویز پیش ہوئی اس وقت بھی محرک اور امیدوار عہدہ دونوں میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ آفتاب احمد خاں کو اپنی بیرسٹری کا کام بیش ہے بجز بالائی بالائی باتوں کے وہ کبھی کام کے اندر گھس کر کام انجام نہ دیں گے مگر پالیسی کی مقتضی تھی تو جہاں پالیسی کی گرم بازاری ہوگی وہاں کام کا یہی ستیاناس ہوگا۔ غضب خدا کا جس شخص نے ایک ریاست کی فنانس سیکرٹری کا عہدہ انجام دیا ہو وہ اور آج تک کالج کا بجٹ نہ بنا سکے رجسٹرار کے لئے دو دن سے زائد کا کام نہیں تھا اور بابو صاحب جکر ورتی کی بجٹ بنا دیں تو بجٹ بنے اور نہیں تو نہیں۔ میری رائے یہ ہے اور پھر میں نے بارہا نواب محسن الملک کو لکھا بھی ہے کہ ان اوصول سے تو پاس نہ بچے گی ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کرو جس کی تنخواہ اڑھائی سو تین سو روپیہ ہو تب کام چلے گا اور مجھ کو یقین ہے کہ اس تقرر کی گنجائش وہ بجٹ میں سے نکال سکیں گے اور جب وہ رجسٹراری کو کالج اسٹاف کے ہاتھ میں دے کر اس کی جگہ ایک اسسٹنٹ سیکرٹری تنخواہ دار مقرر کرنا چاہیں گے تمام ٹرسٹی اس کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کریں گے اور کالج اسٹاف کا کام تعلیم دینے کا باقی رہے گا۔ میں تو رجسٹراری کا کالج اسٹاف کے ہاتھ میں ہونا حد درجہ ناپسند کرتا ہوں مگر محض محسن الملک کو پالیسی مجبور کر رہی ہے ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اگر میں سمجھوں کہ مجھ سے کام نہ ہو سکے گا تو مجھ کو وہ کام اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔

اب مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو کر کام میں ہاتھ ڈالوں جس کے بعد پھر شاید وہ کالج اسٹاف سے رجسٹراری کا لے لینا پسند کریں گے یا نہ کریں گے لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان پالسیوں کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر کوئی کام بھی خوشی کے ساتھ نہ کر سکوں گا لہٰذا میں نے ہمیشہ اس سے معافی چاہی ہے اور معافی چاہوں گا۔

اور میں نے صاف صاف اپنے کام نہ کرنے کے وجوہ نواب محسن الملک بہادر کو لکھ کر بھیج دیئے ہیں اور اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مبادا ایسے پرائیویٹ خطوں میں نواب محسن الملک بہادر ان وجوہ کا اظہار پسند کریں گے یا نہیں تو میں صاف صاف وہ وجوہ تم کو لکھ دیتا البتہ ایک عذر ان میں ایسا بھی ہے جس کو میں اس خط میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے میں اپنے لئے کسی بادشاہت کو بھی پسند نہ کروں گا۔ ووٹ مخفی ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم ہو سکے اس کے بعد جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ ہے اور جن کوششوں کے ساتھ آج کل ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں یا جس طرح جناب سید صاحب مرحوم و مغفور نے سید محمود کے لئے ووٹ حاصل کئے اس پر تو بالکل رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت کی مثل صادق آتی ہے اور میں تو ایسے رونڈ حوصلہ کے ووٹوں کے ذریعہ سے اپنے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کو اپنی ذلت سمجھوں گا۔

ہونی چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی وغیرہ سب چپ چاپ بیٹھے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں آنریری سیکرٹری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت سے ہوئی ہے؟ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس کا جو جواب آیا ہے اس کی نقل آپ مہربانی سے اوّل ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجئے اس کے بعد اور جو کچھ لکھنا ہے وہ دیکھا جاوے گا۔

اس قدر تو ضابطہ کے خط میں میں نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ خط جو اس سے علیحدہ میں نے ان کو لکھا ہے اس میں ان کے اس طریقۂ کارروائی کی نسبت از حد شکایت کی ہے اور شاید کہ بعض وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں، غصہ کہاں تک نہ آئے یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہنچی ہے اور اگر وہ ایجنڈا جاری کریں گے تو مجھ کو جو کچھ لکھنا ہوگا میں انشاءاللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی مگر اور کے ٹرسٹیوں سے آپ اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے یہ بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو تحریک پیش ہوئی ہے اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے آپ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں ہمیں مشتاق حسین اور ایک بشیرالدین نہیں بیس بشیرالدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں جو چاہے کچھ لکھیں یہ لکھ رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں، بیسواں، سواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو مل کر ایک کارروائی کی نظیر بھی دکھلائی ہے کہ دیکھیے ہز آنر نے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کر دیں اور اس کے واسطے وہ ۷ اگست کو جلسہ طلب کرنے کو تھے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کا خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا قانوناً جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو ہز آنر نے اس کارروائی کو اوائل نومبر پر ملتوی کر دیا ہے۔

مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید — مسٹر مارلیسن جیسے عمدہ اور آزاد شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کہنے کے کاموں میں خود زبردستی دخل دے دے کر قریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے معنی کیا ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ پورا کرنے یا بے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر مارلیسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"م"

(11)

(01)

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۳)

عزیز القدر سلمکم اللہ تعالیٰ

نہایت افسوس ہے کہ جناب [illegible] صاحب قبلہ نے کل شام نماز مغرب کے وقت اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے [illegible]
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر لحظہ تک بھی مرحوم کے ہوش و حواس سب درست تھے۔ ......[1] محمد حسین صاحب [illegible]
قبر کے متصل ہی دفن کئے گئے اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے مشیت ایزدی میں کچھ چارہ نہیں ہے
گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا۔ خالہ پھوپھی صاحبہ معظمہ کی خدمت میں بھی میں نے ہمیرپور کو علیحدہ خط لکھا ہے مجھ کو [illegible]
کا سب سے زیادہ اس موقع پر خیال ہے وہ جنابہ معظمہ موصوفہ کا ہے۔ ان سے یہ سانحہ بہت ہی مشکل سے برداشت ہو سکتا [illegible]
اور یوں تو جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہوتی ہے انسان کو اس پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ اپنے دو نوجوان، قابل فرزندوں کا بھی ناقابل [illegible]
صدمہ ان کو برداشت ہی کرنا پڑا ہے۔ والسلام!

خاکسار
مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۳ء

(۱۴)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب مخدومی و مکرمی مولوی سید افتخار عالم صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ گرامی صحیفہ اور حیات النذیر کا شکریہ عرض ہے لیکن افسوس ہے کہ میری حالت صحت [illegible]
اجازت نہیں دیتی کہ میں اس عمدہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھ بھی سکوں جس کے بدوں ریویو لکھا نہیں جا سکتا اور نہ اب [illegible]
اتنی طاقت ہے۔ علی گڑھ سے میں رخصت ہوا ایسی حالت میں کہ مجموعۂ عوارض ہو رہا تھا اور یہاں پہنچتے ہی رمضان المبارک [illegible]
آگیا جس نے معدے کو بھی بہت خراب کر دیا ہے اور روزانہ [illegible] سے اب بھی آ جاتا ہے اس کو [illegible]
کا روز ختم نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میری یہ معذرت مہربانی سے قبول فرمائی جاوے گی۔ آپ کی کتاب میرے پاس امانت ہے
جس کے پاس فرمایئے میں بھیج دوں میں نے اس لئے عرض کیا کہ شاید ریویو کی غرض سے کسی اور صاحب کے پاس آپ [illegible]
بھیجنا پسند فرماویں اور ابھی زیادہ کتابیں آپ کے پاس تیار نہیں ہیں[2]۔ والسلام:

خاکسار مشتاق حسین ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء ڈیرہ دون

(۱۵)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب مخدوم و مکرم مولوی سید افتخار عالم سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ گرامی نامے نے ممنون فرمایا۔ آپ کا ارشاد میرے سر اور آنکھوں پر و لاکن لا یکلف اللہ
نفساً الا وسعہا۔ جن چیزوں میں مجھ کو کچھ لکھنا نہیں، پڑھنا نہیں، سوچنا نہیں صرف زبان سے بتلانے جانے کی بات ہے مثلاً [illegible]

[1] یہاں چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔
[2] سید افتخار عالم مصنف "حیات النذیر" (سوانح مولانا نذیر احمد) نے کتاب تبصرے کے لئے بھیجی تھی۔ نواب صاحب نے کتاب اس لئے واپس کر دی کہ انہیں مطالعے کی فرصت نہ تھی اور نہ وہ ریویو لکھ سکتے تھے۔

(۱۹)

برخوردار یمن چودھری محمد یونس صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! خواجہ غلام الثقلین صاحب ماہرہ تشریف لائے ہوں یا تشریف لانے والے ہوں گے۔ کونسل کی ممبری کے متعلق اون کی ہم سب کو مدد کرنی چاہئے۔ میرے نزدیک وہ اون چند نوجوان کامیاب طلبائے علیگڈھ کالج میں سے ہیں جن کو کالج کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اون کی یہ کوشش اپنی ذاتی ترقی مدارج کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف قوم کو اور ملک کو نفع پہنچانے کی کوشش میں وہ یہ تمام درد سر مول لے رہے ہیں۔ والسلام ا

اور یہ میری ذاتی رائے ان کی نسبت مختلف تجربوں کے بعد قائم ہوئی ہے۔

اور میرا یہ خط آپ جس کو چاہیں ملاحظہ کرائیں۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ ڈیرہ دون ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء

(۸)

شبلی نعمانی

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے یہ مکاتیب ابھی کسی بھی مجموعے میں شائع نہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض مرحوم کی سیرت پر نہایت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام مولانا شبلی کے بہت سے مکاتیب "مکاتیب شبلی" میں چھپ چکے ہیں لیکن جو مکاتیب ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں وہ بالکل نئے اور غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱)

بنام مولانا مفتی شبیر علی[1]

استفتا و نامہ سامی پہنچا۔ میرے نزدیک آپ کا جواب قرین صحت ہے مگر چونکہ میں نے افتا کا کام مدت سے چھوڑ [illegible] اور اب اپنے تئیں اس منصب بزرگ کے قابل نہیں سمجھتا اس لئے دستخط کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ امید ہے کہ آپ معاف [illegible] اور بزرگان دین کے ہوتے میری کیا حاجت تھے۔ والسلام!

شبلی۔ علیگڑھ ۸ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ

مکرمی! سررشتہ علوم و فنون جس سے میرا تعلق ہے اس کے متعلق اگر آپ کی کانفرنس میں اظہار پسندیدگی کا ریزولیشن پاس ہو تو موجب شکر [illegible] کا باعث ہوگا۔ ریاست کے لئے اس قسم کا محکمہ عزت کا باعث ہے۔ یہاں ناقدردان لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس میں حصہ لیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۵ نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مبارکباد۔ ریویو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تحسین نہیں بلکہ حسد کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کی [illegible] پر اٹھیں تو مجھ میں اسی کمبخت نیلنگ کا ظہور ہوگا۔ یہ ریویو اخبار تک محدود رہ کر گم ہو جائے گا۔ اس کو الگ رسالے کی صورت میں چھپا اور شائع [illegible] اس سے اور عمدہ نمونے قائم ہوں گے اور شاید رفتہ رفتہ حیات جاوید کا کل خون فاسد ان نشتروں سے نکل جائے۔ والسلام!

شبلی۔ ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء از حیدرآباد

---

[1] مولانا مفتی شبیر علی صاحب آخر میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاذ تفسیر مقرر ہو گئے تھے۔

(۴)

[illegible] خان بہادر بشیر الدین صاحب

جس قدر مجھ کو بدوعدہ، کاذب، ہرزہ گو بنائیے تعجب نہیں۔ میں نے دو مہینے ہوئے سرکار میں سفارش بھیج دی کہ فلاں فلاں اشخاص کو کتابیں ہدیۃً بھیجی جائیں اس کی منظوری اب تک نہیں آئی۔ بار بار لکھ چکا ہوں۔ نواب محسن الملک کا بڑا تقاضا تھا، مجبور ہو کر میں نے کتاب بہ قیمت خریدی اور بھیجی۔ کتابیں تمام دفتر میں ہیں اور میں اعظم گڈھ آ گیا ہوں۔ اگر زیادہ دیر ہوئی تو کالج سے خرید کر کے بھیجوں گا۔

شبلی۔ اعظم گڈھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

[illegible] خان بہادر بشیر الدین صاحب

یہ نوٹ چھاپ دیجئے:

"الغزالی (مصنفہ شبلی نعمانی) کے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ڈپو بک شاپ علی گڈھ کالج سے منگوائی جائے۔"

شبلی نعمانی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(۶)

[illegible] مولوی بشیر الدین صاحب

علی گڈھ گزٹ میں کتب ترجمہ انجمن ترقی اردو کی فہرست چھپے گی صیغہ منقولات میں اس کو لے لیجئے گا۔ میرے پاس محرر نہیں۔ خود کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے متعدد نقلیں بھیجی نہیں جا سکتی تھیں۔

شبلی۔ حیدر آباد ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

(۷)

[illegible] مولوی بشیر الدین صاحب

مخدومی!

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ بابت ماہ جون ۰۳ء علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نمبر ۲۶ جلد ۴ مورخہ ۲۵ جولائی ۰۳ء[1] میں چھپی ہے۔ براہ کرم آپ بھی اپنے اخبار میں جلدی طبع فرما دیں۔ اتفاق سے اس رپورٹ کو شائع ہونے میں بہت دیر لگی۔ جولائی کی رپورٹ بھی تیار ہے۔

شبلی۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔ ۴ اگست ۱۹۰۳ء

(۸)

[illegible] مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

مکرمی!

میرا ہر روز معتد بہ وقت ندوے کی ادھیڑ بن میں صرف ہوتا ہے۔ ندوہ اب تک کبھی کامیاب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی

---

[1] ۰۳ء سے مراد ۱۹۰۳ء ہے۔

(۶)

(۱۱)

فغاں از گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی — بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نورا[۱]
بہر سو از ہجومِ دلبرانِ شوخ و بے پروا — گذشتن از سرِ مشکل افتاد است رہرو را
بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنارِ آب چوپاٹی[۲] و گلگشتِ اپالو را
بیا شبلی بہ یادِ بچۂ گبرے مژگانش
بگرد پارہ گرداں ایں قبائے زہد صدتو را

شبلی۔ از بمبئی کلیر روڈ بنگلہ دھوکا ست پوسٹ آفس بائی کلہ

(۱۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ ایسی جلدی نہیں ہفتہ کے بعد چل سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ الٰہ آباد لکھنؤ وغیرہ سے بہت گرم ہے جی
لو شروع ہو گئی۔ ہاں یہ بھی طے کر لیجئے کہ بمبئی میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔ یعنی فوراً حیدرآباد کا قصد نہ ہو۔ یہ
گو لو نہیں ہوتی لیکن سخت گرم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے مصالح اس کے مقتضی ہیں کہ میں کم از کم ایک مہینہ کے بعد
بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کو سمندر پار سے چلوں لیکن آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں[۳]۔
حافظ احمد رضا خاں سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد نے اپنی تمام کتابیں جو چار الماریوں کی بقدر ہیں ندوہ کو وقف کر
نے آدمی بھیج کر فہرست منگوائی ہے۔ کتابیں بھی منتخب آتی ہیں۔ ان میں خواجہ حسن دہلوی کا دیوان بھی ہے جو غزل میں عدیم النظیر ہے۔
اچھے صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دو معزز صاحب ندوہ کی برائی بیان کرتے تھے اور آپ لوگ جواب دیتے تھے۔
وہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کسی وقت ذاتی اغراض کی بنا پر گورنمنٹ سے ندوہ کی برائی کر چکے ہیں۔ اب کیا وہ ا
آپ جھوٹے نہیں؟ والتسلیم!

شبلی۔ الٰہ آباد۔ بھنڈر کی گلی۔ ۸ ؍ اپریل ۱۹۰۷ء

---

۱ یہ شعر خوبانِ زردشتی سے متعلق ہے اور زردشتیوں یعنی پارسیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قوتیں کارفرما ہیں۔ ایک یزدانی دوسری اہرمنی
سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کا نام وحدت کے مقابلے میں ثنویت ہے۔ خوبانِ زردشتی نے زلف و عارض سے ظلمت و نور کو باہم ملا دیا۔
۲ چوپاٹی اور اپالو بمبئی کی مشہور تفریح گاہیں ہیں۔
۳ یہ محض ایک لطیفہ ہے جو غالباً اس واقعہ پر مبنی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کر لینے کے بعد ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو
نہر کے ذریعے سے ملا دیں۔ یہ نہر موجودہ نہر سویز سے ذرا مشرق میں کھودی جانے والی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں
اجازت نہ دی۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یونانی جہاز نہر کے اندر آ کر مصر کی طرف سے آنے والے حاجیوں پر یورشیں کریں
راستہ محفوظ نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں نے بحری قوت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی۔ بعد میں ان کی بحری قوت نے یونان و روم دونوں
درہم برہم کر ڈالی۔ بہرحال اگر حضرت عمرؓ ممانعت نہ فرما دیتے تو نہر سویز تیرہ سو سال پیشتر جاری ہو جاتی۔

ہیں ایک عرب ادیب مقرر کیا ہے۔
مجھ کو فرصت ہوتی تو خود کچھ کرتا۔ لیکن یک سر و ہزار سودا۔ موجودہ تصنیف جب تک ختم نہ ہولے کوئی کام نہیں [illegible]
یورپ نے عمر خیام کا جبر و مقابلہ چھاپا ہے اس نے بہت مسائل قدما پر اضافہ کئے تھے۔ فرنچ زبان میں ترجمہ اور ریویو کیا ہے۔ [illegible]

شبلی۔ لکھنؤ ۳ جولائی ۱۹۰۹ء

(۲۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مکرمی!
السلام علیکم۔ کیا آپ دارالعلوم ندوہ کی پرنسپلی بمشاہرہ ... بہ شرط ترقی قبول فرما سکتے ہیں؟ مشاہرہ [illegible]
لیکن وسیع قومی کام ہے اور ہر طرح کی اصلاح کا موقع ہے۔ مشاہرہ بھی ضرور بڑھے گا آمدنی کے ساتھ۔

شبلی۔ ندوہ، لکھنؤ، ۱۳ اگست ۱۹۰۹ء

(۲۲)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مکرمی:
میں حیدرآباد آرہا تھا اور آپ کو وہیں سے لکھنؤ روانہ کرتا لیکن انقلاب حال نے روک دیا۔ ۱۰ شوال کو [illegible]
کھل جائے گا۔ آپ اس وقت تک ضرور، بالضرور لکھنؤ پہنچ جائیں۔ میں وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں ایک بات محض بغرض [illegible]
ضروری ہے وہ یہ کہ مولوی حفیظ اللہ اگرچہ مستقل نوکر ہو کر ڈھاکہ گئے ہیں لیکن انگریزی میں قاعدہ ہے کہ برائے نام پہلے تقرر [illegible]
مدت لکھی جاتی ہے۔ اس بنا پر مولوی حفیظ اللہ تو مہینے کے لئے گئے ہیں اور یہی صورت آپ کے لئے بھی ہوگی [illegible]
قطعی ہے آپ ہرگز پس و پیش نہ کیجئے گا۔ فوراً تشریف لائیے گا۔ یعنی ۱۰ شوال تک جواب لکھنا ہو تو پالن جی [illegible]
کے پتہ سے لکھئے گا۔

شبلی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۳)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ شوال تک آپ لکھنؤ تشریف لائیں۔ دفتر ندوہ میں تار دے دیجئے گا۔ اسٹیشن [illegible]
آپ کو لائے گا۔ آپ کے قیام کے لئے بھی مکان وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔

شبلی۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۴)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے کہ شعر العجم آپ وطیرہ مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ۱۲ فروری کا گھر سے نکلا ہوں اس وقت تک کتاب ریلوے سے نہیں آئی ہے۔ اب دفتر کو لکھتا ہوں پہنچ جائے گی۔ مکرر کتابوں کی فہرست لکھنؤ پہنچوں تو بھیجوں۔ ابھی تو دلی ہوں کل علی گڈھ روانہ ہوں گا ایک دو دن وہاں رہوں گا آپ آ جاتے تو زیارت ہو جاتی۔

شبلی از دہلی ۳ مارچ ۱۹۱۰ء

(۲۵)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

گرمیاں سخت ہو گئیں۔ میں چند ضروری کام ندوے کے انجام دے کر کشمیر وغیرہ بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر۔ آزاد بھی ساتھ ہوں گے۔ نظامت کا مسئلہ معرکۃ الآرا ہے اور جتنی شورشیں ہیں سب اس کی تہ میں ہیں۔ میری بد اعتقادی دہریت، بے نظامی، تحکم اور استبداد یہ تمام اوصاف پہلے ہی تھے لیکن نظامت کی دوربین نہ ہونے سے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ضرور کیجئے۔ لیکن چھپنا پڑنے کے بعد ورنہ میں موجود نہ ہوں گا اور فیصلہ یک طرفہ ہوگا۔ قاعدے کے رو سے ۳ مہینے کے بعد جلسہ انتظامیہ ہونا چاہئے۔ تاکید کیجئے کہ اس وقت تک دستور العمل بن جائے۔ ترمیمات وغیرہ سب پیش ہو چکی ہیں۔ مولوی ظہور احمد کو تھوڑا سا کام ہے مولوی عبدالحیٔ صاحب کو لکھئے کہ ان پر تاکید کریں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دستور العمل موجودہ جو مولوی مسیح الزماں صاحب کے عہد میں بنا ہے اس میں رکنیت کے لئے صاحب تقریر و تحریر ہونا، مشہور ہونا، با اثر ہونا شرط ہے لیکن نظامت کے لئے صرف ۲ قیدیں ہیں۔ عالم باعمل ہو، ندوے سے دلچسپی رکھتا ہو۔ یہ مفہوم اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایسے حضرات پر بھی صادق آ سکے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کام محنت، صرف زر، صرف لیاقت اور لوگ کریں اور یہ لوگ صرف افسری جتائیں لیکن تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

شبلی ۴ اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

گورنمنٹ کو اب اپنی رقم پر توجہ ہوئی ہے اور کلاسوں اور سبقوں کی جانچ پڑتال کرے گی۔ مولوی شیخ محمد صاحب کے گھنٹے اس قدر کم ہیں کہ ان کی تنخواہ دینے میں گورنمنٹ کو تامل ہوگا اس لئے متنبی مقامات حریری وغیرہ کے سبق ان سے متعلق کرنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان کے دو گھنٹے مدرسہ میں اس کام کے لئے رکھئے کہ کتب درجۂ تکمیل مثلاً دواوین فیروز آبادی کا فرہنگ بنا ڈالیں اور حل الابیات لکھیں۔ ان تحریروں کو انگریزی طریقہ پر رسیں میں لکچر کہہ سکتے ہیں۔ منشی پابندی کی انتظام میں کوئی ترقی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟

شبلی۔ الٰہ آباد پتھر کی گلی ۲۴ اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۷)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

میں پہلے سے افسردہ تھا، بیماری نے اور دل توڑ دیا۔ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کام تقریباً چھوڑ دیا ہے لوگ آئیں اور کام سنبھالیں۔ ۵۰ ہزار خرچ ہو چکے عمارت ناتمام رہی۔ ۴۰ ہزار کی اور ضرورت ہوگی اس کے علاوہ وہ بورڈنگ کا رہا، اضافہ ما ہوار، ترقی تعلیم، یہ سب کام ہیں۔ لوگ آئیں اور انجام دیں۔ میں انشاء اللہ کسی اور صوبے میں قیام کروں گا اور اور کوئی مشغلہ ڈھونڈھ لوں گا۔ مولوی سیف الرحمٰن کو بلوائیے اور تقرر کیجئے۔ مصر سے عربی میں نقشہ مل سکتا ہے۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۷ راکتوبر ۱۹۱۰ء

(۲۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب من!

آپ کو شاید میرا خط نہیں ملا۔ آپ کے جانے کا سخت افسوس ہے کوئی نعم البدل نہیں مل سکتا۔ ۶ راپریل کو یہاں جلسہ انتظامیہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا۔ مخالفین تو مولوی حفیظ اللہ کو بلانا چاہتے ہیں۔
آپ بہر صورت درخواست رخصت بیماری مع سرٹیفکیٹ طبی بھیج دیجئے۔

شبلی۔ ۲ راپریل ۱۹۱۱ء

(۲۹)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا!

عجب اتفاق ہے جب آپ کی درخواست رخصت بیماری آئی، میں سخت علیل اور صاحب فراش تھا۔ اسی گڑبڑ میں وہ درخواست کھو گئی۔ براہ عنایت اس کی نقل دوبارہ بھجوا دیجئے یا جدید درخواست۔ مولوی عبداللہ ٹونکی کچھ جواب نہیں دیتے۔

شبلی۔ لکھنؤ۔ ۳۰ راپریل ۱۹۱۱ء

(۳۰)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بمبئی کیونکر جاؤں۔ درجہ مولویت کے طلبا کی کتابیں ناتمام پڑی ہیں۔ مدرس اول چھ چھ مہینے سے ندارد، جلسہ انتظامیہ کو دو مہینے ہوئے خبر نہ باشد، ہر نہ کیجئے، ایک ایک احتمال پر اتنا بڑا کام موقوف، ڈائرکٹر خاص ان طلباء کے نام مانگتے ہیں جو درجہ مولویت میں ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن نہ مجھ کو کچھ اختیار نہ اور کوئی انتظام کرتا نہ کسی کو اس سے بحث، میں برابر لکھ رہا ہوں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب راضی ہو جائیں تو سب راضی ہیں کہ مولوی فضل حق رام پور سے بلالئے جائیں وہ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب ان کی تنخواہ پھر بڑھا کر ان کو بلالیں گے۔ فرمائیے کیونکر کام چلے۔ عمارت کا وہ حال، مدرس کی یہ کیفیت۔ انا للہ۔

شبلی۔ لکھنؤ، ۷ رمئی ۱۹۱۱ء

(۳۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

دارالعلوم کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ لڑکی وغیرہ کوئی نہیں آتے۔ آپ ہی رحم فرمائیے۔ مشاہرہ میں ۲۵ کا اس وقت اضافہ اور سبق آپ کی مرضی کے مطابق جس قدر آپ پڑھا سکیں۔ بورڈنگ وغیرہ کے اہتمام سے سبکدوشی، عہدہ وہی پرنسپلی۔ اس صورت میں تو درخواست منظور فرمائیے۔ جو رائے ہو فوراً بلکہ بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ عنقریب مجلس منعقد ہوگی اور کوئی انتظام قطعی ہوگا۔

شبلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

(۳۲)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

صاحبِ اختیار افسرانِ کالج سے دریافت فرما کر لکھئے کہ میں اگر آؤں تو کیا مجھ کو گیسٹ ہاؤس میں جگہ مل سکے گی یا اور کہاں؟

حقیقہ حضرت امیر خسرو کیا آپ کے کتب خانے میں ہے۔ ہاں کیا الغزالی، سوانح روم، الکلام اعلیٰ درجے کے کاغذ پر آپ کے ہاں ہیں؟

شبلی، بمبئی ۸ ر ستمبر ۱۹۱۲ء

(۳۳)

بنام نواب علی حسن خاں

جناب من!

تسلیم۔ ایک خط پہلے بھیج چکا ہوں۔ ارادہ ہے کہ عنقریب لکھنؤ آؤں۔ ۱۰ ر دسمبر کو جو جلسہ انتظامیہ ہونے والا ہے اس کی شرکت کا تقاضا ہے۔ آپ وہاں کے موجودہ حالات سے واقف ہیں۔ نیز حکیم عبدالولی صاحب اور مولوی عبدالحیٔ صاحب وغیرہ سے دریافت فرما کر لکھئے کہ وہاں کا آنا کہیں کدورت کا باعث تو نہ ہو۔ اگر طبیعتوں میں کدورت اور خود غرضی ہے اور ندوہ کی کارروائیاں بے ڈھنگی ہیں تو ضرور مجھ کو سوہانِ روح ہوگا۔ اس لئے آپ کی کیا رائے ہے؟ شریک ہوں یا نہ ہوں؟

چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے جواب بذریعہ ڈاک عنایت ہو بلکہ مختصر تار بھی دے دیجئے تو اور بہتر ہے۔ میں غالباً آپ ہی کی کوٹھی پر قیام بھی کروں گا۔ جلسہ کے پروگرام میں بہت بے قاعدگیاں ہیں ان کو الگ خط میں لکھوں گا۔

شبلی۔ حیدرآباد، کاچی گوڑہ ۲۴ ر جنوری ۱۹۱۳ء

(۳۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی!

تسلیم۔ مشکور یاد آوری ہوں لیکن علیل ہوں۔ اس وقت صرف ذیل کی سطریں حاضر کر سکتا ہوں۔

مشیر نسواں۔ یہ کتاب ایسی حالت میں مجھ کو ملی کہ پیہم تین راتوں سے نیند نہیں آئی ہے اور دماغ بالکل بیکار ہے تاہم

کتاب کو جا بجا سے دیکھا۔ مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی مخدرات ایسی فاضلانہ، مفید، دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کر سکتی ہیں۔ یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے۔

شبلی۔ ۱۷ مارچ ۱۹۱۳ء

(۳۵)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا

تسلیم۔ یاد آوری اور مبارکباد کا شکریہ۔ افسوس یہ ہے کہ سیرت نبوی کا کام اس وقت شروع کیا کہ آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ بائیں آنکھ بالکل بیکار ہے گو ابھی قدح کے قابل نہیں۔ دہنی پر بھی زور پڑتا ہے تاہم قصد کر لیا ہے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔ افسوس ہے مجھ کو املا کی عادت نہیں ورنہ لکھوانا آسانی سے ممکن تھا۔

ندوہ کی عمارت نہایت عمدہ بن رہی ہے۔ ۴۶ ہزار خرچ ہو چکے، ۲۵ ہزار کی اور ضرورت ہے۔ اب کے گیارہ ہزار کا چندہ بھی ہوا۔ ایک رئیس نے ۵۰ ماہوار بھی مقرر کئے۔

ندوہ زیادہ کا [illegible] ہے ہرتا لیکن دوستوں کی عنایت بحال خود باقی ہے۔ مولانا اور شاہ صاحب کسی کام کو چلنے نہیں دیتے خیر خدا مالک ہے۔ آپ کی یاد مدرسہ کے در و دیوار تک کو نہیں بھولی۔

ع　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

شبلی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۱۳ء

(۳۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کے تشریف لے جانے پر کئی دن سناٹا رہا۔ کتاب مذکور قدیم تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس کے مضامین اسی قسم کے ہیں جیسے کہ میزان الحکمت کے؟

سب لوگ سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔

شبلی۔ بمبئی ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء

اگر کوئی دقت نہ ہو تو کتاب مذکور رجسٹرڈ چند روز کے لئے بھیج دیجئے۔

(۳۷)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

سلام مسنون۔ کتاب پہنچی لیکن یہ نوادب کی کتاب ہے۔ آپ نے جس کتاب کا ذکر فرمایا تھا یعنی ترازو [illegible]

وہ تو یہ نہیں ہے۔ کیا یہ کتاب غلطی سے آگئی ہے؟

شبلی۔ بمبئی ۲۵ر جولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا شبیر علی صاحب دام مجدکم!

تحیۃ و سلام۔ ان چند مظلوموں کی عرضی اس خط میں ملفوف ہے آپ اگر جناب مولوی انوار اللہ خاں صاحب* سے مل کر یا جس مناسب صورت سے ممکن ہو مولوی صاحب موصوف کو دیں کہ اعلیٰ حضرت تک پہنچا کر داد رسی کرا دیں تو داخل حسنات اور سبب شکر گذاری ہوگا۔

واقعی یہ مظلومین موجب رحم اور اعانت ہیں۔

شبلی نعمانی۔ ۵ر اگست ۱۹۱۳ء

(۳۹)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ مدت سے خیریت مزاج اور حالات سامی معلوم نہیں ہوتے۔ میں تبدیل ہوا اور عماد الملک کے ایما سے حیدر آباد آیا اور اب تک یہیں ہوں اور چونکہ ہر روز ارادۂ سفر رہتا ہے، آپ کو خط بھی نہ لکھ سکا کہ خط کے بجائے زیارت حاصل کروں گا۔ بہتر ہو رہی ہے ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ نظر اور تکمیل کی ضرورت ہے۔

ندوہ کے موجودہ ارکان جنہوں نے ممبری قبول کر لی ہے (ان کی فہرست) دفتر سے منگوا کر بھیج دیجئے۔

شبلی۔ حیدر آباد۔ کاچی گوڑہ ۱۰ر نومبر ۱۹۱۳ء

(۴۰)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب من!

تسلیم۔ میری لائف میرے بعد لکھئے گا ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی۔ تاریخ کا مادہ نہایت عمدہ بلکہ الہامی ہے۔ کسی مناسب موقع پر کھپا سکوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲۵ر جنوری ۱۹۱۴ء

---

* مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قندھار شریف کے قاضی، مدرسہ نظامیہ حیدر آباد کے بانی، میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں کے استاد تھے۔ آخر کار صدر المہام امور مذہبی مقرر ہوئے تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

(۴۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

آپ نے دیکھا ادھر اوقاف اسلامی کی تحریک شروع ہوئی اُدھر گورنمنٹ نے یادداشت شائع کی اور ایک کانفرنس اسی مہینے میں بٹھانے والی ہے۔ خیر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے ؎

آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

دار المصنفین پر آپ نے کیوں سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا کس کو حق ہے۔ میں اس عمارت کو انشاء اللہ پورا کر کے رہوں گا اور شاید وہی میرا مدفن بھی ہو۔ ۲۴ سے پہلے علی گڑھ پہنچوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۱۶ فروری ۱۹۱۴ء

(۴۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

رسالے کے تاجیل ترمیم کا مسودہ لکھ کر بھیجئے۔ ابن خلکان پر عمدہ ریویو لکھا جائے تو کیا کہنا۔ انگریزی ترجمہ ابن خلکان سے بہت مدد ملے گی کیونکہ اس میں بڑی انڈکس بھی شامل ہے۔ میری ایڈیٹری کے لئے جلسے کے مجتمع ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظم صاحب کو لکھئے وہ ممبروں کے نام خطوط بھیج دیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں آپ کو دنیا میں اپنا سب سے سچا اور مخلص اور بے ریا دوست سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں اگر آپ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی تو میری زندگی بدمزا ہو جائے گی اور ندوے پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ آپ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے میری اڈیٹری کی طرف سے بے دلی پائی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنی نام آوری کی اب خواہش نہیں رہی۔ لیکن جب ندوے کی طرف سے مجھ کو ایسا ہوّا بنایا جاتا ہے کہ میرے نام لینے سے ندوے کا سارا کارخانہ برہم ہو جائے گا تو میں بھی انسان ہوں سخت رنج اور غصہ آتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی قسم کی باتوں سے ہمیشہ مجھ کو بے دل رکھا اور ندوے کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ لوگوں کا یہ خیال بھی محض بیکار ہے۔ جب میں نے حیدر آباد سے وظیفہ لیا تو اسی زمانے میں خود میرے اشارے سے ناظم صاحب نے ارکان سے دریافت کیا کہ میں اگر ندوے میں کام کروں تو کیسا ہے؟ اور موقعوں پر بھی ارکان سے رائے لی گئی۔ ہمیشہ مجارٹی میری طرف رہی۔ باوجود اس کے میں ایسا خطرناک شخص ہوں کہ میرے اظہار نام سے ایسی ہلچل پڑ جائے گی۔ بھئی! یہ بہت بے ہودہ اور ناپاک پالیسی ہے جو میرے ساتھ بعض لوگوں نے برتی۔ خدانخواستہ آپ پر اس کی چھینٹیں نہ پڑنے پائیں۔ لوگ یہاں نیچریت سے نہیں ڈرتے بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی روشنی ماند نہ پڑ جائے۔ ہاں اس سلسلے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں، اپنے ہی تک رکھئے گا۔ کئی مہینے سے نواب محسن الملک نہایت اصرار سے زور دے رہے ہیں کہ کالج میں آجاؤ دو سو مشاہرہ ہوگا اور وظیفہ حیدر آباد بھی بحال رہے گا۔ میں سال بھر سے کوشش کر رہا تھا کہ وظیفہ بحال ہو جائے تو نوکری چھوڑ کر

ندوے میں چلا آؤں۔ نہیں بنتے ہوئے اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ نواب محسن الملک لکھتے ہیں کہ اگر کالج میں آؤ تو یہاں سے کوشش کرائی جائے اور وظیفہ جاری ہو جائے۔ اب فرمائیے کیا کروں۔ کالج میں ندوے کا کام کیونکر ہو سکے گا اور کالج میں نہ آؤں تو حیدر آباد رہ کر اور بھی ندوے سے دوری ہے۔ کوئی معقول رائے دیجئے۔ والسلام!

شبلی

(۴۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

الندوے کے سلسلے میں اس قدر اور گذارش ہے کہ مصارف میں مصارف طبع کے علاوہ سو روپیہ اڈیٹر کی تنخواہ اور صد ماہوار اجرت مضامین حساب میں داخل رکھنا چاہئے۔ ابھی اڈیٹر کی ضرورت نہیں لیکن مد محفوظ رکھنی چاہئے۔ کیا معلوم کس وقت کیا ضرورت پڑے گی۔ آمدنی جب مکتفی ہوگی تو مستقل اڈیٹر مقرر کر لیا جائے گا اور مضامین کی اجرت تو ابھی سے دینی پڑے گی۔ فلسفۂ جدیدہ کا حصہ انگریزی خواں بغیر معاوضہ کے کا ہے کو پورا کریں گے۔ ہاں مکان موجودہ کا بکنا اگر بہل ہی تو کاؤ رہا تو ممکن نہ ہو گا۔ لیکن ایک مشاہرہ دار شخص یا کوئی دلال بوعدہ کمیشن مقرر کیجئے کہ اونے پونے بیچ ڈالے۔ بلیت و لعل کا کام نہیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مجھ کو لکھا کہ لبھولی کی آب و ہوا اور موقع نہایت اچھا ہے فوراً وہاں جھونپڑے ڈالنے چاہئیں۔ میں اگر آیا تو مجھ کو صحابہؓ کی وہ سادہ زندگی موجودہ تکلفات سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ بہرحال ناظم حال کو لکھئے کہ دلال یا کوئی تنخواہ دار مقرر کریں۔

شبلی

(۴۴)

بنام نواب سیّد علی حسن خاں

ساغر زندگیم حیف کہ جز دُرد نداشت　　جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بپایاں زدہ ام
جامۂ زہد چو بر قامت من راست نبود　　شیشۂ تقوی سی سالہ بسنداں زدہ ام
کس چہ داند کہ بخلوت گہِ آں ماہ تمام　　زدہ ام ساغر و بر یاد حریفاں زدہ ام[1]
جائے آں است کہ گلشن دمد از کنج لبم　　بوسہ ہا بسکہ براں عارض خنداں زدہ ام

نے نواں برد (؟) کہ ایں زمزمہ چیزے نیست
شبلی ایں تازہ نواہا نہ چہ مستاں (؟) زدہ ام

[1] حریفاں کے سلسلے میں سیّد علی حسن خاں کا نام مرقوم ہے۔

اکبر الہ آبادی

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۱)

روشن جبین دہ صاحب قلم سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریاواں مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کی تحریک سے میں نے البشیر لینا شروع کیا لیکن جناب مولوی بشیر الدین صاحب نہ تو میرے مضامین چھاپتے ہیں اور نہ اخبار وقت پر بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی تشویق و تحریص سے میں نے مضمون لکھنے کا ارادہ کیا"

اب میں عرض کروں کہ اس شکایت کو دور کیجئے اور مکرمی خان بہادر صاحب کو جو آپ کے قدیمی دوست ہیں معذرت کا خط لکھئے ۔

تعلیم مذہبی کے باب میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مسودہ میں نے دیکھا تھا مجھ کو بھی پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ بہ سبب ناواقفیت کے لکھا گیا ہے ۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب یہ چھپے گا میں اس کی تردید لکھوں گا اور آپ کی غلطی قطعی ظاہر کردوں گا ۔ وہ بہت خوشی سے اس پر راضی ہیں ۔

بہرکیف میری رائے میں آپ ان کے مضامین چھاپ دیا کیجئے ۔ غلط یا غیر مفید مضمون کی خبر لینے کو میں خود موجود ہوں گا یا آپ نوٹ کر دیا کیجئے ۔

ان دنوں حسن میاں سلمہٗ جو میرے چھوٹے بھائی ہیں علیل ہیں اسی سبب سے تردد رہا ۔ یہ فرمائیے کہ کلکتے کا ارادہ ہے یا نہیں ۔ نہ کیوں ہوگا ایک وقت الہ آباد میں ٹھہر کر ہم سے بھی مل لیجئے ۔ وقت سے مطلع کیجئے تو انتظار کروں
مکرمی جناب خان صاحب کی خدمت سراپا برکت میں تسلیم بہ صد تعظیم ۔

۵ ردسمبر ۱۸۹۹ء — آپ کا نیازمند اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۲)

مولانا ۔ مزاج مبارک ۔ آپ نے بانی اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب وغیرہ غلط اور بے ادبی کے الفاظ پر جو اعتراض کیا اس سے نہایت مسرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا دل محبت و ادب حضور سرور کائنات سے بھرا ہوا ہے ۔

علی گڈھ منتھلی میں ایک مضمون مارسین صاحب کا چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے انگریزوں
اور بنگالیوں کے جزو ہو جائیں علاحدہ اُن کی کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔
بغداد و عرب و افغان سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ نہ پولیٹکل حق میں وہ ہندوؤں وغیرہ کے برابر
کئے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ
یہ مضمون ذرا ملاحظہ کیجئے اور سید صاحب کا .... اُن کی باتیں یاد کیجئے۔ مارسین کی بات گویا
انگلش نیشن کی بات ہے۔
مارسین نے مجبوری سے یہ لکھا، کیا مجبوری تھی جب آپ سے ملوں گا اپنا خیال ظاہر کروں گا۔
ارادہ کی آب و ہوا کیسی ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ تعطیل ملے تو ۱۰۔ ۵ دن ڈاک بنگلے میں رہوں یا سٹیشن پر کمرہ
لے لوں۔ مین پوری سے مراسلت کر کے اس میں تکلیف و طوالت ہے۔
الحمد للہ کہ عشرت سلمہٗ کیمبرج کالج کے حصہ اول کے امتحان میں جو بہت مشکل تھا ۲ جون گذشتہ کو پاس ہو گئے
انشاء اللہ سال آئندہ میں ڈگری حاصل کر کے وطن آئیں گے۔

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء   نیاز مند اکبر حسین

(۳)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرمی امید ہے کہ آپ کا مزاج خیر و عافیت سے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ حصہ تعطیل کا جو میں آپ کے حضور میں
بسر کرنے والا تھا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ
کیا تھا غیر معمولی بارش کی نذر ہو گیا۔ حاجی صاحب تو علیل رہیں لیکن کچہری کھلنے کو صرف ۵۔۴ روز باقی رہ گئے۔ افسوس
ہے کہ مجھ کو چند روز سے شکایت چشم پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کار نوشت و خواند خصوصاً کتب و اخبار بینی قریباً
بالکل بند ہو گیا ہے اور اسی سبب سے عنقریب ریٹائر بھی ہوا چاہتا ہوں۔
آج لکھنؤ جا رہا ہوں اور ڈاکٹر ایڈیسن سے مشورہ کرنے کو، اگر وقت ملا تو ایک دن آپ سے ملنے کو ارادہ
چلا آؤں گا ورنہ کوئی اور وقت مقرر کروں گا۔
علی گڈھ منتھلی جس میں مارسین صاحب کا مضمون چھپا ہے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس پر کچھ لکھوں، نواب
صاحب نے خود ہی کہا اب مصلحت ہے کہ ہم اس کو اور شہرت دیں اور مخالفین کے انبساط کا باعث ہوں۔ غالباً
آپ کا بھی یہی خیال ہو۔

یہ خط محض پرائیویٹ ہے   مشتاق و نیاز مند
۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء   اکبر

(۴)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

عشرت منزل۔ الٰہ آباد۔ مخدومنا تسلیم عرض۔ آپ کا بشیر جناب خان بہادر صاحب مدظلہٗ کو سنایا گیا۔ جناب ممدوح بہت

(۴)

(۵)

مہمان صاحب بہ سبب ضعف کے آ نہ سکے اور لکھ بھیجا کہ میرا کھانا یہیں بھیج دیجئے ادھر ہاشم سلمہٗ بھی بخار میں اوس میں مشغول ہوا خود بھی کھانے کے لئے طیار نہ تھا۔ کچہری کا وقت آن پہنچا۔ میں سمجھا کہ نہایت بے لطفی ہوگی کہ آپ تنہا طعام نوش کریں۔ بمجبوری وہیں بھیج دیا۔ اس وقت آپ کا منتظر تھا۔ سنا کہ آپ باہر گئے ہیں کیا کل شب کو آپکا قیام نہ ہوگا تاکہ آپ سے اطمینان سے ملنے کا موقع ہو۔

اکبر حسین

(۱۲)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے روحانی مسرت ہوئی اگرچہ میں اب دنیا سے قریباً بالکل بے تعلق ہوگیا ہوں۔ لیکن آپ کی محبت اور قابلیت کی یاد دل سے نہیں گئی۔

آپ تو اربابِ طریقت میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب کوئی جلد کلیات کی باقی نہیں ہے پروف اخیر کاپی حصہ اول کی کسی کو بھیج دی گئی۔

حصہ دوم پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست میں اشاعت پا جائے۔ حصہ سوم ابھی زیر ترتیب ہے۔

گردش لیل و نہار کو دیکھئے۔ خوب قافیے ملا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو ترقیات باطنی نصیب کرے۔ دنیائے فانی صرف تماشا اور لہو و لعب ہے۔

الہ آباد ۱۲ رجون ۱۹ء — نیاز مند دعاگو اکبر حسین

مولوی بشیر الدین مرحوم

(۱۳)

پیارے عنایت فرما۔ افسوس ہے کہ مارسیں والا مضمون میں اب تک نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ مع ترجمہ بھیجوں گا۔ ۴ر اگست کے البشیر میں محمد علی صاحب نے ہماری خاتونیں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے بہت جوش اور قابلیت سے لکھا ہے۔

ہمارے برادر مکرم شیخ احمد حسین خان بہادر رئیس پریانواں دریافت فرماتے ہیں کہ یہ مسٹر محمد علی صاحب کون بزرگ ہیں۔ کیا ایڈریس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم جلد اس امر سے مطلع فرمائیں گے۔ خان بہادر صاحب پردے کے باب میں ایک پمفلٹ شائع کیا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

خادم اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر البشیر

(۱۴)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قرآن مجید کا جو بامحاورہ اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ درحقیقت نہایت عمدہ بلکہ وہ جواب ہے اس سے بہتر خدمت اسلام کی اس زمانے میں ذہن میں نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے علم و قابلیت سے قوم کو بہت فائدہ پہنچا اور بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

بعض مقامات پر مجھ کو شبہ پیدا ہوا ہے یا تو میرا شبہ بیجا ہے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ بغیر علم کی روشنی کے محض عقل و قیاس کو اس منزل میں کہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور یا فی الواقع ترجمہ میں کچھ غلطی ہو گئی ایسا ہونا بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ مولوی صاحب کے مددگار اور بزرگوار بھی تھے شاید کسی نے غلطی کی اور نظر ثانی میں اس پر نگاہ نہ پڑی اتنے بڑے عظیم الشان قانون فطرت کے ترجمے میں اگر کہیں دو چار غلطیوں پر نظر نہ پڑی تو کچھ تعجب نہیں۔ اب میں اپنا شبہ بیان کرتا ہوں۔ سورہ والتین کے ترجمہ پر صفحہ ۹۵۱ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل السافلین کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بڑھاپے کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔

بریکٹ میں جو الفاظ توضیح کے لئے بڑھائے گئے ہیں اس کی صحت میں مجھ کو شبہ ہے درحقیقت یہ غلط نہیں ہے معنی کے بیان میں شاید غلطی ہوئی میرا خیال تھا اور ہے کہ یہاں جوانی اور بڑھاپا مقصود نہیں ہے بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کا بیان ہے ترک دنیا کن و بگند۔

دوسری آیت الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون اس خیال کی تائید کرتی ہے۔

اگر میرا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح چاہیئے۔ اگر میرا خیال صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات زیر بحث ہوگی۔

سید اکبر حسین از الہ آباد

(۱۵)

بنام جناب بشیر الدین صاحب مرحوم

واہ حضرت کلکتہ سے واپسی کے وقت وعدہ تشریف آوری آپ نے خوب پورا کیا میں تمام خیالات و مضامین لئے ہوئے آپ کا منتظر رہا۔ آپ آتے تو خوب گپیں اڑتیں اور منصوبے گٹھتے خیر اب بھی تعمیل ارشاد پر کمربستہ ہوں۔ خدا ماہ صیام نے زیادہ تر تنگ کر دیا ہے۔

آپ کلکتہ کے تحائف لئے ہوئے سیدھے گھر پہنچے اس ڈر سے کہ حصہ نہ لگائے۔

نیازمند اکبر

(۱۶)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرمی۔ میں تو آپ کا پرانا آسامی ہوں۔ عشرت ملہ نہ بھی تحریک کرتے تو تعمیل ارشاد کرتا۔ چنانچہ قیمت دے کر اخبار لیا۔ میں علیل رہتا ہوں۔ تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اگرچہ اکثر امور لائق بیان ذہن میں آیا کرتے ہیں لیکن خاموشی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کبھی اخلاق، معرفت، موعظت میں کوئی شعر کہہ دیتا ہوں۔ خاتمہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے

صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی　　　لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبر

یعنی نجات آخرت کا خیال سب کو ہے۔

آپ کے دوست جعفر حسین صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں؟

شاد عظیم آبادی

(۱)

بنام مولوی محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)

مکرمی!

اردو تعلیم کے پروف جہاں تک چھپے ہیں، افسوس ہے کہ ناقص چھپے ہیں۔ اس کے حالات دیباچہ سے واضح ہو سکتے ہیں مگر وہ آخر میں چھپے گا۔ یہاں بہ جتنے اوراق چھپے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ جو جو پروف چھپتے جائیں گے انشاء اللہ حاضر کرتا جاؤں گا۔ حتی الوسع اسی تعلیمی پہلی کتاب میں تمام رسم الخط و اشارات املائی اور بعض ضروری نقائص اس خط کے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کا حال و نیز بہ تفصیل ملاحظہ فرماتے ہوئے معلوم نہیں ہوا ہو گا۔ یہ تحریر میں نے ایک موقع کے لئے لکھی تھی۔ یہی مسودہ ہے صاف بھی نہیں کیا گیا ہے اور نہ نظر ثانی کی ہے۔ امید ہے کہ از راہ عنایات بشرط فرصت اس کو ملاحظہ فرما کر واپس مرحمت فرمائیے گا۔ ہر چند اس مسودے میں اکثر زوائد ہیں جن پر اصلاح دینا ضروری ہے مگر آپ سے ایسی ہی یک جہتی ہے کہ مجھ کو اس کے بھیجنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیجئے۔ عمر کم طویل و عدوکم ذلیل۔

خاکسار سید علی محمد شاد ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی

جناب مولائی و ملاذی!

تسلیم بجا لاتا ہوں۔ اس دفعہ خاکسار نے محرم میں کوئی مجلس نہیں پڑھی ورنہ حسب وعدہ تکلیف دیتا۔

میرا خود دل چاہتا ہے کہ کسی دن آپ پھلواری میں حاضر ہوں۔ چند گھنٹے تک خدمت والا میں حاضر رہ کر مرثیہ پڑھوں۔ ممکن ہے کہ کوئی بات بھی رکھوا دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرش پر بیٹھ کے پڑھوں۔ گو پیرانہ سالی و امراض قلب و معدہ میں گرفتار ہوں مگر ممکن ہے کہ وہ گذشتہ کی صحبت ہو جائے۔

غالباً آگرہ کی اردو کانفرنس میں ۲۶ دسمبر تک مجھ کو جانا پڑے۔ اگر اس سے قبل کوئی تاریخ مناسب ہو تو مجھ کو مطلع فرمایا جائے

حالت یہ ہے کہ میں بارہ بجے دن کو صرف ایک وقت غذا کرتا ہوں، بعد اس کے بلافصل دو گھنٹہ تک سو رہتا ہوں۔ یا تین بجے کا وقت رکھا جائے یا نو بجے دن کا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ پھلواری جانے آنے ہی مجھ کو ریل کا کون سا وقت اختیار کرنا ہوگا تاکہ اسی دن شام کو گھر واپس آ جاؤں۔ پھلواری کے بعض بزرگوں نے اور دو دفعہ بھی مجھ پر اصرار کیا تھا مگر مجھ سے نہ ہو سکا۔ غالباً ان بزرگوں کو بھی میری حاضری کی خبر مل جائے گی۔ ظلکم ممدود بربّ الودود۔

خاکسار خادم: السید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۲ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

برادر عزیز مسلم روحی فداکم!

میں تعجب کرتا ہوں کہ اس مفصل خط کے بعد جو خط میں نے آپ کو لکھا وہ کیوں نہ پہنچا۔ تصویر کا ایک ورق چھپا ہوا میرے پاس پہنچا۔ دیکھ کر افسوس ہوا میں نے جو پیمانہ اس کا قائم کیا تھا وہی پیمانہ مثنوی کا تھا چنانچہ بصراحت بار بار خطوں میں اطلاع دیتا گیا ہوں مگر یہ تصویر اس پیمانہ سے دونی ہے۔ اب بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ مثنوی کی تقطیع بھی اتنی ہی رکھی جائے۔ سخت تعجب ہوا کہ منیجر صاحب نے غور نہ کر لیا۔ یہاں کے مطبع سے اب مجھ کو پوری یاس ہو گئی یعنی اب تک صاحب مطبع نے مجھ سے ملاقات تک نہیں کی ہے۔ نیا صاحب نے بڑی مشکلوں سے بلوایا تو عجیب عجیب باتیں اس نے کیں یعنی اب دیر نہ ہوگی۔ میں نے بھی ڈھیل دے دی ہے کیونکہ جب تصویر ہی بڑی بن گئی تو خواہی نخواہی تقطیع بدلنا پڑا۔ میں نے پرسوں الہلال کو مفصل خط لکھا تھا۔ باقی پورے کے مطبع کلکتہ بلاس کا منیجر مولوی شجاعت علی خاں صاحب کا سفارشی خط لے کر میرے پاس آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کے جمع کر کے چھاپنے کا قصد کیا ہے جس میں لیڈی ہارڈنگ کے مرنے پر جس جس زبان میں ماتم نامہ لکھا گیا ہے سب کو ایک جگہ جمع کر کے وائسرائے کے پاس بھیج دے مجھ سے بھی اس کی خواہش ہے کہ میں بھی مسدس دے دوں۔ اس سے اس مثنوی کا ذکر آیا تو وہ بخوشی ٹائپ میں چھاپنے پر راضی ہے۔ آج غالباً وہ حساب وغیرہ اور نمونہ لے کر آئے گا دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ طبع کتاب کے بارے میں ہمیشہ سے میری تقدیر یہی رنگ دکھایا کی ہے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ دیوان کے بارے میں مخدومی جناب مولانا ابوالکلام صاحب کے ارشاد کا میں ممنون ہوں سائل علم سے یہ کوئی چیز عزیز نہیں کرتا خاص کر کے جب خود میری ہی بھلائی اس میں ہے۔ اس بارے میں ان سے خط و کتابت ضرور کروں گا۔ سانتی پوری ساریاں کلکتہ میں ہر قسم کی لاغواہ سے ملتی ہیں۔ کم پر بیل والی ساریاں یہاں کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ ایک انچ کی بیل چار طرف کور میں ہو اس کو پسند کرتی ہیں۔ معمولی قد کی ساری ململ کا کپڑا قیمتی دو روپیہ چار آنہ زیادہ کی دو عدد ساری اور کسی قدر دراز قد عورت کے قابل ویسی ہی ساری ایک عدد درکار ہے۔ رنگوئی سلیپر خاص کر کے نئے بازار یا ٹنیوں میں بہت ملتی ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ تک فی عدد قیمت ہے۔ ایک سلیپر نو انچ لانبی اور ایک سات انچ لانبی درکار ہے۔ دو معمولی موزے یعنی بوٹ گھنڈی دار ایک تین برس کے لڑکے اور ایک دو برس کے بچے کے قابل قیمتی فی ڈیڑھ روپیہ۔ مذکورہ بالا چیزوں کی فہرست ذیل میں ہے:

ساری سانتی پوری جس میں چار طرف بیل ایک انچ کی ہو معمولی قد کی ساڑھے چار گز لمبی دو عدد فی عدد نقرہ　　للعہ

(ل)

(۵)

بنام سید وحید احمد صاحب فاقی بلگرامی

جان و دل شاد بقربان شما!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کا گرامی نامہ باعث قوت دل حسرت منزل ہوا تھا۔ کتابوں کی نسبت کیا عرض کروں ایک ہفتہ سے یہی ہو رہا ہے کہ کل چاروں کا ایک ایک جزو تیار ہو جائے گا مگر کوئی نہ کوئی بکھیڑا نکل آتا ہے۔ شاید اب تو آٹھ دس دن تک تیار ہو کر آپ کے پاس روانہ ہو جائے۔

بھائی اس عمر اور درد کمر اور ضعف نے مجھ کو مار ڈالا ہے۔ اس پر مسودہ دیکھنا، کاپی دیکھنا، پروف دیکھنا اور رنج مختلف مضامین پر نظر رکھنا۔ خدا اہل علم و فن میں عزت رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور درجۂ اعلیٰ پر پہنچائے جب دیکھ کر دل ارو بھی خوش ہوتا ہے۔ میں تو اس وقت بھی فخر کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگایا کروں۔

تمہارا خاکسار: السید علی محمد شاد۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء

(۶)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب وطنیہ

سلمکم اللہ بالعیش والسرور

السلام علیکم۔ مجھ کو بڑی شکایت ہے کہ آپ نے متعلق اپنے حالات کی مجھ کو خبر نہیں دی۔ دریافت کرنے سے کوئی درست پتہ بھی نہ مل سکا۔ ابھی قاضی عبدالودود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڈھ میں ہیں۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے مجھ کو لکھا تھا کہ آپ مولوی محمد مسلم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جب میں حیدر آباد پہنچ جاؤں دیہ خط جاپان سے لکھا تھا اور نومبر کے آخر میں اپنا پہنچنا بتایا تھا، تو ہم کو [illegible] دیں)۔ مجھ کو پتہ ہی آپ کا نہ مل سکا۔ مولوی عباس حسین صاحب کا خط بھی مل گیا ہے اگر ضرورت ہو تو دونوں بھیج دوں۔ قاضی عبدالودود صاحب میرے غزلیات با اصرار چھپوایا چاہتے ہیں۔ حالت یہ کہ وہ بارہ جزو سے زیادہ نہیں چھپوا سکتے خود منتخب بھی کرتے ہیں۔ اب میں سخت مجبور ہوں کہ کیا کروں۔ میں برابر بیمار رہا اور دوسرے کاموں میں ایسا الجھا کہ غزلوں کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ وہ کل مسودات غزلوں کے لئے ہوئے چلے گئے۔ ان کے دادا سے بے حد ربط تھا میں کیا بولتا غرض جہاں تک معلوم ہوا پانچ جزو تک کا بیان بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ان کا پیرا یہ وہ علی گڈھ چھاپنے کو بھیج رہے ہیں۔ جس مطبع میں تاریخ اسلامیہ چھپی ہے وہیں اس کو بھی چھپوائیں گے۔ مجھ کو بہت بڑی خوشی اور قوت ہوئی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ کوئی غلطی میری خود او رکتابت کی رہنے نہ پائے گی مگر حالت یہ ہے کہ جب تک میری کتاب فکر بلیغ شائع نہ ہو دیوان کا چھپنا مصلحت نہ تھا کیونکہ میرے اصولوں سے ہنوز لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوا کہ ان غزلیات کے ساتھ ساتھ فکر بلیغ کا چھپنا بھی وہیں شروع کیا جائے۔ کتاب ترتیب ہے اور مجلد۔ وہیں کتابت ہو آپ تصحیح کریں۔ مالکان مطبع سے طے کیجئے اور کہئے کہ مصنف اس کا غریب شخص ہے حصہ اول آٹھ کا بارہ تیرہ جزو سے کم نہیں حصہ دوم کچھ زیادہ ہے تقطیع تاریخ اسلامیہ سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ جو رائے آپ کی۔ (۱) کتنے دنوں میں چھپے گی (۲) کتابت اور چھپائی ٹھیک تاریخ اسلامیہ کی سی (۳) پوری کتاب جون میں مل جائے اور حصہ اول اپریل میں ضرورت ہے [illegible]

(۷)

ان کے پاس بھیجتے ہیں کیونکر منتخب کرتا، کیا کرتا۔ اصرار کیا کہ بھائی جب تک وہ سب مجموعے نہ ہوں گے فقط ان چند اجزا سے دیباچہ
وغیرہ کا کیونکر پتہ لگے لیکن گویا وہ سب مجموعے گرد ہو گئے کسی طرح واپس نہ دیئے۔ ہزار ہزار سر پٹکا مگر سنتا کون ہے آخر تھک کر یہ
اجزا بھی حوالے کر دیئے اور کہا کہ بغیر ان سب متفرق مجموعوں کے مجھ سے انتخاب غیر ممکن ہے اس کا بھی جواب نہ ملا۔
میاں قیس نے صورت دکھائی۔ خارجاً سنا گیا کہ کاپیاں لکھی جا رہی ہیں۔ پھر لکھا کہ صاحب آپ بغیر میرے انتخاب کے کاپیاں کیوں
لکھوا رہے ہیں۔ جواب ندارد۔ مولانا مسلم خدا شاہد ہے کہ مجھ کو جس قدر اس کا صدمہ ہوا ہے میں بیان نہیں کر سکتا یعنی میری چیز
ضبط کی گئی اور زبردستی مجبور کر کے خود رائی کا مجھے اس پیرانہ سالی میں شکار بنایا گیا۔ پھر سنا کہ پانچ جزو کاپیاں لکھی جا چکی ہیں۔ خط
بھیجتا ہوں جواب کون دیتا ہے۔ زبانی جواب یہ کہ کاپی آپ کو دکھالی جائے گی آخر ڈیڑھ جزو کاپی خدمتگار کی معرفت میرے پاس
اس حکم کے ساتھ بھیجی گئی کہ آج ہی اس کو دیکھ کر دے دو۔ کاپی دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ تمام تر ایسی فروگذاشتیں پائیں کہ ایک
آہ منہ سے نکل پھر آرزو و منت کی کہ آپ لوگ اپنی جلد بازی کے سبب سے میرے منہ میں کالک نہ لگائیے۔ ہاتھ تک جوڑے کہ
خدا کے لئے اب بھی میرا ذخیرہ بھیج دیجئے کہ میں کسی طرح ان کاپیوں کا تدارک کروں اور برابر یہ بھی لکھا کیا کہ اگر میری جانب سے اطمینان
نہیں ہے تو نقد روپے [illegible] بطور ضمانت رکھ لیجئے اور وہ ذخیرہ بھیج دیجئے۔ ہزار ہزار منت پر صرف ایک مجموعہ ایسا [illegible]
بھیجا گیا جو کرم خوردہ علیہ دوسرے مجموعہ کا ہے۔ اللہ اللہ کس ضیق میں میری جان پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں قیس نے گھر کی پھر اخط لکھا کہ
آپ کے پاس جو کاپی گئی ہے اس کو بھیج دیجئے تو سب ذخیرہ آپ کا پہنچا دیں گے۔ میں نے یقین کیا کہ ضرور وہ ایسا کریں گے
وہ ڈیڑھ جزو بجنسہ بھیج دیئے پھر نہ ذخیرہ واپس ملا نہ کوئی خبر دی گئی۔ افواہاً سنا گیا کہ علی گڈھ میں چھپنا شروع ہو گیا تب بالکل مجبور
دست آرہے۔ لتنے پچاس روپے قرض کئے اور بہ ہزار دشواری کرایہ کی گاڑی کر کے پہلے حضور میں جناب قیس صاحب کے حاضر ہوا
عرض حال کیا اور دولت پر جناب قاضی صاحب کے گئے میری استدعا ہاتھ جوڑ کر یہ ہوئی کہ جو کچھ آپ کا صرف ہوا ہے مجھ سے لیجئے اور میرا ذخیرہ مجھ کو مرحمت کیجئے اور جیسا ہوا
ہے میرے ذمہ کیجئے اور مجھ سے میری ترتیب کے مطابق چھپوانے میں راضی ہوں۔ قاضی صاحب نے آخر میں فرمایا کہ میرے
سب روپے دے دو تو میں ممانعت لکھ بھیجوں اور وہاں جو کچھ چھپا ہے اس کا تاوان اپنے ذمہ کرو بعد وصولی کے تمہارا ذخیرہ
ملے گا دگویا اس عمر میں مجھ کو چور اور بدمعاش سمجھا۔ میں راضی ہو گیا کہ بہتر یہی سہی تو کہا گیا کہ کل حساب ہو جائے گا۔ روپیہ بھیج دو دے
کے ذخیرہ دیں گے۔ دوسرے دن ذیل کا حساب آیا:

خرچ طبع اشتہارات جو اخباروں وغیرہ میں دیئے گئے = [illegible]، اجرت کاپی دس جزو = [illegible]
خرچ روانگی خطوط و سواری چونگا وغیرہ و پوسٹ کا خرچ = [illegible]، نقد قیمت کاغذ = [illegible]
} [illegible]

ان کے علاوہ تاوان طبع وغیرہ جو میاں قیس سے بعد کو معلوم ہو گا۔

حساب دیکھ کر اپنی غربت، مجبوری، پیرانہ سالی، عمر بھر کی ریاضت، مزید برآں خلاف امید میاں قیس صاحب کی حرکت
سب نے میرا دل چور کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مقصود ابتدا ہی سے اور مجبور محض کرنا ہے، ناچار لہو کا گھونٹ گھونٹنا پڑا اور
خاموشی اختیار کر لی یہ سب بلاکم و کاست واقعہ۔ اب پھر اصرار شروع ہوا کہ دیباچہ لکھ دو، تصانیف کی فہرست دو۔ بعض کا اصرار
ہوا کہ خاندان کا ذکر بھی لکھ دو۔ اب پھر یہ بھی فرمائش ہے کہ اکثر ردیفوں میں غزلیں کم یا نہیں ہیں کچھ غزلیں اور دو، اور طرفہ

(۵)

(۷)

(۱۰)

بنام میر محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)

روحی فداکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میری ایک فارسی نظم بطور مثنوی دیوان میں چھپنے کے لئے آپ کے پاس گئی ہے یا اب بھیجی جائے کیونکہ نفیس صاحب ہفتہ ہوئے لے گئے ہیں اس کے آخر کے اشعار طنز و تشنیع سے بھرے ہیں ان سب کو ضرور نکال دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے دیوان میں یہ داغ لگا رہے۔ جہاں سے یہ شعر شروع ہے — ع [illegible] سب کو آخر تک نکال دیجئے، ہرگز رہنے نہ دیجئے ورنہ سوء الزام ہونا ہوگا۔ اس کے پہلے کے اشعار میں بھی کوئی شعر تو ہیں وطنز کا رہ گیا ہو تو قلم زد کر دیجئے اور میری طرح جوش میں آکر باقی نہ رکھئے کیونکہ دوسروں کے شاگردوں کے دل میں بیجا طور سے صدمہ پیدا ہوا اور وہ اپنا صدمہ دوسری ترکیب سے نکالیں۔

اس کا جواب فوراً دیجئے اور یہ بھی فرمائیے کہ کتنے اجزا دیوان کے چھپ چکے ہیں اور آیا جہاں تک فرمے چھپے ہیں میرے دیکھنے کو بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ادھر میں ایک کتاب "فارسی تعلیم" لکھ رہا ہوں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ موجودہ فارسی زبان اور پرانی زبان و الفاظ و طریقۂ استعمال میں کیا کیا فرق و تجدید ہوئی۔ قریب قریب ایک ہزار کی فہرست لکھ چکا ہوں۔ پیری، بیماری، [illegible] تعلقات کے ہجوم میں اگر کوئی کام ہو جائے تو ہزار شکر ہے۔ سید حسین تسلیم کہتے ہیں۔

سید علی محمد شاد۔ ۵ مئی ۲۳ء

مولانا عبدالحلیم شرر

(۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

جناب من۔ السلام علیکم۔ آپ نے اپنے والا نامے مورخہ ۲ رذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ میں جناب حکیم سعید الدین صاحب
قبلہ مرحوم و مغفور کی حسرت ناک وفات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب مرحوم
کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آپ ہی لوگوں میں گزرا۔ اور جس طرح آپ نے ان کو اپنا بنالیا تھا اُسی طرح اُن کو بھی مرتے دم
تک آپ ہی کے ساتھ تعلق رہا۔ جس رئیس کے گھر انتقال ہوا وہ بھی آپ کے ایک معزز عزیز ہیں۔ اور اس سے زیادہ
کیا ہوگا کہ جس دن انتقال ہوا ہے عین اُسی تاریخ جناب خلیل اللہ خانصاحب کے گھر کے لوگوں کا علاج کرنے کو جانے
والے تھے۔ میں آپ کا نہایت ہی شکرگزار ہوں۔ اور اسی طرح حکیم صاحب مرحوم کے تمام متعلقین آپ کے ممنون ہیں
کہ ایسی غم و اندوہ کی حالت میں آپ نے دل دہی اور تسلی دینے کی کوشش فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم کے جن اوصاف کا
آپ نے تذکرہ فرمایا۔ وہ اوصاف بے شک ایسے ہیں۔ کہ اُسی جیتے کے بزرگوں کے ساتھ ختم ہوتے جاتے ہیں۔ جس
سے خود اُن مرحوم کو تعلق تھا۔ مگر مخدومی میں کہتا ہوں کہ آپ پھر بھی اس عظیم صدمے کو محسوس نہ کرسکیں گے۔ جو اس
نیک ذات کے اٹھ جانے سے ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ در حقیقت خاندان ہی بگڑ گیا۔ آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا کہ جس
خاندان کی یادگار حکیم صاحب مرحوم تھے اُس کی پچھلی یادگار اکیلے وہی تھے اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ضعیفہ اور بیوہ عورتوں
کی ایک بڑی جماعت کی خبرگیری وہی کرتے تھے۔ اب اُن لوگوں کی بے کسی کی حالت ایسی نازک ہے کہ خیال کرنے
سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اگرچہ مرحوم کے بعد قدرۃً ان تمام باتوں کا ذمہ دار میں ہوں مگر ایسی فیاض و نیک ذات
کی جانشینی کے لئے بہت سی لیاقتیں چاہئیں جو مجھ سے ناکارہ شخص میں بالکل نہیں۔ اصل یہ ہے کہ میرے زخم جگر
پر مرہم رکھا جاسکتا ہے مگر اُن لوگوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا امکان سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں نظر آتا
ہے جس کو اب مرحوم کے بعد زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنا دشوار بلکہ غیر قابل برداشت مصیبت نظر آتا ہے۔ حکیم

کہ نقصان گوارا فرماکے آپ مجھے (۱۲۵) ماہوار پر مکان دے دیجئے۔ اس مرحمت و نوازش کا شکر گزار ہوں [illegible]
رہوں گا۔ اور ہمیشہ رہین منت رہوں گا۔ والسلام

۲۹ رجون ۱۹۱۶ء — خاکسار عبدالحلیم شرر

(۵)

بنام نواب سید علی حسن

جناب من ومادامت ـ آداب و نیاز اور السلام علیکم کے بعد بصد ادب عرض ہے کہ گرامی نامہ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۶ء وصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ میں جو وعدہ کر گیا تھا اس کو بھولا نہیں۔ آتے ہی مولوی سید عبدالمجید صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس بارے میں جناب نے ان سے بھی مراسلت فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں غور کرتا رہا جن خاندانی تعلقات کا جناب نے تذکرہ فرمایا ہے ان کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے اُس زمانہ میں یہاں دفاتر کی ایسی ابتر حالت تھی کہ کسی اگلے خاندان کا اب پتہ لگانا قریب قریب غیر ممکن ہے۔ اور بالفرض پتہ لگے بھی تو حاصل کیا۔ اس لئے کہ ان کے ثبوت سے کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ امر کہ جناب یہاں توطن اختیار فرمانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی اجازت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ یہاں آکے رہ سکتا اور جائداد خرید سکتا ہے۔ اور توطن اختیار کرنے کے چند ہی روز بعد سے اُسے جملہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ملازمت کے لئے بارہ سال تک یہاں مقیم رہنا شرط ہے۔ مگر یہاں آجانے اور مکان خرید لینے کے بعد اگر درخواست کی جائے تو یقیناً یہ بارہ سال کی شرط بھی اٹھ سکتی ہے۔ الغرض آپ کے لئے کوئی امر مانع توطن حیدرآباد نہیں ہے۔

لیکن یہ بات کہ آپ کے تشریف لانے سے پیشتر حضور سے کوئی اجازت حاصل ہو تو بقول سید عبدالمجید صاحب کے ایسی درخواست کو اعلیٰ حضرت مشتبہ نظر سے دیکھیں گے۔ اور خیال ہوگا کہ اجازتِ توطن کے پردے میں کوئی اور حق حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے شبہ کا پیدا ہونا اچھا نہیں۔ میرے خیال میں اگر جناب کو یہاں رہنے کا شوق ہے تو عمدہ کوٹھی یہاں خرید لیجئے اور اُس میں آکے رہنا شروع کر دیجئے۔ اور یہیں کے قیام کے زمانہ میں وہ کوششیں عمل میں لائیے۔ جن کو جناب یہاں آنے سے پہلے کر رہے ہیں۔ آجانے اور مکان خرید لینے کے بعد سب باتیں بلکہ خود بخود پوری ہو جائیں گی۔

میں یہاں حضور کی سیرۃ لکھنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور میرا سابق کا وظیفہ ملا کے پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ قرار پائی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کام کے لئے تین سو تینتالیس ماہوار کا عملہ ملا۔ اور مواد جمع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور دفتر کا نام دفتر شوکتِ عثمانیہ قرار پایا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے ایک فرمان سے حکم ہوا کہ مجھ ہی سے ایک مکمل تاریخ اسلام تصنیف کرائی جائے اور اس کی بابت جداگانہ ماہوار دی جائے۔ اس حکم کے مطابق میرے لئے علاوہ ماہوار سابق کے دوسری ماہوار پانچسو روپیہ اور تین سو چوہتر روپیہ ماہوار کا عملہ معتمدی سے منظور ہو کے بارگاہِ خسروی میں پیش ہوا ہے۔ شاید آج کل

میں منتقل ہو کے آجائیے۔ مگر ان سب جائدادوں پر اشخاص ہیں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ بہر حال شکر ہے۔ میں حضور میں بلا واسطہ عرائض پیش کر سکتا ہوں اور جو لکھتا ہوں اس کا فوراً جواب ملتا ہے۔ میرے حال پر نظر عنایت بھی غیر معمولی ہے مگر باریابی کا موقعہ ابھی ایک ہی بار ملا ہے۔ لیکن صاحب، اور شاہی مزاج کی نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اپنے امور متعلقہ کے سوا اور کسی بات کے عرض کرنے کی مجھے یا کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ آئندہ اگر زیادہ صحبت ہوئی جس کے چار پانچ ماہ بعد قطعی امید ہے اس وقت شاید کسی ادبیات کے عرض کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ والسلام

۲۵ جولائی ۱۹۱۸ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

پیارے صاحب اور اچھے صاحب کی خدمات میں سلام نیازانہ اور آداب قبول ہو۔ (شرر) محبوب لیڈ جام باغ حیدرآباد دکن

بنام نواب سید علی حسن

(۵)

ملجائے من و ماوائے من ابقاہ اللہ الی یوم القرار۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۱ اگست باعث افتخار و مایۂ شرف ہوا۔

میرے ماہوار پانچسو روپیہ تاریخ اسلام لکھنے کے لئے فرمان اعلیٰحضرت صادر ہوا تھا کہ جداگانہ ماہوار دی جائے اس پر متعلقہ عدالت نے حسب قاعدہ پانچسو روپیہ جداگانہ ماہوار پیش کی۔ اس پر وزیر فنانس مسٹر گلینسی نے لکھا کہ ایک شخص کو دو ماہواریں دینا خلاف دستور ہے بہتر یہ ہے کہ اس کام کی بابت کوئی سربستہ رقم یکمشت دے دی جائے۔ اعلیٰحضرت نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور میری تنخواہ وہی رہی جو ملتی۔ اور وہ یکمشت رقم خدا جانے کتنی ملے اور کب ملے اور ملے یا نہ ملے۔ کام میں کر رہا ہوں۔

میری نسبت جو کلمات آپ نے فرمائے ان میں حقیقت سے زیادہ دخل آپ کی محبت و عنایت کو ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ کبریٰ موت الکبریٰ اچھے اور لائق لوگ مر گئے اور مجھ سے نالائق خواہ مخواہ مرد آدمی ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کی ذرہ نوازی کا مجھے بیحد شکر گزار رہنا چاہئے کہ مجھ سے ذرۂ ناچیز کو بلا کے سرفراز فرمایا۔ آپ میری ترقی و بہبود سے خوش نہ ہوں گے جبکہ آپ میرے قدیم محسن کرم فرما اور وہ رئیس قوم ہیں جنہوں نے مجھے سخت ترین افکار دنیاوی سے نجات دلائی اور میری نادہندی کو آج تک برداشت فرمایا۔

اب کے سفر بمبئی کے موقع پر چند روز کے لئے یہاں مزید تشریف لائیے۔ مگر حیدرآباد عجیب مقام ہے۔ یہاں کی سوسائٹی چند روزہ اور سطحی نظر سے تو بہت ہی اچھی اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب قیام کر کے غور فرمائیے تو مسلمانوں کی باہمی عداوتوں ہندوستانیوں و ملکیوں اور مدراسیوں کی باہمی ناسازگاریوں اور سازشوں سے سخت صدمہ ہوتا ہے اور اس کی تکلیف روز بروز اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ کسی گاؤں کا گوشۂ تنہائی اس سے بدرجہا زیادہ محل آسائش و اطمینان نظر آنے لگتا ہے۔ اب میں یہاں ہوں۔ آئے دو مہینے ہوئے ہیں۔ لیکن لکھنؤ کی خاموش زندگی پر یہاں کی سی ہمہ پُرشور زندگیوں کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ روز طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں اور ہزار دروازہ بند کر کے بیٹھئے پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا بُرا روحانی اثر دل پر پیدا کرتی ہیں کہ نہ کام میں دل لگتا ہے اور نہ جینے میں۔ جسم کے لئے یہاں کی آب و ہوا موافق ہو یا ناموافق اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تدابیر

سے آفات جسمانی سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے روحانی امراض جو آب و ہوا کی تمدنی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں۔ اگر میری صحیح رائے پوچھئے تو میں تو آپ کو ہرگز مشورہ نہ دوں گا کہ یہاں قیام پذیر ہو کے اپنے دلی و روحانی اطمینان کو نقصان پہنچائیے۔

آپ نے شاید سنا ہو کہ ظفر علی خانصاحب کو برٹش گورنمنٹ نے یہاں نہیں رہنے دیا وہ مع اپنے بیٹے کے گئے۔ اور حضور نے بکمال نوازش حکم دیا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کے دارالترجمہ کا کام کریں۔ ان کا بیٹا وہیں ان کا مددگار رہے۔ اور ان کو اپنے سابقہ وظیفے ماہانہ [illegible] ماہوار کے علاوہ تمام ذات کے اور [illegible] ان کے بیٹے کے جملہ مصارف ایصال کئے جایا کریں۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا اگر میرے لئے یہ حکم ہوتا۔ مگر افسوس کہ ظفر علی خانصاحب کے لئے یہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ شاید ان کی طرف سے زیادہ غیر مطمئن ہے۔

اچھے صاحب اور پیارے صاحب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

۵ اراگست ۱۹۱۶ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر از دفتر شرکت عثمانیہ پبلشنگ روڈ حیدرآباد دکن

(۶)

دفتر دل گداز کشرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ مدت سے نہ آپ کا کوئی خط آیا نہ آپ کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی۔ سالانہ دورہ ہندوستان میں آپ کا اب بھی ہوتا ہوگا اگر دفتر ناظر سے آپ کے تعلقات قطع ہو جانے کے باعث میں آپ کی زیارت و صحبت سے محروم ہو گیا۔ شاید کوئی میرا گناہ بھی ہو جو مجھ کو نہ معلوم ہو۔ ایسی صورت میں سزا دینے سے پہلے آپ کو میرا جرم بھی بتا دینا چاہئے۔ بہر حال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے اب ملاقات ہونے کی امید ہے یا نہیں، اب میرا مکان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ اس میں ہفتہ عشرہ آرام سے قیام فرمائیں۔ الغرض اس بارہ خاص میں مطلع فرما کے مجھے امید و بیم کے مخمصے سے نجات دلائیے۔

اس وقت باعث تصدیع یہ ہوا کہ میرے ایک عزیز دوست کے عزیز مولوی محمد حسین صاحب نائب مدرس مدرسہ مدہول کئی سال سے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وہاں نہایت پریشان اور اپنے اعزا و احباب سے منقطع ہو جانے کے باعث جلاوطن ہو گئے ہیں۔ ان کے بارے میں چاہا جاتا ہے کہ آپ ان کو اگر اہل پائیں تو خود اپنے دفتر میں بلا لیں، اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو پھر اورنگ آباد ہی کے کسی مدرسہ میں تبادلہ کر دیں تاکہ ان کی جان عذاب جلاوطنی سے چھوٹے۔ اور اگر آپ سے ان کو اس آرزو میں کامیابی ہوئی تو میں نہایت ہی شکر گزار اور رہین منت ہوں گا والسلام

صدیق ایجانے ادب آداب عرض کرتا ہے۔ ۱۱ر جون ۱۹۲۰ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

بنام ڈاکٹر زور

(۷)

مکرمی تسلیم۔ "روح تنقید" [1] آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپ کی اس کوشش کو بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا ہوں۔ اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ والسلام خاکسار محمد عبدالحلیم شرر [illegible]

---

[1] یہ میری پہلی کتاب ہے جو پہلی بار اوائل ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی　زور

(۶)

(۷)

سید محمود ۱

(۱)

بہ وقار الملک

حبیبی مشتاق حسین!

کل ایک بڑا خط لکھ چکا ہوں۔ آج صرف مسعود شاہ خاں کی نسبت لکھتا ہوں۔ امور مفصلہ ذیل پر اون کو غور کرنا چاہیے:

اوّل۔ یہ کہ مجھ کو اون کے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سررشتہ دار مجھ کو ملا ہے وہ ہوشیار آدمی ہے اور انگریزی داں ہے اوس سے بخوبی کام چلتا ہے۔

دوم۔ مسعود شاہ خاں کو صرف اس صورت میں یہاں بلایا جا سکتا ہے کہ میں اپنے سررشتہ دار کو دلٹو کی منصفی کا منصرم کروں۔ وہ عہدہ خالی ہے۔ مگر یہاں بہت امیدوار اوس عہدہ کے ہیں اون کے فرائض پر میں نے اب تک حکم نہیں دیا۔ بعض اون میں کے ظاہرا مستحق ہیں۔

سوم۔ مسعود شاہ خاں کے یہاں آنے میں اون کا دس روپیہ ماہواری کا نقصان ہے۔ اس کے مکافات بالفعل تو ممکن نہیں اور آئندہ بھی تحقیق نہیں بلکہ صرف اوس کا احتمال ہے۔ پچاس روپیہ سے زیادہ کے جتنے عہدہ میرے اختیار میں ہیں اون میں انگریزی دانی ضرور ہے۔ پس جب تک کہ موقع منصفی یا تحصیلداری کا نہ ہو مسعود شاہ خاں کی ترقی عملہ کی حیثیت سے نہیں ہو سکتی۔ نسبت منصفی یا تحصیلداری کے آپ جانتے ہیں کہ بیسیوں آدمی ان عہدوں کے امیدوار ہیں اور ان کا ہم ہونا آسان نہیں ہے اور نہ میں محقق طور پر اس امر کا وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایسا عہدہ ضرور مسعود شاہ خاں کو دلوا دوں گا۔ پس در حقیقت مسعود شاہ خاں کو میری خاطر کرنے کے لیے یہاں آنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ لینا چاہیے۔ مجھ کو اپنی کسی ضرورت کے سبب سے اون کو بلانا نہیں ہے۔ یہ بات میں اس لیے صاف تحریر کرتا ہوں کہ اگر شاید آئندہ میں اون کے لیے کچھ نہ کر سکا تو موجب شکایت نہ ہو۔ میرا اون کے لیے آئندہ کوشش کرنا یا نہ کرنا اون کی کارروائی اور نیک چلنی اور میری خوشی پر منحصر ہے۔ اون کو اگر یہاں آنا بہر حال منظور ہو تو اون کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک محض غیر بلکہ انگریز حاکم کے سامنے کام کرنا ہے اور بالکل اپنا برتاؤ اسی خیال پر رکھنا چاہیے ہوگا۔ ورنہ اگر میرا اول میں خیال کچھ ہو، اگر ظاہری برتاؤ اون کے ساتھ زیادہ خلوص و رعایت کا رکھا گیا بہ نسبت دیگر اہلکاران عملہ کے تو ضرور حسد اور کینہ کی وجہ سے ایسی خرابیاں اور گمنام

(۲)

بنام سید عطاء اللہ[۱]

مکرمی!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میرے پاس پہنچا۔ اوس کا جواب لکھنے سے میں اس وجہ سے قاصر رہا کہ میں نے حیدرآباد کی ملازمت کا تصفیہ نہیں کیا اور مجھ کو امید تھی کہ آخر فروری یعنی آجکل میں وہاں ہوتا۔ لیکن شاید آپ نے سنا ہوگا کہ بڑودہ سے میں سیدھا اپنے والد[۲] کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا اور تعجیل اس سبب سے کرنی پڑی کہ اس ہی زمانہ تک ہائیکورٹ الٰہ آباد میں ایک ہندوستانی جج کی تقرری کی خبر مخفی معلوم ہوئی بلکہ جب میں الٰہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ رپورٹ روانہ بھی ہو گئی اور حکام ہائیکورٹ نے میرا نام تقرری کے لئے اس لئے نہیں لکھا کہ ان کو خیال تھا کہ مجھ کو گورنمنٹ انگریزی کی نوکری منظور نہیں ہے۔ اس سبب سے بہ ضرورت پیش آئی کہ قبل اس کے کہ وائسرائے اس معاملہ ججی ہائیکورٹ کا فیصلہ کریں میں اپنے تئیں ہائیکورٹ کی ججی پر آمادہ اور راضی بتلاؤں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس مضمون کی میں نے گورنمنٹ کو لکھی ہے اور وہ ہائیکورٹ کو واسطے رائے کے بھیج دی گئی ہے اور چند روز میں وہ مع رائے کے یہاں واپس آوے گی اور پھر تقرری کا فیصلہ ہوگا۔ اس عرصہ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہائیکورٹ کی ججی بالفعل نہ ملے تو ضرور سرکار آصفیہ کی نوکری مستقل کر لینی چاہئے اس لئے کہ نواب صاحب نے میرے لئے عمدہ تنخواہ اور نہایت عمدہ پیش قرار ساری تھی۔ لیکن میرے والد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میرے سرکار انگریزی کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کو ناپسند کرتے ہیں اور بعد حجت میری گفتگو کے انھوں نے یہ رائے قرار دی کہ نواب صاحب[۳] کو اطلاع دے دینی چاہئے کہ حیدرآباد میں مستقل ملازمت کا ارادہ نہیں ہے۔ آخرکار میں نے نواب صاحب کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی لکھ بھیجی اور اب یہ امر فیصل شدہ ہو گیا۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے میرے والد کو ممبر ایک بڑے کمیشن کا (جو واسطے درستی انتظام تعلیم تمام ہندوستان کے لئے مقرر ہوا ہے اور جس میں بمبئی، مدراس اور میسور اور پنجاب غرض کہ ہر ممالک سے ممبر انگریز یا ہندوستانی آئے ہیں) مقرر کیا تھا چند مخالف رائے کے سبب سے میرے والد نے اس کمیشن کو چھوڑ دیا اور پھر مجھ کو بلا کر ممبر کمیشن مقرر کر دیا۔ میرے والد جیسا کہ شاید آپ کو معلوم ہو گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر دوبارہ ہوئے ہیں اور ان کا ذاتی کام قانونی اس قدر ہے کہ جس میں میری مدد کی ضرورت ہے۔ پس بالفعل مجھ کو یہاں شدت سے کام ہیں اور اس کمیشن میں میرے ممبر ہونے کے سبب سے اور بھی کام میں کثرت ہے۔ میں نے نواب صاحب سے اجازت چاہی ہے کہ (تا صدور احکام گورنمنٹ آف انڈیا در بارہ باز انتقال میری خدمات کے) مجھ کو اجازت بطور رخصت مرحمت فرمائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا مجھ کو بخوشی واپس لے گی۔ بلکہ اس کمیشن میں ممبر کرنا درحقیقت واپس لینا ہے۔ پس میری واپسی خدمات کا حکم صادر ہو جاوے گا۔ تاہم میرا ارادہ ہے کہ صرف بطور ادائے مراسم رخصت و برائے اظہار اس احسان مندی کے جو میرے دل میں نواب صاحب کے ذاتی عنایات سے پیدا ہوئے ہیں اور نیز احباب سے ملنے کے لئے

---

۱ مولوی حسین عطاء اللہ صاحب اس وقت مددگار معتمد عدالت حکومت حیدرآباد تھے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی انھیں کے نواسے ہیں اور یہ خط انھی نے ادارے کو عطا فرمایا ہے۔

۲ سرسید احمد خاں　۳ نواب سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم حیدرآباد۔

اس کمیشن کے کام سے فارغ ہو کر ماہ اپریل یا مئی میں چند روز کے لئے حیدر آباد آؤں گا۔ امید کہ آپ سے بھی بسرت ملاقات حاصل ہوگی۔ آپ کے اور مولوی محمد صدیق صاحب[1] کے اخلاق اور عنایت مجھ کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ گو کہ اب حیدر آباد میں میری ملازمت نہ ہوگی۔

در بارہ کاغذات وغیرہ کے۔ سب کاغذات جو میرے لئے مرتب ہوئے تھے ان میں کاغذات اصلی سرکاری دفاتر کے بہت کم ہیں۔ وہ سب مولوی مہدی علی صاحب[2] کے پاس بھجوا دئے جائیں گے۔ آپ ان سے مانگ لیجئے۔ چند کاغذات وغیرہ جو خاص میرے لئے لکھے گئے ہیں ان کو میں پھر ایک دفعہ پڑھنا چاہتا ہوں حقیقت میں میرے دل میں بہت سے خیالات دربارہ طرز انتظام عدالت و کوتوالی قائم ہو گئے ہیں اور ان سب کو بہ ترتیب لکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کمیشن کے کام سے ذرا مہلت ملے تو اس یادداشت کو مکمل طور پر تیار کر لوں گا۔ تب کل کاغذات آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ بالفعل جس قدر کاغذات و گشتیات متعلق دفاتر ہیں اور وہ ہیں جو آپ سے مستعار لئے تھیں وہ سب مولوی مہدی علی صاحب آپ کو واپس دیں گے اور جو کاغذات خاص میری مدد کے لئے آپ نے تحریر فرمائے تھے وہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کر دوں گا اگر آپ کو تکلیف یا حرج نہ ہو۔

مجھ کو اس بات کا نہایت رنج ہے کہ میرا مستقل طور پر حیدر آباد میں رہنا نہ ہوا۔ لیکن درحقیقت اگر مجھ کو ہائیکورٹ کی ججی مل جاوے تو اس کے مقابلہ میں جو تنخواہ کہ حیدر آباد میں مجھ کو مل سکتی تھی وہ کم ہے اور قطع نظر ججی ہائیکورٹ کے مجھ کو ملک اودھ میں پانچ سات سال کے بعد کمشنری کی توقع ہے۔ لیکن جہاں تک میری ذاتی خواہش تھی وہ حیدر آباد کے انتظام میں شرکت کی تھی اور درحقیقت جس قدر عمدہ انتظام وہاں ہو سکتا ہے کسی ہندوستانی ریاست میں ممکن نہیں ہے اور چونکہ اسلامی ریاست ہے اس کے انتظام میں سعی کرنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے خواہش ہے۔

افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو سکے گی۔ گو کہ کچھ وجہ نہیں ہے کہ اگر نواب صاحب توجہ فرماویں تو اب بھی کیوں عمدہ انتظام نہ ہو سکے مگر چند اصول انتظام کے اختیار کئے بغیر انتظام ممکن نہیں ہے۔

بہرحال اپنے خیالات اور آراء اپنی یادداشت میں انشاء اللہ مفصل ظاہر کروں گا اور آپ بھی شاید اس کو دیکھیں گے۔ جب تک یہ تعلیم کا کمیشن یہاں اجلاس کرے گا جب تک مجھ کو یہاں رہنا لازم ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بخیریت ہیں۔

خاکسار محمود۔ کلکتہ ۱۲ فروری ۱۸۸۲ء

---

[1] مولوی محمد صدیق مختار جنگ اول اس وقت معتمد عدالت حیدر آباد تھے۔ نواب مختار الملک ان کو اور ان کے بڑے بھائی رفعت یار جنگ اول کو بہت چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ اپنے بھانجے اور داماد مکرم الدولہ کے ہمراہ انہی رفعت یار جنگ کو اتالیق بنا کر انگلستان روانہ کیا تھا۔

[2] مہدی علی محسن الملک اس وقت حیدر آباد میں معتمد تھے اور بہت با اثر۔

(۳)

[illegible] مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

مکرم بندہ!

بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پاکٹ پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رائے بابت چند امور مندرجہ کاغذات ابتدائی کارروائی اجلاس بحث ہشتگی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم معینہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔
(۱) وہ جملہ آراء متعلقہ امور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے ان کو صریح اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور ان کی توجہ تحریر کیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر غور اور توجہ فرماویں گے (۲) دیگر چند مدات کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہے جو عنقریب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۳) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے اپنے ووٹ روانہ کر دیئے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ ۲۳ ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر بصیغہ نمبر ۲ چھپ کر شائع کیا گیا ہے آپ کو اختیار ہے کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکریٹری کے پاس بمقام علی گڈھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آویں گے ——
(۴) از راہ عنایت ان کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور ارسال فرمائیں۔

راقم نیازمند سید محمود۔ سیتاپور - ۲۵ ستمبر ۱۹۰۱ء

(1)

(۲)

بنام احسن مارہروی

جناب بندہ۔ (از جلیسر)

آج آپ کا پھر تقاضا پہنچا۔ اتنے بھاری سفر سے بیٹھا جاتا ہوں۔ باوجودیکہ آپ کی یہ تحریر مجھے زمانے چلنے کو بہت کافی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی۔ گرمی کی وجہ سے غزل نہیں کہی جاتی۔ نہایت مجبوری ہے۔ آج مولوی صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اگر وہ معاف فرمادیں تو بہتر ہے۔ نالش کے قصد سے باز نہ آؤں گا۔ آپ جہاں ہوں گے بذریعہ کمیشن اظہار کراؤں گا۔ مولوی محسن صاحب سے جوابات، اعتراض متعرض لکھے ہیں۔ آپ نے نہ لکھے تو غیر حضرت ناصح مبرہے

۱۶ر جون سنہ ۱۹۰۷ء	حیات بخش رسا

(۳)

بنام احسن مارہروی

یا حضرت۔ (از فرخ آباد)

میں نے مشاعرہ میں پوری غزل آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس پر اصلاح تو درکنار رسید غزل سے بھی اعزاز نہیں بخشا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا باعث ہوا۔ میں خیریت سے ہوں۔ لیکن میرے گھر میں بہت طبیعت خراب ہے تین ماہ رخصت کی درخواست دے دی ہے۔ بعد ایک ہفتہ کے بغرض علاج دہلی جاؤں گا۔ باقی آئندہ

۲۳ر ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء	حیات بخش رسا

(۴)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔ (از فتح گڈھ)

وہ امیر حسن صاحب کا خط آیا دیکھا۔ تو نگا اُنگا آپ کیوں کہا آؤں گا۔ مگر آج خط مولوی نور الحسن صاحب کا مین پوری سے آیا۔ کہ سید علی احسن صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ شرکت مشاعرہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء نہیں کر سکتے اس لئے قبل ۶ راکتوبر کوئی تاریخ مقرر فرمایئے۔ مجبوراً جب یہ دیکھا کہ آپ کے ہی لئے مشاعرہ ہوا اور آپ ہی نہ آئیں تو مجبور ۶ راکتوبر یوم اتوار کے لئے آج صبح سے کوشش کی گئی۔ میر طاہر علی صاحب نے یہی کہا کہ بغیر ان کے یعنی آپ کے ہم شریک مشاعرہ نہ ہوں گے۔ اس مجبوری ۶ راکتوبر مقرر کی گئی۔ اور جا بجا خط جا چکے تھے۔ اب پھر ترمیمی خط بھیجے جاتے ہیں۔ ۶ راکتوبر کو تو کوئی عذر آپ کو غالباً نہ ہوگا۔ میں نے ترمیمی خطوں میں سب جگہ آپ کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ وہ نہیں آتے اس لئے ۶ راکتوبر مقرر ہوئی۔ جواب بواپسی ڈاک دیجئے۔ امیر حسن صاحب کو بھی اطلاع کر دیجئے فقط

۱۵ر ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء	حیات بخش

(۵)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔ (از فتح گڈھ)

آج مالیر کوٹلہ سے خط آیا۔ میں نے پہلے جو خط مالیر کوٹلہ بھیجا تھا۔ آپ کی بیحد تعریف لکھ دی تھی۔ اور عرض کیا تھا کہ تعجب ہے کہ حضور نے ان کو طلب نہیں فرمایا۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ حضرت احسن کو بھی۔ ار جنوری

کے لئے مدعو کیا ہے اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ لیکن ایک بڑی رنج ہے کہ رامپور سے کل خط آیا ہے وہ مجھے بہت جلد طلب فرماتے ہیں یعنی قبل ۷ ارکے۔ اب جیسی مرضی ہو سکندرآباد اطلاع دیجئے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء — حیات بخش

(۶)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ۔ (از مقام رامپور)

تسلیم نیاز۔ والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ کئی روز سے عدیم الفرصت تھا۔ اور مضطر صاحب پر جو پریشانی تھی۔ اس میں شریک تھا۔ مضطر صاحب کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کے تین روز بعد ان کے گھر میں بخار و بلغم کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ آٹھ روز سخت علیل رہ کر کل شب کو زچہ نے انتقال کیا۔ لڑکا زندہ ہے۔ آج مضطر صاحب بحصول رخصت دو ہفتہ سب بال بچہ لیکر گوالیار ان کے ننھیال میں پہنچانے گئے ہیں۔ بچارے کو یکایک نہایت پریشانی و زیر باری کا سامنا ہوا۔ مرضی خدا۔ مجھے فی الحقیقت سوائے دربار داری کے اور کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بھی شب کو گھر رات کے جاگنے سے دن میں کسلمند رہتا ہوں۔ عادت پڑتی جاتی ہے اس لئے غزل کہنے کا اتفاق ہوتا ہے جب کوئی فرمائش یا حکم صادر ہوتا ہے تو کہہ لیتا ہوں۔ ورنہ ضرورت بھی ایسی کیا ہے۔ حکما عروض ایک استاد سے دیکھتا ہوں۔ اور بھی اسی فن کے متعلق کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔ دیکھئے کچھ آتا ہے یا نہیں۔ وکالت شروع کردی ہے کچہری جاتا ہوں۔ لیکن ابھی کچھ کام چلا نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ چلے گا۔ حکام سب عنایت کرنے لگے ہیں سرکار کی پرورش اور خاوندی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ باقی خیریت ہے۔ سید امیر حسن صاحب کو تسلیمات کہہ دیجئے۔ غزل بھیجتا ہوں۔ مگر یہ کہ جو شعر خراب ہو یا پھیکا ہو فوراً نکال دینا۔

غزل حیات بخش رسا مصاحب و وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک دہلوی

گوندھ لینا دلِ عشاق نہ تم تاروں میں — پھول بکتے ہوئے رہ جائیں گے گلزاروں میں
مفت بھی دل نہیں لیتا کوئی بازاروں میں — اک تمہیں تم نظر آتے ہو خریداروں میں
جس کو خود رحمتِ باری نہ منانے آئے — وہ گنہگار بھی ہے کوئی گنہ گاروں میں
لاکھ پردے میں چھپے پر بھی ہوئے تم رسوا — گھر میں بیٹھے ہوئے مشہور ہو بازاروں میں
اپنے عشاق کو گھر سے نہ نکالو اچھے — گر سزا دینی ہے چن دو انہیں دیواروں میں
کھل گیا فیصلۂ روزِ جزا کا عقدہ — کہ خدا بھی ہے بتوں کے ہی طرفداروں میں
لطف ہو حشر میں زاہد کو جو یوں دیکھوں میں — کہ گنہ گار سے بیٹھے ہیں گنہ گاروں میں
کس سے زنداں میں اسیری کے طریقے سیکھیں — کوئی کمبخت نہیں اگلے گرفتاروں میں
تجھ کو اس رنگ کی جنت میں ملے یا نہ ملے — محتسب دیکھ تو کیا چیز ہے میخواروں میں
تم عیادت کو نہ آنا کہ برائے تعظیم — طاقت اٹھنے کی نہیں ضعف سے بیماروں میں

کسی بے درد نے کیا پیار کیا ہے تم کو — پڑ گئے نیل جو یوں پھول سے رخساروں میں
طالبِ بوسۂ رخسار کا مجرم ہوں میں — جھونک دو مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں
آپ کے ملنے سے شہرت ہے جہاں میں اسکی — انگلیاں اُٹھنے لگیں غیر پہ بازاروں میں
جان دی جنبشِ ابرو پہ ہمیشہ ہم نے — منہ نہ موڑا کبھی چلتی ہوئی تلواروں میں

اے رسا رشک سے ہے اہلِ سخا کا دم بند
میرے آقا کی وہ سرکار ہے سرکاروں میں

حیات بخش رسا
۱۰/اپریل ۱۹۰۸ء

(۷)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ - آداب نیاز -

آپ کا گرامی نامہ معہ ایک کارڈ کے پہنچا کارڈ دیکھ کر سخت حیرت ہے کہ ایسا کون آپ کا دشمن ہے جس نے ایسی لغو کارروائی کی ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ آپ کے خلاف کوئی بات مشہور ہو - نہ خدانخواستہ آپ کے کلام کی بابت میں نے کسی سے بُرا بھلا سُنا - نہ کسی کی مجال اور ہستی ہے - کہ میرے منہ پر آپ کی بابت کچھ کہہ سکے نہ یہ میری عادت کہ میں اس کو سُن سکوں - یہ کسی ایسے بدمعاش کا کام ہے - جو آپ سے در پردہ بغض رکھتا ہے - یا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ یہاں آئے تو میرے حالات کہہ کر میرے حق میں کانٹے بو جائیں گے - یا مجھے ان کے آنے سے کوئی نقصان پہنچے گا - اندیشہ یا خطرہ ہے - حافظ صاحب جو آپ کے پاس سے آئے وہ میرے پاس بھی پرسوں آئے تھے - وہ رامپور میں ایسے شخص نہیں ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو جانتے بھی ہوں - جو ایسے بد اور نطفہ حرام ہیں اور انہوں نے اگر کسی سے تذکرہ آپ کی آمد کا کیا بھی ہو تو سننے والے کو ایسی کیا غرض تھی کہ آپ کو ایسے جھوٹے حالات سے اطلاع دیتا اور آپ کے دل کو تکلیف پہنچاتا بہرحال آپ خود عقلمند اور قابل ہیں اس کا فیصلہ آپ اپنے دل میں فرما سکتے ہیں - اور ذرا بھی اس کا خیال نہ فرمایئے - یہاں کوئی شخص برائے نام بھی آپ کے خلاف نفرت نہیں آتا - اور اگر آپ کا مخالف بھی ہو یا آپ کے کلام سے رغبت نہ رکھتا ہو تو یہ کسی کی مجال یا ہستی نہیں ہے کہ ایسا عمل کر سکے جو کارڈ میں درج ہے - یہ کارڈ مصنوعی کسی پختہ کار کا ہے - یہاں والے کا نہیں ہے - میرے نزدیک میری اس تحریر کو کسی پر ظاہر نہ فرمایئے - میں نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے جب آپ تشریف لائیں گے اس وقت اس کی بابت میں اور آپ بات چیت کریں گے - جاورہ سے واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے ٹیلیگرام آئے گا اسی وقت یا تشریف آوری کے بعد آپ کو مطلع کروں گا - بلیش کل شام کو یہاں سے مارہرہ گئے - وہ آپ سے ملے ہوں گے - ان سے میرے نزدیک آپ اپنے یہاں آنے کے متعلق کوئی بات یا مشورہ نہ فرمایئے - اگر آپ اپنے چچا مشفقی سید امیر حسن صاحب دبیر کو بھی لائیں تو عجب لطف ہوگا - باقی خیریت -

۱۱/مارچ ۱۹ء — راقم نیاز - رسا -

(۸)

بنام احسن مارہروی

بھائی صاحب مکرم تسلیم (رام پور)

آپ کا والا نامہ ۲۵ رجون کا لکھا ہوا۔ آج ۸ رجولائی کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نینی تال تھا۔ کیونکہ سرکار ابد قرار نینی تال پر تھی۔ صرف پیروی مقدمات کی غرض سے بمشکل اجازت لیکر آیا ہوں۔ آپ کے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کو میں بجی و جان تسلیم کرتا ہوں۔ اور خدا کی قسم آپ کی اس تحریر سے میں بیحد متاثر ہوا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کوئی اپنے کمینہ پن سے باز نہ آئے۔ تو اس کے لئے علاج سوائے سرزنش کے اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ظہور ہوا بھی ہے۔ اور آئندہ جو ہوگا وہ آپ جلد سن لیں گے۔ آپ کی پچھلی تحریرات جس میں ان حضرات کی تعریف کے دفتر کے دفتر پیش کر چکا۔ یہ معاملہ ایجنٹ تھا کہ وہ آپ کے کتنے کے ذکر رہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے نمک خوار قدیم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ اس نے کیا کیا گستاخی اور نمک حرامی کی۔ جو کچھ ان کے ساتھ اس وقت تک برتاؤ ہوا وہ خود آپ سن لیں گے۔ میں لکھوں گا۔ تو یہ ٹھہرے گا کہ بوجہ رنج کے جھوٹ سچ لکھ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹہ کے اندر نقل مکان و محلہ کرنا پڑا۔ اور کیا اور کیا۔ غرضیکہ آئندہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تمام شہر میں اس کمبخت نے یہ مشہور کیا ہے کہ احسن صاحب کا یہ فعل ہے کہ رسا پر اعتراض کیا۔ میرا خیال یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ایسے پاجی کے قول کو کیوں کر مان سکتا ہوں۔ فقط۔

۸ رجولائی سنہ ۱۹۱۰ء رسا

(۹)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔ (از مقام ریاست رامپور)

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ پہلے خط میں آپ کی کوئی بات جواب طلب نہ تھی اس لئے کسی قدر اس کے جواب میں تساہل ہوا۔ پھر خط لکھنے والا ہی تھا کہ یکایک میری لڑکی ایسی علیل ہوئی۔ کہ اب تک طمانیت سے نہیں ہوں بہت چھوٹی چیچک نہایت خفیف بعد تین دن بخار آنے کے نمودار ہو کر ڈھل گئی۔ اس کے بعد بخار جم گیا یہاں تک کہ کئی روز بے آب و دانہ غافل رہی۔ ایک حکیم صاحب یہاں بڑے نامی ہیں انہوں نے علاج کیا کچھ دست وغیرہ آئے شکر ہے کہ پرسوں سے اس کی طبیعت اچھی ہے۔ ابھی ٹھنڈائی پیتی ہے۔ کھچڑی کھاتی ہے۔ چلنا پھرنا تک دشوار ہے۔ آپ میری طرف افسانے کے خیالات کو کیوں عائد فرماتے ہیں۔ وہ کیسی ہی ہو پھر نوکری ہے۔ اور نوکری کی جڑ جس قدر کمزور ہوتی ہے اس کو میں اچھی طرح کئی مرتبہ آزما چکا ہوں۔ پھر میرے اوپر تف ہے کہ ایسے خیال کو پاس آنے دوں۔ الحمدللہ کہ سیدھے راستے چلا جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا۔ اگر اس شعار کو کسی ترکیب یا مصلحت سے بدل بھی دوں۔ تو کس سے آپ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ نیاز مندہ خاص تصور فرماتے رہئے۔ رہی خط و کتابت کی دیر۔ آپ یاد کیجئے ایسا توقف تو کبھی کبھی فرخ آباد اٹہ وغیرہ سے بھی ہوتا رہا ہے۔ ہوم صاحب بہادر کے پاؤں میں پھنسیاں نکل آئی تھیں ایک ہفتہ تک قلعہ میں بھی تشریف نہیں لے گئے تھے مگر اب فضل الٰہی ہے اور اچھی طرح تندرست ہیں۔ آج گئے

روز ہوئے میں ان کے مکان پر صبح کے وقت معمولاً بیٹھا تھا طپش کا خط بھوپال سے ان کے نام آیا تھا۔ طپش نے
مجھے اُن سے دریافت کیا تھا۔ چنانچہ وہ خط ہوم صاحب بہادر نے مجھے دکھایا جو نہایت طول طویل تھا۔ اور اس سے
پہلے مضطر صاحب سے بھی طپش مذکور کی خط و کتابت ہے۔ مضطر صاحب کا خیال ان کی طرف اچھا ہے۔ اور جب
ان کا خیال اچھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہوم صاحب بہادر کا خیال اچھا نہ ہو۔ مجھ سے ہوم صاحب بہادر ان کا
حال پوچھتے تھے۔ میں نے جہاں تک زبان نے یاری دی۔ ان کے حالات عمدہ طور پر بیان کر دیئے۔ میں ملیح آباد چلنے
کی بابت کیا عرض کروں۔ آپ کے حکم سے گریز نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مالیر کوٹلہ جانے کو روکا گیا تھا۔ خیر
وہ تو ابتدائی حالت تھی۔ مولوی عبدالوحید صاحب نے جو مشاعرہ ہن پوری میں کیا تھا۔ انہوں نے مجھے خط لکھا۔
اور ایک درخواست حضور پر نور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کو میری شرکت کے لئے بھیجی۔ لیکن وہ قطعی نامنظور ہوئی
یہاں جو مشاعرے ہوتے ہیں۔ ان میں مہتمم مشاعرہ کی درخواست بندگان حضور میں پیش ہوتی ہے تب کہیں شرکت نصیب
ہوتی ہے۔ ویسے کہیں جانے آنے کی ممانعت تھوڑا ہی ہے۔ رخصت بھی مل سکتی ہے لیکن چونکہ مولوی بشیر احمد خاں صاحب
ایک رئیس ہیں اور لکھنؤ کا قرب ہے۔ اور میرا نام بھی اب مخفی نہیں رہا اس لئے اگر کسی اخبار نے میری موجودگی
مشاعرہ کی لکھ دی تو میرے لئے خرابی ہے اور صاف صاف اجازت مشاعرہ کے لئے لی جائے تو ناممکن۔ اس بارہ
میں جیسا آپ کا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مجھے کسی صورت سے عذر نہیں ہے۔ غزل ضرور لکھوں گا۔ یہاں اکثر مشاعرے
ہوتے ہیں۔ فی الحال کرنیل صاحب بہادر کے مکان پر ۴ رجون کو عام مشاعرہ ہے اور اسی طرح ۱۱ رجون کو ہوم صاحب
بہادر کے مکان پر۔ طرح کرنیل صاحب بہادر کے یہاں۔ ع چپکے چپکے مجھے دشنام دیئے جاتے ہیں۔ دشنام۔
پیغام۔ قافیہ ہے۔ ہوم صاحب بہادر کے یہاں۔ پھڑکتی ہے ہماری آنکھ اب کوئی خوشی ہوگی + خوشی قافیہ ہے۔ اطلاعاً
عرض کیا۔ باقی حال میرا اچھا ہے۔ روز شب کو ۹ بجے جاتا ہوں بارہ بجے ایک بجے آتا ہوں۔ دربار کی حالت نہایت
عمدہ قابل دید ہے۔ سرکار کی مدح سے زبان قاصر ہے۔ باقی خیریت ہے۔ ہمیشہ تابعدار کو تابعدار خیال فرما کر یاد
فرماتے رہیئے دلبر صاحب کو تسلیمات۔ کبھی کبھی خیریت سے مطلع فرمایا کیجئے۔ اور سید مقبول حسین صاحب کی خیر و
عافیت مزاج سے بھی اطلاع دیجئے فقط

رسا

۲۵ رمئی

(۱۰)

احسن مارہروی

حضرت جی (از ریاست رامپور)

آداب بجا لاتا ہوں۔ میں جس روز سے جدا ہوا۔ میں نے آپ کو اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا۔ یہ توقف قصداً
تھا بلکہ سہواً یا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ میں اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا اور ایسا غیر مطمئن تھا کہ اپنی حالت
آپ کو بھی لکھتے ہوئے بار معلوم ہوتا تھا بھیجتے سنئے۔ ۱۵ رجنوری کو عیدالضحیٰ کے روز یہاں پہنچا۔ ۱۸ رجنوری تک
سلام کی نوبت نہ آئی۔ ۱۹ رکو سلام ہوا۔ کلکتہ جانے کی طیاریاں تھیں۔ وائسرائے کا تار آیا کہ زیادہ جماعت لانا ضروری نہیں ہے

آپ ہماری کوٹھی میں مقام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے ساتھ جانے والوں میں پندرہ آدمی کم ہوئے۔ میں کن میں تھا۔
نوکر نہ جا کر میں بھی رہ گیا۔ اور جانے والے کلکتہ سدھارے۔ ۲۳ر فروری کو واپسی ہوئی۔ میرے لئے کوئی حکم نافذ نہیں ہوا۔
جس روز سے یہاں پہنچا البتہ خوان نعمت تو ضرور پہنچا۔ باقی ادھر میں لٹکا رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد احکام
جاری ہوئے۔ اس میں بھی درمیانی لوگوں نے کچھ سے کچھ احکام جاری کئے۔ اس کی ترمیم کی بابت کوشش ہوتی رہی
آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا خطرہ ہے کہ آپ کے استاد پہنچ گئے۔ یہ ضرور کہ میں دربار عالی میں برابر آتا
جاتا رہا۔ اور غزل خوانی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مگر رنگ ڈھنگ دیکھتے دیکھتے آخر کار قریب ڈیڑھ ماہ کے وقت
گزر گیا۔ تو اب ایسی باتوں کی اطلاع آپ کو کیا دیتا۔ ہاں اب بعد واپسی کلکتہ محرم شریف تشریف لائے اس اثنا میں
وغیرہ وغیرہ جملہ کارخانجات کی پندرہ روز کی تعطیل رہی۔ جس میں سوائے مجالس عزا کے کوئی کام نہ ہوا۔ اور اپنے
معاملات کی اصلاح کے لئے ذرا سا موقع بھی نہ ملا۔ اس میں شک نہیں کہ رئیس نہایت قدردان سخی امیر ابن امیر ہیں
اُن کی قدر افزائی کے شکریہ کو منہ میں زبان نہیں۔ آخر کار یہ طے ہوا۔ کہ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ اور وکالت کا ٹھیکہ
اب آپ فرما سکتے ہیں کہ کیا اصلاح معاملات میں کرنی پڑی۔ اور ستموں میں سے ایک کہتا ہوں کہ ایک افسر نے بروقت
اجراء حکم وکالت لکھ دیا کہ مشروط بامتحان وکیل مقرر کئے جائیں۔ یہ مجھے منظور نہ تھا۔ آخر بعد محرم جب عرض کیا۔ تب
مستثنیٰ ہونے کا فوراً دوبارہ حکم جاری ہوا۔ غرضیکہ اب کوئی خلش باقی نہیں رہی۔ جس روز آپ کے استاد تشریف لائے
تھے۔ میں نے فوراً ہوم صاحب بہادر سے ملا دیا۔ انہوں نے باخلاق یہ حکم دے دیا ہے کہ جس وقت آپ کا مزاج
چاہے میرے پاس آیا کیجئے۔ میں اس کے بعد دو روز کی اجازت لے کر سکندر آباد گیا۔ اور گھر کے لوگوں کو کل رات
میں لے کر آگیا۔ ایک مکان بازار نصر اللہ خاں میں لے لیا ہے اس میں کل اٹھ کر جاؤں گا۔ مکان اچھا ہے۔ گھر کے
لوگ، بہادر، قاضی علاؤ الدین کے مکان میں فروکش ہیں۔ وکالت کا کام مارچ کے شروع مہینے سے شروع کروں گا۔ لوگ
کہتے ہیں کہ بہت اچھی چلے گی۔ اچھی چلی تو خیر دیکھی جائے گی۔ مگر فی الحال اس مقام کی ٹھہرا دی ہے۔ میرے بعد آغا مظفر
لکھنوی ۸۰ ماہوار پر۔ عاشق حسین بزم ۳۰ ماہوار پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ مضطر صاحب یکم جنوری کے مشاعرے
کے بعد سرکار سے وعدہ کر گئے تھے کہ میں ہفتہ عشرہ میں حاضر ہوں گا۔ مگر گوالیار سے جا کر یہ لکھا کہ مہاراج گوالیار
مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اس لئے میں دو سو روپیہ پر رام پور نہیں آ سکتا۔ ۱۵ر جنوری کو جب
میں یہاں پہنچا تھا تو مجھ سے سرکار نے فرمایا تھا کہ دیکھو مضطر وعدہ کر گئے تھے مگر وہاں سے انکار لکھ دیا۔ چند روز
بعد اپنے لڑکے کو معافی قصور کے لئے رام پور بھیجا۔ آخر کار پھر وہ دو سو روپیہ پر یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔ خدائے
کریم کا شکر ہے کہ میں جلد آگیا اور سرکار کے دل کی سی بات ہو گئی۔ غرضیکہ مضطر صاحب اتوار تک یہاں آ جائیں گے
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعد تشریف آوری مضطر صاحب کیا رنگ رہتا ہے۔ لیکن یہ دم خم تو جناب نواب مصطفیٰ
علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ ورنہ مضطر ایسے بیجا طریقہ سے انکار کرنے پر پھر یہاں نہ آ سکتے۔ اب دیکھئے
نے کس قدر مفصل حالات سے اطلاع دی ہے۔ میں غزل اپنی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ چھاپ دیجئے۔ باقی آئندہ

(11)

جو نکال دیئے گئے انہوں نے نہایت بدنام کیا۔ آپ کو ایک روز مجھ سے دربار میں پوچھتے تھے۔ بایں الفاظ کہ وہ ان شعر
مرزا داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ جنہوں نے طرح میں چند شعر قصیدے کے بھی ہمارے سامنے پڑھے تھے۔ میں
نے سب حال آپ کا بیان کر دیا۔ اس کے بعد مجیم کی بابت تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی اپلی
دنتوی و وضع قطع پر امد داد پر بہت ہنستے رہے۔ اس روز مشاعرہ سرکاری کا تذکرہ آگیا تھا۔ یاد کی کیفیت یہ ہے
کہ جس کو ایک مرتبہ دیکھ لیا پھر ہمیشہ یاد رکھا۔ قابلیت اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی نہایت عمدہ ہے۔ سمجھ اعلیٰ
درجہ کی ان سب پر سخاوت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ میں نے بازار نصر اللہ خاں میں ایک مکان لیا ہے۔ اب آپ
اسی پتہ سے خط بھیجیں۔ ہوم صاحب بہادر آج کل مصنف صاحب کی خاطر و مدارات میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مع
بال بچوں کے آئے ہیں۔ ۲۵ ماہوار کا ایک مکان کرایہ پر لیا ہے ہوم صاحب بہادر سے ایک آدھ مرتبہ آپ
کا تذکرہ آیا۔ جشن خطابی کی ابھی کچھ خبر نہیں۔ جشن سالگرہ ۲۱ اگست کو ہوگا۔ حضور پر نور نے ایک روز مجھ سے
فرمایا تھا کہ ایک مشاعرہ گرمیوں میں اور ہونا چاہیئے۔ مگر ہوم صاحب بہادر اس کو ٹال گئے۔ پھر سرکار نے بھی دوبارہ
کچھ نہ فرمایا۔ مگر میں نے یہ ضرور رائے دی تھی کہ ہونا چاہیئے۔ اب کے سال جو مشاعرہ ہوگا اس کے لئے [illegible]
معدیہ کی منظوری ہے۔ جو مدح اخبار بھی ہو چکی ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب یہاں سپرنٹنڈنٹ آبکاری کے
مقرر ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ سے ان کی سروس مستقل کرالی ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی دربار میں جاتے ہیں۔ مجھ کو مکان
معمولی اچھا مل گیا ہے رات کو ۸ بجے دربار میں جاتا ہوں۔ ایک بجے دو بجے واپس آتا ہوں۔ دن کو ذرا بھی
واسطہ نہیں۔ کبھی کبھی تھیٹر بھی چلا جاتا ہوں۔ جس روز سرکار تشریف لے جاتے ہیں اس روز ضرور جانا ہوتا ہے آج
کل یہاں کے لوگ طرح ذیل میں غزل لکھ رہے ہیں۔ میں بھی غزل لکھ رہا ہوں۔ چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ ان
بھیجتا ہوں بنظر اصلاح ملاحظہ فرمایئے۔

غزل

غم میکدے میں آ کر واعظ نے پھوڑ ڈالے　　بادہ کشوں کے گویا دل اس نے توڑ ڈالے
بہتان میرے خوں کا کوئی نہ چھوڑ ڈالے　　دامن کو اپنے دھو کر قاتل نچوڑ ڈالے
جڑتا نہیں کبھی دل جب کوئی توڑ ڈالے　　ممکن نہیں کسی سے شیشے میں جوڑ ڈالے
کوئی کرے کہاں تک وحشت کی پردہ پوشی　　کب تک کوئی ہمارے دامن میں جوڑ ڈالے
ایسے کی منہ کی توبہ توبہ ہے کوئی توبہ　　سو بار رات دن میں جو شخص توڑ ڈالے
تھے دوست وہ تو ان کو دشمن بنا کے چھوڑا　　دشمن نے دوست ہی کر دہ جوڑ توڑ ڈالے
میں اور ان کا شکوہ وہ بھی صدد کے آگے　　یوں جوڑنے کو کوئی بہتان جوڑ ڈالے
کیا اوس پڑ گئی ہے اب گھر یہ اس کا کیوں ہو　　بال اس نے جب نہا کر اپنے نچوڑ ڈالے
خواب عدم سے کوئی اٹھتے ہیں سونے والے　　سو بار شور محشر ان کو جھنجھوڑ ڈالے
قید قفس میں بلبل کہتی ہے آہ کر کے　　اس سے تو کوئی میری گردن مروڑ ڈالے

مدت ہوئی رسا نے کرلی ہے مے سے توبہ جام و سبو تھے جتنے سب توڑ پھوڑ ڈالے

ذوالفقار علی خانصاحب آج کچہری میں ملے تھے آپ کو سلام کہا ہے اور کوئی تازہ بات نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہوگا آیندہ لکھوں گا۔ دبیر صاحب کو تسلیم۔ ممنون ہوا وہ شعر میری غزل سے خارج کر دیجئے اور آئندہ بھی اسی طرح ٹوکتے رہئے۔

۴ مارچ

راقم رسا

(۱۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

آج دونوں خط آپ کے پہنچے۔ یہاں پر لوگ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ مگر آج آپ کا خط آنے سے مشاعرہ بیٹھا ہوا۔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں صرف آپ کا کلام سننے کے یہاں کے لوگ مشتاق ہیں۔ سید امیر حسن اور طیش کی بابت علیٰ ہذا القیاس لوگ بیحد اشتیاق رکھتے ہیں۔ اس مشاعرہ میں تحصیلدار صاحب بھی شامل ہوں گے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کسی طرح بلوائیے جب مزہ ہے۔ کیونکہ تحصیلدار صاحب یہاں کے چھپرا مئو کے رہنے والے ہیں۔ ان کے تشریف لانے سے تحصیلدار صاحب خود منتظم مشاعرہ ہوں گے۔ میر اوصاف علی صاحب یہاں بڑے سر برآوردہ اور لائق آدمی ہیں اگر آپ سب آئے تو واللہ یہ مشاعرہ بھی قابل دید ہوگا۔ اب میں نے خطوط، رمئی کے جاری کر دئے کوئی شرط، رمئی تک نہ سنوں گا۔ جہاں جاؤ وہاں بعد، رمئی کے جانا خدا کے لئے۔ اس بہانہ سے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر حیدر آباد جانے آپ کب آئیں۔ فقط

جلیسر ۲۸ راپریل

حیات بخش

(۱۳)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ کیا کہوں کیا لکھوں۔ خدا کی قسم کبھی مستعد نہ ہوتا اگر آپ کا اس قدر زور سے تقاضا نہ ہوتا۔ مگر آپ یہ تو سوچا کیجئے کہ اور جیسے والوں میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے کہ میں پابا نوکر ہوں۔ اور اس قدر پابند کہ کسی طرح جنبش نہیں کر سکتا۔ ابھی تک اجازت منظور نہیں ہوئی۔ لیکن لوگوں کی خوشامدیں کر رہا ہوں۔ صاحب کلکٹر یہاں موجود ہیں۔ وہ تعطیل میں کچہری کریں گے۔ ان سے ایک دن کے لئے دریافت کروں گا۔ اور بموجب ارشاد چلوں گا۔ غزل کا ایک لفظ اب تک نہیں کہا۔ لیکن آج سے شروع کرتا ہوں۔ ۲۱ ردسمبر کو صبح رامپور پہنچنا چاہئے لہٰذا میں ۲۰ ردسمبر کی شام کی گاڑی سے یہاں سے چلوں گا۔ اب اسی طرح رات کو دونوں صاحب کاسگنج میں مل جاویں۔ جب مجھ سا غیور شخص آپ کو آزردہ نہیں کر سکتا تو دبیر ایسے کب ہیں کہ آپ کو آزردہ کر سکیں۔ بہر حال ان کو ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہیئے۔ میں چاہے نہ جاتا۔ دبیر کو ان کو ضرور جانا چاہیئے۔ صدر خزانچی سے قرض لئے تب تعطیل کا کام چلا ہے۔ کرایہ ایک پیسہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تاریخ جو میں نے لکھی ہے اس کے خلاف کوئی ٹائم مقرر نہ فرمائیے گا۔ اس کا جواب فوراً دیجئے کہ کاسگنج رات کی گاڑی پر ملیں گے۔ ۲۱ ردسمبر کو اس مشاعرہ میں ضرور پہنچنا چاہئے۔ حیات بخش ۱۴ دسمبر

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

مکرم۔

میں بخیریت پہنچا۔ درخواست رخصت دے دی ہے۔ اب آپ وہ قصیدہ فوراً بھیج دیجئے۔ کیونکہ بوجہ [illegible] قدر قلیل وصہ میں نیا قصیدہ طیار نہیں ہو سکتا۔ فصیح الملک کب آپ چھاپیں گے۔ وہ مصرعے جو میں نے آپ کے غزل [illegible] تھے۔ تلاش فرمائیے۔ اور ان کو ضرور چھاپیے۔ قصیدہ کا منتظر ہوں۔ براہ عنایت جلد بھیج دیجئے۔ اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر میں انتقال ہو گیا افسوس ہے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے غزل کو پوچھا ہے [illegible] نے پڑھی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ دلبر نے پڑھی تھی۔ مشاعرہ میں بھی اور نواب صاحب بہادر کے سامنے۔ آپ بھی [illegible] گا۔ فقط

۶ رجنوری فتح گڑھ　　　　حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۵)

مکرم۔　　　　(ضلع بلند شہر۔ محلہ قاضی واڑہ)

والانامہ بیرنگ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ قصیدہ پہنچنے سے بڑی مدد مل گئی۔ غزل کہہ رہا ہوں جس کے مطلع [illegible] دسمبر یہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سب کچھ دیا خدا نے کہ اُس کو دیا مجھے	اب کیا ہے اب تو عید ہے روز جزا مجھے
آیا ہوں حشر میں کہ ملے گی جزا مجھے	صدقے میں ان بتوں کے ملا ہے خدا مجھے
بہلا رہے ہو وعدۂ محشر پہ کیا مجھے	معلوم ہے نتیجۂ روز جزا مجھے
رشکِ مسیح آپ بھی مشہور ہو گئے	اچھا کیا کہ آپ نے اچھا کیا مجھے

رخصت منظور۔ اللہ کا نام لے کر ۱۱ رجنوری کی رات کو ۲ بجے یہاں سے روانہ ہو کر سکندرآباد جاتا ہوں وہاں سے ۱۳ رکو مالیر کوٹلہ۔ باقی آئندہ حال کہوں گا۔ آپ بے تکلف ان اشعار کو دیکھ کر مطلع فرمائیے [illegible] جاتا ہوں۔ بغیر آپ کے میرے قدم نہیں اٹھتے۔ یا جی ہو جو بغیر آپ کے کہیں رہے۔ اگر دوامی نہیں تو [illegible] ضرور پھیلاؤں گا کہ آپ ہر مہینہ یا ہر پندرہ روز میں آتے رہیں۔ جاتے ہی تو طرح کرکے بعد محرم مشاعرہ کی [illegible] جائے گی۔ جواب اس کا سکندرآباد ۱۰ ردسمبر کی شام کو دیجئے۔ تاکہ ۱۲ ردسمبر کو مل جائے۔ فقط دلبر کو سلام

۸ رجنوری　　　　حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۶)

مکرم بندہ تسلیم۔

والانامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ بعد واپسی علیگڈھ جناب ہوم صاحب بہادر نے آپ کے ملنے کی کیفیت سب بیان فرمائی تھی۔ اور میرے مقطع کا حال بھی فرمایا تھا۔ یہ اس کی قدر افزائی ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو ایسی توجہ سے دیکھتے ہیں ورنہ میں کمبخت کیا اور میرا کلام کیا۔ ہاں اس سرکار ابد قرار کی روز افزوں قدردانی سے امید ہے

(71)

سیّد احمد دہلوی

(۱)

بنام مدار المہام

عالیجاہا!!!

فدوی آج اس امر کا مژدہ سناتا ہے کہ آپ جیسے مقدس بزرگوں اور قدردانوں کی توجہ باطنی سے یہ نیاز مند دل
شبانہ روز محنت کر کے فرہنگ آصفیہ کی تالیف و تصنیف سے ۲۴ر نومبر ۱۸۹۵ء روز یکشنبہ کو بہمہ وجوہ فارغ ہو گیا
چون ہزار چار سو انچاس لغات و محاورے چار ہزار صفحوں میں لکھے گئے اب صرف دیباچہ - گورنمنٹ نظام کے نام کا
خطبہ - حضور کی قدردانی اور ذرہ پروری کا شکریہ لکھنا باقی ہے - جو اس سبب سے تا جواب گزارش ملتوی ہے حضور
نے بروقت تشریف آوری شملہ فرہنگ مذکور کے سرورق کو ملاحظہ فرما کر حضور نظام کے القاب و خطاب میں کچھ غلطی پا
فرمائی تھی اور ارشاد کیا تھا کہ اس کو ضرور درست کر لینا - چونکہ اب وہ موقع آگیا ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ اپنا اور سلطان
حضرت نظام کا پورا پورا القاب و خطاب عنایت فرمائیں -

دوسری عرض یہ ہے کہ اگست ۱۸۹۸ء میں فرہنگ آصفیہ کی نسبت سردست اکتیس سو روپے اور بعد
اختتام بروہ سو روپے کے ملنے کا حکم امداداً بطور خریداری نافذ فرمایا گیا تھا - میری بدقسمتی ساہوکار کی خوش نصیبی سے
ایک سال چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور لغات کے مطبوعہ حصص بھی داخل حضور ہو گئے مگر ہنوز روپیہ مرحمت نہیں ہوا جس
کے سبب ایک سال سے لغات کا چھپنا بند ہے - اگر حسب ارشاد انہی دنوں میں یہ روپیہ مل جاتا تو آج کو ساہوکار کا
دو پے کی صدی رقم پانے کا مستحق نہ ہوتا یعنی بندہ ۳۱۰۰ سو روپے کے سود سے بچ جاتا چنانچہ اسی سود در سود کے اندیشہ
سے فدوی نے ۶ مارچ - ۲ مئی - ۸ مئی ۱۸۹۹ء کو بذریعہ رجسٹری بار بار یاد دہانی بھی کی تھی جس کے جواب سے
آج تک محروم ہے اور اب تو دہی شل ہو گئی - قطعہ ؎

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری املاک میں تہائی کا ہو گیا ہے شریک ساہوکار

ناچار فدوی نے ہر طرف سے مجبور اور تنگ ہو کر رخصت کی درخواست کر دی کہ خود ہی حاضر خدمت ہو کر گزارش کرے چا

۲۳ دسمبر کو شملہ سے دہلی وہاں سے قرض دام کر کے یکم جنوری کو ریاست فیض بنیاد حیدرآباد کی طرف مع مسودہ فرہنگ آصفیہ روانہ ہوگا۔ تاکہ حضور کی بدولت اس کے جلد چھپنے کا از راہ واقعی حضور سے انتظام کرائے اور یہ ساڑھے چار ہزار روپے بھی خود ہی آکے ساہوکار کے تقاضے اور سود کے روز افزوں رقم سے نجات پائے فقط زیادہ الٰہی تا ابد حامی اسلام اور علم و ہنر کی قدرداں ریاست کو تا یوم القیام ہر بلا سے محفوظ اور برقرار رکھے۔ فقط

عرضی :- فدوی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مقیم کوہ شملہ

۲۹ نومبر ۱۸۸۹ء

[illegible] کا شمار اردو کے محسنوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے فرہنگ آصفیہ نام نہایت جامع لغت اردو کا لکھ کر زبان پر غیر معمولی احسان کیا۔ ولادت ۹ محرم الحرام [illegible] مطابق ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو بلاقی بیگم کے کوچہ میں ہوئی اور شاہ صابر بخش کے باغ واقع فیض بازار میں ہوش سنبھالا۔ آپ مولوی حافظ سید عبدالرحمن [illegible] سید خواجہ علی کے فرزند تھے۔ آباؤ اجداد سادات بخارا سے حسنی و حسینی سید اور حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد سے تھے۔
مولوی صاحب نے درسی کتابیں بڑے بڑے اساتذہ سے گھر پر اور سررشتہ تعلیم کی کتابیں سرکاری سکولوں میں پڑھیں۔ تصنیف و [illegible] مدت سے لاحق تھا۔ شعرائے ماضی و حال کا مطالعہ نہایت توجہ سے کیا اور شہزادگان دہلی اور مشہور شعرا کی صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے ذوق کی [illegible] علم صلیٰ نامہ فارسی میں اور [illegible] تقویت الصبیان اردو میں تصنیف کی پھر ۱۸۶۹ء میں ایک مختصر رسالہ مناظرہ تقدیر و تدبیر تصنیف کیا جس کا نام کنز الفوائد تھا۔ اس پر دو سو روپیہ [illegible] اور سرکاری خرچ سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس سے ہمت بڑھی اور آپ نے اردو لغات کی جمع و ترتیب کا ڈول ڈالا۔ ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب [illegible] اردو میں تالیف کی جس پر گورنمنٹ نے ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا۔ اس سے لغت کے کام کو اور تقویت ملی۔ چنانچہ چھ سال کی مساعی [illegible] ہوا کہ لغات اردو کا بہت سا حصہ مسودات کی شکل میں تیار ہوگیا۔
اس زمانہ میں ڈاکٹر فیلس۔ ڈبلیو فیلن صاحب انسپکٹر مدارس صوبہ بہار ایک ہندوستانی انگلش ڈکشنری مرتب کر رہے تھے۔ وہ مولوی صاحب [illegible] آئے اور ان کو اپنے ساتھ دانا پور لے گئے۔ جہاں مولوی صاحب کی امداد سے سات سال کے عرصہ میں ان کی ڈکشنری مکمل ہوئی۔ [illegible] کے طلب کرنے پر ان کا سفرنامہ لکھنے کے لئے اور چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ میں سفرنامہ کے کام سے فارغ ہوئے تھے کہ گورنمنٹ [illegible] پنجاب کی نائب مترجمی پر لاہور بلا لئے گئے۔ ڈکشنری کی ترتیب کے زمانہ میں تکمیل الکلام۔ تحقیق الکلام۔ رسم کہان۔ ریت بکھان۔ ناری کتھا [illegible]۔ لغات النساء اور ساجن موہنی وغیرہ کتابیں اردو میں لکھیں۔
[illegible] لاہور آکر اس خیال سے کہ لغات کی اتنی بڑی کتاب چھاپنا مقدرت سے باہر ہے اس کا خلاصہ کیا۔ اور ۱۸۸۲ء سے ماہوار رسالہ کی صورت میں نکالنا شروع کیا۔ لیکن یوں بھی کام نہ چلا۔ آخر تین مہینے تک چالیس نمبر نکال کر کام بند کر دیا۔ ۱۸۸۸ء میں مدار المہام نظام دکن شملہ تشریف لائے۔ یہ اس زمانہ میں شملہ ہائی سکول کے ہیڈ مولوی تھے۔ آپ نے ان کی خدمت میں مسودہ پیش کیا۔ مطبوعہ رسالے اور دیگر کتابیں [illegible] اور حضور نظام کے نام نامی پر ڈیڈیکیٹ کرنے کی اجازت مانگی۔ اس پر پانچسو روپیہ کا انعام اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور ہوئی اور [illegible] کتاب پر معقول انعام کا وعدہ ہوا۔ اس وقت سے کتاب کے طبع کی بنیاد پڑی اور نام اس کا فرہنگ آصفیہ رکھا گیا۔ غرض جس لغات کی ابتدا [illegible] میں ہوئی تھی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں ختم ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں بہمہ وجوہ تکمیل کو پہنچ کر پورے تیس سال میں پائے تحتانی تک شائع ہوگئی [illegible] حسب وعدہ پانچ ہزار روپیہ کا انعام مرحمت ہوا اور ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا۔ حکومت پنجاب نے بھی پانچ سو روپیہ انعام اور ہزار روپیہ کی خریداری [illegible] مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ فرہنگ آصفیہ میں چون ہزار کے قریب لغات، محاورات، اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ ہیں۔ آج کل یہ کتاب نایاب ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور (۳)

حافظ صفدر علی صاحب [illegible] سنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اوّل تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں میرے ماتحت ۱۸۷۸ء میں رہ کر ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے بہتر لاہور میں کوئی سنگساز نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سرِ نو پتھر پر لکھ کر اکثر اوقات خط سے خط ملا دیا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے۔ پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر ان کو کچھ پان کھانے کے واسطے بھی دیا۔ لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت ان کی خدمت جیسا دل چاہتا تھا ویسی کر سکتا اور مجھ کو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی۔ فقط

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۱۰ء سید احمد دہلوی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی (۴)

آپ جیسے ہوں جب حبیب اپنے کیوں نہ اچھے ہوں پھر نصیب اپنے

میرے محسن۔ میرے مربّی۔ میرے ہمدرد۔ میرے حبیب خوش نصیب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ

تسلیم بعد تعظیم کے بعد گزارش خدمت ہے۔ کہ نامۂ والا محررہ یکم اگست اس کی تیسری تاریخ کو فرحت بخش دل و نظر ہوا۔ اس یاد آوری اس ہمدردی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ بیشک لاہور میں جناب کے احباب کو برائے نام دعوت ملی تھی۔ جس کے سبب بدنام ہونا پڑا۔ دعوت کے رقعے پر صاف لکھا تھا ؎

نہ وہ دعوت کہ جس میں ہو رنگ رس یک رکابی طعام و دیگر بس

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس تقریب میں آپ کا شریک کرنا باعث فخر تھا لیکن اتنی دور سے تکلیف دینا باعث شرم۔ دلی قربت ہی کو کافی سمجھا۔ جلد سوم و چہارم حسب ارشاد گل والا نامہ آتے ہی مع سہ نمبر سابقہ بھیک رسالہ علم اللسان ارسال خدمت ہوئے۔ چونکہ کاغذ کی تخصیص نہ تھی اس وجہ سے سر برا بری کاغذ کی جلدیں روانہ ہوئیں۔ گو ابتدائی حصص اس پندرہ سولہ برس کے عرصے میں ختم ہو گئے مگر آپ کے نمبر پورے کرنے کے لئے کوشش بدل و جان کی جائے گی۔ چنانچہ ایک کتاب جو انہیں ۳ نمبروں کے سبب ناقص تھی اس میں سے جو نمبر آپ کے کام آمد تھے انہیں نکال کر اور ناقص کر دیا۔ مگر جناب کے ارشاد کو ٹال نہ سکا۔ اکثر احباب کو اس امر کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ مجبوراً قلمی لکھوا کر ان کا کام کر دیتا ہوں۔ روپے جلد سے کوئی کم نہیں لکھتا ہے۔ یہی نمبر جو خدمت عالی میں گئے ہیں، اگر نہ ہوتے تو چھ روپے خرچ ہو جاتے۔ چوں کہ موجود تھے اس سبب سے اُس سابقہ قیمت پر بھیج دیئے گئے۔ باقی نمبروں کا بھی اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ جن

احباب یا خریداروں کے پاس ہیں وہ پوری کتاب تو شاید دے دیں مگر نمبر نہ دیں۔ جس کو پورا کرا لینا مزدوریات سے تھا ورنہ اس وقت تک وہ بھی نہ رہتے۔ میرا بے شک ارادہ از سر نو چھاپنے کا تھا اور اسی وجہ سے اول دوم جلد کا ترمیم کرنے بہت کچھ بڑھا بھی لیا تھا۔ بلکہ ابھی تک بڑھائے جاتا ہوں مگر میری مصیبتوں اور قلت زر نے اس آرزو کو بار پھلا نہ ہونے دیا۔ آپ جلد چہارم کے خاتمے میں میرے اکثر حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مجھ سا سخت جان ہو اور نہ اس کام کو انجام پر پہنچا سکے۔ جس وقت جلد سوم و چہارم کا قرضہ ادا ہو، فوراً اس طرف توجہ کی جائے گی۔ اس وقت مجھے چھ سات ہزار کا قرضہ اہل مطابع کا دینا ہے اسی وجہ سے تعداد طبع بھی گھٹا دی اور ابتدائی حصص کو بھی از سر نو نہ چھاپا بلکہ اس امر کو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ یہ بد خط مسودہ میری زندگی میں چھپ جائے بعد میں اصلاح دینے اور بڑھانے والے بہتیرے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ ذخیرہ جس پر قومی زبان کی بنیاد اور تکمیل منحصر ہے پھر میسر نہیں ہوگا۔ خدا بھلا کرے گورنمنٹ نظام کا جس کے طفیل اور عالی ہمتی سے اتنا بھی ہوا ورنہ پبلک کی طرف سے تو مایوسی ہو ہی گئی تھی۔ اب بھی بہت سا مصالحہ یوں ہی پڑا رہا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ طول ہو جاتا۔ صرف ضروری باتوں کو لے لیا اگر خدا نے مجھے اس قابل کیا تو طبع ثانی میں اس کو دیکھئے گا۔ اب تو اس کا اولیں مسودہ یا نقش اول سمجھنا چاہیے۔ جس کی حسب دلخواہ صحت بھی نہ ہوئی۔ کارکنان مطبع نے اپنی طرف سے کچھ کا کچھ اکثر جگہ سے بہتر پر بنا دیا جس کے سبب صحت نامہ بھی لگانا پڑا۔ گو آپ کسی قدر بھول گئے ہوں مگر میری نظروں میں وہ زمانہ ہر وقت موجود تھا۔ اگر ذرا دور ہو جاتا تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے آپ ہمیشہ یاد رہے اور میں نے اپنی نیازمندی کو اپنا افتخار سمجھا۔ اس میں کیا شبہ ہے اٹھارہ نہیں بلکہ ۱۹ برس ہوئے ۱۸۸۳ء سے مجھ کو جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ اور اس عرصے میں جو جو کچھ جناب نے قومی امداد فرمائی ہے وہ بھی یاد ہے یہ استقلال انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ ترقی پکڑے گا۔ میں آپ کی مبارک باد کا تہ دل سے ممنون ہوں خدا تعالیٰ آپ کی عمر، ہمت، ہمدردی اور اس قدردانی میں برکت دے اور آپ کی دعا سے مجھے بار بار یہ فرہنگ حسب منشا چھاپنی نصیب ہو۔ دیباچے کے ۸ صفحے کیا بہت سے لکھے جاتے اور بعض تقلیع پر لکھے جاتے اسی وجہ سے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ع

بے زر مردم کار نیاید　　　زر می باید زر می باید

نقالوں کا یہ مقولہ بہت ٹھیک ہے۔ ان ۸ صفحوں میں جو کچھ لکھا جاتا وہ جلد چہارم کے آخر میں لکھ دیا۔ اس وقت اس کا دیباچہ وہی ہے جو ارمغان دہلی کا ہے اور مقدمہ وہ رسالہ ہے جو خدمت عالی میں علم اللسان کے نام سے گیا ہے بندہ دسویں تاریخ کو شملے جائے گا۔ وہاں والسرائے کے پرائیوٹ سیکرٹری صاحب سے مل کر مہینہ بیس روز کے بعد واپس آئے گا۔ اور ایک ہفتہ دہلی میں رہ کر حیدرآباد کے راہ خرچ کا انتظام کر سیدھا حیدرآباد پہنچے گا۔ شاید کشود کار ہو آپ بس دعا کیجئے اور جو چیز شملے یا حیدرآباد کی مطلوب ہو بلا تکلف لکھئے بسر و چشم تعمیل ارشاد ہوگی۔ افسوس کہ کل کے پیکٹ میں نقشہ سواری اکبر شاہ ثانی و دربار نہ روانہ کر دیا خیر پھر دیکھا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ کو خوشی کی گھڑی میں یہ عریضہ ملے گا۔ فقط آپ کا مرہون احسان سید احمد دہلوی بقلم خود نظر ثانی معاف۔

(٥)

ریاض خیرآبادی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مکرمی!

کارڈ ملا۔ ریاض الاخبار کی بابت عرض کردہ قیمت قبول فرمانے کا شکریہ۔ ستمبر سے پرچے تلاش کر کے آج یا کل غالباً روانہ کر دوں گا۔ مگر دیکھیے گا۔ ناگوار نہ ہو، میری اصحاب روش جرأت دلاتی ہے ورنہ بقول میرے ؎

میں جانتا ہوں زرطلبی کو کمال عیب دینا رداغ ہے مرے دستِ سوال کا

اگر میرا یہ فعل کچھ بھی گراں ہو تو بے تکلف واپس کر دیجیے گا میں ناداں کو سزا اور قصور سمجھ کر پھر وہی پرچہ پوسٹ روانہ کر دوں گا۔ یہ امر کچھ زیادہ ہے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے صرف رائے کا اظہار کیا تھا ع

ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

آپ کو ضرور مجھ سے دلی اُنس ہے۔ اس قدر متاثر ہوں کہ بے تکلف آرزوئے یکجائی کر بیٹھا۔ آپ میرا خیال صحیح سمجھیں بات یہ ہے کہ میں زر سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اوّل تو بالکل تہی کیسہ چہ خوردہ بامداد فرزندم کی ہر وقت فکر دردسرے محض تنہا ہے تجارتی کام تنہا جب ہی چل سکتے ہیں کہ انسان فارغ البال ہو صیغۂ ملازمت وسیع ہو۔ معانی

ننگی تلوار اور ہیں لاغر کیا نچوڑے گی کیا نہائے گی

یکجائی کا کوئی مناسب طریقہ ممکن ہوتا تو آپ کی ذاتی مالی وعنایت سے ایک مرتبہ زمین سر پہ اوٹھا لینے کی کوشش کی جاتی۔ مگر یہ حسنِ اتفاق کہاں ممکن۔ پریس ضرور قائم کیجیے صرف گلدستہ کے لئے۔ تجارتی چھپائی یا اخبار نکالنے کو مارہرہ بہت ہی چھوٹا مقام ہے بہرحال کچھ کرتے رہیے، خصوصاً نام آوری کے کام۔ طرح میں غزل نہ دوں مگر بہت ہی امتیاز خاص چاہتا ہوں یہ آپ کا کام ہے ریاض خلیل کے ذریعے پبلک کے روبرو جس طرح چاہے مجھے نمایاں کیجیے۔ آپ وفورِ اخلاق سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ آدمی جگت کے پچھے پُرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیجیے۔ تصویر پھولوں سے لدی ہوئی شائع کیجیے یہاں تک کریں کہ دنیا میں میرا کوئی ثانی نظر آئے نہ جب کلام پر نظر پڑے گی تو سب مسرت افسوس سے بدل جائے گی آنکھ میں آنسو آجائیں گے۔ کلام اس قابل ہوتا تو نذر کا مضائقہ نہ تھا۔ نہیں حضرت نہیں۔ واللہ مجھ کو آپ مخلصی سادگی کے ساتھ معمولی درجہ کے شعراء کی آخری حالت میں لیجیے۔ یہ باہم جا

کی تقیں۔ میں غزل ضرور بھیجوں گا میرے نام کے ساتھ زائد الفاظ نہ ہوں گے صرف ریاضؔ کافی ہوگا۔ دعوئ تو اس ٹھاٹ سے کر رہا ہوں کہ غزل بھیجوں گا اور قصد یہی ہے مگر غزل بھی تو ہو جائے۔ آج آپ نے محبت جتا کر یہ ابہت ہی وقت لیا خدا آپ کا بھلا کرے باتوں میں چند منٹ دل خوب بہلا۔ اب نہ وہ ہم نہ ہماری حالت فکر دنیا کھا گئی کچھ روز سے اور عالم ہو گیا ؎

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں　　نکہتِ گل تو ٹھٹی تو نشو رعنا دل ہونا

پژمردہ ریاضؔ ۷ نومبر ۱۸۹۶ء

(۲)

[illegible] مارہروی

مکرمی!

کارڈ ملا۔ افسوس میری کیفیت سے آپ کو آگاہی نہیں۔ دو سال سے میں اخبار کی خدمت بوجہ معذوری کچھ نہیں کر سکتا اخبار حکیم برہم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ غالباً آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ وہ جناب داغؔ مرحوم سے کس قدر خلاف تھے اور جلوۂ داغ سے زیادہ۔ مگر مرحوم کے انتقال کے بعد انہوں نے نکتہ چینی سے احتراز کیا۔ اشتہار حسب ہدایت درج ریاض الاخبار ہوگا۔ اگر آپ سے برہم صاحب سے خط و کتابت نہ ہو تو ضرور خط و کتابت کیجئے۔ وہ جلد صاف ہو جانے والے شخص ہیں۔ میں اون سے کہوں گا کہ اگر ریویو لکھیں تو ان کی مصلحت پر نظر رکھیں۔ آپ ایک کارڈ ان کو براہِ راست بھیج دیجئے۔ میں اون سے زیادہ دور رہتا ہوں۔ کم سے کم دو میل کے فاصلے پر۔ دیوان آیا، وہ حکیم برہم صاحب کے پاس ہے آپ ایک جلد مجھ کو بھیج دیجئے مگر انہی کی خدمت میں انہی کے نام پر ہو۔ میں پرسوں مراد آباد جاؤں گا کوشش کروں گا کہ آیا ہوا دیوان مانگ کر ساتھ لے جاؤں کہ ریل پر سفر میں دیکھنے کا موقع ملے۔ میں جلد آپ کو دوسرا خط بھیجوں گا۔ والتسلیم زیادہ حد۔

ریاضؔ۔ ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

(۳)

[illegible] مارہروی

مالجناب!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ آپ کے نوازش ہائے بے پایاں کا شکریہ۔ ۷ رکا وی پی ابلاغ ہے۔ اور وہ ہر جنوری سے مسلسل پرچوں کا پیکٹ بھی جاتا ہے اور جنوری کے سابق اخبارات میں واقعات انیس یا میر انیس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی روانہ ہیں۔ مجھے تو آرزو ہی تھی کہ آپ فصیح الملک لکھنؤ سے نکالتے اور ریاض الاخبار کی اڈیٹری کا چارج بھی اپنے ہاتھ میں لیتے۔ مجھ سے اب لکھا پڑھا نہیں جاتا۔ چاہتا ہوں ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

میرا بہت زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔ بہرحال میں آپ کے لئے ضرور تازہ غزل کا اہتمام کروں گا۔ آپ نہیں جانتے میرا وقت کیسی پریشانی میں گذر رہا ہے ورنہ آپ سا مہربان قدر داں مجھ سے فرمائش کرے اور میں تعمیل نہ کروں۔

ریاضؔ از حسین آباد مبارک لکھنؤ ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء

بنام احسن مارہروی

(۴)

شفیقی احسن!

کبھی کسی رسالے کو غزل نہیں بھیجی ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گزشتہ ہفتے میں کہی تھی، جو شاید بھول جاتا تھا۔ آج فصیح الملک نے یاد تازہ کر دی۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور جو صلہ بڑھانے والی انشاء اللہ فصیح الملک میں ملے کسی شعر میں کچھ تامل ہو تو مجھے لکھ بھیجئے۔ واقعات پر تنقید دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ سنتا ہوں کل معیار شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھوں گا۔ میری یہ غرض [illegible] کہ آپ کی طرفداری کروں یا صاحب واقعات کی۔ مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔

نیازمند سید ریاض احمد ریاض۔ ۱۹ مارچ ۱۹۰۹ء

میں شکر گزار ہوں ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انہیں ہیں ذیل کے پتہ سے بھیج دیجئے۔ شاہ نظام الدین صاحب دستگیر آگرہ۔ میو سکا کٹرہ۔

بنام جناب جگر صاحب

(۵)

عالی جناب جگر صاحب!

آقائے سخن و تسلیم کی گرانمایہ ہستی سے نہ صرف گورکھپور بلکہ ہندوستان خالی ہو گیا۔ مرحوم کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔ میں بھی آپ کی سنجیدہ وضع اور مذاق سخن کو سراہتا ہوں۔ میری گرویدگی کو اور بھی اس لئے ترقی ہوئی کہ آپ نے حکیم امیر احمد امیر کے ساتھ وہ شفقت روا رکھی جس کی توقع آپ کی ذات ستودہ صفات سے تھی۔ خدا کرے وہ روز افزوں ترقیاں آپ کے فیض سے حاصل کریں۔ خداداد دن لائے کہ انجم کے چھوٹے بھائی مولوی خلیل احمد تسنیم بھی گورکھپور پہنچ جائیں۔ دونوں آقائے سخن کی اچھی یادگار ہیں۔ میں نظر صاحب کو بھی نگاہ امتیاز سے دیکھتا ہوں۔ عیوب سخن پر دو کافی نگاہ رکھتے ہیں اور زیادہ قابل قدر ہیں۔

میں ہمیشہ آپ کی یادتازہ رکھتا ہوں اور اس کے معاوضے کا خواستگار نہیں ہوں۔ انشاء اللہ جلد حاضر ہوں گا۔

نیازمند ریاض ۱۲ ستمبر ۲۹ء

بنام دل شاہجہان پوری

(۶)

مکرمی!

۴ جولائی ۳۳ء کے کارڈ سے یاد فرمائی و عزت افزائی کا شکر گزار ہوں۔ بیمار تھا جواب میں تعویق ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔ مستقل جائے قیام خیرآباد ہی ہے لکھنؤ کبھی دو چار روز کیلئے چلا جاتا ہوں۔ بہت ضعیف ہو گیا ہوں آلام و افکار نے مردہ بنا رکھا ہے۔ "نغمۂ دل" کی اشاعت سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ مقبول عام ہو گا اب تو شاعری اور زبان کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔

سیف کے جلوئے کا بہت افسوس ہوا گو وہ مزاج کے کیسے ہی تھے بہرحال اچھے تھے کبھی مجھے یاد کرتے گمان کے انتقال کی تفصیل بھی لکھئے گا۔

ساون میں خاک اُڑ رہی ہے دو ہفتے سے بارش نہیں ہوئی۔ اللہ رحم کرے۔

ریاض۔ خیرآباد (اودھ) ضلع سیتاپور۔ ۷ جولائی ۳۳ء

چودھری فتح محمد صاحب شیفتہ بی۔اے　　(۷)

عالی جناب چودھری فتح محمد صاحب بالقابہ!

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کے کلام کی　　وہ کون ہے ریاضؔ کو جو جانتا نہیں

عنوان تو شاعرانہ تعلّی ہے مِن آنم کہ مَن دانم حقیقت اتنی ہے کہ "ریاض الاخبار" ہفتے میں دوبار، "فتنہ" ہفتہ وار، "تاربرقی" روزانہ، "عطر فتنہ" ہفتہ وار، "گلچیں" ماہانہ، "صلح کل" روزانہ۔ یہ سب میری ایڈیٹری اور ملکیت میں برسوں شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں اخبار کم تھے "کوہ نور" پنجابی لاہور سے، "اودھ اخبار" روزانہ لکھنؤ سے، "لارنس گزٹ" ہفتہ وار میرٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ میرے نام اور تخلص کی شہرت کا یہی سبب تھے یعنی وہ پرچے جنہیں میں نکالتا تھا۔ سر عبدالقادر صاحب قریب قریب اسی زمانے کے بزرگ ہیں یقیناً خط و کتابت کے ذریعے سے میرے شناسا ہیں نیز ان کی تحقیق، تدقیق و ذکاوت و ذہانت اور عالمانہ وسیع معلومات کا مدّت سے معترف ہوں۔ سر اقبال شاعرانہ حیثیت سے مجھے جانتے ہیں اور اخباری حیثیت سے بھی۔ مجھے اس وقت مرحوم گرامی کی یاد بے اختیار آئی۔ وہ مجھ سے حیدرآباد میں اس وقت ملے تھے جب میں سر مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کا مہمان تھا۔ میں ان کی فارسی شاعری کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں کہ سر اقبال کی اردو و فارسی شاعری کا احترام ان کے بلند خیالات کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں فرق کے ساتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سر اقبال کے بلند خیالات نے ان کے ہر مصرع کو ہمالیہ کی بلند چوٹی کا ہم پایہ زری بنا دیا ہے۔

پچاس سال ہوئے سرسید مرحوم نے زندہ دلان پنجاب کا فقرہ لکھ کر پنجاب کو اور صوبوں سے امتیازی حالت میں ظاہر کیا تھا ممکن ہے اس وقت کی تعلیمی دلچسپیاں لاہور کو گل سرسبد بنائے ہوں مگر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اصناف میں پنجاب نے اپنی زندہ دلی سے قابو حاصل کر لیا۔ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے ؎　　ریاضؔ

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی

ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

مجھے بہت زیادہ حیرت زبان کی ترقی پر ہے۔ پنجاب کے شہری افراد ہوں یا اہل تصنیف و تالیف، روزانہ ہفتہ وار پرچے ہوں یا ماہوار شائع ہونے والے رسالے، قریب قریب کیسی پاکیزہ اُردو ساختہ و بے ساختہ زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ پنجاب ٹکسالی اردو میں بھی دہلی و لکھنؤ سے قریب قریب یکسانیت حاصل کر لیتا مگر ٹکسالی زبان تو بوجوہ اپنے خاص گھروں سے رخصت ہو رہی ہے پھر بھی مایوسی میں امید کی جھلک اس اعتبار سے نظر آ رہی ہے کہ زندہ دلان پنجاب اگر ٹکسالی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے تو ضرور اس پر بھی قابو حاصل کر لیں گے۔ وہ ٹکسالی زبان جو غالبؔ و انیسؔ کا حصّہ سمجھی جاتی ہے اور زمانہ سر سید سلطان نواب بہادر میر ناصر علی مرحوم مدیر صلائے عام کا جو حصّہ ہو گئی تھی ضرور ٹکسالی اُردو کی نظم کو امیرؔ، داغؔ، جلالؔ نے چار چاند لگائے ہیں۔ پنجاب کاش ادھر بھی توجہ فرمائیں۔ جو زبان اسکولوں اور کالجوں میں اور ابتدائی مکاتیب میں داخل درس ہو چکی ہے اور ہوتی جاتی ہے خاص توجہ سے ٹکسالی زبان ہو سکتی ہے ورنہ تا شر تامی رود دیوار کج کی مصداق جیسی اب ہے آئندہ بھی رہے گی۔

میں آپ کو کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھ گیا گویا کسی اخبار کے لئے بہ امید معاوضہ کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ مجھے جناب کو

آپ کشمیر کے حاکم ہیں فارن سیکرٹری ہیں۔ نہایت اعلیٰ نفیس پٹی گرم بھیجیں گے۔ کوٹ اور پتلون [illegible]
پچھلے سال علامہ سر اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ اقبال و گرامی کشمیر کی سیر کریں مفتی کشمیر کی [illegible]
گرامی جالندھری میری قبر پہ آیا ہے۔ گرامی کی بدقسمتی کہ وہ کاہلی کی آغوش میں بیخود رہا۔

کاہلی کت شکند استخواں　　　تشنگی آتش بیخ زہے ناتواں

گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے۔ آئندہ سال کا وعدہ نقش بر آب ہے۔
خدمت عالی حضرت ناظر[1] صاحب کا نایابہ نہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا سلام کہہ دیجئے۔
خدمت اقدس حکیم مسیح الملک بہادر رئیس اعظم دہلی، گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

گرامی

رباعی: ما را از ما مگر نداد ند برات　　　وا از تنگی کشاکش موت و حیات
نگذاشتن کہ یک نفس نخود پردازیم　　　فریاد افسوس آہ حسرت ہیہات　　　گرامی

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب

(۳)

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب تسلیم۔
گرم پٹی پہنچ گئی۔ پنڈت دیوی چند صاحب رئیس اعظم جالندھر نے میرے پاس پہنچا دی۔ نہایت عمدہ خوشنما [illegible]
پٹی ہے۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر قیمت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیج دوں۔ آپ نے
گرامی کی فرمائش پوری کی۔ گرامی کی عرض یہی قبول کیجئے وہ یہ کہ قیمت سے اطلاع دیجئے۔ روپیہ بھیجا جائے گا۔ آپ [illegible]
بار شاطر ہے نہ بار خاطر۔ گرامی آپ کا رہین منت ہے۔
ایک غزل خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ جناب چودھری صاحب بہادر حضرت ناظر کو بھی دکھا دیجئے۔ [illegible]
کی نسبت وہ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ بھی اس غزل کی نسبت اپنی رائے دلآویز کا اظہار کیجئے۔ یہ غزل سر اقبال [illegible]
راجہ دلجیت سنگھ صاحب بہادر رئیس اعظم جالندھر تقاضا کر رہے ہیں کہ رباعیات گرامی مجھے [illegible]
ہم سردار امراؤ سنگھ صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کرائیں گے اور ڈاکٹر سر اقبال لکھ رہے ہیں کہ رباعیات کا انگریزی [illegible]
ترجمہ کروں گا۔ فرمایئے آپ کی رائے صحیح کیا ہے[2]۔ والسلام

گرامی

---

[1] چودھری خوشی محمد ناظر (جوگی اور ناظر والے) مراد ہیں۔
[2] اتفاق سے، اس خط کا جو جواب پنڈت کیفی صاحب نے لکھا تھا، وہ بھی مل گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

مجلس ۔ ۱۸ ر دسمبر ۱۹۲۲ء

میرے محب مولانا گرامی کی خدمت میں سلام شوق۔ گرامی نامہ پہنچا۔ اس پٹی کی قیمت پوچھ کر آپ نے میرا دل [illegible]
اوّل تو وہ چیز ہی کیا ہے جس کی آپ قیمت پوچھتے ہیں۔ اور پھر یہ "بارِ خاطر" والا فقرہ سناتے ہیں حضرت! اسے ہدیۂ کیفی [illegible]

(۴)

[illegible] برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب

خدمت عالی حضرت کیفی صاحب۔ تسلیم

"خمخانۂ کیفی" گرامی کو مل گیا۔ میں کیا لکھوں کہ یہ میکدۂ معانی کیا چیز ہے۔ میرے دوست میرے عنایت فرمائے [illegible] باریک نظر جوہر فروش حضرت چودھری خوشی محمد صاحب ناظر ممبر کونسل کشمیر نے جو کچھ آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے [illegible] بہت صحیح ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیاں — جلوہ فرماست در آغوش زبان کیفی

[illegible] ہندو سار گرامی کے حواس خمسہ پنجاب کی نذر، گرامی کو خاک وطن ہی جذب کرے گی۔ داغؔ اور امیرؔ مینائی چشم براہ ہیں۔ حضرت کیفی صاحب صاحب، دہلی میں آپ کی یاد نے گرامی کو مضطرب کر دیا۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے [illegible] تکلف اور ادھ کھلے کی دعوت اور آپ کی یاد گرامی نہیں بھول سکتا۔

خدمت اقدس چودھری صاحب بہادر گرامی کا سلام پہنچا دیجئے گا۔

والسلام گرامی

[illegible] تصور فرمایئے اور آئندہ کشمیر سے جو کچھ درکار ہو، بلا تکلف ارشاد کیجئے۔

غزل کا شکریہ۔ کیا اچھا کہا ہے۔

رہ عشق است امید از زمیں یاس می معید — دریں صحرا دل ہر فتنہ یوسف بچہ حامد

[illegible] بڑھانے والا شعر ہے۔ غزل کتنی اعلیٰ استادانہ شان رکھتی ہے۔ مگر برائے خدا ایسے سکڑے قافیے نہ رکھا کیجئے۔ چودھری صاحب کے پاس مزید بھیجوں گا۔ اپنی چند نظموں کا مجموعہ جو احباب نے زبردستی چھپوا دیا ہے بھیجتا ہوں۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ صرف ایک فارسی غزل کی گنجائش نکلی۔

رباعیات کے ترجمے کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، سو میری رائے یہ ہے کہ سردار امراؤ سنگھ میں وہ سب مزید اوصاف موجود ہیں جو اس ترجمہ کے لئے چاہئیں اور وہ دل دے کر ترجمہ کر بھی دیں گے۔ ڈاکٹر اقبال بھی اس کام کے ایسے ہی اہل ہیں لیکن ان سے پوری پڑتی نظر نہیں آتی۔ یہ ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔

لاہور آنا ہو تو لکھئے گا۔ واللہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ والشوق

برج موہن دتاتریہ کیفی

[illegible] حاشیہ کیفی صاحب نے یہ چند لفظ قلم بند فرمائے ہیں:

میں نے حضرت گرامی کو ایک نسخہ اپنے مجموعۂ نظم "خمخانۂ کیفی" کا بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ خط اور رباعیات بھیجی ہیں۔ ان کے کلام نے یہ رنگ ابھی اختیار کیا ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔

برجموہن دتاتریہ۔ سری نگر کشمیر

۲۰ اگست ۱۹۲۴ء

رباعیات

(۱)
ما بیخود و آرزو بخود راه دهد — خود المه دگو شمال آگاه دهد
سررشتهٔ تدبیر بدست ... — گاهے بربام گاه در چاه دهد

(۲)
برهم زدن کار ما بیه کاری ماست — خونریز امید ما گنه گاری ماست
در موت و حیات نعل ما از رن زده اند — بیداری ما خواب و خواب بیداری ماست

(۳)
می میرم و دیده اشکباری دارد — دل خون شده یا نفس شماری دارد
اے چاره شناس کار با مرهم نیست — این صید بسینه زخم کاری دارد

(۴)
فریاد که عمرم همه برباد آمد — ناکردنی واز نسیم یاد آمد
کارے که نکردنی ست کردم چه کنم — فریاد که زیاد بفریاد آمد

(۵)
اے روح بجسم زار نالی تا چند — در بند قفس شکسته بالی تا چند
بر برزن و برفراز سدره نشیمن — در مرکز نقطه خاک مالی تا چند علہ

(۶)
خود را یک چند پاسبانی کردیم — یک چند بخویش مرگرانی کردیم
از بیم و امید پائے در زنجیرم — در پهلوی مرگ زندگانی کردیم

(۷)
ما رخت ز شهر بند هستی بستیم — از خویش گسستیم و باو پیوستیم
در میکدهٔ بیخبری باخبریم — در مکتب عین هوشیاری مستیم

(۸)
دل بستگی خون طراز دگرست — دل گرمی ذوق دلنوازی دگرست
این بازی عشق نیست بازیچه ست — بازی دگرست عشق بازی دگرست

(۹)
دنیا چه اسیر نهانی مائیم — در خورد جواب لن ترانی مائیم
جولان گه ما خط وجود و عدم است — بازیچهٔ مرگ و زندگانی مائیم

(۱۰)
الله الله چه زبانست زبان کیفی — کیست جز ناظر مرتبه دان کیفی
چه فصاحت چه بلاغت چه معانی چه بیان — جلوه فرماست در آغوش زبان کیفی

یہ رباعیاں حضرت ناظر صاحب کو دکھلا دو۔ کیا ان کے پسند ہیں۔ میں حضرت ناظر اور علامہ ...

علہ اس رباعی پر پہلے جناب چودھری خوشی محمد ناظر نے لکھا ہے۔ "احسنت احقر ناظر" اور حاشیہ پر [illegible] قلم بند فرمایا ہے ؎

"یہ جو فرش اسفلِ خاک ہے، یہ نجاستوں کی مغاک ہے
مرا سجدہ پایۂ عرش پر، مری لامکاں میں نماز ہے
احقر ناظر"

(۴)

(۵)

(Subscriber)

(SONNITS)

(۲)

بنام [illegible] میرٹھ

مجمع فضائل و فیوض جناب خلاصہ خاندان مصطفوی و مرتضوی دام مجدکم!

بعد گذارش آداب و تسلیم عرض ہے کہ محبت نامہ وارد ہوا۔ دریافت خیریت سے مسرت قلبی حاصل ہوئی۔ خدائے تعالے آپ کو ترقی و اقبال کے ساتھ ہی وقائم رکھے۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ آپ کی لقائے صوری کے بعد جب سے میں وطن کو کلکتہ سے واپس آیا انواع اقسام کی تکلیفات روحی و جسمانی میں مبتلا رہا اور اس وقت تک بلاؤں سے نجات نہیں ملی ہے۔ دو مہینے سے ہز ہائنس نواب صاحب فرمانروائے رام پور کا مہمان ہوں۔ یہاں تقریب نکاح سے ہمرکاب آیا ہوں۔ نہیں معلوم کہ کب تک وطن کو معاودت کر سکوں گا۔ وطن کی یہ حالت ہے کہ دس مہینے سے نیورہ نہیں گیا ہوں۔ میں اپنی پریشانیوں کو کیا عرض کروں۔ آپ کی تصنیف شریف کتاب ہے۔ ساتھ نہیں ہے۔ اس پر ریویو لکھنے کا مجھے کوئی موقع حاصل نہیں ہے۔ البتہ گیا جا کر تعمیلِ حکم کر سکوں گا۔ اس وقت امیدوار معافی ہوں۔ فقط زیادہ حدِ ادب!

دعاگو، امداد امام عفی عنہ کیمپ بڑگا ڈانڈی رام پور اسٹیٹ (یو۔ پی)
مورخہ ۴ مارچ ۱۹۱۳ء

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

معظمی و محتشمی دام مجدکم!

تسلیم بعد تکریم۔ نوازش نامہ مصدرہ ۱۹ اگست ورود ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ قبول ہو۔ میں اپنی تصنیفات سے ایک ایک نسخہ معیار الحق اور بہارستان سخن جلد دوم کا ارسال کرتا ہوں۔ ایک کاپی شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات کی جو بزبانِ انگریزی ہے روانہ خدمت ہوتی ہے۔ کتابیں فقیر کی تصنیفات سے بہت ہیں مگر اس وقت موجود نہیں ہیں۔ بہرحال بہارستانِ سخن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر طرح کے مضامین داخل ہیں۔

ایک غزل اس وقت حاضر خدمت کرتا ہوں۔ ؎

اپنی آنکھوں میں کھُبے خود رُخِ زیبا ہو کر — آپ کو دیکھتے ہیں آپ تماشا ہو کر
شوق سے پیس تنِ زار کو زیرے اے چرخ — چشمِ عالم میں جگہ پاؤں گا سُرما ہو کر
دیکھ ثابت قدمی اہلِ وفا کی اپنے — تیرے کوچے میں رہے نقشِ کفِ پا ہو کر
اپنے مطلب کا ہوا کرتا ہے دیوانہ بھی — قیس صحرا کو گیا کرچۂ لیلےٰ ہو کر
طرفہ یہ بھی ہے کوئی انجمن آرائی کا — انجمن سے ہو نہاں انجمن آرا ہو کر
پردہ داریٔ محبت کی نزاکت دیکھو — چشمِ یوسف میں پھری خوابِ زلیخا ہو کر
ایک جانب سے محبت نہیں باقی انجام — میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر

(۸)

(۱)

(۳)

بنام صغرا بیگم ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تعالیٰ

تسلیم۔ آپ دونوں صاحبوں کا تشریف لانا باعث مسرت ہوگا۔ یقین ہے کہ میرے یہاں جو ماحضر موجود ہوگا اوس سے بھی آپ تکلف نہ فرمائیں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اس درمیان میں نہ آسکا۔ قصد مصمم تھا مگر مہلت نہ ملی۔ میرے گھر میں سلام کہتی ہیں۔

سید علی حیدر طباطبائی

(۴)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تسلیم!

اس سانحۂ جانگداز کو سن کر نہایت قلق ہوا۔ خدا دشمن کو بھی اس غم میں مبتلا نہ کرے۔ تاریخ کہہ کر بہت جلد بھیج دوں گا۔

خداوند کریم آپ کو خوش رکھے اور دنیا کے مکروہات سے محفوظ۔

میرے گھر کے لوگ اور لڑکیاں تسلیم کہتی ہیں۔

علی حیدر طباطبائی

(۵)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

لکھا صغرا ہمایوں مرزا نے　　بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زباں اون کی ہے موج آب کوثر　　قلم اون کا ہمایوں ہما بال
عبارت ہے کہ تصویریں کھچی ہیں　　مطابق کس قدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا جغرافیہ ہے　　یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیل اوس کی سمندر آسمانی　　پہاڑ اوس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی　　کریں جو نوح کے طوفاں کو پامال
جو ہیں ان وادیوں کے رہنے والے　　پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں جوں برس ایسے ہیں موجود　　جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فارغ البال
وہ باغات اوس کے شاداب و معطر　　وہ نہریں جن میں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا　　رخ ہندوستاں پر خوش نما خال

علی حیدر طباطبائی

(۶)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

ملازمان سرکار مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ!

میں اس وقت سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں کہ ان کی ملاقات سے سرکار نہایت محظوظ ہوں گے۔

جناب دلو رام صاحب کوثری جن کی نظمیں قومی اخباروں میں گل فشانی کرتی رہی ہیں فراخ دہلی کے رہنے والوں میں ہیں۔ آپ کا مذہب وشنوی ہے۔ موحد کامل ہیں اور مذہب اسلام کے بڑے مداح ہیں۔ اہل ہنود میں ایسے حق پرست بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ نعت و منقبت میں ان کا کلام سننے کے قابل ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور بڑے بے تعصب خیالات رکھتے ہیں ان کو شرف حضوری حاصل ہوگا تو خیر اندیش نہایت ممنون و شکر گذار سرکار دام اقبالہٗ کا ہوگا۔

عریضہ

خیر اندیش حیدر یار جنگ طباطبائی

[illegible] کام کرنے کا خواب دیکھتے ہیں تو ہارون و مامون کے دربار کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آتا یعنی وہ یہ منصوبے باندھتے ہیں کہ جب
بغداد کا دربار آراستہ ہوا اور ہم شان و شوکت کے ساتھ اس میں جا کر پایۂ تقرب پکڑے ہوں تو اس وقت علی گڑھ میں یونیورسٹی کے واسطے
[illegible] وقف حاصل کریں جس کی آمدنی کیمبرج اور آکسفورڈ کو ان مدارج میں گرد کر دے لیکن آہ بغداد کا دربار نہیں ہم میں ہر کی عروج کا کچھ شائبہ نہیں پھر ہم
قومی خدمت کیا کر سکتے ہیں جب اس خواب سے آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے دماغ کو اس مریض کے دماغ کی طرح خستہ اور مضمحل پاتے ہیں جس نے ابھی کسی دائمی
دورے سے نجات پائی ہو۔ اور اس خواب کا سوائے اس کے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ چند روز تک خواب دیکھنے کے لائق بھی نہیں رہتے۔ سبب وہ [illegible]
خواب دیکھنے لگتے ہیں تو اس کا خیال نہیں کرتے کہ بغداد کا دربار درباریوں کے عروج نے نہیں سجایا تھا۔ بلکہ وہ ان پاک دل کارباریوں کی محنت
کا ثمرہ تھا جو راہِ خدا میں جان لڑا گئے تھے۔ اگر ہم بھی پاک دلی سے قومی خدمت کے لئے مزدور بنیں تو پھر عظمت قومی اور شوکت ملکی کا دربار سج
جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم مزدوری کرنے کہاں جائیں۔ جواب یہ ہے کہ جہاں ہم ہیں وہیں مزدوری شروع کر دیں قومی عمارت کا سلسلہ راس
کماری سے ہمالیہ تک بلکہ دنیا کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ مزدور نہ ملنے سے کام بند ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سنیئے۔ آمدم بر سر مطلب
سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم قومی عمارت کے ایک جزو ہیں لہٰذا یہیں سے کام شروع کر دیں۔ لڑکے ہیں تو تحصیل علم کریں تحصیل کے لئے
ضرور نہیں کہ کالج میں یا یورپ میں جائیں باہر جانے کی وسعت نہیں تو گھر پر پڑھیں مکتب نہ ہو تو بھاگ دوڑ کر جو خواندہ مل جائے اس سے سبق لیں کوئی نہ ملے تو بیٹھے
بٹھائے کے گر ہی سیکھیں۔ اگر ایسے کورے ہیں یا جہاں کوئی پڑھا لکھا نہیں تو جو کام گاؤں میں ہوتے ہیں ان کو سیکھیں۔ ہل جوتیں لوہار کا کام کریں۔
تجارتی حاصل کریں۔ غرض کچھ کریں یہ کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ہم اس حسرت میں وقت کھو دیں کہ ہم کو وظیفہ ملتا اور کالج میں جا کر پڑھتے۔
اور ہم جوان ہیں۔ گھر میں بیوی ہے بچے۔ بڑی بوڑھی ماں ہیں۔ رہنے کو مکان ہے۔ تھوڑی سی معاش بھی ہے۔ جہاں ہم رہتے ہیں وہ شریف مسلمانوں کی
بستی ہے جو گزشتہ تاریخ بھی رکھتی ہے۔ ہم درد اچھا بھی ہے۔ دوست احباب بھی ہیں ہم کچھ لکھے پڑھے بھی ہیں صحبت کی بدولت مسلمانوں کی موجودہ
اور دوسری قوموں کی حالتوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ بس اب تو بے انتہا کام ہم کو کرنا ہے جس سے ساری عمر فرصت نہیں ہو سکتی۔ ہم کو اول
نیک دلی اور وسعت خیالی اور تحمل کی عادت اپنے نفس میں پیدا کرنی چاہئے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں سے جن سے ہم کو سابقہ پڑے محبت
[illegible] کے ساتھ مل سکیں گے۔ کفایت شعاری سے زندگی بسر کر سکیں گے ہمدردی و محبت ملنے والوں کو ہمارا گرویدہ کر دے گی۔ کفایت شعاری
اطمینان قلب پیدا کرے گی۔ اب ہم گھر میں جاتے ہیں تو بیوی کو علم کا شوق دلاتے ہیں۔ ضرورت ہو تو اس کو لکھنا پڑھنا بتاتے ہیں۔ رسوم بے جا کی
برائی ذہن نشین کرتے ہیں۔ احکام دین کی پابندی کی تفہیم کرتے ہیں۔ جو نقائص عورتوں کی طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں ان کے مقابلے نرمی سے جہاد کرتے
ہیں۔ لڑکی کی تعلیم کی فکر کرتے ہیں یعنی اس کو کم سے کم جو ممکن ہے لکھاتے پڑھاتے ہیں۔ سینا پرونا سیکھنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ بڑھی ماں سے [illegible]
پیشانی مل کر [illegible] ہیں سعادت مندانہ بات چیت کرتے ہیں جو خدمت قابل سر انجام ہو وہ انجام دیتے ہیں مکان کی صفائی کا اہتمام رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ
[illegible] بستی [illegible] کئی خدمتیں انجام دی [illegible] تعلیم [illegible] مادی ترقی حفظ صحت وغیرہ بہت سے کام کیجئے۔ دوست احباب سے ملنے گیا
تو ان سے ان کا [illegible] سنتے ہیں ان کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں [illegible] ان کے۔ سچ سے مقدم [illegible] اور یہ منافقانہ نہیں خلوص [illegible] دیکھتے ہیں کہ ان کو
کس خدمت کی ضرورت ہے اس خدمت کو بخوش اسلوبی ادا کرتے ہیں۔ فرض کیجئے ہمارا دوست خوش حال ہے لڑکے کی تعلیم سے بے پروا ہے اس
کو اس طرف توجہ دلائیں گے یا وہ بے جا تکلف [illegible] سمجھائیں گے۔ فضول خرچ ہے تو کفایت شعاری کی ترغیب دیں گے۔ فیاض
ہے تو اسے مفید کاموں میں صرف کرنے کا شوق دلائیں گے۔ [illegible] اس کے ساتھ ہی یہ توقع نہ کریں گے کہ ایک بار کی فہمائش و فرمائش بارآور

ہو گئی ہے۔ اس سے ملول ہوں کہ کہ دوست نے ہماری نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ فرض کیجئے ہمارا دوست مفلوک ہے اس کی بے کاری کو رفع کرنے [illegible]
کریں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اپنے ہمدردانہ برتاؤ اور کلام سے اس کی مصیبت کے ہلکے کرنے کی کوشش کریں یہ بھی تھوڑی ہمدردی نہیں۔ بھائی سے برادرانہ
شفقت کا برتاؤ رکھیں اس کی ناز برداری کریں اپنے اور اس کے حقوق کو برابر سمجھیں تنگ دلی سے کام نہ لیں۔ اس طرح دوسروں کے لئے ہمدردانہ
قائم کریں۔ دریں صورت کا وقت مطالعہ وغیرہ علمی مشاغل میں صرف کریں۔ شادی وغیرہ تقریبوں میں شریک ہوں تو سب سے اول ایسا شگفتہ مزاج [illegible]
کہ صاحب تقریب کو ہماری مہمانداری میں وقت پیش نہ آئے۔ بلکہ مہمانوں کی آسائش کی فکر نہ کریں تو بھی ہم نہ بگڑیں اور اس حسرت دل میں گھر کئے ہیں
کر کے کچھ مناسب حال الفاظ اس کے کان میں ڈال دیں جو تاکہ اس تقریب میں کام بنائے تو آئندہ آئیں گے۔ یہ بھی نہ سہی تو ہمارا [illegible]
دوسروں کے لئے نظیر ہوگا۔ نظیر شی نہ ہوا تو ہم اپنے فرض سے ادا ہوں گے۔ نیز ایک پریشان حال بندۂ خدا صاحب تقریب کی ہمت
بڑھائی گئے۔ ہمارے محلے میں جو مسلمان خاندان ہیں ان کو ہم صفائی معاملہ کی ترغیب اس طرح دلاتے ہیں کہ جو ہمارا معاملہ اس سے ہو اس میں صفائی
رکھیں اور ان کے ساتھ سہولت کا برتاؤ کریں۔ موقع موقع سے ہمت استقلال کے متعلق دو چار لفظ بھی ان کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اپنی بستی کی گزشتہ
تاریخ کے مرتب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ سبق تحریراً و تقریراً ابنائے زمانہ کو سناتے ہیں۔ بزرگوں کی علمی یادگاروں کو جو ہماری
دسترس کے اندر ہوں قائم و محفوظ رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور اس سب کچھ کرنے کے بعد جب (بالفرض) ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو کوشش ہم نے کی
بالکل بار آور نہیں ہوئی بلکہ سب بیکار غارت گئی تو یہ ہم خیال کر کے مطمئن رہتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا اور یہ اطمینان ہم کو کوشش میں
مصروف رکھتا ہے۔ میرے مخدوم! اگر ہم نے اپنی زندگی اس طرح پوری کی تو کیا ہم بے کار رہے اور کیا کاہلی اس کا نام ہے کہ ہم نوکری کے پابند
ہو کر بیکار ہو جائیں۔ بدر از آشفتگی معاف فرمائیں۔ والسلام بالاکرام۔ خاکسار حبیب الرحمن

حبیب گنج ۴ جنوری ۱۹۰۲ء

۲

بنام خواجہ الطاف حسین حالی

جناب خواجہ صاحب سرآمد کملائے عصر

سلطنت کے خطاب پر اہل کمال کو مبارکباد دینا فی الحقیقت ایک سخت مرحلہ ہے میں نے کلکتہ میں جتنے اور جیسے شمس العلماء دیکھے ہیں ان [illegible]
کہ آپ سے اہل کمال کو اس خطاب پر مبارکباد دینے کا حوصلہ کم باقی رہا ہے۔ جہاں غیر مستحقوں نے کسی نہ کسی طرح اس خطاب کے پانے میں [illegible]
حاصل کی ہے وہاں مولوی فیض الحسن صاحب، مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی، مولوی شبلی صاحب بھی کسی نہ کسی طرح اس زمرہ میں آ گئے [illegible]
میں اس پر شکوہ گروہ کو آنکھوں سے لگا کر آپ کو شمس العلماء ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں خداوند تعالیٰ آپ کے فیض کے انوار سے ملک و قوم کو
عرصہ دراز تک روشن رکھے۔

نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علیگڈھ ۳۰ جون ۱۹۰۴ء

۳

بنام نواب وقار الملک صاحب بہادر مرحوم

جناب والا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامے نے معزز کیا۔ کل پنجشنبہ کو تصد روانگی تھا مگر لڑکے کے پاؤں میں انگوٹھے کی نوک پک گئی اس لئے ایک روز کا توقف مناسب معلوم ہوا۔ اب کل انشاء اللہ شنبہ کو بوقت صبح یہاں سے روانہ ہو کر شام کو پانچ بجے علی گڈھ سے ریل میں سوار ہونے کا ارادہ ہے۔ اس طرح انشاء اللہ دوشنبہ کو منصوری پہنچوں گا۔ بیچ ایک روز ڈیرہ دون آرام دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ راستہ سے انشاء اللہ بذریعہ تار کے جناب کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ بحمد اللہ کہ یہاں خیریت ہے۔ بفضلہ امید ہے کہ عزیزی مشتاق احمد سلمہ کو آپ ہمراہ لئے کہسار راس آرہی ہوگی۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

۱۹۱۴ء

۴

بنام سید محمد عابد جلدبری

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامے کا شکریہ حضرت امیر خسرو کی لائف کا مسئلہ ابتدائے قیام انجمن اردو سے پیش نظر رہا ہے۔ علامہ شبلی مرحوم جب سیکرٹری تھے اس وقت بھی توجہ دلائی گئی تھی اور بعض اہل قلم نے وعدہ کیا۔ میں سیکرٹری ہوا تو یاد دلاتا رہا۔ اسی عرصے میں علامہ شبلی نے دو کوششیں کیں ایک شعر العجم میں دوسری بیان خسرو میں۔ جہاں تک میری ناقص نظر ہے جو مواد ماخذ آ سکتا ہے حالات کے متعلق وہ صرف ہو چکا۔ جب تک کاوش سے اور زیادہ مواد بہم نہ پہنچایا جائے مزید واقعات نہیں مل سکتے۔ کلام کی بابت ایک کوشش کالج میں ہو رہی ہے اور بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے آپ اگر کام کرتے ہیں تو دوسری طرف دیکھئے ہیر زنڈ لیے شیر کرپنے کا سامان کیجئے۔ عشق حقیقی است مجازی مگیر + این دم شیر است بہ بازی مگیر

مقصد۔ ڈرانا نہیں چونکہ آپ نے مجھ کو لکھا ہے اس لیے منزل کی دشواری سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ حیات نگار کلام پر مفصل ریویو کرے گا اس کے لئے عمیق اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہوگی۔ ایک نقطۂ خیال سے آپ احق ہیں آپ مارہرے کے ہیں امیر خسرو کی زاد بوم پٹیالی تھی یعنی آپ ہی کے ضلع کے باشندے تھے۔

رباعی آپ نے کہاں دیکھی ہے مطبوعہ دیوان میں یا قلمی میں۔ کیا قلمی بقیہ نقیہ مل گیا ہے یہاں جو مطبوعہ ہے اس میں نہیں ہے قلمی مجموعوں میں سے نکالنا آسان نہیں، اس لئے صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بظاہر غلط ہے۔ پہلے مصرع میں تو بوسال تصغیر بوسہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے مصرع میں ہو سکتا ہے تو قافیہ کے لئے مرادف معنی چاہئے۔ برہان قاطع میں یہ لغت نہیں ملا۔ چوتھے مصرع میں قافیہ قطعی نہیں

۱۵ مئی ۱۹۱۵ء نیاز مند حبیب الرحمٰن حبیب گنج

(۵)

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدوم حبیب ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

شکریہ یاد فرمائی ۔ الحمد للہ کہ میں مع جملہ اعزہ و احباب خیریت سے ہوں ۔ اور آپ کے کاروبار میں مصروف ہونے پر شکرگزار ۔ کاروبار کے ساتھ جاری رکھنا ایک ایسی کامیابی ہے جو عارضی نقصان و تکلیف کی تلافی کر سکتی ہے ۔ جو آفت آج عالم میں برپا ہے اس کو دیکھ کر خانہ نشیں و دانش کسی کو اس تمنا کی اجازت نہ دے گا کہ نقصان سے محفوظ رہنا چاہیے ۔ کام ہو گا تو نقصان بھی ہو گا نفع بھی ۔ کام نہ ہو گا نہ نقصان ہو گا نہ نفع ۔ کون نفع میں رہا ؟ جو جائداد آپ کے پاس باقی ہے اس کو علیحدہ کرتے کا کبھی خواب بھی نہ دیکھیے ۔ جائداد جا کر پھر نہیں آتی ۔ [illegible] شرفا پر معاش کے دروازے بہت کچھ بند ہو چکے ہیں ۔ آپ یقین مانیے آپ کے محترم خاندان کے مصائب پر دل دکھتا ہے ۔ شہری [illegible] باعث تباہی یا فلاح نہیں ۔ اصول کی پابندی بنیاد کامیابی ہے (پابندی اصول جب ہی ہو گی کہ عنایت الٰہی شامل حال ہو) جو اصول چھوڑ بیٹھے گئے ۔ نظام زندگی درہم برہم ہو گیا ۔ میں نے ابھی ابھی فرنگی محل میں جا کر دیکھا ۔ الحمد للہ کہ نخاس اور چوک کے وسط میں وہ بقعہ اس خوبی سے قائم ہے کہ صدیاں گھو رہنے پر بھی لکھنؤ کی آب و ہوا وہاں نہیں پہنچ سکی ۔ وجہ محض یہ ہے کہ بزرگوں کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں ۔ [illegible] برس کے لڑکے اطمینان کے ساتھ طلبا کو درس دیتے ہوئے میں نے آنکھ سے دیکھے اور کان سے ان کا درس سنا ۔ ان کی آنکھ میں نشست و برخاست میں مطالعہ سے ہیں جو دیکھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ بے شک ملا نظام الدین اور بحر العلوم اسی خاندان میں تھے ۔ مولوی طفیل احمد صاحب کی [illegible] میں نے نہیں پڑھی ۔ سائنس سے مذہب کو کبھی نقصان نہیں پہنچا ہے کہ جو کچھ نقصان پہنچ رہا ہے اس سے کہ ہم نہ سائنس جانتے ہیں نہ مذہب ۔ آپ کوئی سائنس داں مسلمان بتائیں پھر میں غور کروں گا کہ اس کے مذہب کو سائنس سے کیا نقصان پہنچا ۔ ہم تو ہمیشہ خطرۂ ایمان رہا ہے ۔ نیاز مند

حبیب گنج ۲۰ ؍ مئی ۱۹۱۵ء حبیب الرحمٰن

(۶)

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدومی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ پہنچا ۔ چار مرتبہ رجسی آئے ۔ قلم لگانے کا موسم ختم ہو گئی ۔ ملک کے صاحبزادے مع گاڑی کے تشریف لے آئے باغ خود جا کر چن کر قلمیں ہاتھ لگیں لے گئے ۔ اس وقت باغبان کو بلا کر لکھوا کر پوچھا تو پانچ قلمیں ۔ کا پتا لگا ۔ روانہ کرتا ہوں ۔ تعداد میں کم ہیں لیکن وہ درخت ثمر [illegible] اعلیٰ ہیں ۔ انناس ۔ گلاب خاص ۔ تمیز قلمیں فرخ آبادی درخت کا ہیں ۔ یہ آخر فصل میں پھل دیتا ہے ۔ رنگ بڑا آم ہوتا ہے ۔ شیریں ہے ۔ ریشہ ہے ۔ نارنگی اور امرود وغیرہ کی پود کا یہاں اہتمام نہیں ہے ۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۔ ۱۶ ؍ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۱۱)

بنام علامہ عبدالعزیز میمن

مکرمی ذو الفضائل۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۸ نومبر کا مرقومہ سامی نامہ پہنچا ممنون یاد فرمائی ہوں۔ اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق سعی بخشے اور سعی مشکور فرمائے۔

(۱) کوشش کیجئے کہ آپ کے طلبا میں ذوق اسلامی و علمی پیدا ہو۔ اس کی وہاں بہت کمی ہے بلکہ فقدان ہے۔

(۲) مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے اکثر نیاز مندانہ ملیئے۔

(۳) وہاں کی [illegible] سے خود مطمئن نہ ہو جیئے اور ان کو علمی رنگ کا شائق بنایئے۔ ان شاء اللہ دسمبر کی اواخر میں ملاقات ہوگی [illegible] الدیوان [illegible] پیش نظر ہیں۔ انشاء اللہ اجازت طبع عنقریب بھیجتا ہوں امتحان کی بقیہ کل اجزا آچکے۔ انشاء اللہ ساتھ لاکر آپ کے سپرد کر جاؤں گا۔ اجرت کتابت ادا ہوگی مولینا [illegible] کو [illegible]۔ کتب ابھی سے نقل دستیاب ہو جائے تو خوب ہو۔

(۴) پارٹی فیلنگ سے بہت سخت اہتمام کے ساتھ محترز رہیں۔ اسی طرح مذہبی مناقشے سے

امید ہے کہ آپ مع الخیر علی گڑھ پہنچ چکے۔ اسی لئے وہیں کے پتے سے خط بھیجتا ہوں۔

حیدرآباد۔ ۱۵ ر نومبر ۱۹۲۵ء — نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۱۲)

بنام نواب رفعت یار جنگ مرحوم

جناب نواب صاحب کرم سراپا کرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم

الحمد للہ خیریت ہے اور عافیت سامی کی دعا۔ زحمت فرمائی کی مطلق حاجت نہ تھی۔ ارشاد سابق پاکر حاضری دعوت کا عزم مصمم کر چکا تھا۔ اب دوسرے حکم کی بھی انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل بالراس والعین ہوگی۔

جو مقصد عالی پیش نظر ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ آج سے ۳۵ برس پہلے ندوۃ العلما قائم ہوا تھا۔ شروع سے اس کے مدعا میرا نام ہے۔ اسی مجلس کی فرمائش سے جو کتاب علمائے سلف نامی میں نے لکھی اس میں ایک خاص باب علمائے ماضی کی رواداری کا ہی ہے اس میں مستند روایتوں سے دکھایا ہے کہ علمائے امت مختلف فرقوں کے علما کے ساتھ کیا برتاؤ فرماتے تھے۔ فرقوں کا مٹا دینا تو غالباً ممکنات سے خارج ہے لیکن باہمی نفرت اور عداوت تو بہت کچھ کم ہو سکتی ہے۔

مکرر۔ یہ ارشاد نہ ہوا کہ بیان کس وقت ہوگا۔ بہر حال میں صبح انشاء اللہ حاضر ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد جیسا ارشاد ہوگا۔ اگر اس سے پہلے حاضری پیش نظر ہو ارشاد فرمایا جائے۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

امید منزل۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۱۳)

مکرمی۔ السلام علیکم

۱۴ نومبر کا عنایت نامہ پہنچا ممنون ہوں۔ میر انسخہ کلیات میر حسن کا یہاں نہیں ہے میرے ذاتی کتاب خانہ میں بمقام حبیب گنج ہے۔ یہ
آپ کا خط مہتمم صاحب کتاب خانہ کے پاس بھیجتا ہوں۔ وہاں سے تفصیل آنے پر انشاء اللہ مفصل جواب لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔[1]　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۸ر دسمبر ۱۹۲۵ء

(۱۴)

بنام مفتی سید شیر علی صاحب[2]

جناب قدوۃ الفضلا عمدۃ العلما۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جناب کے استاد بھائی مولینا سید سلیمان اشرف صاحب[3] کا رسالہ المبین ہدیۃً ارسال خدمت ہے اس کی نسبت جناب کی گراں مایہ
رائے مولف فاضل کو مطلوب ہے۔ اگر اوقات گرامی میں سے کچھ وقت نکال کر مطالعہ فرمایا جائے اور رائے قلمبند ہو تو عنایت کرم ہے
جلد ہو سکے تو مزید کرم۔　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

امید منزل ۱۵ر نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۵)

بنام مفتی سید شیر علی صاحب

قدوۃ الفضلا زبدۃ العلما جناب مولینا سید شیر علی صاحب مد فیوضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اجمیر شریف میں مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ المبین کی بابت رائے گرامی کا اشتیاق بار بار ظاہر فرمایا
اب مکرمت نامہ آیا ہے۔ حافظ احمد حسین خان صاحب[4] کو بھیج کر یاددہی کا ارشاد ہے۔ چنانچہ تعمیلاً حافظ صاحب آئے ہیں۔ امید ہے
کہ کامیاب واپس جائیں گے۔　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۶)

جناب نواب صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم
الحمدللہ مع الخیر ہوں۔ چہارشنبہ کی شب نواب میرزا یار جنگ بہادر کی دعوت میں پہلے سے مصروف ہے، چارشنبہ کو ورنگل جانا

---

[1] یہ خط میرے نام لندن میرے استفسار کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ [2] مولانا مفتی شیر علی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاد تفسیر تھے [3] مولانا سید سلیمان اشرف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد دینیات۔ [4] نظام کالج حیدرآباد کے استاد دینیات ہیں [5] مرزا سمیع اللہ بیگ، مرزا یار جنگ چیف جسٹس حیدرآباد

(۸۸)

(۸۹)

(۹۰)

امید ہے کہ مزاج سامی قرینِ عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ یہاں خیریت ہے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳)

بنام ہاشمی صاحب

مکرمی ناظم صاحب کتب خانہ ریاست، السلام علیکم
شکریہ یاد آوری۔ یہاں کی کتابوں کی متعدد نوعیت کی فہرستیں مرتب و کمل تو ہیں مگر مطبوعہ نہیں ہیں، اگر ہوتیں تو ضرور ارسال کی جاتیں۔
یہاں دیہات میں ناقل کا اہتمام بھی دشوار ہے۔ اگر وہاں سے ناقل آ سکے تو نقل آسانی سے ہو سکے گی۔ کوشش کی جائے گی کہ طعام و قیام کی
تکلیف نہ ہو۔ حال ہی میں کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دستاگر مواد و فہرست لے گئے ہیں۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۸ جون ۱۹۳۶ء

(۲۴)

جناب نواب صاحب صدر الطاف و کرم مد الطافہ۔ السلام علیکم
کارڈ تقریب عزیزہ وسلمہا کا آیا۔ یاد فرمائی کا دل شکر گزار ہے۔ بہ ہما تو شرکت سے مجبور رہا لیکن میرا دل آپ کی مسرت میں شریک ہے۔
اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار کے صدقے میں یہ تقریب مبارک فرمائے، ہوشہ دراز تک دولہا اور دولہن شاد و کامیاب رہیں۔
بارک اللہ علیہما و جمع فیہما بالخیر نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل، علیگڑھ۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۵)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب خلف جناب نواب سید علی حسن صاحب

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ!
آپ کے والد ماجد اور اپنے مہربان مخدوم نواب صاحب کی خبرِ رحلت سے دلی افسوس ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔
نواب صاحب کی خدمت میں دیرینہ نیاز تھا جس کے باعث علامہ شبلی مرحوم ہوئے تھے۔ اس دوران میں مرحوم کے جو اوصاف دیکھے تھے
وہ ہمیشہ نقشِ دل رہیں گے۔ ہر ملاقات میں حسنِ اخلاق اور مخلصانہ محبت کا اثر دل محسوس کرتا تھا۔
ندوۃ العلماء کی نظامت جس بے لوث اور خلوص سے کی وہ یادگار ہے۔ جس وقار اور شان سے زندگی بسر کی وہ مثال ہو سکتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ مرحوم کو جنات الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندوں کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل بخشے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علیگڑھ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۶)

[illegible] ڈاکٹر سید محمد منشی بہار پٹنہ

جناب من — السلام علیکم
مخل اوقات گرامی ہونے کی معافی چاہ کر چند سطریں ایک ملکی تعلیمی [illegible] کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کے اغراض و مقاصد اور حالات جناب کو معلوم ہیں ان کا بیان لکھنا تضیع اوقات کے جرم کا
ارتکاب ہوگا۔ اس کانفرنس کے اجلاس سالانہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے دارالصدر کے علاوہ بہت سے اضلاع اور ایک سے زیادہ اسلامی
ریاستوں میں ہو چکے ہیں۔ کانفرنس کے خادموں کی دلی آرزو یہ ہے کہ اس کا سالانہ اجلاس صوبہ بہار کے مردم خیز و علم پرور دارالصدر پٹنہ میں بھی
دیکھنے۔ اور وہاں کے اہل علم اصحاب کی رایوں سے مستفید ہوتے۔
بہت عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے علماء کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اجلاس پٹنہ میں حاضر ہونے کا مجھ کو بھی شرف حاصل ہوا تھا اس وقت
کی یاد میرے دل میں خصوصاً یہ تمنا تازہ رکھتی ہے کہ زندگی میں ایک بار وہ عزت حاصل ہوتی۔
اجلاس کے متعلق مزید تفصیل نظامی صاحب اور سید الطاف علی صاحب پیش کر سکیں گے۔
۲۵ راگست ۱۹۳۰ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۲۷)

[illegible]

کرمی — السلام علیکم
میرے کتب خانہ کے مہتمم کا جواب آیا۔ انکی علالت کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی
تیجۂ اطلاع حسب ذیل ہے۔
کلیات حسن اردو: — اول ۶ قصائد: منقبت و امرا کی مدح میں۔
مثنویاں: سحر البیان، رموز العارفین۔ مدح قصر جواہر۔ در بیان شادی۔ ہجو حویلی گرمی۔ بصفت چاہ۔ ہجو خاک۔ در صفت
[illegible]۔ تعریف بارہ چپانہ۔ در تعریف فیض آباد۔ مدح جواہر علی خاں۔ تہنیت عید۔ متفرق ۲۔ جملہ ۱۵ مثنوی۔
اس کے بعد غزلیات۔ مخمسات۔ مسدسات۔ فردیات رباعیات۔ واسوخت۔
تفصیل بالا سے معلوم ہو گا کہ انگلستان کے نسخے سے میرے یہاں کے نسخے میں کلام زیادہ ہے۔ البتہ مثنوی گلزار ارم کا نام مہتمم نے نہیں
لکھا۔ امید کہ آپ بخیریت ہیں۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔　نیازمند حبیب الرحمٰن
حیدرآباد ۶۔ جنوری ۱۹۳۵ء

(۲۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اول شکر عنایت نامہ کا اس کے بعد مکاتیب غالب کا۔

مکاتیب دیکھ رہا ہوں ۔ بڑی ادبی خدمت ہوئی ۔ ریاست رام پور کی قدیم شانِ معارف پروری کے شایاں ۔

ہز ہائنس مد اقبالہ کے عہد کی گرامی پایہ یادگار ہے ۔ دل تمنا ہے کہ بہت سی ایسی یادگاریں مسلسل جاری رہیں ۔

چیف منسٹر صاحب کے توجہ نے بڑی مدد کی ، بکار بہ کیسہ کر پروان چڑھایا ۔

آپ کی دیدہ ریزی اور محنت اور آپ کے معاونوں کے خدمت لائق صد تحسین و شکر ہے ۔

یہ کام رام پور ہی میں ہو سکتا تھا اور وہ بھی آپ سے نکتہ سنج کے ہاتھوں سے

از او پیوست دہ بازوی تو　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ ؍ مارچ ۱۹۳۸ء

(۲۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر ، السلام علیکم

راست مکاتیب غالب صفحہ ۸۰ ، انکا پڑھ کر آپ کی کوشش بلیغ کا دل نے مزید اعتراف کیا ۔ اللہ تعالیٰ راست [illegible]

سے اعلیٰ اہتمام میں مشکور ہو ۔

جدید دیدہ ریزی آپ نے واقعات کے تحقیق کرنے میں فرمائی ہے ۔ ہر کا مقتضی یہ ہے کہ ایک واقعہ کی طرف توجہ [illegible]

صاحب نے ذخیرۂ کتب کے بابت (صفحہ ۱۰۰) تحریر ہے ۔ یہ پورا ذخیرہ الخ عرض یہ ہے کہ بہت سا حصہ باقی بھی رہ گیا تھا ۔ جو میرے تک [illegible]

مولوی شبلی صاحب مرحوم نے بھی بہت سی کتابیں اس ذخیرہ سے دیکھی تھیں اور اس بناء پر موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کتاب خانے [illegible]

کم ہوجاتے تو اس کی وسعت پر لوگ حیرت کریں ۔

سات نسخے مختلف علوم کے نادر اس ذخیرے کے یہاں بھی ہیں ۔ جن پر حکیم مظفر حسین خاں کے دستخط علاوہ مہر کے ہیں ، [illegible]

مسیح الدولہ کی بھی مہر ہے ۔ مزاج گرامی کی عافیت کی تمنا پیہم تم کا ہے ۔　　　نیاز نشان حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ ؍ مارچ ۱۹۳۸ء

(۳۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما مکرم مد ظلہ ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

۲۸ مارچ کے سالِ نو کا سپاس ، اردو میں سپاس ، مگر دل سے لطف و کرم پر شرح جان پرور پر

(۳۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرا لطف گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

شکر کرم بیضمراہ بہت وقیع ہے۔ گر میرا علم محدود کوئی تصنیف میرے پیش نظر نہیں جو گزشتہ کتب خانوں کے بابتہ آگاہی بہم پہنچا سکے
اس لئے معذور رہوں۔

ایک مخلصانہ گزارش۔ میدان ریڈیو شاری امتیاز نہیں رکھتا والسلام بالاکرم　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ مارچ ۱۹۴۰ء

(۳۵)

بنام علامہ کیفی چریا کوٹی مرحوم و مغفور

مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

التفات نامہ اور تصنیف دو مہینے سے پیش نظر ہے۔ لطف افزا ہے کیف آفرین ہے۔ تاخیر ضرور قابل گرفت ہے گر عنایت اعتماد کرم اور لطف
اندوزی ہے۔

نظم سے ایک بار زیادہ مستفید ہوا۔ کلام کی خوبی نے گرویدہ کیا۔

ممدوح کی بے مائگی مدح پر شرمندہ۔

بہرحال اس دور میں فارسی کا قصیدہ اس روانی و برجستگی سے ادا کرنا قابل صد آفرین ہے۔

مجھ جیسے ناشناس کی تحسین و آفرین نہیں اہل فہم و نکتہ شناس کے صد آفرین کے لائق ممنون کرم ہوں اور شکر گزار التفات۔ والسلام

۳۔ جون ۱۹۴۰ء

(۳۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر مدالعالیہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

منشی احمد حسین صاحب نے مقالہ سامی لاکر مجھ کو دیا۔ تفسیر کے متعلق عجلت ممکنہ سے میں نے پڑھا۔ روح فرحت سے بالیدہ ہو گئی۔ کامیاب
عظیم ہے۔ بارک اللہ۔ دل تمنا ہے کہ اور نسخے اور نسخہ کتاب خانہ مکمل ہو کر شائع ہو۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہادر نے اشاعت منظور فرمائی یہ اس
عہد کا بڑا علمی کارنامہ ہوگا۔

گر مبارک۔ دوسری صدی ہجری کی تالیف تفسیر کی اشاعت بڑا کارنامہ ہوگا۔ انشاء اللہ

منشی موصوف نے یہ مژدہ بھی دیا کہ حبیب گنج میں ملاقات اور معائنہ کتب خانہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اہلاً وسہلاً مرحبا۔

بوقت فرصت ضرور قصد کیجئے۔ دلی مسرت حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ مزاج سامی مع الخیر ہوگا۔ الحمد للہ تعالیٰ یہاں بھی خیریت ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۱ فروری ۱۹۴۱ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۳۷)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما صاحب الفضل عرشی باامتیاز کو فرشی خاکسار کا سلام

گرامی نامہ پہنچا یہ تو آپ کا لطف و کرم ہے۔ مقالہ پڑھا غور سے دل لگا کر پڑھا کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لہٰذا معارف کو بھیجا جا رہا ہے ممنون ہوں کہ مقدمہ میں میرا ذکر لطف خاص سے فرمایا گیا۔ مشتہر کے متعلق میں نے کہا تھا کہ اب آپ نے بھی کہ تحقیق کا قدم آگے بڑھایا و لکم الفضل۔ والسلام ختم الکلام

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۸)

بنام عرشی صاحب

عرشی باامتیاز کی خدمت میں فرشی بانیاز کا سلام

اس وقت پروفیسر شیرانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آج کل قدرت اللہ شوق کا تذکرہ طبقات الشعراء حسب فرمائش انجمن ترقی اردو ایڈٹ کر رہے ہیں دو نسخے موجود ہیں تاہم مزید نسخہ مطلوب ہے۔ ... ... کتاب خانہ ریاست رام پور میں نسخہ ضرور ہوگا۔ ہو تو آپ شیرانی صاحب کو ذیل کے پتے پر آگاہ فرما دیں۔ مجھ کو اس کا اطمینان ہے کہ آپ کا شوق امکانی مدد میں دریغ فرما نہ ہوگا اس لئے مزید تحریر غیر ضروری ہے۔ والسلام ختم الکلام۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر مد الطافہم، السلام علیکم

باعث تکلیف دہی یہ کہ کتاب شرح صدر شہید علی ادب القاضی امام ابی بکر خصاف کتاب خانہ ریاست میں ہے یا نہیں۔ حیدر آباد میں اس کے طبع کا اہتمام ہو رہا ہے۔ وہاں نسخہ مطلوب ہے۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ جولائی ۱۹۴۱ء

(۴۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر محقق بلند پایہ عرشی صاحب، السلام علیکم

المعارف (جولائی۔ اگست ۴۱ء) آپ کا محققانہ مضمون پڑھا۔ شوق انگیزی و لطف بخشی آپ کی تحقیق اور انداز بیان سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک سے زائد پہلو لطف افزا بلکہ سبق آموز ہیں۔ سب سے اول حیرت یہ ہے کہ صدیوں کی گمنامی زندگی کے بعد مظہر کس قوت سے نمایاں و عیاں ہو رہا ہے۔ حد اس پر ہوئی کہ ظہور الاسرار کے پردے سے روز روشن کی طرح نکلا، اور جو پردہ چھپانے کے لئے ڈالا گیا تھا وہ ظہور تام کا باعث ہوا۔

اس کے بعد مستشرقین سے جو اضطراب ہوا وہ بھی سبق آموز ہے۔ آج دار الخلافہ کے نام نہاد اہل تحقیق رہ رہ کر اسی ایشے کے تسبیح خوان بنے ہوئے ہیں۔ عرشی نے اپنے خیال کی بلندی قائم رکھی۔

الآخر آپ نے 'کرنی' کی تحقیق میں جو مراتب و مدارج طے کیے وہ قابل مبارک باد ہیں۔

آپ کے مضمون کو پڑھ کر پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ تذکرہ شاعر اور مؤلف شرح ظہور الاسرار ایک ہے

مصنف کی روح آپ کی تحقیق سے شاد ہو رہی ہو گی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

تھوڑی سی خود غرضی۔ مرآۃ الاسرار کا حوالہ پڑھ کر طبیعت مشتاق مطالعہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی نقل کا اہتمام ہو سکے۔ جیسا کہ [illegible]
کتابخانہ ریاست سے یہ کتابخانہ فیض حاصل کرتا رہا ہے۔ والسلام و بالاکرام   نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳۰؍ اگست ۱۹۴۱ء

(۹۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

شکر گزار ہوں، سرورق موم جامہ صاحب کا نام تحریر فرمائیے تا کہ خط لکھ دوں اس تفصیل سے ممنون کیجیے کہ معمولی خط کی کیا لاگت ہو گی۔ خط پاکیزہ [illegible]
کاغذ عمدہ اور مضبوط کس لاگت میں ہاتھ آئے گا۔

اس کے بعد انشاءاللہ جواب مفصل پیش ہو گا۔ والسلام ختم الکلام   نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۹۲)

بنام مالک رام

عنایت گستر مہر پرور

خط پڑھ کر کس قدر خوشی ہوئی۔ کیا بیان کروں۔ جب مدت تک کوئی خط نہ آیا تو جامعہ ملیہ سے دریافت کیا جواب شافی نہ ملا برابر خیال رہا خط [illegible]
میں کس وقت 'مالک رام' پر نظر پڑی دل خوشی سے اچھل گیا کہ مطلب پا لیا۔ اس سے زیادہ خوشی ہوئی کہ باوجود دور دراز ملک میں ہونے کے ادب کی خدمت
کر رہے ہو۔

مفتی ولی اللہ کی کتاب سراج المعرفت میرے یہاں نہیں ہے نہ غالب کی پنج آہنگ مطبوعہ مطبع نور الدین ہے۔ تذکرہ گلزار بہار البتہ خود مصنف [illegible]
کا صحیح کردہ چھپا ہوا نسخہ ہے۔ مگر مطبع کا نام نہیں۔ انتہا یہ کہ ٹائیٹل پیج بالکل سادہ ہے۔ لیکن جہانگیر آباد میں چھاپا گیا۔ اس کے اختتام کی عبارت لکھتا ہوں
عبارت آرائی سے قطع نظر کر کے مطلب کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔

ایزد سخن آفریں را ستایش و آفرینندۂ کلام میں را نیایش کہ بتاریخ دوم شہر شوال المکرم ۱۲۵۲ھ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و دو از
ہجرت سردار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این جام جہان نما ... موسوم بہ گلشن بیخار ... بے ساختہ و پرداختہ ... نواب مصطفیٰ خان
بہادر متخلص بہ شیفتہ است بریں انداز آرائش و بنظر تصحیح جناب ممدوح نمائش گرفت۔

اس عبارت بالا کے شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ لکھے ہیں "نقل کتبہ کاتب"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نسخے سے یہ نسخہ چھاپا گیا وہ نواب صاحب کا دیکھا ہوا تھا۔ تالیف تذکرہ کا سال ۱۲۷۲ھ ہے۔

الحمد للہ خیریت ہے۔ آپ کی صحت کا آرزومند　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج - ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۴۳)

[illegible] صاحب

کرم فرما لطف گستر - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

زحمت انتظار کی معافی چاہتا ہوں۔ کتاب مرآۃ الاسرار کی نقل بر جبلہ ۲ کرا دیجئے اجرت کا حساب اصل کتاب کے صفحہ بہ صفحہ کے مطابق ہوگا

نوٹ میں کششیں زیادہ ہیں۔ والسلام

کیا آپ کے کتب خانہ فیض نشان میں امام طیبی کا حاشیہ تفسیر کشاف ہے؟ مسمّی بہ فتوح الغیب　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء

(۴۴)

[illegible] صاحب

کرم فرما عنایت گستر - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ایک معذرت خواہ امیدوار کرم حاضر ہے۔ خطوں کے جواب میں خلاف معمول اس قدر تاخیر ہوئی ہے کہ آپ کو زحمت انتظار رہی مجھ کو معذرت کرنے

میں بھی تشتت اشغال، بیرونجات کی مسلسل آمد و رفت باعث ہوئی۔ اس کے ساتھ اتفاق بھی ہے کہ ایسا ہوا۔ ایک باعث یہ ہے کہ مہتمم کتب خانہ بحکم علیل ہے

غالب کا نمونہ فارسی خط میرے پاس ہے۔ جو مہتمم صحت پا کر کتب خانے میں آئیں انشاء اللہ نقل ارسال خدمت ہوگی

فہرستوں کے زبان کے بابت عرض ہے کہ جس زبان کے کتابیں ہیں اسی زبان میں ان کی فہرست تو فائدہ اتم ہوگا۔ میرا ایسا خیال ہے۔

فہرست عربی کا نمونہ مہتمم کے تحویل میں ہے۔ صحت کا انتظار ناگزیر۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کا اگر تخمینہ پورا عنایت ہو تو نقل کی بابت مطبوعہ

نمونہ ۱ و ۲ دونوں کا تخمینہ عنایت ہو۔ خیریت سامی کا طالب ہوں۔ پر خیر نامہ معذرت ہے والسلام

کمرہ میرا ربط آپ سے ہے اس لئے بکار سرکار رام پور غیر ضروری ہے۔　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ - ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء

(۴۵)

[illegible] صاحب

کرم فرما لطف گستر الطافہم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

شکرانہ کرامت۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کی تفصیل معلوم ہوئی۔ کاغذ کے مصارف اور معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کاتب

کو کیا پیشگی دیا جائے گا تو میں رقم حاضر کر دوں۔ دوسرے خط والے کاتب سے لکھوا لیجئے۔ نمونہ کے قلم سے ذرا قلم خفی کر دیا جائے تو زیادہ موزوں معلوم ہوگا۔

مہتمم کتب خانہ تو ہنوز علیل ہیں شفاہ اللہ تعالیٰ۔ دوسرے قلم سے خط غالب کی نقل ملفوف ہے۔

امید ہے مزاج سامی بخیر ہوگا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔
کمرہ کاغذ کا انتخاب آپ کی رائے زریں پر محمول ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ جنوری ۱۹۴۲ء

(۴۶)

بنام عرشی صاحب

مصدر لطف و کرم عرشی صاحب السلام علیکم
ایک محترم کی فرمائش یہ دریافت کرنے کی ہے کہ آیا رام پور لائبریری میں اخبار الاخیار حضرت شیخ دہلویؒ کا نسخہ بخط مولف ہے۔ جواب منت [illegible]
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۷)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر
نیکی اور پوچھ پوچھ۔ بزم معارف میں فالقہ ادب جگہ پا چکا ہوں۔ مقالہ مزید عنایت ہو۔ والسلام
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۱ مئی ۴۲ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
بنا و شرف الدین نے ٹائپ کے نمونے آپ کی فرمائش کے بموجب میرے پاس بھیج دیئے ہیں۔ تھوڑی تکلیف گوارا کر کے نمونے دیکھئے۔ پسند کیجئے۔ مولوی عبد المجید خاں صاحب نے نمونہ ۲ پسند کیا ہے۔ آپ کو بھی اتفاق ہو تو کرم سے یہ دریافت کر لیجئے کہ نمونہ مذکور کے اگر ایک ہزار نسخے طبع ہوں تو کیا صرف ہوگا۔ نیز ۵۰۰ نسخوں کا۔ آم رسیدے لدے ہوئے ہجوم آئے ہیں اہل شوق کو دعوت دے رہے ہیں یاد کر رہے ہیں۔ میں مسرور ہوں کہ بحمد اللہ تعالیٰ احباب مامور کرم فرما ہوں گے۔ لطف ہم آمی حاصل ہوگا۔

یارب ایں آمدہ است کہ چہ خوش است ۔ تو بدیں آمدہ مرا پرسال

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۳ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۹)

بنام عرشی صاحب

لطف و کرم فرما مرآمدہ آہا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
یہاں ایک نسخہ کئی نسخوں سے شرح کاشف امام طیبیؒ کا نقل کیا گیا ہے۔ اب اس کے مقابلے کا اہتمام ہے۔ نیز مزید نسخوں کی تلاش ہے
جناب میاں محمد شاہ صاحب محدث مرحوم کے خاندان میں ایک سے زائد نسخے ہیں۔ میں اس آستانے کے حاضر باشوں میں سے ہوں گر جانشین [illegible]

سے ملاقات نہیں۔ کیا آپ کے اطمینان پر یہ نسخے مل سکتے ہیں۔ مصارف آمد و واپسی میرے ذمہ رہیں گے۔
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر اور مصروف مشاغل علمیہ ہوگا۔ الحمدللہ میں بعافیت ہوں۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ اپریل ۱۹۴۳ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۵۰)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر لطف پرور گرامی مرتبہ عرشی ہاکر۔ فرشی کا سلام شوق اور شکر لطف و کرم
حسب معمول ستر تحریر سامی شرف اوج لائے کر آئی انتخاب مرزا غالب کی اشاعت دل نواز خبر ہے۔ نسخہ میرے پاس آئے جو قیمت مقرر ہو گی حاضر کی جائے گی۔ علی ہذا القیاس دستور الفصاحت الکاشف کے نسخوں کی تفصیل دیکھی۔ یہاں جو نسخہ نقل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے اور تصحیح کا اہتمام کل سے شروع ہوتا ہے۔ انشاء متعدد نسخے جمع ہیں۔ اگر آپ کے باقاعدہ توسط سے نسخہ [illegible] اور [illegible] یہاں بھیج دیں بذریعہ بیمہ تو بشا کرم قاضی سید احمد شاہ صاحب اور آپ کا ہو۔ انشاء بعد فراغ جلد بحفاظت نسخے واپس ہونگے۔ مصارف آمد و رفت میرے ذمہ ہوں گے
الحمدللہ بہ عافیت ہوں۔ آپ کی عافیت کا آرزو مند۔ والسلام ختم الکلام نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۷ مئی ۱۹۴۳ء

(۵۱)

بنام عرشی صاحب

بلند پایہ ادیب جناب عرشی کو خاکسار کا سلام فرشی
شکر کرامت۔ بہ تعمیل ارشاد اصل نسخہ سید حسین سے مقابلہ کیا۔ جو پرچہ مرسلہ گرامی نامہ تھا۔ اسی پر نتیجہ مقابلہ لکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ یہ مصرع کہاں کا ہے "اگر تو مستی از ساغراں اثر یا" اس کا پتہ نہ لگا اس لئے مقابلے سے معذور رہا۔ مکرر۔ لفافہ بند کر کے دوبارہ نظر ڈالی مصرع مل گیا۔ مقابلے کا نتیجہ درج پرچہ ہے
مہتمم کتابخانہ مولوی صاحب شرح طیبی کے نسخوں کے مقابلے میں منہمک ہیں اس لئے تعمیل ارشاد نہ کر سکے۔ تاخیر کا خیال کر کے اس وقت میں نے ہی مقابلہ کر کے تعمیل ارشاد کی۔
مکاتیب غالب کے باب میں دوسرے وقت عرض کر سکوں گا۔ اس وقت کوئی خیال پیش نظر نہیں۔ والسلام
مکرر یہاں کا موجود نسخہ سید حسین ۱۲۶۴ھ کا چھپا ہوا ہے۔ میرزا کو اس پر تمغلہ العالی سے یاد کیا ہے۔ محمد مرزا خان نے اپنے مطبع محمدی دہلی میں چھاپا تھا۔

نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ جون ۱۹۴۳ء

ل میرا استفسار تھا۔ "اگر تو مستی از ساغراں اثر یا" مالک رام صاحب نے غلطیہ چھاپا ہے [illegible] یہ عبارت لکھ دی ہے مصرع قطعہ تاریخ نقل میں نہیں ہے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہاں کا ہے۔ اس لئے مقابلہ نسخہ سے تعین سے ایسا ہو مقابلہ کیا جائے۔ حبیب الرحمٰن ۱۲ جون ۴۳ء۔ مکرر۔ دوبارہ دیکھنے پر پتہ لگ گیا اصل میں غلطیہ ہے جیسا مالک رام نے لکھا ہے۔

(۵۲)

بنام عرشی صاحب

ادیب ماہر جناب عرشی کی خدمت میں خاکسار فرشی کی تسلیم و تہنیت عید سعید۔
حافظ شیرازی کا ایک قلمی دیوان بخط قوام شیرازی یہاں ہے۔ خط میں شان خطاطی ہے۔ پورا نسخہ ہے مگر سن کتابت نہیں ہے۔ معتبر نسخے سے
معلوم ہوا ہے کہ کتاب [illegible] فہرست میں خطاط موصوف کا نوشتہ نسخۂ مثنوی مہر و مشتری کا ہے۔ اگر اس پر سنہ کتابت ہو تو اطلاع سے ممنون کیجیے اس سے
اس کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔ والسلام ختم الکلام۔
نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۸ر اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر		السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
ماہ حال کا نامہ لطف آیا۔ نامہ لطف بیاں کہ حبیب گنج پر لطف فرمائی ہو گی یہ مژدہ لایا۔ یہ مژدہ صد گونہ بہجت ہے۔ راست ضرور آیئے انشاء اللہ
آرام سے رہئے گا۔ گرمی اطمینان ہے۔ کم از کم ایک شب قیام کیجیے تاکہ کتابوں پر تفصیلی نظر پڑ سکے اور مجھ کو اس سے نفع پہنچے۔ اس سے زیادہ کرم ہو تو [illegible]
دستور الفصاحت آپ کی تمام ہے۔ شائع ہوئی خوب ہوا۔ جلد نسخہ مجھ کو عنایت ہو۔ قیمت مع صرف حاضر کی جائے گی۔
قوام کے دیوان میں آپ کی تحریر چسپاں کیے دیتا ہوں تاکہ عہد کا کچھ تعین ہو جائے۔
الحمد للہ بعافیت ہوں آپ کی عافیت کا آرزومند۔		نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۴)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

کرم فرما یزدانی صاحب السلام علیکم
مدت کے بعد نصف ملاقات ہوئی۔ شکر کرم۔ اس لطف پر مزید کرم شمائل افریقہ پر مضمون کی کاپی۔ نقشے دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اصل [illegible]
کس قدر دل افزا ہوں گی۔ قرآن کی تاریخ البتہ نظر گذرنے کے لئے لگی ہوئی ہے۔ والسلام		نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ر فروری ۴۴ء

(۵۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر		السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
الطاف نامہ پہنچا۔ نور چشم کے حادثے کی خبر نے دل دکھایا۔ اللہ تعالیٰ صبر و اجر آپ کو بخشے۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ کوشش کی جائے گی
کہ طبیعت کا خاطر خواہ رام جلد ہی ہو سکے۔		حبیب منزل علی گڑھ ۲۵ر اکتوبر ۴۴ء

(۵۶)

[illegible] عرشی صاحب

مکرم و کرم فرما عرشی کرمخلص کا فرشی سلام

کتابخانہ عالیہ ریاست رامپور میں نواب نجیب الدولہ مرحوم والی نجیب آباد کی نادر شبیہ ہے ۔ اگر آپ کی توجہ سے اس کی تین کاپیاں مجھ کو مل سکیں تو دل سے ممنون ہوں گا ۔ مجھ کو حضور پرنور فرماں روائے رامپور کی علم نوازی سے امید ہے کہ پیشگاہ عالی سے اس کی اجازت صادر ہو سکے گی ۔

زیادہ شوق کلام ۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

سلطان جہاں منزل علی گڑھ مورخہ ۷ / اپریل ۱۹۴۵ء

(۵۷)

[illegible] عرشی صاحب

ادیب بلند پایہ عرشی بالایہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

علی گڑھ سے کارڈ آپ کا لکھا ہوا یہاں آیا ۔ نادرات شاہی کے انطباع کا مژدہ لایا ۔ اس سطر سے بڑا لطف دل نے پایا کیا جناب نے ملاحظہ فرمائی جناب کی توجہ ہو اور کتاب ملاحظہ ہو جائے یہ کس طرح ممکن ہے ۔ ایک نسخہ تحفۃً میرے پاس آجائے ۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ / اپریل ۴۵ء

(۵۸)

[illegible] عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر کرامت ۔ نادرات شاہی آئی ۔ بیدا مکھیں بابر و جہانگیر کی تحریریں اور العصریوں کی تصویریں دیکھ چکی ہیں وہ ان تصنیفوں سے عبرت زدہ ہوتی ہیں ۔ تخت نشین ، شہریار ۔ شاغل بہ سیف و حدیث ۔ کیسے کیسے امرا گروہ حاضر کام کرن لے ۔ تصویر کی اطلاع کا فقرئس کرتا ہوں جس کی فرمائش پر مکلف ہوا تھا ۔

سنگ گوہر کا نسخہ یہاں نہیں ہے ۔
مولوی معین الدین صاحب کا سلام مسنون

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۔ ۲ مئی ۴۵ء

(۵۹)

[illegible] عرشی صاحب

کرم فرما الطاف گستر عرشی با امتیاز کی خدمت میں فرشی با نیاز کا سلام اخلاص انضمام ۔

کتاگوں نوازشوں کا شکر ۔ پیکٹ کھولا ۔ ایک عجائب گھر دیکھا نظر ہی ۔ کیا وجاہت ہے ۔ کیا شان ہے ۔ اب نہ یہ صورتیں ہیں نہ وہ سیرتیں ۔
ایک کاپی سید الطاف علی صاحب فرمائش کو دیدوں گا ۔ اور وہ چاہیں گے تو سب ان سے ایک کاپی لے کر فریم کرانے کے لیے کتابخانے کے لیے

یہ مے رن کا قیمت پہنچ گئی۔ نادرات شاہی کا شکر کہہ چکا ہوں
"شفقت اکرم کم کس طرح ہو سکتا ہے جا ماہمانیم کہ بو دیم دمہان خواہد بود۔ کاروبار کی غیر معمولی مصروفیت باعث سکوت رہی۔ دیباچہ
بہت ذوق سے [illegible] اول سے آخر لفظ لفظ پڑھا آپ کی عادی ہمہ گیری۔ بیان کی پاکیزگی لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ جس قدر روشنی مطالب کے
سمجھانے اور اس عہد کے مناظر کو سامنے لانے کے لئے درکار تھی وہ سب موجود ہے۔ اسکو پڑھ کر کتاب کا پڑھنا لطف بالائے لطف ہے۔
ایک کمی جانکاہ ہے مگر آپ کیا کریں۔ میرو میں سب کچھ ہے۔ جوانمردی نہیں اسی نے تباہ و برباد کیا۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل علی گڑھ ۳ مئی ۱۹۴۵ء

(۶۰)

<u>بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور</u>

مکرم و کرم فرما السلام علیکم
ابھی سید الطاف علی صاحب نے آپ کی تحریر دکھائی جس میں آپ نے علی گڑھ کانفرنس کے سالانہ اجلاس کو آگرہ میں منعقد کرنے اور دعوت
دعوت نامہ بھیجنے کا عزم ظاہر فرمایا ہے۔ مبارک
جس وقت دعوت نامہ آیا انشاءاللہ قبول کیا جائے گا" .. .. اتفاق دیکھئے کہ
جس وقت آپ کی تحریر پڑھی اسی وقت جو ناگڑھ کا لفافہ ملا کھول کر پڑھا۔ بدستور رضامندی مجبوری کا اظہار ہے اس سے آپ کی ہمت پر مزید آفریں دل سے نکلی۔ والسلام
۱۵ مئی ۱۹۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۱)

<u>بنام عرشی صاحب</u>

کرم فرما حضرت نواز السلام علیکم و رحمۃ اللہ
شکر ہے کہ مراسلت کا سامان ہاتھ آتا رہتا ہے۔ کام بھی بنتا ہے۔ دل شاد کام بھی ہوتا ہے۔ معارف اعظم گڑھ میں اوراق گل پر تبصرہ ہے۔
ملنے کا پتا نہیں۔ میں نے کہا کہ آستانہ عرشی کریم پر حاضر ہوں حصول مدعا ہوگا۔ انشاء ایک نسخہ قیمت طلب میرے نام آجائے۔
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۸ مئی ۱۹۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۲)

<u>بنام عرشی صاحب</u>

کرم فرما السلام علیکم
ابھی (بعد نماز ظہر) الطاف نامہ پڑھا۔ جواب روانہ ہو چکا تھا۔ کشش شوق ہے۔ زیر تحقیق و تحریر مقالہ اشتہ تالیفات کتابخانہ کے معیار پر پورا اترا۔
آپ علیل تھے میں بھی علیل رہا۔ اب آپ بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہیں میں بھی۔ آپ کو ضعف ہے مجھ کو بھی۔ والسلام ختم الکلام
حبیب منزل علی گڑھ ۹ جون ۱۹۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف مجسم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل بشیروں کی عزت ہے۔ رام پور میں ملتی ہیں نرخ معلوم ہو جائے تو آدمی بھیجوں۔

ایک تازہ مضمون بھی سن لیجئے ؎

"کہ عنادل را فزوده تحیر دل۔ چوں ندیده رنگ وبو اسحاق گل"

نگاہ نے "ذوق" "تماشا" ڈھونڈا نہ پایا۔ نہ پایا

حبیب منزل علی گڑھ ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما السلام علیکم

نامہ شاہی کا ایک نسخہ قیمت طلب عنایت ہو۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

(۶۵)

بنام عرشی صاحب

مکرم کرم فرما دام لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید امام الدین صاحب یہاں آئے۔ مکتبہ حبیبیہ نے ضیافت پیش کی۔ تاریخ خانجہانی کا جو نسخہ یہاں ہے اس کا ایک باب نہیں ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے باب مذکور کی نقل حسب نشاندہی سید صاحب موصوف ہو سکے تو یہاں کا نسخہ مکمل ہو جائے گا۔ آپ کے کرم میں اضافہ اجرت کتابت ادا ہو گی انشاء

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۲ مارچ　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر عرشی بلند پایہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مہینے کا معارف دیکھ رہا تھا۔ عبد الرابع پر نظر پڑی معاً وہ خیال ذہن میں فرشی کے آیا جو عرشی کا ہے یعنی نام مذکور تصنیف ہے عبد الواسع کی۔ رباعی دیکھیں۔ آپ کی تحقیق پڑھی۔ اپنے یہاں کا نسخہ قصائد عبد الواسع جبلی نکلوا کر دیکھا۔ اس میں وہ رباعی موجود ہے جو معارف میں منقول ہے۔

قصائد عبد الواسع جبلی کا نسخہ یہاں کا ضخیم قدیم خوشخط ہے۔ تاریخ تحریر نہیں۔ کاغذ کا انداز کم سے کم چار سو سال لکھا ہونا ظاہر کرتا۔ نسخہ پہلا ہے قصائد ہیں قطعات ہیں نیز رباعیات (تعداد ۱۸۱)

معارف کی منقولہ رباعی کے مصرع چہارم میں "شعر سوختم" کے بعد "لالہ" کا لفظ رہ گیا ہے۔

اس عریضہ کے ساتھ دیوان ابوالفرج رونی ہے اور یہی کاتب کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر ۹۹۹ھ سن کتابت درج ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ اپریل ۱۹۲۶ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۷)

بنام قریشی صاحب

لطف و کرم فرمائے من! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اطہر عباس صاحب ابوالفضل پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ مہربانی سے یہاں آئے کلام کیا۔ اب دم پورا تے ہیں۔ اجنبیت سے گھبرانے ...

آپ کے اخلاق کا ذکر کرکے متعلق کر دیا مزید تحریر کی ضرورت نہیں کہ خواجہ خود درویش بندہ پروری وانما الحمد للہ عافیت شامل حال ہے۔ آپ ...

عافیت علیٰ ... مولوی عبدالحمید خاں پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ پاس بیٹھے ہیں۔ آپ کو سلام شوق کہتے ہیں والسلام۔

غالباً نومبر ۱۹۴۶ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۸)

بنام مالک رام

گرامی قدر! السلام ثم الکلام

شکریہ یادآوری۔ فسادوں کا کیا کہنا۔ ملک اور اہل ملک کی قسمت، ایک عالم اس سے ماورا ابھی ہے۔

بنود بے نشانے اندے دوست لیکن۔ دو جہاں ہم برابد سر شور و شر نمارم

یہ مقال نہیں حال ہے۔ والله الشکر

تصویروں کی بابت علی گڑھ میں عبدالوحید خاں سے مل کر انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔

"مصنف" کا مطلوب نمبر بھیج کر ایک دیکھنا چاہتا ہوں

طاہر کا سلام قبول ہو۔ الحمد للہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کی عافیت کی تمنا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ مارچ ۱۹۴۷ء

(۶۹)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من! السلام علیکم

اس نیاز نامہ کے ساتھ ایک نسخہ مقالات شیروانی کا پیش کرتا ہوں۔ یہ مقالات، میری ۴۲ سالہ محنت ادبی کی یادگار ہیں۔ مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ادبی تحفہ قبول ہوگا۔ کبھی فرصت سے اوس پر نظر ڈالی جائے گی

یہ ضروری التماس ہے کہ یہ کتاب عام مطالعے میں نہ رہے بلکہ کتب حوالجات کی الماری میں محفوظ رکھی جائے۔

سلطان جہاں منزل علیگڈھ ۲۹ جون ۱۹۴۷ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۰)

بنام وحشی صاحب

ادیب باامتیاز بلند پایہ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر کرم و کرامت۔ مقالات شروانی کا نسخہ مرسلہ آپ کے واسطے ہے۔ علی گڑھ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ کتابخانہ ریاست کے واسطے آپ کے نام ارسال کر دیں۔

ایک علوی منظر" مقالہ کی قدر دانی باعث مسرت و سپاس خاص ہے۔ اس منظر نے مجھ کو ایسے عالم میں رکھا تھا جو اس عالم سفلی سے ماورا تھا شکر ہے کہ آپ نے اوس کی قدر کی جو ذوق سامی کے نزاکت پسندی کی شہادت ہے۔ تحفہ گرامی فرہنگ غالب کا شوق سے انتظار کروں گا۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۔ اگست ۱۹۴۷ء		نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۷۱)

بنام وحشی صاحب

کرم فرما بر حال مخلص دیرین! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

فرہنگ غالب کا نسخہ پہنچا۔ زہے الطاف۔ شکر الطاف قبول ہو۔ غالب آپ کے ذوق خاص سے فیض یاب ہے نیز فارسی ادب۔ ورنہ کون غالب، ادب فارسی کا جویا ہے۔

فرہنگ غالب پر نظر ڈالی۔ بہت فیض رسان تالیف ہے۔ پہلی نظر میں مجھ کو یہ سبق ملا کہ جاہل مبتدی عام فارسی ہی ہے۔ ورنہ اس کے ہندی ہونے کا علم تھا۔ والسلام

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

(۷۲)

بنام مالک رام

مصدر لطف و کرم! علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ماہ حال کے الطاف نامے کا شکر گزار ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے خط بھیجا ہو اور اس کو پاکر میں نے پہلے موقع پر جواب نہ دیا ہو میری عام عادت جواب وقت پر لکھنے کی ہے۔ اب یا آپ کے خط نہیں پہنچے یا میرے۔

بہر حال، الحمد للہ بعافیت ہوں صحت درست ہے۔ کسی مرض کی شکایت بفضلہ تعالیٰ نہیں۔ اطمینان رکھئے۔

حالات اس نواح کے بے اضطراب ہیں۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہوں گے۔ میرے مشاغل للہ الحمد باطمینان و فراغ خاطر جاری ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بھی قرین صحت و عافیت ہوگا۔		نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۴ اکتوبر غالباً ۱۹۴۷ء

(۷۹)

بنام مالک رام

مہربان مخلصان یادآور دوستاں مدالطافہم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۲ ماہ گذشتہ کے التفات نامے کا شکریہ۔ الحمدللہ بخیر وعافیت ہوں۔ برادر عزیز عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ انہوں نے جواب بھیجا [illegible]
نیز میرے اردو دیوان کا ایک نسخہ۔

آج کل موسم یہاں خلاف دستور ٹھنڈا ہے۔ ہوا پُروائی زور سے مسلسل چل رہی ہے۔ حالانکہ لُو چلنے کا زمانہ ہے۔
آپ کی مطلوبہ فہرست دواوین تیار ہو رہی ہے۔ بعد تکمیل انشاءاللہ روانہ کی جائے گی۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ　۵ مئی ۱۹۴۹ء

(۸۰)

بنام مالک رام

عزیز القدر گرامی شان سلمہٗ۔ وعلیکم السلام۔

۱۰ مئی کا نامہ عزیز بادامِ خوش مہار۔ الحمدللہ تعالیٰ خیریت وعافیت ہے۔ عام قاعدے کے مطابق یہ موسم بہت بلکہ شدت گرما کا [illegible]
کل سے بہت موسم ٹھنڈا ہے۔ صحت اچھی ہے۔

آپ کا خط مہتمم کتابخانہ کو بھیج کر ہدایت کرتا ہوں کہ اس کے مطابق فہرست مرتب کر کے بھیجیں جس وقت تیار ہو انشاءاللہ آپ کو بھیج دی جائے گی۔
دیوان اردو کے پہلے نسخے ایک مرتبہ سے نمارق ہو گئے۔ دوبارہ طبع ہو رہے ہیں۔ طبع ہو جانے پر انشاءاللہ نسخہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ آپ کے [illegible]
فرمائشی نقل کا انتظام بھی انشاءاللہ کر دیا جائے گا۔ اور نقل میری طرف سے بطور ہدیہ کتابخانہ آپ کو بھیج جائے گی۔
آپ رخصت کے زمانے میں یہاں بھی آئیں تو دل کو بڑی خوشی ہو۔ میری عمر کا جمع کردہ سرمایۂ کتب دیکھیں۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کا [illegible]
کا سرمایہ ہے۔ فہرستیں متعدد میں نے مرتب کی ہیں۔ ان کو دیکھ کر آپ انشاءاللہ خوش ہوں گے۔
عزیزی عبدالوحید خاں کو آپ کا سلام و پیام پہنچا دیا گیا۔
ایک سے زیادہ حاضرین آپ کا پیام سننے اور سن کر خوش ہونے کے اہل ہیں۔ بیادِ حریفانِ بادہ پیمارا [illegible] دن کیلئے دلنواز اور راحت [illegible]
کر۔ برادر عزیز عبدالوحید خاں نے بیان کیا کہ ۔ دو دیوان حضرت آپ کو بھیج دیا گیا۔

صدر یار جنگ　۴ جون ۱۹۴۹ء

(۸۱)

بنام مالک رام

میرے مہربان عنایت فرما خوش رہو۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت کے بعد بلکہ مدت بعید و مدید کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر آنکھیں پر نور، دل پرسرور ہوا۔ یاد ہمیشہ دل میں رہتی ہے خط کس [illegible]
جب پتہ معلوم نہ تھا۔ اب معلوم ہوا تو لکھ رہا ہوں۔ اس سے خوشی ہوئی کہ اکتوبر میں آپ کا ہندوستان آنے کا ارادہ ہے۔ اور اسی سلسلے میں آپ کو یہاں [illegible]

کتاب فلسفہ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔
الحمد للہ تعالیٰ خیر و عافیت شامل حال ہے۔ میں بہ عافیت ہوں، اپنے مختلف مشاغل میں مصروف ہوں۔ آپ کی خدمت والا میں یہی تھی کہ خط لکھا۔ اگر کوئی ضرورت ذہن میں آئی بے تکلف لکھ دوں گا۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۸۲)

بنام ہمایوں مرزا صاحب

الطاف فرمائے مخلصان، تسلیم
آپ مجھ کو اجازت دیں کہ منشی وزیر خاں صاحب سفیر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ منشی صاحب موصوف یہاں آئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ نہ صرف خود دائف ممبری قبول فرمائیں گے بلکہ اور صاحبوں کو بھی ترغیب کر کے اس اعلیٰ الخیر کا درجہ حاصل فرمائیں گے۔ یہ ہمدردی آپ کو قومی تعلیم سے ہے اس نے ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت دلائی ہے۔

صدر یار جنگ

(۸۳)

جناب نواب صاحب، السلام علیکم و رحمۃ و برکاتہ
۲۔ ابان سنہ حال روز یک شنبہ کو جو کاغذات متعلق کمیشن کہ بیر جناب نے دست بدست عنایت فرمائے تھے وہ اس نیاز نامہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں نے اپنی نوشتہ تجویز پر نظر ڈالی۔ سابق رائے میں تبدیلی کی وجہ محسوس کرنے سے میں قاصر رہا۔ بروقت تحریر کرنے تجویز کے جو امور پیش نظر تھے پورے غور کے ساتھ لحاظ کیا گیا اور تجویز لکھی گئی۔ اب اس قدر عرصہ دراز کے گذر جانے کے بعد تمام وجوہ کو یاد رکھنا اور تائید میں پیش کرنا ممکن نہیں۔ جو رائے قائم کی گئی ہے اس کی بنیاد تجویز مذکور میں ظاہر کر دی گئی ہے۔
آپ کی رائے بالکل آزاد ہے۔ جو رائے قائم فرمائی جائے زیب قلم ہو۔

صدر یار جنگ

(۸۴)

جناب مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ علیہ
مولوی افہام احمد صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ دو کتابیں لے کر حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ دونوں کتابوں کو کانفرنس نے شائع کیا ہے۔ جو اپنی اپنی جگہ پر مفید و قابل مطالعہ ہیں۔ ایک کتاب دور جدید کے مسلم علمی خیالات کا آئنہ ہے۔ دوسری مرحوم نواب وقار الملک کے سوانح حیات کی مکمل سرگذشت ہے۔ امید ہے جناب کا ذوق علمی اس خدمت کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ والسلام

صدر یار جنگ — سیکرٹری

(٥٧)

(۸)

(۱)

کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں۔ ہمت تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شاملِ حال ہو۔

انشاء اللہ نومبر میں لاہور آ کر مستقل طور پر کام شروع کروں گا۔ اس وقت آپ سے خوب خوب ملاقاتیں ہوا کریں گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں کشمیری میگزین کی ترقی اشاعت کے لئے بھی چند باتیں آپ سے کروں گا۔ باقی خیریت ہے۔ اللہ دیا صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیجئے[1]۔ علاوہ ازیں تاراچند صاحب تارا [illegible] سوہن فروش دہلی دروازہ کی خدمت میں ہے۔ والسلام!

محمد اقبال از شہر سیالکوٹ ۲۹ راگست ۱۹۰۸ء

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

مرزا افضل احمد صاحب[2] کا خط ملفوف ہے۔ وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ بھی آیا ہے۔ مہربانی کر کے اس کی تعمیل بھی کریں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو، غلام محمد دار متصل گمند ہگر گوجرانوالہ کے نام ارسال کر دیں۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب لکھ دیں۔ یہ صاحب آپ کے میگزین کے خریدار ہیں۔

راقم

محمد اقبال (آنریری جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور)

۱۱ رمئی ۱۹۰۹ء

(۴)

پوسٹ کارڈ، بنام منشی محمد الدین فوق

بصحنِ گلشنِ ما صورتِ بہار بیا　　کشادہ دیدۂ گل بہرِ انتظار بیا

اقبال

۷ رمارچ ۱۹۱۲ء لاہور

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ آج کل لاہور میں ہیں یا سیالکوٹ[3] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے۔ اگر اس رسالہ کی کوئی کاپی آپ کے پاس رکھی ہو تو ارسال فرمائیے۔ پھر واپس کر دی جائے گی۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ کبھی ملتے ہی نہیں۔ اب تو آپ پیرِ طریقت بھی بن گئے۔ خدا کرے کہ جلد حافظ جماعت علی شاہ صاحب کی طرح آپ کے بھی وسعد کشمیر کے متعلق اطلاع میں شائع ہوا کریں۔ والسلام! اس کارڈ کا جواب جلد ملے۔

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور

۲۴ رجولائی ۱۹۱۵ء

---

[1] اللہ دیا جوگی صاحب کا شکریہ اس لئے ادا کیا ہے کہ انہوں نے ولایت سے اقبال کی تشریف آوری پر لاہور کی ایک تقریب میں نظم پڑھی تھی۔ تارا چند بھی شاعر تھے شاید انہوں نے بھی کوئی نظم پیش کی ہو۔

[2] میرزا افضل احمد مرحوم خان صاحب میرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی و جاگیردار و مالک اخبار رہنما راولپنڈی کے والد بزرگوار تھے۔

[3] سری نگر، کشمیر　[4] مرحوم علی پوری

بنام محمد دین فوق

(۶)

مخدومی فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو آنے کی کیونکر ممانعت ہو سکتی ہے؟ میں نے اس خیال سے لکھا تھا [illegible] آپ معروف آدمی ہیں آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انارکلی نیز لوہاری دروازہ سے دور ہے۔

کتاب جب آئیے تو ضرور ہمراہ لائیے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لائیے۔ ۲۱ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا [illegible] نہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر نظر سے گذری ہے۔ والسلام!

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام محمد الدین فوق

(۷)

مخدومی فوق!

السلام علیکم۔ دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت [illegible] تکلیف ہوئی۔

وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ملا کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے [illegible] اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

[illegible] صاحب

(۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآن کریم ہے مگر تدبر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Ego Engenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔

زمانہ حال کی سفرجیسٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Right of Women میری نظر سے گذری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔

جان اسٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۱۷ء

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد

بنام محمد الدین فوق

(۹)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا رستی خط مل گیا ہے۔ منشی قمر الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خاں کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گذرتے۔ مخبر دکن کا ممنون ہوں اور شکر گزار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں نہ میں نے حیدر آباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے۔ حیدر آباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔

اودھ پنچ لکھنؤ نے جو اعتراضات مجھ پر کئے ہیں ان کا مجھے علم نہیں وہ پرچہ تلاش کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار ہرگز نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔ والسلام!

امید ہے کہ آپ قمر الدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملئے۔ آپ کی "نوبیت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظروں سے غائب ہو گئی۔

محمد اقبال۔ ۹ مارچ ۱۹۱۱ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور اہل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشمیر کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ زمانہ کے کشمیر نمبر میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مقالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے میں آج تک کشمیر کی سیر نہیں کر سکا لیکن امسال قصد ہے کہ آپ کا مقالہ مجھے بھی اُدھر کھینچ لے جائے۔

"اسرار خودی" کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی ختم ہو گئی۔ میں نے ارادتاً کم تعداد میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اصل راز لفظاً نہیں سمجھا گیا۔ اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔

ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی قریب اختتام ہے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۸ جون ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۱)

ڈیئر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا مرسلہ ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔

رسالہ نظام کا اجرا مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ طریقت ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا سلسلہ فرماتے[۱]۔ محمد دین صاحب صوفی[۲] آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کارداں ہیں۔

میں بھی آپ کے لئے انشاءاللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۲)

ڈیئر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ (لکھنؤ) کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں۔ سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیر تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے کم از کم مجھے صرف ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء

---

۱ [illegible] فوق صاحب نے طریقت بند کر کے نظام جاری کیا تھا۔ ۲ مولوی محمد دین صاحب مدیر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین۔

بنام منشی محمد الدین فوق　　　　(۱۳)

مخدومی فوق!

السلام علیکم۔ ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو رسالہ نظام میں شائع کرنے کے [illegible]

اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔

مخلص محمد اقبال از لاہور ۲۸ فروری ۱۹۱۹ء

[منشی سراج الدین صاحب جموں کے رہنے والے تھے کئی سال تک مختلف بندوبست افسروں کے ماتحت [illegible]

رہے پھر تحصیلدار ہو گئے۔ اپنی قابلیت اور حکمت عملی کی بدولت افسر مال کے عہدے تک پہنچے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ پنشن [illegible]

بعد کشمیر اور جموں میں ریذیڈنٹ ایجنٹ (وکیل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

آج سے قریباً پینتیس چالیس سال قبل، ریاست میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر رئیس اور کوٹھی دار [illegible]

کے انشاء پھیر سے ان کی حالت پتلی ہو گئی اور پنجاب نیشنل بنک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں [illegible]

اور قرقیاں کرائیں، ہزاروں کی جائداد سینکڑوں میں نیلام کرادی۔ نیلام، قرقیوں وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں ہوئی تھیں۔ منشی سراج [illegible]

نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی قانونی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کشمیر بلایا۔ ڈاکٹر صاحب [illegible]

بی۔ اے پلیڈر راہوا پنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے اور قریباً دو ہفتے سری نگر میں رہے۔ لاہور واپس آکر منشی صاحب کو [illegible]

ان میں اسی مقدمے کے متعلق ذکر ہے۔]

بنام منشی سراج الدین ریٹائرڈ افسر مال کشمیر　　　　(۱۴)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور دس بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل [illegible]

کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گذاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

میرا خیال تھا کہ آپ کے آنے تک حکم سنا دیا گیا ہوگا مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب [illegible]

رخصت سے واپس آکر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو شائع کیا [illegible]

کیا ہے مثل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے [illegible]

اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص کر [illegible]

زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے نتیجہ اچھا ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت [illegible]

ہوئی اور نہ اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ اسد اللہ صاحب (ایڈووکیٹ سری نگر کشمیر) ملیں تو میرا سلام ان سے [illegible]

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۸ جولائی ۱۹۲۱ء

۱۔ منشی صاحب تحصیلدار افسر مال تھے۔

بنام منشی سراج الدین صاحب

(۱۵)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بغور پڑھا ہے۔

دفعہ ۳۰۲ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی سے تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے، اسے۔ ڈی حکیم صاحب سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیرباری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہو گی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان کو تمام امور ملحوظ رکھ کر آخر فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیرباری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ / اگست ۱۹۲۱ء

(۱۶)

بنام منشی سراج الدین صاحب

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ انشاء اللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان راہ[1] کامل طور پر نہ بچا مگر پھانسی سے بچ گیا۔ لالہ کنور سین[2] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث

---

[1] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

[2] جسٹس کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی علامہ اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

ان کے مرید مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[1]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین[2] صاحب سے سلام کہئے گا۔ والسلام!

محمد اقبال سیالکوٹ ۲۹ اگست ۱۹۲۲ء

(۱۸)

بنام پیرزادہ حسام الدین

مخدومی!

السلام علیکم۔ والا نامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجئے نیز التماس دعا بھی کیجئے۔ کرسمس کے دنوں میں دلی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاء اللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں! کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو تو نوائے محرمِ گوش ہو وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں
دمِ طوفِ کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ مری حدیثِ گداز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں[3]

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آئے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

---

[1] اقبال کی نظم "ابرِ گہربار" یا "فریادِ امت" کا ایک شعر ہے:

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس کے مفہوم کے متعلق دو فریقوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اقبال سے پوچھا گیا تو واضح کر دیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف بُرے انداز میں باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے گویا اقبال کا یہ شعر اس طریقِ مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

[2] جن کو اقبال نے آخری عمر میں اپنی جائداد کا وصی مقرر کیا تھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[3] "بانگِ درا" میں صرف ایک شعر اور ہے:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

حضور سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے یقین ہے انہیں پسند آئیں گے۔

تیغ لا در پنجۂ این کافرِ دیرینہ دہ	باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الاّ ے من !
از سپہرِ بارگاہت یک جہان افروختیب	جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار	یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ / دسمبر ۱۹۲۲ء

نوٹ: اس خط کا جواب میر خورشید احمد کی طرف سے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۲

۱؎ اس کے ساتھ شعر وہی جو "پیامِ مشرق" میں چھپے۔

۲؎ خادن آنس دہلی ۱۷ / دسمبر ۱۹۲۲ء

مطاعی جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب

آداب ۔ جناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس ننگِ آفرینش کو "مخدومی" سے خطاب فرمایا ہے۔ میں اسے پڑھ کر بہت نادم ہوا ... اوّل سبب اور بانہ جرأت یہ کہ جناب ایسی مقدس ہستی کو خط لکھتا ہوں، دوم گستاخانہ آرزو یہ کہ جواب کا امیدوار رہتا ہوں۔ اس پر آپ ... مخدومی کے الفاظ! کہیں ہمکار مصداق نہ ٹھہروں۔

جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے "ڈاکٹر صاحب کو میرا سلام کہو اور لکھو:

اے ساقیِ رہ سخن زہر باب مجو	جز راہِ وصلِ ربِ ارباب مجو
چوں علتِ تفرقہ است اسبابِ جہاں	جمعیتِ دل ز جمعِ اسباب مجو

پرسوں شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

دہرا رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کوئی جس لائق ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر سائنس اور ... مولوی) کو عطا ہوتا تو یہ حضرات برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے ۔ وغیرہ وغیرہ۔

کل صبح ملا۔ فرماتے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو دہلی میں دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ شاید انہیں یاد ہو۔ میں منتظر ہوں، کب فروری آئے اور جناب کی صحبت کے فیض حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ فقرہ رسمی ہے کہ میرے لائق کوئی خدمت ... ہو سکیں ہیں، اسے دل سے لکھ رہا ہوں کیونکہ اپنے لئے سعادت جانتا ہوں۔

خورشید

(۱۹)

[illegible] محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم عبداللہ غزنوی محدث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی۔ ایک ساعت تأمل کیا پھر طلبا کو مخاطب کر کے کہا: "ما بقضائے او راضی ہستیم۔ بباشید کہ کار خود بکنیم۔" یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھئے، بہت مفید کتاب ہوگی۔۔۔۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہوگی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شیو نرائن شمیم آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی۔

"اسلام بطور سیاست" چودہ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخرکار ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی میں ظاہر ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب نے کیا تھا، معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں۔ مجھ کو کوئی اعتراض نہیں البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز تک سیالکوٹ جانے والے ہیں وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تأمل نہ ہوگا۔ انگریزی مضمون چند روز ہوئے "مسلم آؤٹ لک" میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے مل سکتا ہے۔

باقی رہے میرے حالات، اس کا ان میں کیا رکھا ہے؟

میری طرز رہائش مشرقی ہے۔ آپ جب چاہیں شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔

محمد اقبال، لاہور، ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء

(۲۰)

[illegible] محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ مخدومی جناب مولوی [illegible] صاحب نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا۔ سوائے عشق پیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا ان کا سبند ضرور تھا۔ سیالکوٹ کے مشہور قدیم شعراء میں سے شیخ محمد علی ماچ تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہجہان یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے بہار عجم میں جابجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک

[illegible] مولوی سید میر حسن سیالکوٹی۔

میرے اشعار کو کشمیری [illegible] میں وہ شعر کے مذاق اور مناسبت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے
کہ میرے کہنے کا مدعا ان کی [illegible] ہے۔
شعر میں ...... کے [illegible] معلوم نہیں [illegible] جا سکتی ہے۔[1]
محمد اقبال لاہور ۲۶ مئی ۱۹۲۳ء

(۲۲)

بنام میر خورشید احمد

بر بناگوش تو اے نیک تر از دُرِّ یتیم
سنبلِ تازہ ہے بر در مراز نقرۂ سیم (فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور ۳۱ مئی ۱۹۲۳ء

(۲۳)

بنام میر خورشید احمد

مکرمی!
تسلیم۔ لفظ دُرّ مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج صبح قصیدہ بُردہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا ؎

فالدُّرُّ یزداد حُسناً وَ ہُوَ منتظم
ولیس ینقص قدراً غیر منتظم

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔ ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

(۲۴)

بنام میر خورشید احمد

مکرم بندہ!
السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے۔ امام شرف الدین کا لقب بوصیری ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ؎

اے بصیری را ردا بخشندہ   بربطِ سلمیٰ مرا بخشندہ

والسلام! محمد اقبال لاہور ۳۰ جون ۱۹۲۳ء

---

[1] غالباً [illegible] کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

بنام پیر خورشید احمد

(۲۵)

مکرمی جناب خورشید!

امین صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجیے شاید زمیندار اس مطلب کے لیے بہتر ہوگا۔

تعجب ہے عربی شعر کو جناب[۱] (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے۔ چھٹی صدی کے آخر میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام!

میں انشاءاللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبال لاہور ۲۶ جون ۱۹۲۳ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۶)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور آج کل دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپکا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور ۳۰ جون ۱۹۲۴ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۲۷)

جناب من!

السلام علیکم۔ میں نقرس کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا معاف فرمائیے۔ "دکن میں اردو" نہایت مفید کتاب ہے، خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا۔ اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے، اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہوگئی تو مؤرخِ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۷ مئی ۱۹۲۵ء

نوٹ: اس خط کے چند سال بعد "پنجاب میں اردو" محمود شیرانی نے شائع فرمائی۔

---

[۱] جناب نیاز فتح پوری۔ مدیر نگار، لکھنؤ۔

(۲۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

[illegible] کا مضمون "بیاران لکھنؤ" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا، بہرحال موجودہ [illegible] کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک، مصنفہ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ سنا ہے کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو میں بھی کر رہا ہے۔ والسلام!

محمد اقبال۔ ۵ مئی ۱۹۲۶ء

(۲۹)

بنام میر حسن الدین[1]

جنابِ من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی تامل نہیں، آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آ چکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ فقط!

محمد اقبال لاہور ۱۱ر جنوری ۱۹۲۷ء

(۳۰)

لاہور۔ ۷ر جولائی ۱۹۲۷ء

میر ولی اللہ[2] خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔

---

[1] میر حسن الدین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل جامعہ عثمانیہ کے ایک لائق سپوت تھے۔ اقبال کی کتاب "فلسفۂ عجم" کا ترجمہ کیا تھا جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ یہ خط اسی کے ترجمہ کا ذکر کرتا ہے۔ حسن الدین صاحب نے حیدر آباد میں سالہا سال تک ایک ہفتہ وار اخبار "مملکت" مرتب اور شائع کیا۔ یہ خط تاج صاحب نے ادارے میں داخل کیا ہے اور اب تک نہیں چھپا ہے۔

[2] اصل خط ملک اللہ دتا بشیر کے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹو گراف انہوں نے مجھے دیا ہے جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔ ملک اللہ دتا بشیر رحمٰن کا ذکر اس خط میں ہے) یہاں موجود اور بڑے اچھے خطاط ہیں۔ (تمکین کاظمی)

بنام تمکین کاظمی

(۳۱)

جنابِ من!

تسلیم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو لوگوں نے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود اسرارِ خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش ہوئی تو قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمد اقبال لاہور ۱۶ر اگست ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۲)

جنابِ من!

تسلیم۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمہ سے اردو دانوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمد اقبال لاہور ۴ر ستمبر ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۳)

جنابِ من!

تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ زبورِ عجم پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیمار رکھا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیاتِ اسلامیہ پر لیکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں اگر فروری ۲۹ء تک یہ لیکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبال شملہ ۱۸ر ستمبر ۲۸ء

---

[1] یہ خط میرا سرمہ ہے۔ میں نے علامہ کی اسرارِ خودی کا ترجمہ اردو نظم میں کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی اطلاع علامہ کو دی تو علامہ نے یہ جواب لکھا ہے۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[2] اس خط کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ میرے نام ہے۔
میں نے اقبال کی فارسی نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا ان دنوں مجھے قافیہ پیمائی کا شوق تھا اور اسی کو میں شاعری تصور کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں نے اقبال کو بھیجا تو انہوں نے یہ رائے دی جو اس خط میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اسی روز سے میں نے شاعری ترک کر دی اور اب بحمد اللہ اس سے کوسوں دور ہوں۔
میں علامہ اقبال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میں نے ایک بیکار مشغلہ سے چھٹکارا حاصل کیا یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[3] یہ خط بھی میرے نام ہے جو محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

(۳۴)

بنام [illegible] انقلاب

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"،

السلام علیکم۔ ۲۴ جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع کر کے مجھے ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب "انقلاب" معترض ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکان کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لئے صرف پنجاب سائمن کمیٹی[1] کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین "انقلاب" میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے "انقلاب" میں شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہرحال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط موجود ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ جن ارکان کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی سر رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام یٰسین۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے ارسال کر چکے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال شملہ ۲۸ جولائی ۲۹ء

۱۔ سائمن کمیشن کی اعانت کے لئے ایک مرکزی سائمن کمیٹی بنی تھی، اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بھی سائمن کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں ایسی باتیں درج تھیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات کی نوعیت کیا ہوگی۔ "انقلاب" میں اس پمفلٹ پر نکتہ چینی کی گئی۔ نواب احمد یار خاں مرحوم نے تحریر فرمایا کہ اس پمفلٹ پر پنجاب کونسل کے مسلم ممبروں نے دستخط کئے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے کسی ایسے پمفلٹ پر دستخط نہیں کئے۔ نیز جن ممبروں کے نام درج کئے ہیں انہوں نے بھی مرحوم کے استفسار پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔ یہ گویا نواب احمد یار خاں مرحوم کے بیان کی تردید تھی۔

بنام پروفیسر رشید احمد صدیقی

(۳۵)

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں "بادیہ پیمائی" ہے[1]۔

پہلے مصرع میں 'اینجا' سے مراد 'دریں بادیہ' ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ یعنی بے زنجیر آزادانہ رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے۔ یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کر لے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرّہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور، ۲ دسمبر ۲۹ء

بنام مدیر انقلاب مہر صاحب

(۳۶)

جناب مدیر انقلاب!

السلام علیکم۔ آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزا سے اظہارِ ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی بیانات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمایئے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور یکم ستمبر ۳۰ء

---

[1] خواجہ حافظ کا شعر ہے ؂

صد بادِ صبا این جا بے سلسلہ مے رقصند　　این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں دو نسخے ہیں۔ ایک "باد نہ پیمائی" دوسرا "بادہ نہ پیمائی"۔ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

(۷۸)

(۷۹)

بنام مہر صاحب

(۳۹)

ڈیر مہر صاحب!

میں تو آج دہلی جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ ہو گیا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہوگا۔ اس تشویش کی حالت میں میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت کر دیں کہ میں ان کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی افتاد کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں بہت تشویش ہوتی ہے۔۔ والسلام!

محمد اقبال ۲۹ ر فروری ۱۹۳۲ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۴۰)

مخدومی!

"یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لئے نہایت شکر گزار ہوں۔ یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جاری رکھ سکنے میں کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کے ساتھ نقا کی ایک صحیح تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۱۹ مئی ۳۲ء

بنام مہر صاحب

(۴۱)

ڈیر مہر صاحب!

گذشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے "انقلاب" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے:

Committed to joint statement already issued from Lahore. Sorry cannot now Sign another statement. Another Unity Conference essential
Sd. Md. Iqbal

محمد اقبال

---

[۱] اس مکتوب میں ہز ہائی نس سے مراد اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خان بہادر والیٔ بھوپال ہیں۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہوگا کہ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس میں ایک مرتبہ مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس ضمن میں اعلیٰحضرت ممدوح نے علامہ مرحوم کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی۔ چنانچہ حضرت مرحوم دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ اعلیٰحضرت دہلی آئے تو حضرت علامہ کو اسی گفتگو کے لئے دہلی بلایا۔ حضرت علامہ عزیزی جاوید کی علالت کے باعث جا نہ سکے اور میں نے دہلی پہنچ کر پیام معذرت اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔

مہر

بنام مولانا [illegible] خان صاحب

(۴۲)

۵ جولائی ۱۹۳۲ء (بصیغہ راز)

جناب مولانا!

السلام علیکم۔ مولانا شوکت علی تو اس وقت سفر مصر کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للت کا خط میرے پاس آیا تھا، اس کا مضمون یہ تھا کہ "ڈاکٹر مونجے ہماری اسکیم کو جو تم نے لیگ کی صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالوی سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے۔ گو اس وقت علانیہ طور پر اس سکیم کو تسلیم کر لینا مصلحت نہیں ہے۔" یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر للت ان سے ملے تھے میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کے ذریعہ سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للت اب معلوم نہیں کہ کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر للت کے خط کو شائع کر دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

افسوس کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

مخلص محمد اقبال

بنام مہر صاحب

(۴۳)

ڈیر مہر صاحب!

کل صبح الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے ۶ فروری تک واپس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسین سے جنہوں نے دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون واحد۔

محمد اقبال

یہ مکتوب جیسا کہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے ہسپانیہ کے دارالحکومت میڈرڈ سے بھیجا گیا تھا ۱۹۳۳ء کے اوائل میں حضرت علامہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تھے وہاں سے فارغ ہو کر اسلامی یادگاروں کو دیکھنے کے لئے ہسپانیہ پہنچے تھے۔ چودھری صاحب سے مقصود چودھری محمد حسین [illegible] ہیں۔

(۴۴)

بنام مہر صاحب

پیرس

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ کل "انقلاب" کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب[1] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ابھی ابھی کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز کانٹے وردی پہ سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاء اللہ بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیونکر سما سکتا ہے؟

امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور گھر پہ بھی خیریت بھیج دیجئے۔

خان صاحب ذکاء اللہ خان[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ان کے اعزا تک میری طرف سے تعزیت پہنچائیے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔

سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال یکم فروری ۳۳ء

(۴۵)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط احیائے مسلم لیگ والے مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا ایڈیٹر اور مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام!

محمد اقبال

---

[1] انگریزی دورِ حکومت کے مشہور انقلابی، جو پیرس میں مقیم تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ آج کل کاروبار میں مشغول ہیں۔

[2] خان صاحب ذکاء اللہ خان مرحوم ڈسٹرکٹ و سیشن جج جو ڈاکٹر صاحب کے دوست تھے۔

Kucha chelan
Delhi 15. Z. 33.
From - Mr. Asif Ali, Bar-at-Law,

The enclosed letter is a draft manifesto which speak for itself. There is every chance of resuscitating the League after a close examination of the possibilities of making the League representative organization. I can assure you that if we proceed in the manner suggested in the manifesto we can secure the objects we have in view. I am, therefore, requesting you to let me know by wire before the 29th April, 1933, if you agree with the manifesto or you may suggest any alterations.

It is proposed to issue the manifesto to the press on the 30th instt. and unless you suggest any -alteration or decline to be signatory you will be included among the signatories.

Further I request you to send in nominations to the council of the league to be put up before the councile see that all of them are reliable and energetic persons.

Further still I must request you to sed that those who are under notice to pay up arrears lest they are put along with other defaulters (who must be removed or struk off).

I am confident that if we enorl a large electorate of Rs.1/- member we can make the League really representative, I need hardly emphasize the necessity of reorganizing the League befor 1935. The future of muslim politics depend entirely on sound organizations and disorganized muslims will be a source of great wekness and the responsibilities of allowing-the interest of the community no less than this country to suffer, will be ours if we neglect our duty now.

Those who have used the League and other organizations for selfish and narrow ends of their tethervand must go it will be very serious to fail to be stirred now and step in to the field.

Please do you duty.

بنام منشی محمد الدین فوق

(۴۶)

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں پڑھنے کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو باہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا۔ "س" تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور "پرو" کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم و تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔

دیوان ٹیک چند (ایم۔ اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاہ پور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہو گئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[2] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال ۱۶ر جنوری ۱۹۳۴ء

بنام مولوی عبدالحق صاحب

(۴۷)

مخدومی!

السلام علیکم۔ مزاج اقدس! آپ کی کانفرنس کے دو پروگرام دیکھنے میں آئے ہیں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ انگریزی پروگرام کی رو سے اجلاس عام ۲۸ کو ہے اور اردو پروگرام میں ۲۹ کو بتلایا گیا ہے۔ آپ اگرچہ آج کل بے حد مصروف ہیں مگر اتنی تکلیف آپ کو دوں گا کہ مجھے آپ اطلاع دیں کہ کونسا پروگرام صحیح سمجھا جائے۔ نیز یہ کہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہے؟

جواب مرحمت فرمائیں کیونکہ کالج کل سے بند ہو رہا ہے۔ والسلام مع الاکرام!

مخلص محمد اقبال ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء

---

[1] علامہ اقبال بھی کشمیری برہمنوں کی سپرو گوت سے تعلق رکھتے تھے تفصیل کے لئے منشی محمد الدین فوق کی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" دیکھئے۔

[2] حضرت علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

بنام منشی محمد دین فوق

(۴۸)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ خط ابھی ابھی موصول ہوا۔ کل گوجرانوالہ سے حکیم برہم کا خط آیا تھا انہوں نے مجھے [illegible] کا "ریاض الاخبار" ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض (خیرآبادی) کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہم لکھتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام!

آپ کا اقبال!

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے، کیونکہ انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔

آپ کا اقبال!

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انہوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں ؎

حق تو یوں ہے کہ وہ ہے سب شعرا سے بدتر

آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں بلال اچھا ہے

میں ایڈیٹر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کریں گے۔

اقبال

لفافہ پر: علی گڑھ منتھلی کا آخری نمبر ضرور دیکھیے۔ اس میں حسرت موہانی نے ایک ...... حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبال

(تاریخ ندارد)

بنام سید مبارک شاہ صاحب جیلانی

(۴۹)

جناب من!

السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے تعمیلِ ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیونکر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال!

سر عبدالقادر

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

(۱)

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ پندرہ کاپی پراسپکٹس کی ارسال خدمت ہیں، انہیں کا پہلا کے ساتھ ابھی درخواست فارم کے کارڈ شامل نہیں کئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کو اخبار میں مخزن پر نوٹ لکھنے کے لئے پراسپکٹس کی ضرورت تھی، آپ کو فوراً جلد ہی روانہ کیا گیا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر نوٹ لکھ دیجئے۔ اور بعد میں باقی ماندہ کاپیاں اپنے احباب میں تقسیم کرا دیجئے۔ تاکہ جو صاحب اٹاوہ میں خریداری کا قصد رکھتے ہوں ان کے کارڈ میرے نام جلد پہنچ جائیں۔ اور مجھے پہلا نمبر نکالنے سے پہلے قدرے اندازہ لگانے کا موقع ملے کہ مانگ کہاں تک ہو گی۔

لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۰۱ء

بندہ عبدالقادر

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۲)

میرے کرم فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴ مارچ پے در پے پہنچے۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے اب "باز آئی" کا مضمون انشاء اللہ اکتوبر میں چھپ جائے گا۔ اگر آپ کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر۔ ہمارے میر نیرنگ صاحب نے انبالے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ احمد یہاں کے احباب میں تو اکثر آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ابزرور کے منیجر صاحب کو لکھ بھیجتا ہوں کہ وی پی جناب مزمل اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علیحدہ پھروائے دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر وطن کے اگلے پرچے میں شائع ہو گی انہوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی تھی۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں نہ درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپوا کر آپ کو بھجوائی جا سکتی ہیں۔ ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع رفاہ عام میں دے دوں گا۔ اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ قبر نور جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔

۶ مارچ ۱۹۰۲ء

بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب کرم فرمائے بندہ خانصاحب زاد عنایتکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - نظم مرسلہ پہنچی - واقعی تصویر عبرت ہے - آپ نے جو مضمون انتخاب کیا ہے وہ تو ایسا ہے کہ اس پر کوئی چاہے تو ایک کتاب لکھ دے - چند سطور میں کیا لکھا جا سکتا ہے - مگر جتنا آپ نے لکھا ہے نہایت صاف اور پاکیزہ اور دل گداز ہے اپریل کے پرچے میں آپ اس نظم کو دیکھیں گے - یا فروری کے نئے سال کی ابتدا میں آپ کی نظم چھپے گی - خدا کرے کہ سال بھر آپ کے کلام نظم و نثر سے فیض پہنچا رہے - میں نے آپ کا ریویو پڑھا - اور پھر کئی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا - بس یہی شہرت پسندیدگی کا ہے - آپ نے حیات جاوید کی داد بھی خوب دی ہے - اور اس پر تنقید بھی خوب لکھی ہے - حیات جاوید ایک ایسی کتاب ہے جس پر بہت سے ریویو نکلنے چاہئے تھے - مگر افسوس ہے کہ اپنی قسم کا یہ پہلا ہی نکلا ہے - اور یقین نہیں کہ اور جلد میں جلد نکلیں - مجھے افسوس ہے کہ مولوی غلام محمد صاحب کے شور سے آپ نے اور قاضی شاہ سلیمان صاحب نے امرت سر کا قصد ملتوی کر دیا - آج میرے پاس خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے صاحبان آپ کے منتظر تھے - بہر حال پھر موقع بشرط خیریت آیا جاتا ہے - منشی محبوب عالم صاحب اور شیخ محمد اقبال صاحب کو آپ کا سلام شوق پہنچا دیا تھا - وہ اسی شوق سے جواب سلام عرض کرنے کی فرمائش کرتے ہیں -

بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

۱۴ / مارچ سنہ ۱۹۰۲ء

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب السلام علیکم - آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۷ / اپریل ملا - اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کا آیا تھا جس کے جواب میں بوجہ علالت تاخیر ہوئی - کوئی ماسٹر ایسا مجھے دستیاب نہیں ہوا جس کو آپ کے ہاں بھیج سکوں - متلاشی رہوں گا -

جن لڑکوں کے سرٹیفیکیٹ درکار ہیں - ان سب کے رول نمبر اور نام وغیرہ ٹھیک طور پر دریافت کر کے جلد لکھے ہیں تو آپ کو سرٹیفیکیٹ بھجوا دوں گا - سرٹیفیکیٹ عرصہ سے تقسیم ہو چکے ہیں یہاں قاعدہ یہ ہے کہ پرائیویٹ سٹوڈنٹ کی درخواست پر جب تک کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ آئے جن کو یونیورسٹی پہچانتی ہو عطائے سند کے لئے غور نہیں ہوتا -

مخزن کا دوسرا سال شروع ہوتا ہے اور پہلے میں کسی قدر حجم بڑھا دیا گیا ہے - اپریل کا پرچہ کل آپ کو بھیجا جائے گا - چند سطور ہی نوٹس کے لئے -

بندہ شیخ عبدالقادر

لاہور ۲۳ / اپریل سنہ ۱۹۰۲ء

(۵)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب مکرم بندہ خاں صاحب - السلام علیکم - گو عام عقل انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر کوئی ایک سال کے عرصے میں دو دفعہ پنجاب آ چکا ہو اور دو سفروں میں سے ایک دربار کی چپقلش کا سفر ہو تو اُسے پھر تحریک سفر کرنا نادانی ہے مگر عذر اس دل کو کیا کروں کہ بہلتا کہیں نہیں

آپ کا پچھلے سال جلسۂ انجمن کے موقع پر لاہور میں رونق افروز ہونا کچھ ایسا پسند آگیا ہے اور آپ کی آواز انجمن کے پلیٹ فارم پر پھر سننے کا اشتیاق ایسا ہے کہ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ آپ کو پھر بلاؤں۔ باوجودیکہ آج ہی سیکرٹری صاحب سے سن چکا ہوں کہ آپ نے عذر کر دیا ہے۔ میرا مطلب لکھنے سے یہ نہیں کہ آپ اپنے کاروبار دنیاوی چھوڑ کر جلسے دیکھنے پر آ جائیں مگر اتنا مزید کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سخت ہرج یا نقصان کے بغیر آپ آسکیں اور اصلی رکاوٹ صرف سہ بارہ سفر پنجاب کی تکلیف سے بچنے کی ہی ہو تو اپنے مشتاقانِ جمال کی خاطر اس کو بھی "بلائے غم ہائے دگر" گوارا کر لیجئے۔ اس درخواست میں اقبال اور میر نیرنگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ میر صاحب کے ایک فقرے نے مجھے اس پر جسارت درخواست کرنے پر آمادہ کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر اب کے خانصاحب سے لاہور میں ملاقات کرا دو تو جانیں۔ اب میں کچھ آپ کی طرح تسخیر کا عمل تو رکھتا نہیں کہ جسے اور جب چاہوں بلالوں۔ یہی ہے کہ جذبِ دل آزما دیکھوں۔ سو یہ چند حروف لکھتا ہوں میں اکثر یہ دعا مانگا کرتا ہوں کہ خدا ہماری قوم میں ایسے اصحاب پیدا کر دے جو آسودہ حال ہوں اور گو کاروبار اور مشاغل رکھتے ہوں مگر محض فکر معیشت سے آزاد ہوں اور مشاغل علمی اور قومی کے لئے بہت سا وقت اُن کے قابو اور اختیار میں ہو اور اس دعا کے وقت آپ جیسے حضرات کی تصویر سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو بھی علائق کی مجبوری ایسے مواقع سے جیسے کہ جلسۂ انجمن ہے، روک دے تو پھر امید کس کی طرف نظر اٹھائے۔

۶ رفروری ۱۹۰۳ء　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۲)

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں کہ وہ جو سال میں ایک آدھ دفعہ آپ سے ملاقات کے سامان ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ وہ موقع ہوتے تھے جن کا میں شوق سے منتظر رہا کرتا تھا کوئی دو تین سال کے لئے ان کی راہ مسدود ہو۔ اور میں یہ عرصہ ہندوستان سے باہر گزاروں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دو مہینے کے اندر سفر انگلستان کا عازم ہوں اور وہاں مقصد قیام تکمیل فن اخبار نویسی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حاصل کرنے کا موقع ہو جائے تو وہ بھی فتوحات بالائی میں سمجھ کر حاصل کر لی جائے گی۔ اس لئے اس عزم سے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آپ ان چیدہ بزرگان قوم میں ہیں جن سے مجھے گو نیاز دیرینہ نہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں تعلق گہرا ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ آپ سے خواستگار دعا ہوں کہ خدا مجھے اس کام میں برکت دے۔ اور توفیق عطا فرمائے۔ کہ واپس آکر پھر کچھ خدمت اُس کے بندوں کی کرسکوں۔ آپ سے ایک دوستانہ التماس ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ مخزن کے حال پر خاص نظر عنایت رکھیں۔ اس کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ میرے پیچھے چلتا رہے۔ ترتیب و اصلاح مضامین وغیرہ کا کام بدستور میں اپنے ہاتھوں میں رکھوں گا اور وہاں سے ایڈٹ کرکے بھیجتا رہوں گا۔ اور یہاں دفتر کا انتظام آگے سے عمدہ کرکے جاؤں گا۔ چھپائی کی تاریخوں کے انضباط کی بھی معقول صورت پبلشرز سے باضابطہ معاہدے کے ذریعے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چند خاص مربیان رسالہ اس کے لئے خصوصیت سے ساعی رہیں۔ آپ سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے نہیں تو ہر دوسرے مہینے مزید ایک مضمون۔ نظم نہیں تو نثر ہی سہی۔ عطا

کیا کریں۔ مضمون نثر خواہ مختصر ہو مگر مخزن کے رنگ کا ہو۔ آپ نے آج تک نثر کا ایک نمونہ نہیں دیا۔ اور دوسرے یہ کہ یہی
کبھی جلسہ بعض چیدہ مضمون نگاروں کو بذریعہ تقاضا کے بیدار کرتے ہیں۔ گو میں خود بھی ان لوگوں سے پختہ وعدے کر
جاؤں گا۔

۹ر جولائی سنہ ۱۹۰۳ء   نیازمند عبدالقادر، از لاہور

(۷)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ نہ آپ وداع عہد کیجیے نہ وداع یار۔ انجمن میں اگر آپ آئیں
گے۔ تو انجمن کی رونق بڑھے گی میرا۔ ہاں بیٹھے دل شاد ہوگا۔ اور یہ مسرت کہ آپ اتنی دور سے کسی کے دل کا سرور ہو سکتے
ہیں گو آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ آپ کو تسلی بخشے گی اور وداع یار سے نہیں کہتے کہ امید لگی ہوئی ہے۔ کہ اب واپس
آئیے۔ دو ڈھائی سال گزرتے کتنے دن لگتے ہیں اگر خدا نے چاہا تو پھر وہی جلسے ہوں گے۔ اور وہی لطف ملاقات۔ ہو سکا
تو فن تقریر آپ کی خاطر ضرور باقاعدہ سیکھ آؤں گا۔ تاکہ فغاں میں تاثیر زیادہ ہو جائے۔ آپ دعاؤں میں یاد فرمایا کیجیے گا۔ یہ میرے
حق میں خاص دوستی ہوگی۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ انگلستان کی سیر اور وہاں کے قیام کا مجھ پر وہ اثر پڑے جس کی آپ نے آرزو
ظاہر فرمائی ہے اور اگر کوئی بُرا اثر پڑتا ہو تو میں جا ہی نہ سکوں۔ مخزن کے متعلق جو تلطف آمیز وعدہ آپ نے فرمایا اس کا شکریہ
ادا کرتا ہوں میر صاحب اور اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے خط و کتابت چھیڑ لیجیے گا۔ خالی از دلچسپی نہ ہوگا اور
ہمارا مطلب بھی نکل آئے گا۔ سید کاظم حبیب کنتوری، اورنگ آباد۔ میر علی محمد شاد عظیم آبادی مجسٹریٹ پٹنہ اور سید اکبر حسین صاحب
جج جن سے غالباً آپ کی ملاقات ہوگی۔ کبھی مولانا شبلی سے کچھ لکھوانے کی کوشش کیجیے۔ مجھے تو انہوں نے ایک دفعہ جواب سے
دیا تھا اس لئے میں متقاضی نہیں ہوا۔ مگر ع

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

ہاں سب حضرات کو اس امر کی تاکید کیجیے گا کہ مضامین عام دلچسپی کے تلاش کریں۔ خالص اسلامی قومی رنگ مخزن میں
بدقت کھپتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ نہیں کھپتا۔ اور اس کی اس پالیسی سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ ہندو صاحبان کی ایک معقول
تعداد اس کے ناظرین میں ہے اور اس طرح اردو سے کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کو ولایت سے خط لکھتا
رہوں گا۔ غزل مرسلہ پہنچ گئی سبحان اللہ مقطع کیا ہی جواب ہے۔ اور اس کا دوسرا مصرع تو غضب ہی ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔
کیا یہ سچ ہے کہ ندوے میں بہت سی اندرونی دقتیں پڑی ہوئی ہیں؟ خدا کرے یہ گتھیاں سلجھ جائیں۔ اب کے سنا ہے
مدراس میں تحریک ہو رہی ہے جو اندازہ میں نے اہل مدراس کی دینداری کا لگایا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں ندوہ
کانفرنس سے کچھ بڑھ کر کامیاب ہوگا۔ قلق ہے کہ اب کے بمبئی کی کانفرنس نہ دیکھ سکوں گا۔ مزید آنکہ جو استفسار آپ نے
معلمانہ بندوبست فرمایا ہے اس میں ابھی قدرے متذبذب ہوں مگر امید ہے کہ عنقریب آپ کو اطلاع دے سکوں گا۔ کہ انتظام
خاطر خواہ ہو گیا ہے۔ ایک نظر محمد حیات صاحب پر ہے اور دوسری شیخ عبدالعزیز پر جو پہلے میرے نائب تھے اور اب
کالج میں ہیں۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ دوسرے شاہ دین صاحب اس بارے میں خواجہ احمد شاہ صاحب سے خط کتابت کر رہے

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

مشرقی[1] کے مضمون کی تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں۔ میرے لئے تو یہ بس ہے کہ آپ نے پسند کیا۔ اس میں کئی اوروں کی تعریف آگئی۔

ہاں۔ اگلے ستمبر کے صرف آپ ہی منتظر نہیں۔ یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر ہیں ہولا... پھر وہ جو میرے ذریعے مشتاق بنتے جاتے ہیں۔

آرنلڈ صاحب[2] سے اب میں اکثر ملتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت نے اجازت نہ دی کہ ان کی شاگردی سے محروم رہوں اور نہیں تو فرنچ ہی شروع کر دی ہے۔ کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہے۔ آپ کے آنے تک خوب واقف ہو... اگر ایبٹ آباد میں لیکچر دیا ہے تو اس کا حال لکھئے گا اور جلسہ اگر اثر ہے[3] تو پوری کیفیت سے مشکور فرمائیے گا۔ مفصل خط اگلے ہفتہ انشاء اللہ لکھوں گا۔ اب ڈاک کا وقت قریب ہے اور ایک دو دوست ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ہیں۔ اس لئے اسے مختصر کر دینا پڑا۔

لندن ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء — بندہ عبدالقادر

(۱۲)

بنام مولانا عبدالعزیز

مکرمی مولانا عبدالعزیز صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ یہاں جناب صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی۔ انشاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہوگا۔ جس کے لئے آپ نے کوشش کی تھی۔ اور اغلب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے۔ آپ کو اگر یہ خط مل جائے۔ تو براہ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ اگر آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوئے ہوں گے۔ مگر اب کالجوں کے کھلنے کا زمانہ قریب ہے۔ خدا کرے کہ آپ آگئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت

شملہ ۱۸ ستمبر ۲۵ء — راقم عبدالقادر

(۱۳)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

امید منزل خیرت آباد۔ کرم فرمائے بندہ دام لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں آج صبح حاضر ہوا۔ اور کل شام جا رہا ہوں۔ اس اثنا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد تھا۔ اب آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] یہ اس دور کا مکتوب ہے۔ جب سر عبدالقادر مرحوم ولایت جا چکے تھے اور حضرت علامہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اگست ۱۹۰۵ء میں ولایت روانہ ہوگئے اور ستمبر میں پہنچے۔

[2] حضرت علامہ مرحوم کے محبوب استاد جن کے متعلق ایک نظم بھی بانگ درا میں موجود ہے۔

[3] یہ لیکچر انگریزی میں تھا اور اسی زمانے میں چھپ گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوگیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"۔

تشریف لاتے ہیں۔ زہے نصیب۔ اگر آپ آج ۲ بجے تشریف لاسکیں تو ملاقات سے مجھے نہایت مسرت حاصل ہوگی ورنہ کل صبح ۸ اور ۹ کے درمیان میں مکان پر ہوں گا۔ اس کے بعد کچہری میں ہوں۔ اگر ان وقتوں میں سے کوئی آپ کے لئے موافق نہ ہوا تو میں کسی وقت موتی محل تک پہنچوں گا۔

میری طرف سے بہن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض ہے کہ لیڈی عبدالقادر نے انہیں بہت بہت سلام کہلا بھیجا ہے۔ مگر بعض کام شدنی ایسے درپیش تھے کہ وہ میرے ہمراہ نہیں آ سکیں۔ خدا پھر کوئی موقع لائے۔ والسلام

۳۰ ردسمبر ۲۷ء — راقم عبدالقادر

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

۷ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی سید صاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۲۷ راگست ملا۔ زور کے زور[1] کا پیغام بہت دلچسپ ہے۔ بچے کو میری طرف سے دعا پہنچادیں۔ اور کہئے کب مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ساتھ سات بجے جانے کو تیار ہے تو میں ساتھ لے جاتا۔ مگر وہ اکیلے واپس کیسے آتا۔ دیکھئے کیا جاتا ہے۔

آپ سے مل کر اور آپ کی جماعت کا کام دیکھ کر دل خوش ہوا۔ میں ایک خط نواب مہدی یار جنگ صاحب کو لکھنے کو ہوں۔ اس میں آپ کی جماعت کے کام کا ذکر مناسب الفاظ میں کروں گا۔ اور ان کو توجہ دلاؤں گا۔ سب احباب کو سلام شوق کہہ دیں۔

میں ۵ ار کی صبح کو یہاں پہنچا اور اس وقت سے برابر مصروف ہوں۔ اور احباب بکثرت ملنے کو آرہے ہیں۔ ہر چند کہ تعطیلات کی وجہ سے ایک کثیر تعداد لاہور سے باہر گئی ہوئی ہے۔

فوٹو کا گروپ جو آپ نے ارسال فرمایا۔ اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔ فوٹو اچھا نکلا ہے۔

۳۱ راگست ۳۹ء — آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۱۵)

بنام ڈاکٹر زور

لائل پور۔ مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مرقومہ یکم ستمبر ملا۔ ممنون ہوں۔ آپ کے پہلے خط کا جواب میں نے لاہور سے بھیج دیا تھا۔ اور اسی دن نواب مہدی یار جنگ بہادر کی توجہ ادارہ ادبیات اُردو کی طرف دلائی تھی۔ امید ہے وہ خط ان کو مل گیا ہوگا۔ میں چند روز کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اگر خط لکھیں تو لاہور کے پتے سے ہی لکھیں۔ میں عنقریب شملہ جانے والا ہوں۔

آج ایک گرامی نامہ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صاحب کا آیا تھا۔ جس میں انہوں نے آپ کے ادارہ کے مفید کام کا اعتراف کیا تھا۔ خدا کرے آپ کو ہر دو حضرات ممدوح کی توجہ سے ادارہ کی ترقی کے لئے مدد ملے۔ گو آج کل جو حالات ہیں۔ وہ چنداں مساعد نہیں۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا اپنے محدود وسائل کے

[1] میرا لڑکا سید شاہ تقی الدین قادری سجادہ نشین۔ (زور)

باوجود بہتان اس کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

آپ نے جو مضمون اردو سے متعلق اپنے مجوزہ ارمغان کے لئے طلب کیا ہے اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان دنوں بہت کم فرصت رہتی ہے۔ یہ بتائیے کہ دیر سے دیر کب تک مضمون آپ کو پہنچ جانا چاہیئے۔ مخزن کے بعد میں نے جو مضامین اردو میں لکھے۔ انہیں اگر آپ جمع کر کے چھاپنا چاہتے ہیں تو ان کا پتہ بتانے میں آپ کی مدد کرنے کو میں تیار ہوں۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کئی دیباچے مصنفین کے اصرار پر ان کی کتابوں کے لئے لکھے گئے۔ ایک سے ایک کا رنگ الگ ہے۔ مثلاً سر اقبال مرحوم کے اردو کلیات کا دیباچہ، حفیظ صاحب جالندھری کے شاہنامے کا دیباچہ، منشی سکھ دیو سنہا بسمل الٰہ آبادی کے دیوان کا دیباچہ، مسٹر تلوک چند محروم کے دیوان کا دیباچہ۔ اگر آپ ان کو شامل کرنا پسند کریں گے تو مجموعہ خاصہ بڑا ہو جائے گا۔ ورنہ بعض رسائل کے مضامین ہی ہیں اور بعض ان میں سے دیرپا بھی ہیں۔

آپ کے ہاں کے گروپ کا فوٹو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کی رسید دے چکا ہوں آج جو پرانا گروپ آپ نے نام لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس پر جو نام یاد آئے ہیں۔ میں نے لکھ دیئے ہیں وہ آپ چھاپ لیں۔ باقی لوگوں میں سے بعض کی شکل سے پہچانتا ہوں مگر نام یاد نہیں آتے وہ گروپ واپس ارسال خدمت ہے۔

صرف نواب محسن الملک اور وقار الملک مرحوم اور دیگر ایسے حضرات کے نام میں نے نیچے نہیں لکھے کیونکہ انہیں آپ خود پہچانتے ہیں۔ وہ نام آپ خود لکھ لیجئے۔

۷ ستمبر ۱۹۳۹ء آپ کا مخلص عبدالقادر

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ لاہور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ۱۱ ستمبر سے یہاں ہوں اور ۲۱ کو انشاء اللہ لاہور واپس جاؤں گا۔

آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اب میرے مضامین اور مقدمے الگ چھاپے جائیں۔ میرے خیال میں مضامین اتنے نہ ہوں گے کہ ایک علٰحدہ معقول جلد ان سے مرتب ہو سکے۔ اس لئے دونوں کو یکجا چھاپنا بہتر ہو گا۔ افسوس کہ میرے پاس کوئی یادداشت موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ مضامین کہاں کہاں چھپے۔ حافظے سے جو پتے اس وقت یاد ہیں، حسب ذیل ہیں:

۱۔ حال میں جو تین چار مضمون انیس نسواں کے لئے لکھے۔

۲۔ سنہ ۱۹۲۸ء ایک مضمون ادبی دنیا لاہور میں چھپا۔ شاید لندن میں اردو۔ عنوان تھا۔ سنہ ۳۵ء میں ایک مضمون کوہ نور کے عنوان سے ادبی دنیا میں چھپا۔

۳۔ غالباً سنہ ۳۳ء یا سنہ ۳۴ء میں ایک مضمون مسولینی کے متعلق نیرنگ خیال لاہور میں چھپا۔ اور جو یاد آئیں گے تو بتاؤں گا۔

انیس نسواں کے مضامین کے لئے میں نے شیخ محمد اکرام صاحب کو لکھا ہے وہ اپنے سب پرچے جو تا حال چھپے ہیں۔
آپ کے پاس بھیج دیں بلکہ ان کو صلاح دی ہے کہ وہ انیس نسواں کا تبادلہ سب رس سے مستقل طور پر (ARRANGE)
کریں۔ ادبی دنیا اور نیرنگ خیال کے مضامین لاہور جانے کے بعد آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ ایک مضمون مخزن
میں اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔ جب اس کا دور ثانی یا ثالث تھا اور میں اس کا ایڈیٹر تھا۔ وہ سر اقبال مرحوم کی رموزِ
بیخودی پر تھا۔ وہ انتخاب مخزن حصہ سوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد اگر مل گئی تو وہ بھی آپ کو بھیج دونگا۔
اوریئنٹل کانفرنس کی بابت جو آخری فیصلہ ہو اس سے مطلع کیجئے گا۔ اور مضان کے لئے مضمون لکھنے کی کوشش
کروں گا۔ لیکن یقینی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابھی میں سفروں کی مصروفیات میں ہوں۔ اور خط لکھنے کے لئے بھی مشکل
سے وقت نکلتا ہے۔ تا بہ مضمون چہ رسد۔
"مضامین عبدالقادر" یا "مقدمات عبدالقادر" کچھ بہت اچھا نام آپ کی مجوزہ کتاب کے لئے نہیں ہے۔
جب آپ اس کام کو شروع کریں گے تو کچھ اور نام سوچا ہوگا۔ زیادہ خیریت۔ جواب اگر لکھیں تو لاہور کے پتے سے بھیجیں

آپ کا مخلص عبدالقادر
شملہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

(۱۷)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

مکرم بندہ جناب سید ہمایوں مرزا صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ آج اوریئنٹل کانفرنس کا افتتاح
ہے۔ اچھی رونق کا موقع ہوگا۔ اگر آپ پچھلے پہر فارغ ہوں اور اس میں تشریف لانا چاہیں تو اس کے لئے ایک ٹکٹ
ارسال خدمت کرتا ہوں۔ تشریف لائیے گا۔ نیز لیڈی عبدالقادر کی طرف سے بیگم صاحبہ[1] کی خدمت میں یہ پیغام ہے
دیں کہ وہاں ایک نشست گاہ پردہ دار خواتین کے لئے بھی رکھی گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ اس اجلاس کو دیکھنا چاہیں
تو لیڈی عبدالقادر کے پاس پونے پانچ تک پہنچ جائیں۔ یا انہیں اطلاع دیں کہ وہ پونے پانچ بجے ان کو ہمراہ لے لیں۔
اس صورت میں وہ پونے پانچ سے پہلے تیار رہیں۔ نیز بیگم حمید علی صاحبہ سے بھی پوچھ لیں۔ وہ اگر چلنا چاہیں تو وہ بھی
چلیں۔ جواب سے ممنون فرمادیں۔ کہ بیگم صاحبہ اگر جانے کو تیار ہیں تو آیا وہ ادھر آئیں گی یا لیڈی عبدالقادر ادھر
آئیں۔ بیگم صاحبہ کو وہ خود خط لکھنے کو تھیں لیکن چونکہ میں آپ کو خط لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسی میں اپنا پیغام بھیج
دیا ہے۔ والسلام۔

راقم عبدالقادر
لاہور۔ ۱۹ نومبر [illegible]

(۱۸)

بنام ڈاکٹر زور

نئی دہلی، کنگ ایڈورڈ روڈ۔ مکرمی جناب محی الدین زور صاحب۔ تسلیم۔ آپ کے عنایت ناموں کا جواب
میرے ذمے ہے۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اکثر [illegible] دفعتاً یہاں آجانا پڑا اور یہاں آکر غیر معمولی مصروفیت
رہی اور درمیان میں کچھ زکام وغیرہ کی تکلیف سے کچھ دن علیل رہا۔ اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ میں نے آپ کو مضامین

[1] صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا۔

اور دیباچہ بھجوانے کی تحریک اس اثنا میں بھی جاری رکھی۔ منشی تلوک چند صاحب محروم کے دیوان کا دیباچہ میں نے لکھا تھا۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ اپنا دیوان بھجوا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ لکھیئے کہ پہنچا یا نہیں۔ اگر نہ ہو تو انہیں یاد دہانی کی جائے۔

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہنامے کی دو نو جلدوں کے دیباچے میں نے لکھے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب حیدرآباد جائیں گے تو دو نو جلدیں آپ کو دیں گے۔ اور جو مضامین مل سکیں گے آپ کو بھجواؤں گا۔ یا پہنچ۔

مسٹر عزیز احمد صاحب ایک دن ملے تھے ان سے معلوم ہوا کہ آپ کے ادارے کو پانچ سو روپیہ وزارت تعلیمات سے ملا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو موجب مسرت و تشکر ہے۔ چند روز ہوئے خواجہ حمید الدین صاحب مہتمم "سب رس" کا کارڈ آیا تھا۔ کہ جنوری سنہ ۴۰ء کے سب رس کے لئے کوئی مضمون بھیجوں۔ مگر میں نہایت متاسف ہوں کہ یہاں کے کام کے ساتھ مضمون نگاری کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ پھر کبھی کچھ لکھ سکوں تو اور بات ہے۔ یہاں کا عارضی کام جلد ختم ہونے کو ہے اور میں اواخر ماہ حال میں لاہور جاؤں گا۔ وہاں کی خط و کتابت کے لئے وہی پہلا پتہ ہوگا۔ والسلام

۴ دسمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام ڈاکٹر زور

(۱۹)

کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ دیوان محروم آپ کے پاس پہنچ گیا۔ خوب ہوا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے تو کہا تھا انیس نسواں کے پچھلے پرچے بھیج رہے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ یاد دہانی کر دی جائے گی۔ اسی طرح حفیظ صاحب کو بھی۔ حفیظ صاحب یہاں آئے تھے۔ آپ کے مجوزہ مجموعے کا نام وہ "مضامین شیخ" یا "مضامین سر شیخ" تجویز کرتے تھے۔

آپ کا ایک خط مجھے نہیں ملا۔ اسی میں غالباً (۵۰۰) روپے سرکار سے ملنے کا ذکر تھا۔

آپ اگر اردو کانفرنس کے لئے دہلی آئے تو آپ کی ملاقات سے بہت مسرت ہوگی۔ میں تو یہاں کے کام سے فارغ ہو کر عنقریب لاہور جانے کو ہوں۔ ۲۱ دسمبر کے بعد جو خط مجھے لکھیں اس پر لاہور کا پتہ درج کیجئے۔ کانفرنس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں لاہور جا کر اس جلسے کے لئے پھر دہلی آؤں گا اور ۲۸ سے ۳۰ تک مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں مقیم ہوں گا۔ زیادہ خیریت

۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام ڈاکٹر زور

(۲۰)

۸ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی اور دوسری جنوری کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ مجھے یہ بڑا افسوس رہا ہے کہ کانفرنس کے جلسے میں بوجہ ناسازی طبع شریک نہیں ہو سکا۔

آپ اگر ۳۱ دسمبر کو دہلی سے روانہ ہونے کو ہیں تو مجھے مندرجہ بالا پتہ پر بذریعہ تار اطلاع دے دیں کہ آپ کس گاڑی سے آرہے ہیں۔ ایک کا نام فرنٹیر میل ہے جو دہلی سے ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر چلتی ہے۔ اور دوسری بھٹنڈہ اور فیروز پور کے راستے چند منٹ بعد چلتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں گاڑیاں دو مختلف پلیٹ فارموں پر آتی ہیں اس لئے یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ میں کسی کو سٹیشن پر بھیج سکوں۔ اگر یہ اطلاع نہ دے سکیں تو باہر نکل کر یہ پتہ کسی ٹیکسی یا تانگہ والے کو بتا دیجئے۔ وہ آپ کو بہ آسانی لے آئے گا۔ امید کہ آپ یہ دو روز میرے پاس ٹھہریں گے۔ زیادہ خیریت

۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۱)

بنام ڈاکٹر زور

۴۔ ٹیمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۴ مارچ ملا۔ میں نے اکرام صاحب کو تاکید لکھی ہے کہ وہ اپنا رسالہ آپ کے پاس برابر بھیجتے رہیں۔

سب رس مجھے برابر ملتا ہے۔ خوب ہے۔ میں ابھی ان دنوں میں تو کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ بعض پہلے وعدے ابھی پورے نہیں کرسکا۔ لیکن جب کوئی چیز خیال میں آئے گی تو لکھوں گا۔

لاہور کے بعض رسالے جو اچھا کاغذ بدستور لگا رہے ہیں صرف اپنے استقلال کا نمونہ دکھا رہے ہیں ورنہ سب گرانی کے شاکی ہیں۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ آپ کو مسٹر کے۔ اے حمید صاحب کی کتاب "اتاترک" مل گئی ہوگی اس میں میرا دیباچہ ہے۔ آپ کو کونسے اور دیباچوں کا پتہ چلا ہے۔

۸ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۲)

بنام صوفی غیرت قادری

مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب غیرت قادری۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط اور مسودہ کتاب شاہنامہ حکیم نذیر احمد صاحب[1] کے آئے۔ مسودہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ اسے پڑھتا رہوں گا۔ اور جب موقع ملے گا تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ۱۱ اکتوبر کے بعد تشریف لاسکتے ہیں۔ اگر ۱۱ یا ۱۲ کو عید ہو جائے تو ۱۳ اکتوبر کو تشریف لائیں۔ میں ۱۲ تک یہاں ہوں۔ ۱۳ کی شام کو واپسی کا ارادہ ہے۔ مل کر مسرت ہوگی۔ لیکن آپ محض تاکید کے لئے تکلیف سفر نہ کریں۔ جب میں لکھنے کے کام سے فارغ ہوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ مل بھی لیں گے اور اپنی کتاب بھی لے جائیں گے۔ زیادہ خیریت۔

۷ اکتوبر سنہ ۴۲ء آپ کا مخلص اور طالب دعا عبدالقادر

(۲۳)

بنام صوفی غیرت قادری

بہاولپور۔ مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ کیم مارچ ملا۔ میں آپ

[1] حکیم نذیر احمد کیف صاحب (غیرت قادری)

کی کتاب کو پڑھ چکا ہوں اور جا بجا سے کچھ انتخاب بھی کیا ہے۔ میں انشاء اللہ جس وقت فرصت ملتی ہے ایک مختصر دیباچہ یا تعارف لکھ کر بھیجوں گا۔

ہمارے دوست راجہ عنایت اللہ خاں صاحب کے بے وقت انتقال کی خبر سے از حد ملال ہوا۔ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو توفیق صبر دے۔ آپ سے انہیں دلی محبت تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی جدائی کا رنج ہونا ضروری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سن کر کہ آپ علیل رہے ہیں افسوس ہوا مگر شکر ہے کہ اب آپ کو خدا نے صحت بخشی ہے۔

میں جلد تو لاہور آنے کا قصد کرنے کا ارادہ نہیں کر رہا۔ جب دو چار دن کے قیام کی صورت نظر آئے گی تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

۳ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۴)

بنام بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر

عزیزہ من بشیر النساء بیگم صاحبہ۔ تسلیمات۔ میں اور لیڈی عبدالقادر صاحبہ جب سے حیدر آباد سے واپس آئے ارادہ کرتے رہے کہ آپ کو اور آپ کے شوہر جناب ضامن علی صاحب کو خط لکھیں اور جو تواضع آپ دونوں نے ہمارے قیام حیدر آباد کے دوران میں ہمارے حال پر رکھی اس کا شاکرانہ اعتراف کریں مگر اتفاقات ایسے پیش آئے کہ نہ ہو سکا۔

ہم اورنگ آباد ہوتے ہوئے یکم کو دکن سے نکلے اور تیسری اگست کو لاہور پہنچے حیدر آباد سے جاتے وقت یہ افسوس رہا کہ آپ مہمان خانۂ سرکاری پر ہمیں ملنے آئیں اور ہم نہ تھے۔ جو کتابیں اور غیر مطبوعہ نظمیں آپ دے گئیں وہ مل گئیں۔ پھولوں کے خوبصورت ہار جو آپ نے ہمیں دئے تھے جب ہم آپ کے ہاں چائے پر گئے، بہت سا راستہ ہمارے رفیق سفر رہے۔ اور آپ کی علم دوستی اور ذوق ادب کی یاد دلاتے رہے۔ میں لاہور سے روانہ ہو کر ۵ اگست کو یہاں پہنچا مگر آتے ہی مجھے بخار ہو گیا۔ لیکن بیماری کی خبر سن کر لیڈی صاحبہ لاہور سے یہاں آئیں اور چند دن تیمارداری میں مصروف رہیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئیں اور مجھ سے زیادہ تکلیف میں رہیں۔ اب ہم دونوں بفضل خدا شفا پا چکے ہیں اس لئے آپ کو خط لکھنے کا رہا ہوا کام یاد آیا۔ آپ کے ادبی مذاق اور خاص کر سر اقبال مرحوم سے والہانہ عقیدت سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کے شوہر کے اخلاق سے (اور جس شوق سے وہ آپ کی ادبی کوششوں کی اشاعت اور تقویت کے لئے کوشاں رہتے ہیں) بھی ہم بیحد متاثر ہوئے۔ خدا آپ دونوں کو ان ادبی خدمات کے لئے سلامت رکھے۔ اور آپ کے ذوق علمی میں اور ترقی دے۔

آپ نے جو جلدیں رسالہ سب رس کی لیڈی صاحبہ کو پڑھنے کو دی تھیں وہ ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں اور آپ کے مضامین کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ وہ خود علیحدہ خط لکھنے کی اس وقت معافی چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایک مختصر سے سفر کے لئے جو ہمیں پھر درپیش ہے اس وقت وہ تیاری کر رہی ہیں۔ اور آپ کے شکریے میں اور آپ

کو دعا بھیجئے ہیں میرے ساتھ شریک ہیں۔ آپ دونوں کو ہم دونوں کا سلام۔ آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو مجھے اور انہیں ملیں۔ والسلام

۲۹ اگست ۱۹۴۲ء		آپ کا خیر طلب عبد القادر

(۲۵)

بنام آغا صادق صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۱۷ ستمبر لاہور سے ہوتا ہوا کل یہاں ملا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں تین نظمیں ملفوف ہیں۔ مجھے بہت پسند آئیں۔ انشاء اللہ انہیں اپنے چند الفاظ کے ساتھ بعض رسائل کو بھیج دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایک خط آپ بھیج چکے ہیں "جس میں زیادہ کاغذات کی گنجائش نہ تھی"۔ وہ خط مجھ تک نہیں پہنچا۔ آیا کہیں ڈاک میں ادھر ادھر ہو گیا یا لاہور والوں نے پتہ بدل کر روانہ کیا۔ درمیان میں ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میری ڈاک جو لاہور میں تھی ایک شخص کے ہاتھ دستی یہاں بھیجی گئی اور اس کا سامان جس میں میرے کاغذ بھی تھے ریل میں چوری ہو گیا۔ اگر آپ کا خط کہیں ان کاغذوں کے ساتھ گم ہو گیا ہے تو افسوس ہے۔ آپ یہ لکھئے کہ وہ خط کس مضمون کا تھا۔ اگر اس میں بھی کچھ نظمیں تھیں تو کسی وقت تکلیف فرما کر ان کی نقلیں دوبارہ بھیج دیجئے۔ اگر اس میں کوئی اور مضمون تھا تو اسے پھر اپنے خط میں دہرائیے۔

امید کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گے اور کوئٹہ میں آپ کے وجود سے علمی مجالس میں وہ گرمی ہوگی جو میں نے سنہ۴۳ء میں دیکھی تھی۔

اس سال ہم مئی سے یہاں آ گئے تھے اور یہ مہینہ یہاں ختم کر کے اکتوبر کی کسی تاریخ میں لاہور واپس جانے کا قصد ہے۔

والسلام		۱۶ ستمبر ۱۹۴۶ء		آپ کا مخلص عبد القادر

(۲۶)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ ستمبر ملا۔ ممنون ہوا۔ جو خط گم ہو گیا تھا اس کا مضمون معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنا کلام جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے "صبح صادق" نام تجویز کیا ہے۔ آپ کے تخلص کے لحاظ سے موزوں نام ہے مزید شائع کیجئے آپ ازراہ لطف اس مجموعہ کو میرے نام معنون کرنا چاہتے ہیں، اس خیال کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں، اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا۔ لیکن اسے آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعہ کلام پر کچھ خامہ فرسائی کروں۔ اس کے لئے میں پورا مسودہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اگر مسودہ بھیجیں تو رجسٹری شدہ پارسل ہو۔

میں انشاءاللہ ۱۰ اکتوبر تک لاہور واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد خط و کتابت ہو وہ وہاں کے پتہ سے ہو۔

والسلام

۳۰ ستمبر ۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۷)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ مجھے ۴ نومبر کو مل گیا تھا۔ مولوی ثناءاللہ صاحب کے صاحبزادے لے کر آئے تھے۔ میں اس دفعہ دہلی جامعہ ملیہ کے جلسۂ جوبلی میں شامل ہونے کو جا رہا تھا۔ پارسل بنا بنایا رکھا ہے۔ میں دہلی سے ۱۹ کی صبح کو واپس آیا اور اسی شام پھر سفر درپیش تھا۔ کل شام سفر سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا ۱۴ نومبر کا لکھا ہوا خط پایا۔ آپ کی تشویش رفع کرنے کے لئے جلد خط لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مولوی ثناءاللہ صاحب نے یا اُن کے لڑکے نے آپ کو اطلاع کر دی ہو گی۔ کہ مجموعۂ اشعار پہنچا دیا گیا ہے۔ میں تھوڑے دنوں میں فرصت پا کر اسے دیکھنا شروع کروں گا اور پھر رفتہ رفتہ تعمیل ارشاد کی فکر کروں گا۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

۲۸ نومبر ۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۸)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۸ دسمبر ملا۔ میں خط کی بجائے آپ کا منتظر تھا۔ خط سے معلوم ہوا کہ آپ وطن میں پہنچ کر علیل ہو گئے۔ اور اب جنوری کے تیسرے ہفتے میں یہاں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحت بخشے۔ جب آپ لاہور آئیں گے تو آپ سے مل کر خوشی ہو گی۔

آپ کی "شاہکار نعت" والی نظم میں نے رسالہ ہمایوں کے جوبلی نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے اور اس کے شروع میں چند سطریں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ والسلام

۳۱ دسمبر ۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۹)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ
لاہور

My dear Sadiq

السلام علیکم۔ انگریزی میں سرنامہ لکھ کر قلم نے قدرتی طور پر اردو کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ خط آپ کے نام تھا اور جن مصائب کا ذکر آپ کے خط میں تھا اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان میں ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کے خاندان اور جائداد پر اتنا بڑا اثر اس انقلاب کا پڑے گا۔ جس سے پنجاب پر اور دہلی پر ایسی

مصیبت آئی ہے اور خاص کر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو جس تباہی کا سامنا ہوا ہے۔ خدا ان سب پر رحم کرے اور آپ کو پھر گری ہوئی حالت کو سنبھالنے کی ہمت دے۔ فی الحال تو صرف تھوڑی سی تنخواہ پر آپ کا گزارہ محدود ہے۔

بٹالہ کے ایک شاعر کا گھر چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ وہ صبح کو اٹھ کر مکان کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک عینک رہ گئی تھی اور ایک بوتل جس میں پارا تھا۔ دوست پوچھنے آتے تھے کہ کچھ بچا یا نہیں۔ اس نے یہ شعر کہا:[1]

چشم حیران و دل بیتاب با من ماندہ است نان ہمہ یک عینک و سیماب با من ماندہ است

وہی کیفیت آپ کی ہے۔ خدا دل بیتاب کو توفیق تاب دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مستورات کی آبرو محفوظ رہی۔

"فطرت اسلام" پر آپ کی نظم پڑھی۔ ماشاء اللہ خوب نظم ہے۔ میں بھی بعض تفکرات میں مبتلا رہا۔ اس لئے ابھی دیباچہ دیوان صادق نہیں لکھ سکا۔ انشاء اللہ آپ کے تعطیلات میں آنے تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔

شملہ پر آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ یکایک وہاں کے طوفان سے نکلنے کے لئے نکل آنا پڑا۔ فوجی CONVOY کے ذریعہ بمشکل تین دن میں یہاں مع والیس پہنچا۔ اس کے بعد سے قدرے علیل ہوں۔ والسلام

۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۰)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ قبیل روڈ لاہور

مکرمی آغا سید صادق حسین صاحب صادق۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ۱۵ فروری کا لکھا ہوا ملا۔ افسوس کہ آپ کا ادھر رخصت پر آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔

میں جب گزشتہ گرما میں شملہ گیا تھا تو آپ کے کلام کے مسودات ساتھ لے گیا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہیں سے آپ کو پیش لفظ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اشعار کو پڑھنا شروع کیا۔ نصف کے قریب دیکھ چکا تھا۔ شملہ میں افراتفری شروع ہوئی ہیں معہ بال بچوں کے وہاں سے ایک فوجی قافلہ کی مدد سے باہر آیا۔ تین دن راستے میں سڑک پر صرف ہوئے اور تین جگہ ہمارے قافلہ پر گولی چلی۔ مگر خدا کے فضل سے ہم بخیریت پہنچ گئے۔

اس دوران میں میری صحت کچھ خراب رہی اس لئے وہ کام جہاں تھا وہیں رہا۔ پھر اسے شروع کرنے کی نوبت

---

[1] یہ شعر ملا نور العین واقف بٹالوی کا ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "خزانہ عامرہ" میں واقعہ یوں لکھا ہے کہ حاکم لاہوری اور واقف حج کے ارادے سے سورت پہنچے۔ واقف میں جہاز کے سفر کی ہمت نہ رہی اور سورت ہی میں ٹھہر رہا۔ حاکم حج کے بعد واپس ہوا تو دونوں اورنگ آباد پہنچے۔ اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان سب سامان لٹ گیا۔ اس موقع پر واقف نے مولانا غلام علی آزاد کو حیدر آباد اطلاع بھیجی تھی تو یہ شعر لکھا تھا:

عینک و پارۂ سیماب با من ماندہ است چشم خواب و دل بے تاب با من ماندہ است

پارۂ سیماب اس لئے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیا گری کا بہت شوق تھا۔ اور پارہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا آزاد نے حیدر آباد سے کچھ روپے بھیجے تو حاکم و واقف وطن پہنچے۔

نہ آئی۔ انشاء اللہ عنقریب پھر شروع کروں گا۔ اس لئے اگر آپ کا کوئی دوست اِن دنوں میں سعادت مجھ سے لینے آئے گا تو اسے خالی ہی جانا پڑے گا۔

آپ اپنے کلام کے مناظر قدرت والے حصے کو علٰحدہ چھپوائیں تو مناسب ہوگا۔

یہ سن کر کہ کوئٹہ میں نئی انجمن بہار ادب قائم ہوئی ہے اور آپ اس کے سیکرٹری ہیں، خوشی ہوئی۔ اردو کو اب آپ جیسے حضرات کی خدمت کی بیش از بیش ضرورت ہے اور کوئٹہ میں آپ کی کوشش سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ والسلام

۲۵ فروری [illegible]ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳۔ ٹمپل روڈ، لاہور۔ مکرمی جناب آغا صاحب! تسلیمات! کل آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ ممنون ہوں۔ یہ معلوم کرکے کہ آپ کوئٹہ سے ایک اردو رسالہ "سنگ تراش" نکال رہے ہیں، خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ خدا کامیاب کرے۔

افسوس کہ میں دو تین ہفتہ سے بیمار ہوں اور صاحب فراش۔ بہت زیادہ بیمار ہو گیا تھا۔ اب قدرے بہتر حالت ہے مگر ابھی ہلنے جلنے سے معذور ہوں۔ اس لئے ابھی تو آپ کے رسالے کے لئے کچھ لکھنا ممکن نہیں۔ بعد صحت اور بشرط حیات آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

آپ کے دیوان کا دیباچہ بھی بدستور تعویق میں ہے۔ خدا مجھے اُس سے بخیریت عہدہ برآ ہونے کا موقع دے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء والسلام عبدالقادر

(۳۲)

بنام جناب تمکین کاظمی صاحب

۳۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی جناب تمکین کاظمی صاحب۔ آپ کا ایک خط میری علالت سے پہلے ملا تھا اور ایک دوران علالت میں، مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں جواب لکھنے سے میں قاصر رہا۔ اس کے بعد کچھ صحت کا آغاز ہوا مگر کمزوری اب تک باقی ہے۔ آپ کی دعا کا دل شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا رسالہ مینا پہنچا۔ سے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی ابھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہی تھا کہ بیماری نے گھیر لیا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ اب چل رہا ہے یا نہیں۔ اس اثنا میں دنیا میں اور خاص کر آپ کی دنیا میں انقلاب عظیم آیا۔ معلوم نہیں اس کا آپ پر اور آپ کے کاروبار پر کیا اثر پڑا۔

امید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بفضلہ بخیریت ہوں گے۔

۲۷ مئی [illegible]ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۳)

بنام جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب

مکرمی جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب زاد لطفکم۔ تسلیم۔ آج بذریعہ رجسٹری آپ کی بیش بہا کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" مجھے پہنچی۔ میں آپ کی اس غائبانہ عنایت کا دل سے ممنون ہوں اور آپ کے اس تحفے کو نہایت

قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے سرسری نظر میں بھی اس قدر تو دیکھ لیا کہ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کتاب کے مفصل مطالعہ سے انشاءاللہ اوقات فرصت میں مستفید ہوتا رہوں گا۔ امید کہ اردو کے شائقین آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور آپ اسی طرح کے اور اہم کام انجام دے سکیں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص (سر) عبدالقادر

مولانا محمد علی جوہر

(۱)

قبلہ و کعبہ!

السلام علیکم - ابھی سرکار سے آرہا ہوں اور چونکہ رجسٹری شدہ ڈاک میں چند منٹ باقی ہیں اس لئے عریضہ لکھے دیتا ہوں۔ سرکار نے کچھ نہیں کہا - صرف یہ پوچھا کہ اطلاع مل گئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں - فرمایا: پھر؟ میں نے کہا میں تو لکھ چکا ہوں کہ جو حکم ہو سر آنکھوں پر، ہز ہائنس صاحب کا حکم میں نہیں مانتا - سرکار کا حکم ہے میں ان سے واقف نہیں ہوں - کہا "پھر؟" میں نے بھی کہا تھا مگر لاٹ صاحب کو شک تھا - میں نے کہا کہ اس میں شک کی جگہ ہی نہیں ہے - وہ میرے اشارے کے خلاف نہ چلیں گے - پھر فرمایا کہ لاٹ صاحب نے کہا کہ آپ ان سے قطع تعلق کر دیجئے - اس پر میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے - وہ میری رعایا ہیں - ان کا خاندان مدتوں سے میری ریاست کا ایک جزو ہو گیا ہے تو لاٹ صاحب نے کہا کہ خیر آپ اون کو آئندہ جرأت نہ دلائیں - سرکار نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے - آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا - آج ہی تار دے رہے ہیں کہ محمد علی آیا ہے - شوکت علی اور محمد علی دونوں کو مفصل کیفیت سمجھا دی ہے آئندہ اطمینان رکھیں شکایت کا موقع نہ ملے گا - محمد علی آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے کب بھیجوں - میں نے تار میں ایسا کوئی لفظ نہیں آنے دیا کہ جو آپ فرمائیں گے وہی وہ کرے گا - گویا گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط[1]۔

محمد علی - رامپور ۱۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

(۲)

چھندواڑہ - ۲۶ر اپریل ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر رو حبیب الاحترام:

السلام علیکم - ۸ر اپریل کے محبت نامہ کا جواب آج دیتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس تاخیر کا باعث سوائے اس کے کچھ نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں برابر غم و غصہ کا شکار رہا - میں جو بڑے بڑے معاملات میں بھی آج کے عارضی فیصلوں کا

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب صاحب رامپور کو لکھا گیا تھا۔

قائل نہیں اور ان تمام ہنگاموں کو "شرارِ خس" سے زیادہ نہیں سمجھتا، ۸ راپریل کے فیصلہ پر کیا "بندۂ دام فریب" ہوں گا۔ مگر دوستوں کی موت اس زمانہ میں بھی جبکہ موت کا بازار گرم ہے دو چار آنسو بطور خراج کے وصول کر ہی لیتی ہے اور ۸ راپریل کو میرے سب عزیز ترین دوست نذر اجل ہو گئے اس لئے میرا غم و غصہ بے جا نہیں ـــــ مگر موت جسمانی نہیں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ بہت سے مُردوں کو جن کی ہڈیوں تک کا بھی پتہ نہیں چلتا "علی احیاء" میں شامل کرتا ہوں مگر ان جیتی جاگتی کٹھ پتلیوں کو جو قومی سٹیج پر نچائی جاتی ہیں اور نچائی جا رہی ہیں مُردوں سے بدتر سمجھتا ہوں، کیونکہ موت ان کے جسموں کو نہیں آتی بلکہ ان کی روحوں کو۔ تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ؎

محروم ہوں، مجبور ہوں، بے تاب و توان ہوں

مخصوص ترے غم کا مزا ہی سے بنے ہے

پھر جس چیز کا صحیح معنوں میں اجارہ تم کو اس دربار سے مل گیا ہو اس میں شرکت کے دعوی کی مجھ سے جرأت نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہی سچ ہے کہ میں بھی کسی قدر محروم و مجبور ہوں۔ اس پر بھی میں نے انصاری کو راہِ راست پر استقامت کی جس طرح مجھ سے ہو سکا ترغیب دی اور امید کی کہ میری اس دعا کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا" میرا خط دجوان کو بھیجا گیا تھا، کوئی معمولی تحریر نہ تھی۔ اس میں میرے فگار دل کے متعدد ٹکڑے مسلک تھے۔ مگر برادرم آخر ش ہی معلوم ہوا کہ جس دنیا میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں یہ ہمارے عزیز بس رہے ہیں۔ ہمارے تمام خیالات، تمام اندازے، تمام تخمینے فضول اور غیر متعلق ہیں۔ میں نے غالب کے ایک مصرع پر جو غزل لکھی تھی اس میں ایک شعر تھا ؎

تقیے کے بعد خوف کہاں، حزن پھر کہاں

عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن کہاں

تقیے کا دعوی کرتے بھی ڈر لگتا ہے اور یہ سب جھوٹا فخر ہوگا اگر میں کہوں کہ میں متقی اور خدا ترس ہوں۔ مگر باوجود بار بار انبیاء اور کم از کم چھوٹی موٹی تکلیفوں کے اب تک اس وعدۂ الٰہی کو سچا جان رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ وہ پورا بھی ہو رہا ہے کہ "سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" اس لئے باوجود فاسق و فاجر اور بندۂ حرص و ہوا ہونے کے اپنے کو اپنے دیرینہ احباب کی دنیا سے ایک الگ دنیا میں پاتا ہوں اور گو اس دنیا کو اس پرانی دنیا سے بدرجہا بہتر جگہ پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ اس کی سرحد میں داخل ہو رہا ہوں۔ تاہم پرانے تعلقات دامنگیر ہوتے ہیں اور گو خون بچا چھڑا لیتا ہوں تاہم دامن کے ٹکڑے اس خارستان گلستان منظر میں لگے رہ جاتے ہیں جن کے لئے آنسوؤں کا ایک چھوٹا سا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ احرار [1] سے زیادہ ہمت والے نہ نکلے۔ اب انہی کی نہیں بلکہ خود حریت کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ مگر اس کا زیادہ رنج نہیں۔ رنج پرانے دوستوں کی رفاقت چھوٹنے کا ہے۔ غالب نے سچ لکھا تھا کہ ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا

عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

مگر اچھا ہوا یہ جھوٹا سہارا بھی گیا۔ اب ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہمیشہ کافی تھا اور اب بھی ہے۔ غالب کی غزل کا

---

[1] یہاں پڑھا نہیں گیا۔

ایک شعر پچھلے کئی برسوں سے دل میں کھب چکا ہے ؎

چاک مت کر جیب کو بے فصلِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

اس پر ایک نامکمل غزل قافیہ کو محدود کر کے میں نے بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے ؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

گو لکھنے کو تو لکھ گیا۔ خود اب جا کر کہیں اس کا مفہوم سمجھا ہوں اور پھر سورۂ یوسف پڑھتا ہوں تو اس آیہ کریمہ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرعون کے جام بردار سے اس کی رہائی کے وقت کہا تھا کہ کبھی ہمارا بھی ذکر اپنے آقا سے کر دینا کہ مفت ظلم ہوتا ہے اور وہ بھول گیا اور اس طرح چند سال اور حضرت یوسفؑ مبتلائے زندان رہے۔ جب ایسے برگزیدہ پیغمبر کے لئے بھی فرعونوں کی یاد دہانی داخل شرک نہیں تو کم از کم مذموم سمجھی گئی اور اس حد تک کہ اس میں بھی استعانت غیر اللہ کا شائبہ معلوم ہوا تو پھر ہمارے تمام تعلقات، تو شرک جلی ٹھہرے۔ اقامت صلوٰۃ میرا ایمان، اجماع امت پر میرا اعتقاد۔ تاہم بعض اوقات اس تنگ و تاریک بتکدہ میں عبادت اپنی نجات کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جہاں ایک وقت میں ایک ہی عبادت کرنے والا اپنے معبود کے حضور میں کھڑا ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر سکتا ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اپنے مذہب کی وسیع و فراخ مساجد میں نماز کے ساتھی اور خود امام بھی مجھے کفر و شرک کی طرف نہ گھسیٹ لے جائیں اور دوسروں کی اصلاح تو گئی خود اپنی نجات سے مایوس ہونا پڑے۔ سب کچھ ہو ہوا کر اب یہی رہ گیا ہے کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں اور مدرسہ کو چھوڑ کر پھر خانقاہ میں اعتکاف کروں۔ بھائی دعا کرو کہ اگر اپنی نجات کے متعلق خوف و ہراس میں کمی ہو تو پھر کم از کم دوسروں کے متعلق یہ بے اعتباری باقی نہ رہے۔ اگر یہی حالت رہی تو کہیں کا نہ رہا۔ البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے بھی زیادہ بہن کا، جو نہ صرف تمہارے ناموس کو بلکہ ہم سب کے ناموس کو اس طرح ہمت و جرأت کے ساتھ سنبھالے ہیں اور صامت و ساکت نہیں بلکہ کلمۂ حق کو آوازِ دہل سب کو سنا رہی ہیں، تو یہ بے اعتباری دور ہوتی ہے اور جس طرح خدا سے میں مایوس نہیں ہوں اسی طرح اس کے بندوں سے مایوسی بھی قریب کفر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ قومی اسٹیج کی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ وہی غریب اور کمزور لوگ ہیں جن سے اسلام کی ابتدا ہوئی تھی۔ رہے یہ حضرات تو ان کے متعلق تو بدگمانی بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ میں نے متعدد بار ان "آزادوں" کے مضمون کو غزلوں میں باندھا۔ مثلاً ؎

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد	تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے

یا ؎

یہ طائفہ عجیب ہے اک مردوزن سے دور	ہیں اتنے لاف شوق پر مرعوب حسن بھی
اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور	ہے بُعدِ کربلا سے بھی، قربِ یزید بھی

یا ؎

دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے	دشمنوں سے تعلق ہے تو کچھ

حافظ لطف کو دوستوں کے لئے اور مدارا کو دشمنوں کے لئے لازمی گردانتے تھے۔ ہم دوستوں کے لئے مدارا [۱] [illegible] یہ
سب کچھ لکھ تو دیا ہے اور آج بھی اس طرح لکھ رہا ہوں کہ گویا ہم ہی ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں۔ مگر برادرم! ان حیرت انگیز انقلابوں
کو دیکھ کر خوف ہوتا ہے کہ کہیں بڑا بول آگے نہ آ سکے۔ بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا قرآن کریم میں مذکور ہے "تولوا
الا قلیلا منہم"۔ خود مسلمانوں نے بعض اوقات اس خیر القرون میں بھی سنت بنی اسرائیل کی تقلید کی تھی چنانچہ منجملہ احد
سے کہا گیا تھا کہ "ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رأیتموہ وانتم تنظرون"۔ دعا کرو کہ یہ حال اپنا بھی نہ ہو بلکہ
آخر تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں۔ تمہاری دعا ضرور مقبول ہوگی اس لئے کہ اول تو آل رسول، پھر تقلید سنت یوسفی
سے مشرف ہو چکے ہو۔ اب چونکہ تم نے مجھے بھی اپنے زمرہ میں جو ابرار اور اخیار کا ہے شامل کر لیا ہے اور خود لکھ چکے ہو کہ

ع خوش اسی حال میں جوہر بھی ہے آزاد بھی ہے

خیر یہ تو ہوا۔ ہم نے لکھا تھا کہ تم پیشگوئی کرتے ہو کہ جمہور کی خواہش کے خلاف احامیان استبداد ایک
ذلیل یونیورسٹی قائم کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ارے بھائی اس میں پیش گوئی ہی کیا ہے۔ تم تو ان کے متبع ہو جو خوابوں
کی صحیح تعبیریں بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح محبس سے نکل کر تخت تک پہنچ گئے۔ ہم کر اس مقام سے بہت دور ہوں۔ یہ
تو میں بھی جانتا تھا اور سال گذشتہ ہی میں سب کو جتلا چکا تھا کہ عزیزانِ من صدمہ یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ قوم کی بیکسی اور تمہاری
خواری و خرابی کا، اور رہی یونیورسٹی تو جس کو کہا اسے ہم بنائیں گے ہم۔ نہ تمہارے قوم فروش اور کالج فروش کیونکہ ہم سے کسی نے
حتمی وعدہ کر لیا ہے اور وہ وعدہ کا سب سے پکا بھی ہے کہ "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔ اگر خوف
ہے تو اس شرط کا کہ "ان کنتم مومنین" سو خدا سے دعا ہے کہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے اور ان بزرگوں کی تقلید کی توفیق عطا
فرمائے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصٰبرین"
اگر ہم ایمان پر قائم رہے تو پھر سنت اللہ میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارا انعام کہیں نہیں گیا ہے۔ وہاں تو ملے ہی گا، مگر
ہمارا یہیں مل جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"فآتٰھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین"

اس پر میں نے لکھا ہے کہ:

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن — دنیا میں بھی ایماں کا صلہ بہرے لئے ہے

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے دونوں دیوان پڑھ چکا اور نہایت غور سے پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ارتقائے سخن
ظاہر ہے۔ اب اگر یہ لکھتا ہوں کہ

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

تو اس کے صریح معنی یہ ہوں گے کہ جو سختیاں الہ آباد، جھانسی، پرتاب گڑھ اور فیض آباد میں جھیلنا پڑیں ان سے زیادہ کا متمنی
ہوں۔ مگر یہ بھی ہو تو جانتا ہوں کہ تم زیادہ کے بھی متحمل ہو گے اس لئے کہ وہ خود کسی نفس پر اس کی سکت سے زیادہ تکلیف کا
بوجھ نہیں ڈالتا اور ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ غم و اندوہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ تم میری غزلیں منگواتے ہو،

۱۔ یہاں کچھ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

اچھا بھیج دوں گا۔ مگر بھائی تم شاعر تھے، میں شاعر نہ تھا۔ البتہ عنایت ایزدی سے نہیں تین دیوانوں والا بنا دیا تو اس قسم کی
نے مجھ سے بھی تین چار غزلیں لکھوا دیں۔ پہلے بھی تک بندی کر لیتا تھا مگر کاغذ کے پھولوں میں خوشبو نہیں ہوتی۔ اب کچھ
آنے لگی ہے، سو بقول تمہارے ع ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل - اس وقت صرف نظر بندی کی پہلی غزل لکھے
بھی کو کل خط لکھوں گا۔ تم میری افسردگی کا ذکر کر کے میری طرف سے معافی مانگ لینا ورنہ وہ ناراض ہی رہیں گی کہ جواب

تمہارا مرید باعقیدت: محمد علی

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

السلام علیکم۔ ہمدم کے ذریعے سے آپ کے برادر محترم نواب نور الحسن خاں[1] صاحب کے انتقال پر ملال کا
معلوم ہوا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کو اور مرحوم کے سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

میں نے خط و کتابت تقریباً ترک کر دی ہے مگر دل نہ مانا کہ اس موقع پر اظہار ہمدردی سے دریغ کروں۔ حالانکہ جانتا
ہوں کہ اس قسم کے اظہار سے کچھ حاصل نہ ہوگا نہ شاید اس کے لکھنے سے کہ آج بازار اجل ساری دنیا میں گرم ہے تم کو بھی
مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ان حوادث سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کو سب
پر ترجیح دینے کی ہمت دے۔ یہ سب اس کی امانتیں ہیں اور خدا ہم سب کو امانت میں خیانت سے بچائے۔ آپ بھی
لئے دعا فرمایئے کہ ثبات قدم عطا فرمائے۔ "ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین"۔

برادرم رشید الدین حسن صاحب کی خدمت میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ خدا ان کو اور ان کی زوجہ محترمہ
کو بھی صبر عطا فرمائے۔ والسلام!

نیاز مند: محمد علی۔ چھندواڑہ (ممالک متوسط) ۷ر نومبر ۱۹۱۷ء

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا متقاضی ہے سلطان عبدالعزیز مرحوم والی نجد نے حجاز فتح کر لیا تھا۔ اہل حجاز نے
جنوری ۱۹۲۶ء میں انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مجلس خلافت میں حجاز کے انتظام کے متعلق اختلاف رائے
موجود تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ان کے رفقا چاہتے تھے کہ حجاز کو ایک بین الملی انتظامی
ادارے کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تجویز بجائے خود بھی ناقابل عمل
تھی اور اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آزاد اسلامی حکومتیں اس باب میں چنداں سرگرم نہ
تھیں اور صرف مسلمانان ہند کی طرف سے اس کے پیش ہونے کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔

---

[1] یہ نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

تنہا انتظام کا سارا بار اٹھا سکتے تھے، نہ ان کی محکومی کے پیشِ نظر سلطان یا اہلِ حجاز سے اس تجویز کے قبول کی امید ہو سکتی تھی، نہ بصورت موجودہ کوئی اور موثر قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔ پنجاب کے تمام ارکان خلافت بالاتفاق مولانا محمد علی کی رائے کے خلاف تھے۔ یہی زمانہ ہے جب مولانا نے انہیں "پنجابی ٹولی" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔

سلطان عبدالعزیز نے ۱۹۲۶ء میں حج کے موقع پر ایک موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے تمام اسلامی ملکوں کو دعوت نامے بھیجے۔ مدعوین میں مجلس خلافت بھی شامل تھی۔ نمائندوں کے انتخاب کے لیے مجلس مذکورہ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا گیا۔ اس میں دستور کے مطابق مختلف اصحاب نے مختلف نام پیش کئے۔ ارکانِ پنجاب کی طرف سے مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کا نام پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اندیشہ تھا، دونوں کے سلسلے میں خاصی کشمکش اور گرمی پیدا ہوئی۔ مولانا نے جو تفصیلات اپنے مکتوب گرامی میں پیش کی ہیں، باجو قیاس آرائی فرمائی ہے اسے معرضِ بحث میں لانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ارکانِ پنجاب کا پیش کردہ نام منظور نہ ہو سکا اور مولانا محمد علی مرحوم جن اصحاب کو منتخب کرانا چاہتے تھے وہ کثرتِ رائے سے منتخب ہو گئے۔

چونکہ رائے شماری کی گرمی ہنگامہ میں اک گونہ ناخوشگواری پیدا ہو گئی تھی اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے دونوں فریقوں کو سمجھا کر حالات کو طبعی رفتار پر لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد علی مرحوم سے بھی ملے جس کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے۔

میں اس زمانے میں "زمیندار" میں تھا اور پیشِ نظر معاملے میں اختلاف رائے کے باوجود بے تکلف مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سے ملتا تھا۔ اپنے فہم و بصیرت کے مطابق میری کوشش یہی تھی کہ ایک خاص معاملے میں اختلاف کے باعث تعلقات میں ناخوشگواری پیدا نہ ہو۔ اس ضمن میں اپنے خیال کے مطابق معذرت کے مناسب پہلو بھی پیش کرتا رہتا تھا۔

مولانا کی صحت اس وقت بھی خاصی خراب تھی۔ بیماریوں کا غلبہ تھا۔ اپنے معتقدات و آراء میں یگانہ خلوص و پختگی کے باعث وہ خفیف سے اختلاف پر بھی غصے میں آجاتے تھے اور سخت سے سخت باتیں کہہ دینے میں بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ اس کی شہادت خود مکتوب بھی پیش کر رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ان کی کسی بھی بات پر کبھی ملال پیدا نہ ہوا۔ ان کی بے مثال شخصیت اور بے مثال قربانیوں کے باعث دل میں انتہائی عزت و احترام کے جو جذبات مرتسم تھے وہ برابر قائم رہے۔ محاسن کی فراوانی نے انہیں محبت کا ایسا پیکر بنا دیا تھا جس سے نیازمندانہ وابستگی بہرحال زندگی کی ایک عزیز متاع تھی۔ وہ یقیناً ان یگانہ افراد میں سے تھے جن کی جگہ دس عظیم الشان شخصیتیں مل کر بھی پُر نہیں کر سکتیں۔

یہ تحریر بچ گئی تھی لیکن اب کہ ان کی وفات پر ربع صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، اسے اک آثارِ متبرکہ کے طور پر شائع کر دینا غالباً نامناسب نہ سمجھا جائے گا۔ (غلام رسول مہر)

(۴)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ سے جب سے گفتگو ہوئی تھی تو اس قسم کی بحث کو بے سود سمجھ کر میں کروٹ
اٹھ کر چلا آیا تھا۔ مگر شوکت صاحب سے آپ کی گفتگو جاری رہی اور اس کے بعد وہ مُصر تھے کہ میں آپ کے متعلق
اور وہ خیال کروں۔ میں نے اس بنا پر آپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے عرض کیا، ایک دن بے سامان
ہو کر رہیے اور تنہائی میں گفتگو کیجئے، مگر آپ نہ رک سکے اور صرف تھوڑی دیر یوں ہی سی بات چیت ہو کر رہ گئی۔

میرا ارادہ تھا کہ آپ کی (خاص آپ کی بھی) اور اہل پنجاب اور جو اہل حدیث شریک تھے ان کی اور جناب صدر[1]
کی روش کے متعلق تفصیل کے ساتھ ہمدرد میں لکھوں کہ جلسے میں کس طرح جتھہ بندی سے کام لیا گیا اور باوجودیکہ پنجاب کے نمائندے
ایک ہی پلڑے میں رکھے جانے تھے، کس طرح باقی ہندوستان نے تقریباً بلا استثنا آپ کی جتھہ بندی کے خلاف رائے دے کر
اسے شکست دی۔ مگر اس کے متعلق ہدایات (مولانا عبدالماجد دریابادی کے مراجعہ میں جو ایک بڑی حد تک ابن سعود کے رشید ہیں)
دے کر آپ سے دوبارہ ملنے کے بعد میں نے ان ہدایات کو نظر انداز کرنے کے لئے "ہمدرد" کے عملہ سے کہا تاہم بکری کے
"زمیندار" میں پہلا مضمون ہی اس جتھہ بندی کو پھر قائم رکھنے کی کوشش میں لکھا ہوا نظر آتا ہے[2]۔ الحمد للہ کہ اب جو کچھ سب وشتم
ہے وہ شوکت صاحب، صلح کل شوکت صاحب، بھولے بھالے بڑے بھائی صاحب کے لئے وقف ہے اور میں صرف
"ایک رو عظیم الشان شخصیتوں" کی مجہول ثنویت سے زیادہ سخت کسی لقب کا مستحق نہ سمجھا گیا۔ آپ فرمائیں گے کہ "خلافت کا
رویہ صحیح نہ تھا۔ مضمون ایک نامہ نگار کا تھا اڈیٹر ذمہ دار نہیں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ مگر دیکھئے کہ اہل حدیث کی جتھہ بندی سید سلیمان[3] ندوی
صاحب صدر کیا مولوی کفایت اللہ[4] صاحب تک کی حمایت میں جھلک رہی ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ نہ میں خود اہل حدیث ہوں
نہ میرے پیشوا اور مقتدا مولانا عبداللہ قصوری جن کا انتخاب اہل حدیث کی طرف سے مع اسمٰعیل صاحب غزنوی اور غالباً ان کے
والد کے چینیانوالی یا چینیاں والی مسجد کے جلسے میں کیا گیا ہے۔ بھائی مہر! یہ جھوٹا انکسار، جھوٹی عقیدتمندی چھوڑ دو، جھوٹ سے
بھی لڑائی اچھی۔ درک اسفل کا مقام بلا وجہ نہیں مقرر کیا گیا ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد [2] "زمیندار" اس وقت پیش نظر نہیں لیکن یقین ہے کہ اس میں اجلاس کے حالات بیان کئے گئے ہوں گے [3] سید سلیمان ندوی مرحوم! انہیں بھی مولانا محمد علی مرحوم ہمارا ہم رائے سمجھتے تھے [4] مولانا کفایت اللہ مرحوم صدر جمعیۃ العلماء۔

تمہارے تمہارے ہر طرح نیاز مند" سالک صاحب [1] کہ سالک بے خبر نیو ز ساوہ رسم ٹنی نہ" کی ٹنگ ٹپّہ کا جواب نہ رمضان میں دیا نہ عید کے بعد ہی دیا - تمہارے اور تمہارے "راجہ" ظفر علی خاں صرف "مالک" نہ کہ "مدیر مسئول" کے پروپیگنڈا کا جن کو "زمیندار" کی قلمی پالیسی سے بقول تمہارے کوئی تعلق نہیں ہے [2] جواب دینا ضروری تھا لیکن پھر نہیں دیا حالانکہ دوبارہ تم نے اور تمہارے جتھہ والوں نے منہ کی کھائی اور پھر ہار کر بگڑی بات کو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے کا ارادہ تھا مگر تحمل سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد بھی تم لوگ باز نہ آئے۔ جلسہ میں صدر کی اعانت سے تمہارے جتھے نے یہ امکانی کوشش ہماری ہی تجویز کی مخالفت میں کی یہاں تک کہ شوکت کا اور میرا نام جس طرح تم نے زمیندار کی فہرست "اہل حق" یعنی اہل حدیث اور بزعم خود صلحائے بیرون پنجاب مثلاً حکیم صاحب اور "ندوی المذہب" سید سلیمان سے خارج کر دیا تھا اسی طرح تمہارے صدر صاحب نے اپنی فہرست سے بھی خارج کیا اور مجھے مجبور کیا کہ میں تم لوگوں کی طرح سے پس پردہ نہیں بلکہ صاف صاف خود اپنا اور شوکت صاحب کا نام پیش کروں۔ پھر جب ووٹ گننے کا وقت آیا تو تم نے سیکرٹری خلافت کمیٹی پر اپنی بیہودہ بے اعتمادی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود ووٹ شماری کرنے بیٹھ گئے۔ ایک اور شخص نے تم پر بے اعتمادی کا ثبوت اسی طرح دیا مگر ہم نے بند کر دیا اور سیکرٹری کی طرح تمہیں بھی رستا رائے شماری کرنے دی۔ وہ تو خدا ہی کو منظور تھا کہ تم لوگ ذلیل ہو اور تم نے شبیب غریب کے ۱۶ ووٹ گنے۔ اگر تم نے بھی افضل کی طرح ۱۰ گنے ہوتے تو تمہارے صدر صاحب کا کاسٹنگ ووٹ ضرور اس غریب کے خلاف ہوتا۔ پھر ظفر علی خاں کے کذب و افترا کا پردہ چاک کرنے کے جرم میں جناب صدر کی طرف سے ذاتیات کی گندگیوں کا اغراض ٹھہرایا گیا۔ گو ہم لوگ تمہاری طرح جلسہ سے فرار نہ ہو جاتے۔ ووٹ دوبارہ گنے گئے اور ۱۸ نکلے۔ تم ذلیل تر ہوئے مگر اس پر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی۔ اب مطالبہ ہوا کہ عبدالقادر صاحب صدر الصدور جماعت اہل حدیث و پنجابیان خلافت کے ووٹ بھی گنے جائیں۔ اب تمہارے نمائندے کے فقط ۱۲ ووٹ نکلے اور تم اور ذلیل ہوئے۔ ظفر علی خاں کے ۹ ووٹوں نے تمہیں اور ذلیل کیا [3]۔ تاہم ان تمام حقیقتوں پر میں نے پردہ پڑا رہنے دیا۔ شام ہی کو حکیم صاحب [4] اور تمہارے صدر صاحب تشریف لائے اور مجھے یقین دلایا کہ تمہارے صدر الصدور قصوری صاحب نے بھی اپنی بے قصوری کا ثبوت تم کو سمجھا کر دیا اور طے پایا کہ تم اور ظفر علی صاحب اور اہل حدیث خلافت کے وفد کے خلاف کچھ نہ لکھو گے اور جلسے کی روداد کے متعلق کوئی مخاصمانہ و معاندانہ پہلو اختیار نہ کیا جائے گا مگر افسوس کہ تم سے نہ رہا گیا اور آخرش یہ تحریر چھپ ہی گئی۔

اب تم سے اتنی التجا ہے کہ آئندہ مجھ سے اپنی عقیدتمندی وغیرہ کا دعویٰ میرے سامنے نہ کرو گے۔ میں کسی سے منافقانہ ملنا نہیں چاہتا۔ میں جن کو اچھا سمجھتا ہوں ان سے تو شاید ہی چھپا بھی لوں مگر جن کو برا سمجھتا ہوں ان پر کسی نہ کسی طرح اور اکثر بلا سخت و سست کہے ہوئے اسے ظاہر کر ہی دیتا ہوں۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تم "زمیندار" میں میرے خلاف لغو بیانیوں کے "سہواً" چھپ جانے کا اعتذار کر چکے ہو۔ اب آئندہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تم کو اہل حدیث اور حنبلی اور غیر مقلد"

---

[1] یہ پنجابی کا لفظ "ڈھگّا" ہے۔ [2] میں نے دو تین مرتبہ اخبار میں لکھا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں "زمیندار" کے مالک ہیں لیکن پالیسی کے ذمہ دار ایڈیٹر ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ "زمیندار" کی کسی تحریر سے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کے باہمی تعلقات میں فرق نہ آئے اور جواب صرف ایڈیٹروں سے لیا جائے۔ [3] ان تفصیلات پر بحث غیر ضروری بھی ہے اور غیر مناسب بھی۔ [4] مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم۔ جوہر

نہیں "وہابی" اور "غیر مقلدوں" کی تقلید جامد کرنے والا اور وہابیوں کی ہر بدعت کی اسی طرح حمایت کرنے والا سمجھتا ہوں جس طرح بعض غالی حنفی سلطان ابن سعود کے متعلق ہر خبر کا جو ان کے خلاف ہو یقین کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔ گو یہ بھی معلوم ہے کہ تم مجھے نماز پڑھاتے ہو تو نہ رفع یدین کرتے ہو نہ آمین بالجہر کہتے ہو اور برخلاف اس کے ظفر علی خاں جب ایک اہل حدیث کے پیچھے حجاز میں نماز پڑھتے ہیں تو آمین بالجہر پکارتے ہیں۔ میں تم کو بہادوست نہیں سمجھتا بلکہ حاسد اور دشمن جانتا ہوں۔ اگر چاہتا تو جو وقت اس کج کی تحریر لکھنے میں صرف کیا ہے "ہمدرد" کا ایک مضمون اسی مطلب کا لکھنے میں صرف کرتا۔ لیکن جب یہاں حجاز کا قصہ ہے یہ نہیں چاہتا کہ حق کی حمایت ہی میں کیوں نہ ہو تمہارے اور جتھے کی قلعی کھولنے میں "ہمدرد" کے کالم کو صرف کروں اور عین اس وقت جب کہ ہنود کی مخالفت سے مسلمانوں کو بچانے کی تدابیر سوچی جارہی ہیں آپس کے بغض و عناد کو بھڑکاؤں اس لئے تمہیں کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

برادرم! ان ایک دو عظیم الشان شخصیتوں "پر رشک و حسد نہ کرو"۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم" یہ شخصیتوں کی "پرستش" پوری ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے پاس تم سے اور تمہارے جتھے والوں سے زیادہ دولت و ثروت نہ تھی، نہ ہی خاندانی وجاہت سے ہم اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ قوم کی خدمت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں (گو اور زیادہ ڈرنا چاہیے)، اور لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے۔ سلطان جو برادر "عظیم الشان شخصیتوں" کے آگے بھی صاف بات کہنے نہیں چوکتے اور منافقانہ کسی سے نہیں ملتے۔ اگر یہ طریقہ استعمال کرو گے تو اسی درجہ پر پہنچ جاؤ گے ورنہ ایک اور دوسرے ظفر علی خاں بن جاؤ گے۔

تم نے نہ صبر و تحمل کا اب تک ثبوت دیا ہے نہ انکسار حقیقی اور صفائے قلب کا۔ تم سے اس کی امید نہیں کہ "ٹھنڈے دل سے" اس عریضہ کو پڑھو گے اور اس پر غور کرو گے۔ لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ تمہارے دل میں اس کا یقین ڈال دے کہ جس غرض سے یہ خط لکھا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک آخری کوشش اور کر لی جائے کہ ایک نوجوان مسلمان، جس کو اس نے قابلیت سے محروم ہرگز نہیں رکھا ہے، راہ راست پر آجائے اور ریاکاری اور رشک و حسد اور غلو اور جتھہ بندی کو چھوڑ کر حق پرستی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنائے اور آئندہ چل کر قوم و ملک کی بہترین خدمت کر سکے۔

یہ تحریر نج کی ہے اور شائع کرنے کی غرض سے نہیں بھیجی جاتی۔ ۸، ۹ مئی کے جلسے کے انتظامات کا بوجھ اور "کامریڈ" و "ہمدرد" کے قرضے کی ادائیگی کی فکر اور پھر اپنے سفر حجاز اور حج کے اخراجات کی فراہمی مارے ڈالتی ہے۔ ایسے وقت میں اتنا وقت میرے پاس نہیں ہے کہ میں محض بحث مباحثے میں الجھتا رہوں۔

اگر میری اس تحریر کی سختی کو جائز سمجھتے ہو تو خیر، ورنہ اسے للہ معاف کر دو کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے اور صحت کو پہلے ہی خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر نہیں معاف کر سکتے تو ایک بار دل کھول کر مجھے برا بھلا کہہ لو میں چلنے سے پہلے للہ معاف کرتا جاؤں گا اور کہے سنے کی معافی چاہ لوں گا۔ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی ۲ رمئی ۱۹۲۶ء

(۵)

بنام مولانا شوکت علی

پیارے شوکت!

عید مبارک۔ عید مبارک کا تحفہ دس سیر لوکاٹ بھیج رہا ہوں۔ یوں تو ہم سب اچھے ہیں مگر گلنار کے برص کا علاج ہو رہا ہے اور حمیدہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خاں صاحب کا جاری ہے۔ امجدی کے پاؤں پر بھی کسی قدر ورم ہے۔ میں ویسے تو اچھا رہا مگر حکیم تفضل حسین خاں صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں۔ انشاء اللہ کل پرسوں قارورہ کا امتحان کراؤں گا۔ افلاس نے پریشان کر دیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی حالت مجھ سے بدتر ہے اور میری ایک حساب سے آپ سے بدتر ہے کیونکہ ۳۰۰ روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے اور نہ اس کے کم کرنے کی کوئی صورت ہوتی ہے، نہ اس کے کسی سے دلوانے کی۔ خداوند کریم ہمارے ایمان، حب اسلام اور حب وطن کی آزمائش فرما رہا ہے۔

آپ کا خط کل علامیمین کو اپنی مالی حالت لکھ بھیجی ہے اور پوچھا ہے کہ کم سے کم کس قدر رقم تمہیں درکار ہوگی۔ اگر میں اتنی ادا کر سکا تو ”کامریڈ“ پھر جاری کر کے دونوں اخباروں کے ذریعہ سے خسارہ کو گھٹاؤں گا، ورنہ پھر پبلک زندگی کو خیرباد ہے۔ دو تین لڑکوں کو پڑھا کر پچاس روپیہ ماہوار کا لیا کروں گا، امجدی اور لڑکیاں کپڑا سی کر سنتراشی پیدا کریں گی، ان کو بھی پڑھاتا رہوں گا اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر قرآن کریم و حدیث شریف پڑھوں گا اور کوئی اگر میرے خیالات سننا چاہے گا تو اسے سنا دیا کروں گا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ترک تعاون جاری رکھ کر (جس کا چھوڑنا ترک اسلام ہے) اخبارات کے خسارے بھی ادا کیا کروں۔ ایک آخری کوشش غالباً اسی ماہ میں اور کر دیکھوں اور شاید آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے آؤں ان شاء اللہ۔ امجدی اور بچوں کا سلام۔ طارق بہت یاد آتا ہے۔ زہرہ، زاہد، شاہد، شبیب، قمر کو پیار۔ عابد اچھا ہے۔ قطب میاں صاحب اسے زبردستی پچاس روپیہ دے گئے ہیں۔

کہئے آپ نے سلطان ابن سعود، شریف شرف عدنان اور موتمر کے ارکان کو خط بھی لکھے یا نہیں۔

مفصل جواب کا منتظر، آپ کا محمد علی۔ ۵ / اپریل ۱۹۲۶ء

(۶)

بنام مولوی محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کے ۱۳ / اپریل کے خط کا ۹ / مئی کو جواب دے رہا ہوں۔ آپ غالباً

ایک بار غریب خانہ پر تشریف لائے تھے، مگر وہ وقت میرے لئے نزع کے وقت کی طرح ہوتا ہے۔ اگر چند منٹ بھی کسی اور طرف توجہ کرنی پڑتی ہے تو اس دن کا اخبار ایک دو اطراف کی ڈاکوں کو کھو دیتا ہے اور ایک ملاقاتی کا لحاظ رکھنا سیکڑوں خریداروں کے ساتھ بدمعاملگی کا مجرم بنا دیتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ پھر تشریف نہ لائے، حالانکہ میں نے عثمان (اپنے بھانجے اور مینجر) سے کہہ دیا ہے کہ بھائی تم جانتے ہو اس وقت میں کسی سے ملنا ناممکن ہے، شام کے لئے وقت مقرر کر دو۔ خود مجھ سے ساری عمر وقت کی پابندی نہ ہوئی لیکن اب اس کا طالب ہوں کہ لوگ ملنے سے پہلے وقت مقرر کر لیا کریں یا شام کو آیا کریں۔ کیا کروں اگر صبح کو کسی سے ملاقات کرتا ہوں تو اس دن کا اخبار وقت پر نہیں نکل سکتا۔ یوں بھی طوالت کے باعث جس کا سبب محض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ دوسروں کو سمجھا دوں، اگر زیادہ محنت کرنا پڑے تو گوارا کیا جائے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ چند الفاظ یا فقروں کی کمی کے باعث میرے خیالات دوسروں کے دماغ و قلب تک نہ پہنچ سکیں، بعض دن کئی ڈاکیں نکل جاتی ہیں اور مقامی فروخت میں بھی کمی ہو جاتی ہے لیکن اس نقصان سے بھی فائدہ تو خریداروں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر محض کسی سے ملاقات کے باعث اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو خریداروں کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ کاش آپ کسی دن شام کو مجھ سے مل لیتے تو آپ کو یہ خط لکھنا پڑتا، نہ اتنی دیر جواب کا انتظار کرنا پڑتا اور یہی سب باتیں آدھ گھنٹے میں آپ کے گوش گذار کر سکتا جن کے لکھنے کے لئے دو گھنٹے درکار ہیں۔ برادرم! اس وقت سارا اسٹاف "ہمدرد" کا میں ہوں جو روزانہ ۱۰ گھنٹے کی محنت میں ایک لیڈر لکھ دیتا ہوں (جو دو دو تین تین بلکہ چار چار پانچ پانچ لیڈروں کے برابر ہو جاتا ہے) اور ایک غریب جعفری ہے جو تاروں کا ترجمہ کرتا ہے اور اخبار کو ترتیب دیتا ہے۔ بعض دن ایک اور سب ایڈیٹر جواب علیحدہ ہو چکے ہیں، لیڈر یا نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ جعفری بیمار ہو گیا تھا تو وہی تاروں کا ترجمہ کر دیتے تھے مگر اپنے صبح کے مطلب کے بعد، اس لئے کہ ڈاکٹر بھی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر خود اس اخبار کے ضروری بزنس (BUSINESS) سے بھی غافل رہنا پڑے تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ یہ معذرت امید ہے کہ قبول ہو گی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں، ابھی تھکا ہارا ایک ۸ کالم کا مضمون ختم کر کے پلنگ پر آ لیٹا ہوں۔ لیکن لیٹے لیٹے مشکل نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو خط لکھنا آسان نہ تھا۔ ہاں عبد الرحمٰن صدیقی نے مجھ سے دوبار آپ کے متعلق ذکر کیا تھا۔ برادر بزرگ فرید احمد صاحب نے بھی دو تین بار زبانی، تحریری اور ٹیلیفون پر ذکر فرمایا تھا لیکن جواب دینا مشکل تھا۔ دبی زبان سے عبد الرحمٰن سے البتہ اس قدر کہا تھا کہ محمود احمد صاحب کو نوکری کی تلاش ہے یا وہ بھی میری طرح پاگل ہو گئے ہیں جو "ہمدرد" میں کام کرنا چاہتے ہیں اور میری ہی طرح ان کو بھی اپنے دل پر قابو نہیں، وہ مجبور کر رہا ہے کہ جو پیغام خدا نے تمہیں دیا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دو اور بلاغ ہی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ناصح النفس بھی بنائے ڈالتا ہے۔ ان کا جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ فرید احمد صاحب سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ آپ کے انجینئر بھائی سے شاید پوچھ لیتا، مگر ان سے ملنا نہ ہوا، حالانکہ ان سے ملنے کا بہت ہی متمنی تھا۔ والدہ مرحومہ کی قبر اور آمنہ مرحومہ (میری لڑکی) کی قبر کے پتھر انہی کی معرفت تیار ہوئے ہیں اور لوح مزار بھی۔ مگر اب تک کام ختم نہیں ہو سکا حالانکہ تقریباً دو سال کی مدت گذر گئی۔ جب جب ملاقات ہو جاتی ہے تقاضا ہو جاتا ہے۔ الله الله کر کے اب والدہ کی قبر پر تو لوح کندہ ہو کر لگ گئی، گو پتھر قبر پر ٹھیک نہیں جمائے گئے ہیں اور چاروں کونوں کے DECORATIVE پتھر ابھی نصب نہیں ہوئے ہیں اور لڑکی کی لوح مزار تیار بھی نہیں ہوئی ہے، نہ پتھر علی گڑھ بھیجے جا سکے ہیں۔ وہ بیچارے بھی سخت مصروف ہیں۔ خیر اب خود

آپ کا خط آگیا ہے۔ براہ راست یہ بظاہر بیہودہ سوال کرتا ہوں۔ "ہمدرد" کا سرمایہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے۔ سب کی تنخواہیں مل جاتی ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پندرہ دن دیر سے ملیں گی یا ڈیڑھ دو مہینے کی دیر سے، کاغذی، ایسوسی ایٹڈ پریس اور مالک مکان کو تو آٹھ آٹھ دس دس ماہ اور ایک ایک سال کا بھی انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ پہلے جب آدھا خرچ کریڈٹ کے خریداروں پر پڑتا تھا دونوں اخباروں پر پانچ سو سے لے کر ایک ہزار بارہ سو تک خسارہ ماہواری ہو جاتا تھا اور اب جبکہ سب خرچ ہمدرد ہی پر پڑتا ہے پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس لئے ہرگز اس کارخانے کو نہیں چلا رہا ہوں کہ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے رقم نکالنا مقصود ہے۔ جب سے کریڈٹ نکالنے کا خیال ہوا تھا صرف ایک غرض سامنے تھی کہ جو پیغام خدا نے مجھے پہنچایا ہے اسے دنیا تک پہنچا دوں۔ لیکن اب دنیا کی ذہنیت اتنی بدل گئی ہے کہ اخبار اور سفر کر کے تقریروں کے ذریعہ سے یہ پیغام دنیا تک نہیں پہنچا سکتا اس کے لئے مصارف کا انتظام اب ممکن نہیں۔ ارادہ کیا ہے کہ اپنی اس محدود "دنیا" کو جو "ہمدرد" پڑھتی ہے ایک بار اچھی طرح اطلاع دے دوں کہ اگر وہ اسے جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کا فرض ادا کرے اور خریدار بڑھائے تاکہ خواص کی امداد کا انتظار نہ کرنا پڑے (اور اب تو انتظار بھی نہیں کرتا اس لئے کہ یقین ہو گیا ہے کہ امداد نہیں آئے گی)۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تو پھر اس کارخانے کو بند کر دوں اور قوت لایموت کے لئے چند گھنٹے کوئی کام کر کے ہر مہینے چالیس، پچاس یا ساٹھ خود پیدا کر لیا کروں، اتنا ہی بیوی اور بچے بھی پیدا کر لیا کریں، باقی وقت میں انہیں تعلیم دوں، خود تعلیم حاصل کروں اور چند گھنٹے روزانہ اس لئے بچا لیا کروں کہ جو کوئی مجھ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آئے اس کو اپنی رائے سے مطلع کر سکوں تاکہ "گوشہ نشینی" اور خود غرضی کا مجرم نہ بنوں۔ اس طرح پبلک کی وہ خدمت کر سکوں جو ایک پچاس ساٹھ روپیہ کی آمدنی والا کر سکتا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ عین اس زمانے میں جبکہ "ہمدرد" کی حالت یہ ہے، ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہیں یا خود کسب معاش کے لئے اسی طرح مجبور ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے میں مجبور ہوں گا اور "ہمدرد" کی سب ایڈیٹری اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے شاید تین چار لڑکوں کی پرائیویٹ ٹیوٹری کرنے لگوں۔ یقیناً میں ایمانداری سے اپنی تنخواہ کے برابر محنت کیا کروں گا لیکن مجھے اس سے بحث نہ ہوگی کہ وہ لڑکے کون ہیں اور کس کے ہیں۔ کیا آپ کو بھی آج اس سے بحث نہیں کہ آپ "ہمدرد" کے سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں یا کسی اور اخبار کے، یا آپ کی نظر انتخاب خاص "ہمدرد" پر پڑی ہے؟ آپ نے لکھا کہ "ہمدرد" میں کام کرنے کا محرک وہ معاوضہ نہیں ہے جو چند ابیض منقوش کی شکل میں حاصل ہو، میں اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ واقعی اس شخص کے ساتھ رہ کر اس کے مصائب میں شریک ہونا چاہتے ہیں جس کے خیالات کو آج مطلق ہر دلعزیزی حاصل نہیں، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج سے زیادہ وہ کبھی محنت نہیں کیا کرتا تھا اور آج سے زیادہ صحیح رہنمائی اس نے کبھی نہ کی تھی اور آج سے زیادہ وہ ہر دلعزیزی کا کبھی بھی مستحق نہ تھا؟ نہ معلوم آپ "ہمدرد" کو پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔ ۱ر اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک سات مہینے مسلسل اتنی محنت میں نے کی ہے کہ کہہ نہیں سکتا اور اردو میں اپنے نزدیک صحیح مذہبی اور سیاسی خیالات کا اتنا انبار لگا دیا ہے کہ چند کتابیں میرے مضامین سے مرتب ہو سکتی ہیں جو باوجود اس زود نویسی کے اس قابل ہوں گی کہ ان سے لوگ دیر تک فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن جن کے سامنے ان خیالات کو آج اظہار کرنے کی جسارت

کریں گے وہ مجھے پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ خودستائی اس شخص کے بیوقوف اور بیہودہ ہونے کی صاف دلیل ہے لیکن اس خودستائی کی "ہمدرد" کے مضامین پڑھ کر آپ بھی کسی قدر تائید کر سکتے ہیں تو آئیے میرے مصائب میں شریک ہو جئے۔ اگر یہ نہیں ہے تو بزنس BUSINESS کے طور پر طے کر لیجئے کہ تاروں کا اور انگریزی اخبارات کے CUTTINGS کا لئے روپیہ ماہوار پر ترجمہ کر سکے گا اور اخبار کو مرتب کرنے میں مدد دے سکے گا۔ ہمدرد میں جو اشتہار نکل رہا ہے وہ محض بزنس کی کارروائی ہے گو میں نے اب تک اس کو بھی انجام نہیں دیا اس لئے آس بالکل ٹوٹی نہ تھی اور امید تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ صحیح معنوں میں ASSISTANT بھی مل سکے۔ آج کل تجربہ تو یہی کہہ رہا ہے کہ ASSISTANT تو نہیں RESISTANT بہت سے مل جائیں گے۔

تحریری جواب عنایت کرو اور پھر اگر جی چاہے تو ایک دن کے لئے آکر مل جاؤ۔ میں یہاں سے ۸ یا ۹ کو بمبئی چلا جاؤں گا۔ ۲۳/۲۴ تک آنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو جائے۔

جواب کا منتظر اور دیر لگنے کی معافی کا خواستگار

آپ کا بھائی: محمد علی ۳ مئی ۱۹۲۷ء

داؤد صاحب مرحوم کی قبر پر میری طرف سے فاتحہ پڑھ دیجئے گا۔ میں ۱۱ برس کی عمر میں علی گڈھ گیا تھا تو وہ میرے سب سے پہلے کے ہادی اور رہنما تھے۔ آج تک اس پرلطف زمانے کو نہیں بھولا ہوں۔

محمد علی

(۷)

بنام مولانا شوکت علی صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک ہفتے سے برابر اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں مگر یہ مجھے سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی اور غالباً میری بھی ڈاک کھولی جاتی ہے اور اگرچہ ہماری زندگی ایک کھلے ورق کی طرح ہے پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ بعض باتیں غیروں تک جائیں۔ زبانی گفتگو کرنا اور بھی مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے اسی طرح ہمیشہ خاموش رہنا پڑے گا۔

پہلے اس کے کہ میں اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ کہوں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ایک ہفتہ ہوا کہ ظفر بھائی کے خط کا جواب آگیا۔ کیا آپ کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل ہے کہ اس کے دیکھتے ہی میرے جذبات و احساسات کی کیا کیفیت تھی اور میں اگر اسی وقت اس کا جواب دیتا تو کیا دیتا۔ میں نے ان حضرت سے نہایت ہی حزم و احتیاط سے گفتگو کی ہے اور یہی حال تحریر کا رہا ہے۔ افغانستان کے پاسپورٹوں کے سلسلے میں مولانا عرفان کو اپنے ہمراہ صوبہ سرحد میں ستمبر ۱۹۲۱ء میں لے جانے کے معاملہ میں جب کہ پہلی بار ان سے نیاز حاصل ہوا تھا اور دوبارہ مولانا عرفان کو کنگاپور اور جاوا بھجوانے میں

IRREPROACHABLE

REPROACHABLE

نتیجہ نہیں نکلا کہ چند ایک نامراد اور متعصب اور تنگ دل جماعت بن گئے اور مسلمان ایک جماعت بھی نہ بن سکے بلکہ منتشر افراد کا ایک گروہ ہو کر رہ گئے ہیں اور برنارڈ شا کے ڈرامے "BACK TO METHUSELAH" میں EVOLUTION کی آخری STAGE - "AS FAR AS THE EYE CAN SEE" میں انسان نے جو LABORATORY میں بیٹھ کر جو مشین کا مرد اور عورت کا جوڑا بنایا ہے، اس کی طرح ہو گئے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم ہمارے متعلق کیا خیال کرتے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ ہم نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں آج ایک اخبار بھی نہیں جس کے چلانے والے مکر و فریب، زر پرستی اور خود غرضی سے پاک ہوں اور امور عامہ کے متعلق سنجیدگی اور متانت سے اور غور و فکر کے بعد رائے کا اظہار کر سکیں اور پھر "قوم" ہے کہ ہر صبح ان کی رائے کی اس طرح محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دو سال سے اس کا ارادہ کر رہا تھا کہ بہتر ہے کہ دو تین سال اس "قوم" کو اس کے حال پر چھوڑا جائے۔ اس کا جو فرد خود اس ضرورت کو محسوس کرے کہ ہم سے رائے مانگے تو اسے اظہار رائے سے کبھی محروم نہ کیا جائے مگر خواہ مخواہ ہر وقت اظہار رائے سے احتراز کیا جائے اور آئندہ کنواں پیاسے کے پاس دوڑا دوڑا نہ پھرے۔ جب یہ لوگ اپنے حاصل کردہ تلخ تجربے سے اس قدر سیکھ لیں گے کہ یہ اخبار بیچنے والے اور یہ قد آدم پوسٹر اور یہ جلوسوں کے جلوس کے خود قوم کے محتاج ہیں، قوم ان کی ہرگز محتاج نہیں تو وہ بھی اپنی اس روش کو ترک کر دیں گے کہ ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اخبار نویسوں میں آج ایک بھی اہل الرائے نہیں، اگر کچھ ہیں تو "اہل قلم" ہیں جو قلم چلا کر اپنی روٹی کمانا ایک عذاب جانتے ہیں لہٰذا جو کوئی اہل الرائے اس میدان میں آتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہمیشہ اندھوں میں ایک آنکھوں والے کا ہوتا ہے یہ سراسر غلط ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS KING - حقیقت یہ ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS HUNG - یہ تو عام بحث تھی اب میرے پروگرام کے متعلق سنئے۔ میں حمیدہ کی علالت اور اپنے افلاس کے باعث مجبور تھا کہ برما نہ جاؤں مگر آپ کے اصرار سے، اور اس امید پر کہ میرے گھر کے مصارف کے لئے آپ روپیہ بھجوا سکیں گے میں برما گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں اپنے خط میں تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں اور اگر آپ نے عرفان صاحب سے پوچھا ہو گا تو انہوں نے بھی ساری کیفیت بیان کر دی ہو گی۔ جب گھر کے مصارف کے لئے احمدی کو کچھ بھی نہ مل سکا، اور یہاں ماجد روزانہ مصارف کے لئے تنگ ہونے لگا، اور رشیدہ کی علالت نے دوا دارو کے اخراجات بھی بڑھا دئے، اور ۲۵۔ اچھپور روڈ پر ڈاکٹر شراف کی کوٹھی اسے کرایہ پر لینا پڑی، اور اس طرح ایک کی جگہ دو گھروں کا خرچ درکار تھا، مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے مجھے کلکتہ تار دیا کہ کچھ عرصہ تک میں بنگال میں دورہ کروں جہاں ایک شخص بھی میرا دورہ نہیں چاہتا تھا، الا ماشاءاللہ ان چند لوگوں کے سوائے جنہیں ایک زبردست الیکشن ایجنٹ کی ضرورت تھی جو مفت میں اللہ کی مدد کیلئے کھڑا ہو جائے یہی وہ قوم ہے جو آج ہماری محتاج ہے، باقی سب مستغنی ہیں۔ سعدی کو تو اسی کی فکر تھی کہ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

لیکن نماز کی نیت باندھنا تو فرض ہے، ان حکومت پرستوں اور خود غرضوں کا الیکشن ایجنٹ بننا کس نے ہمارے لئے فرض
مقرر کیا ہے؟ سر عبدالرحیم صاحب اور فضل الحق صاحب کے MANIFESTO میں اپنی جتھہ بندی کے لئے تو سارے جتن کئے
گئے، مگر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوانی غضب سے بچنے کے بارے میں ایک حرف بھی نہ تھا۔ ان حضرات کا آلۂ کار
بننا ہمارے لئے کب فرض ہے کہ بال بچوں کو بھوکا چھوڑ کر ہم ان کے مفت کے ایجنٹ بنتے پھریں۔ حقیقتاً مجھے تو اب تک
یہ بھی نہیں معلوم کہ ان خود غرضوں اور حکومت پرستوں سے شفیع داؤدی صاحب جیسے مخلص مسلمان نے آئندہ کے لئے کیا سمجھوتہ
کیا ہے اور میں اگر اس وقت کام کر بھی سکتا تو ہرگز نہ کرتا جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ نفس پرستوں کے مقابلہ میں ملت پرور لیڈروں
کا کس طرح انتخاب ہوگا اور جب دونوں کونسلوں میں جا بیٹھیں گے تو ہم عملی کی کیا صورت ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج میں
کسی کام کے قابل بھی نہیں ہوں۔

سب سے پہلے تمہیدہ کی علالت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ برسوں سے بیمار چلی آ رہی تھی۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں
اسے شملے لے کر گیا اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر برگشتہ سے لوٹتے پر ملیریا نے شملے میں بھی آ دبایا تھا اور وہاں بھی ایک
ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد پھر بے اطمینانی تھی۔ ۶ مئی ۱۹۲۸ء کو شادی ہوئی اور ۲۰ مئی سے
جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوا تھا۔ منصوری میں ڈاکٹر بچر کا علاج ہوا تو مسی
پر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا۔ مگر فروری ۱۹۲۹ء میں حالت اور بگڑ گئی اور حالانکہ ان کا، مس کین کا اور ڈاکٹر سنگھ کا
CONSULTATION کرایا گیا اور سنگھ کا علاج ہوا لیکن کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شبہ ہوتا رہا۔ اس کے
بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ہاضمہ ہمیشہ سے خراب تھا، قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا، بہت
ہی کم ایک وقت سے زائد کھانا کھاتی تھی مگر اب تو پیچش کے سے آثار معلوم ہوئے اور آنوں آنے لگی، جسے سنگھ نے کونین کا
اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خاں کی دوا سے آنوں آنا بند ہوئی مگر قبض نے سخت تکلیف دی۔ جب پھر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ
ڈاکٹر قریشی کا علاج کرایا گیا تو BACILLUS COLI کا شک گذرا مگر S·K·SEN BACTERIOLOGIST
کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے، تاہم قیاس کیا گیا کہ اثر اسی کا ہے اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے
کوئی فائدہ نہ ہوا اور بخار ۱۰۲ سے بڑھ کر روزانہ ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تک پہنچ گیا۔ تب جا کر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ
بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ایک شب کو باہر سوتے ہوئے
سردی لگی اور کچھ اوڑھا نہ گیا جس سے خفیف سی کھانسی کی خراش پیدا ہو گئی ہے، اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی
رکھیں گے۔ ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تاکہ وہ کوئی آزاد رائے قائم
کر سکے۔ آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا۔ روزانہ ۱۰۲ بخار ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ
یہ امر ہے کہ غذا بالکل نہیں ہوتی۔ گذشتہ نصف ماہ میں مرغی کا شوربہ اور روٹی کا چھلکا بھی نہیں کھایا گیا، صرف علی الصبح ایک یا نصف انڈا
آملیٹ کی شکل میں، ایک یا دو بار ایک توس اور مکھن اور ایک یا آدھا پاپا، یہ دن بھر کی کل غذا ہو گئی تھی۔ BULGARIAN
BACILLUS CULTURE کا دہی بنا کر دیا گیا، مگر وہ بھی نہ رک سکا۔ صبح سے رات تک برابر ابکائی آتی رہتی ہے

ابکائی روکنے کی دوا بھی اب مطلق کارگر نہیں ہوتی۔ بعض دن صبح کا ناشتہ بھی ڈال دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن غذا مطلق
نہیں ہوتی! عرفان صاحب کی موجودگی ہی میں حالت بے حد خراب تھی لیکن آج خراب تر ہے۔ تاہم SPUTUM کا امتحان کرایا گیا
تھا۔ رپورٹ سے صرف معمولی سی کھانسی کا پتہ چلا، دق کے کوئی آثار نہیں۔ ایسی مریضہ کو چھوڑ کر نہ میں بنگال کا دورہ کر سکتا تھا
اور نہ بمبئی آ سکتا ہوں اور جنوبی افریقہ کا تو کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا۔ آمنہ کی موت کے بعد ہی میں امجدی سمیت برما جانے کو تیار ہو
گیا تھا مگر آپ کو TYPHOID میں موت کے منہ میں چھوڑ کر برما نہیں جا سکتا تھا، صرف کلکتہ جا سکتا تھا، اور گیا تھا۔ قوم اور
ملک کا کام ساری عمر کیا ہے، کبھی اپنے عیش و آرام کے خیال نے یا کسی اور ذاتی غرض نے آج تک اس سے نہیں روکا لیکن
ایک جوان لڑکی کی موت کے بعد دوسری جوان لڑکی کو ایسی حالت میں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں
کہ اس کا شوہر مجبور ہو کر اپنا روپیہ وصول کرنے کے لئے باہر مارا مارا پھرے۔ میں تو برما چھوڑ کر بھی حمیدہ کو دیکھنے نہیں آیا اگر
ماجد کو اس کا رکا ہوا روپیہ دلوانے کے لئے تیار تھا کہ تھرڈ کلاس ہی میں سفر کر کے فوراً الور پہنچ جاؤں پیشتر اس کے کہ مہاراجہ الور
ولایت چلے جائیں تاہم ماجد کو تار میں لکھ دیا تھا کہ برما کے کام میں اس سے ہرج ضرور ہوگا۔ ماجد کا تار آ گیا کہ کام میں ہرج نہ
کیجئے، یہاں پر امید بندھی ہے۔ چنانچہ میں برما نہیں گیا اور دس دن اور وہاں ضائع کئے۔ مجھے اور بھی تعجب آپ کا تار کلکتہ میں
پا کر اس سے ہوا کہ آپ نے میری مالی حالت اور میرے کوچہ چیلاں کے مکان سے نکالے جانے کا بھی مطلق خیال نہ کیا! آپ
کے اصرار محض اس امید پر کہ آپ امجدی کو میرے روپیہ میں سے کم از کم اتنا بھجوا دیں گے کہ وہ کام چلا سکیں۔ یہ تار مارچ
میں چلا گیا تھا مگر آپ روپیہ فراہم نہ کر سکے اور امجدی جس مصیبت میں گرفتار رہیں اس کا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو سکا ورنہ آپ
مجھے ہدایت نہ کرتے کہ برما میں اتنی دیر لگانے کے بعد وہاں سے آتے ہوئے میں بنگال میں دورہ کروں۔ کلکتہ میں خلافت
کے سب سے زیادہ پُر جوش اور با اثر کام کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ میں نے اس روپیہ کو جو کریڈٹ کے دوبارہ اجرا کے لئے
گل شیر خاں وغیرہ نے بلا میری اجازت کے جمع کر دیا تھا، چند ماہ کے لئے قرض مانگا کہ جب تک کچھ کمانے کا انتظام کر سکوں
گذر اوقات ہو سکے اور انہوں نے تحریری وعدہ بھی کر لیا کہ دو تین دن میں بذریعہ تار روانہ کر دیں گے، آج تک اسے روانہ کر رہے
ہیں۔ ایک صاحب سے پانچ سو روپیہ قرض حسنہ ملے تو اس وقت تک کام چلا اور احمد علی بھائی نے امجدی کی جائیداد
میں سے پانچ سو روپیہ بھجوائے تو ماجد کے قرضہ میں سے دیئے ورنہ حمیدہ کے علاج کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ایسی حالت میں
وہ کون سا سیاسی یا مذہبی فرض ہے جس کے ادا کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوں؟
سب سے بڑی مصیبت مکان کی ہے۔ مسلم لیگ کے جلسہ کے بعد عبدالرحمٰن وکیل کے سامنے صالح صاحب نے
قطعی نوٹس دے دیا کہ مکان خالی کر دیا جائے چاہے انہیں کوئی زیادہ کرایہ دینے والا ملے یا نہ ملے، یا کوئی خریدار مکان خرید لے
یا نہ خریدے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صالح صاحب خود ہی اس کی وجہ بھی ظاہر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں وہابی اور ابن سعود
کا حامی ہوں۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ چچا جان پسند نہیں کرتے (وہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہیں) اور آپ اختلاف عقائد بھی
رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال تو میں نے نہ صرف اس زمانے کا تمام کرایہ، بلکہ حسب قرارداد گذشتہ دور کا بھی کرایہ اس دور کے کرایہ کے
ساتھ بہ قسط پچاس روپیہ ماہوار ادا کر چکا تھا اب جبکہ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی کرایہ دار تم سے زیادہ کرایہ ادا کرنے کو تیار ہے!

کوئی خرچ بار خرچتا ہے۔ مجھ سے مکان خالی کرانا اس بنا پر ہے جس بنا پر عبدالحق اور انوار الحق (انوار صالح کا بہنوئی ہے) مسلم لیگ
میں ہمارے خلاف اس قدر نمایاں حصہ لے رہے تھے اور جس بنا پر مولانا عبدالقادر قصوری اور پنجابی ٹولی بھی ایک نہرو رپورٹ
کے موافق سمجھے گئے ہیں۔ بہرحال میں نے یہ آخری نوٹس پاکر فوراً فیصلہ کر لیا کہ ہمدرد کو بند کر دیا جائے اور اب اس مکان میں
ایک دن بھی نہ رہا جائے مگر رہنا جانا ضروری تھا اس لئے چند مکانات کو فوراً امجدی کو دکھا کر رہنا چلا گیا اور امجدی سے کہہ گیا کہ
اسی تک قرول باغ چلی جاؤ۔ پریس کو اکھڑوانے کے لئے ماجد، صدیق، اسرائیلی اور جعفری سے کہہ گیا کہ وہ اسے
DISMANTLE کراکے کسی GODOWN وغیرہ میں رکھوا دیں۔ حمیدہ کے لئے اس کی خواہش کے مطابق ایک ٹھنڈی
جگہ کی تلاش تھی جو اس وقت قرول باغ میں نہ مل سکی، مگر ڈاکٹر اشرف ولایت جا رہے تھے، راجپور روڈ پر ان کا بنگلہ نصف
کرایہ پر ماجد نے لے لیا اور وہ اور حمیدہ تو حسب قرارداد اسی سے گھر خالی کر کے چلے گئے مگر قرول باغ میں اس وقت کوئی
اور مکان طے نہ ہو سکا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مشینوں کے اکھڑوانے، لدوانے اور کسی اور جگہ STORE کرانے کا
بندوبست نہ کر سکا۔ ماجد علاوہ تیمارداری کے اپنی مصیبت میں مبتلا ہے اور رات ہی پھر آفر سے لوٹا ہے اور ابھی تک کچھ
نہ مل سکا۔ اس کو فرصت نہ تھی۔ صدیق صاحب محض بیکار ہیں۔ اسرائیلی صاحب اور جعفری بھی اس میدان کے مرد نہ تھے،
نہ اب مجھے حمیدہ کی بیماری میں اتنا ہوش ہے کہ خود کھڑے ہو کر اس کام کو کراؤں۔ جب ماجد باہر جاتا ہے (اور یہ اکثر ہوتا ہے)
مجھے اور امجدی کو حمیدہ کے پاس سونا پڑتا ہے۔ ماجد کے نوکر کی ماں کو نمونیہ ہو گیا اور وہ تار ملتے ہی امروہہ چلا گیا اس لئے اس بار
تو کوئی نوکر بھی نہیں ہے۔ میرے پاس عرصہ سے کوئی نوکر نہ تھا۔ دن بھر دوا پلانا، غذا کھلانے کی کوشش کرنا، حرارت معلوم
کرنا، تسلی اور تشفی دینا، ڈاکٹروں کے پاس جانا اور رات کو ٹہلنے کہ حمیدہ کے پاس پڑ جانا یہ میرا دن رات کا وظیفہ ہے
سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر کسی بدمعاش نے ایک پرزہ بھی توڑ ڈالا تو ساری مشین بے کار ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اکھڑوانے،
PACK کرانے اور کہیں سے لدوا کر لے جانے اور STORE کروانے میں صرف کثیر کی ضرورت ہے اور وہ ندارد۔ مجبور
ہو کر فیصلہ کیا ہے کہ پریس کو فروخت کر دوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں پھر اس کی بھی DEBENTURE BOLDER
سے اجازت لینا ہے اور تمام مشینوں اور ٹائپ کی فہرست تیار کرانا اور خریدنے وقت کی قیمت نکال کر اس وقت کی قیمت
کا تخمینہ کرنا ہے۔ خدا بھلا کرے خان صاحب عبدالعلی خان کا کہ پہلے دور کے ٹائپ وغیرہ کی چوری کا تخمینہ لگانے میں انہوں
نے جو کوشش کی تھی اس کے کاغذات موجود ہیں جس سے پریس کی بعض چیزوں کی اصل قیمت معلوم ہو سکتی ہے ورنہ عثمان صاحب
نے تو اس بری طرح کام کیا ہے کہ کسی چیز کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ جس طرح بھی ہو رہا ہے یہ کام کر رہا ہوں۔ اگر ماجد اب چند
دن تک یہاں رہے تو میں گھر جا سکوں گا۔ لیکن یہ مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے اور اب میں سو روپیہ یا ہمارا مکان کا کرایہ کس طرح اور
کہاں سے لا کر دے سکتا ہوں؟ مجبور ہو کر صالح صاحب سے کہا ہے کہ پہلے دور کے خانہ کی طرح نیچے کا پریس کا
حصہ مجھے کرایہ پر اس وقت تک کے لئے دے دیں جب تک کہ پریس دو تین ماہ میں فروخت ہو جائے۔ چار دن
تک ان کے پیچھے دھوپ اور لو میں پھرتا رہا۔ کل جواب ملنے والا تھا مگر نہ ملا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے تو سوائے اس کے
چارہ نہیں کہ اسی مکان میں ابھی قیام کروں حالانکہ وہ اب بالکل ویرانہ کی طرح سونا پڑا ہے اور اس کا ۲/۳ حصہ میرے لئے

بےکار اور غیر ضروری ہے۔ اگر پریس والا حصہ کرایہ پر چل گیا تو کل ہی قرول باغ کے مکانوں میں سے ایک کو کرایہ پر دے کر بالائی
حصہ آنا پڑے گا۔ ایسی حالت میں جنوبی افریقہ تو درکنار، مجھے افسوس ہے کہ بمبئی تک نہیں آسکتا۔

پھر سب سے آخر میں خود میری علالت ہے۔ یقین جانئے کہ میں سخت بیمار ہوں۔ جنوبی افریقہ کا سفر ممکن تھا کہ میرے
لئے بے حد مفید ہوتا۔ مگر میری گوناگوں مجبوریوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ لیکن اب میں درحقیقت کہیں نہیں
جا سکتا، اگر حمیدہ اچھی ہوتی اور روپیہ پاس ہوتا تو جا کر کسی گوشہ میں پڑ جاتا اور اپنا علاج کراتا۔ لاہور جا کر وہاں ایک مشہور [illegible]
حکیم صاحب جن سے تھرو ماکٹ نے مجھے ملایا تھا، علاج کروانے کا اپریل میں وعدہ تھا۔ اب چاہتا تھا کہ ہر ہفتہ ایک دن
کے لئے وہاں چلا جایا کروں مگر حمیدہ، مکان، پریس اور مالی حالت سب نے مجبور کر دیا کہ دہلی ہی میں قیام کروں اور حکیم [illegible]
سے جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں برسوں سے ان کے نسخے لکھا کرتے تھے، علاج کراؤں۔ وہی حمیدہ کو بھی دیکھ
چکے ہیں، اور سول سرجن کے علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا تو ان سے یا آلور کے حکیم صاحب سے جو آلور سے علیحدہ ہو کر دہلی آگئے
ہیں، حمیدہ کا بھی علاج کرایا جائے گا۔ ہر آہیں COL. SAIHGAL, I.M.S., EYE SPECIALIST کو آنکھ دکھائی تھی، سوائے اس کے
کہ غالباً پانی آ رہا ہے وہ کچھ نہ کہہ سکے، نہ علاج کر سکے اور کہا کہ دہلی میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد ڈاکٹر کو آنکھ دکھاتے رہنا
چنانچہ ڈاکٹر [illegible] کو سول ہاسپٹل جا کر گھنٹہ سوا گھنٹہ تک آنکھ دکھائی۔ سب ذیابیطس کا اثر ہے اور پانی آ رہا ہے جب بالکل
آجائے گا تو آپریشن ہو سکے گا۔ لیکن ایک ذیابیطس کا آپریشن ملک الموت کے لئے پھاٹک کھول دیتا ہے، اس لئے
ممکن ہے کہ کوئی اور طریقہ علاج کا ڈھونڈا جائے۔ پاؤں میں احساس کی کمی روز کم ہوتی جاتی ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ لکڑی کے پاؤں ہیں۔ مگر افسوس کہ لکڑی کے بھی نہیں کہ درد سے تو بچوں اور آپریشن کا تو اندیشہ نہ رہے۔ ایسی حالت
میں مجبور ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا، اور گو بمبئی آنے کا قطعی ارادہ تھا اور [1] پر روشنی ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر
مختلف مجبوریوں کے باعث اس INQUIRY میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ حقیقتاً اگر یہ INQUIRY بجائے بمبئی کے
دہلی میں بھی ہوتی تو اس کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا۔

اب تک پریس کے فروخت کرانے کی اجازت DEBENTURE HOLDERS سے لینے اور
اس کے گاہک فراہم کرنے کا کام بھی مطلق نہیں کر سکا ہوں۔ خود مُردوں کی طرح ہوں اور ایک اپنے سے بھی سخت بیمار
لڑکی کی تیمارداری میں مصروف ہوں اور نہیں جانتا کہ کل کو میرا رزاق میرا رزق کہاں سے دلوائے گا۔ ایسا آدمی سب قومی
کاموں سے معذور ہے اور مجھے معذور سمجھئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

میرا آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ ان موجودہ مشغولیتوں سے پیچھا چھڑاؤں، قرول باغ میں رہوں اور دو کتابیں
ایک انگریزی اور ایک اردو میں لکھوں، دونوں اسلام کے متعلق اپنے خیالاتِ پریشاں کا مجموعہ اور ان سے پیشتر زیادہ تر سال بھر
کی روٹی پیدا کرنے کے لئے، اپنا سفرنامہ دو تین ماہ میں کر ڈالوں اور چھپوا دوں۔ دیکھئے کہ اس کے لئے بھی فرصت اور [illegible]
نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت تو کل کے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔

انترسوں شام کو دو مسلمان نوجوانوں سے جو DAILY CHRONICAL میں کام کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

شاہ امان اللہ خاں اور ان کے رفقا اور عزیز دہلی سے صبح کو گذریں گے۔ چیف کمشنر سے ٹیلیفون پر دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہوئی اور معلوم ہوا کہ اگر میں جا کر ملنا چاہوں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور اگرچہ وہ خود اسٹیشن پر نہ ہوں گے نہ حکومت دہلی کی طرف سے کوئی اور شخص، تاہم پولس کے عہدہ دار انتظام کے لئے موجود ہوں گے اور MAJOR WICKHAM کوئٹہ سے ہمراہ آ رہے ہیں ان سے ملنا کافی ہوگا۔ چنانچہ ۴ بجے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے اور سوا چھ بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ گاڑی پانچ گھنٹے دیر سے آ رہی ہے۔ احتیاطاً اسٹیشن والوں سے کہہ گیا کہ اگر کچھ وقت گاڑی بچا سکے اور پہلے آنے والی ہو تو ماجد کے ایک پڑوسی کے ہاں مجھے ٹیلیفون کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ خبر پا کر کہ ٹرین دس بجے پہنچ جائے گی، میں سوا نو بجے ماجد کے مکان سے چل کر پونے ۹ بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ہندو اخبارات INTERVIEW مانگتے تھے مگر میں نے پیچھا چھڑا لیا۔ دس کے قریب یکایک اسپیشل آ گئی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ پلیٹ فارم پر آئے اور پولس کا صرف اسی قدر انتظام تھا کہ جب گاڑی رک گئی اور اس میں سے بلوچستان کے مسلح پولس والے دس بیس آدمی نکلے تو تماشائی چند قدم پیچھے کھڑے کر دئے گئے۔ میں نے MAJOR WICKHAM سے ملاقات کر کے اعلیٰحضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کے وزیر تک پہنچا دی گئی مگر میجر وکھم نے کہا کہ غالباً وہ کسی سے نہ ملیں گے، ان کے پاس کپڑے تک نہیں ہیں۔ اتنے میں ان کے چند رفقا اور عزیز گاڑیوں سے اتر کر دوسری گاڑیوں میں جانے والے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ انہی میں امیر یا سردار عنایت اللہ خاں بھی تھے جن کی شکل حبیب اللہ خاں سے کس قدر ملتی ہے اور جسم بھی بھاری پڑ رہا ہے اور چہرہ بھی گول ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیا، مگر جب میں نے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا تو ہاتھ شرافت کے ساتھ کھینچ لیا۔ میرا مزاج پوچھا، میں نے کہا کہ اچھا نہیں ہوں، پوچھا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار اور اس سے زیادہ سوگوار، اسلام، مسلمانانِ عالم، ایشیا، افغانستان، ہندوستان اور ان کے خاندان کے حال پر ——— حسرت بھرے لہجہ میں شکریہ ادا کر کے جلد رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کرنا بھی انہیں تکلیف پہنچانا تھا اس لئے میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو روکنا نہ چاہا۔ اس کے بعد عبدالہادی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، خود ہی کہا کہ میں عبدالہادی ہوں۔ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرے ہاتھ کو، میں نے کہا کہ اعلیٰحضرت کو اگر اطلاع دے دی جائے کہ میں خراجِ ہمدردی لے کر حاضر ہوا ہوں تو ممنون ہوں گا، کہا ضرور عرض کر دوں گا۔ اس کے بعد لالہ گردھاری لال اور "تیج" "کانسٹیپولیا" "ویش بندھو" "گپتا" اور ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر صاحب جناب مسٹر ساہنی اور رچند اور ہندو اور رجتبا احسان اور فری پریس وغیرہ کے چند نمائندے آ گئے اور کچھ بھیرہ والے بھی اور عبدالہادی خاں صاحب سے کہا کہ ہم ہنود کی طرف سے حاضر ہوئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کسی PUBLIC MEETING میں ان کا اس کام کے لئے انتخاب ہوا تھا، تو کہا کہ جلسہ کیسا؟ ہمیں تو صرف گھنٹہ بھر پیشتر ورود اعلیٰحضرت کا علم ہوا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان کے لائے ہوئے تھوڑے سے پھل قبول کر لئے اور بلا ملے ان کا شکریہ ادا کر دیا۔ عبدالہادی خاں نے مجھ سے آ کر بھی کہا کہ اعلیٰحضرت مشکور ہیں اور انہوں نے یا ان کے کسی اور ساتھی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی ہمدردی تو آج کی نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کی ہے۔ دوبارہ غلام جیلانی خاں سے ملا۔ عبدالہادی خاں تو معمولی پشاوری کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ البتہ زیادہ تر لوگ نیلگوں GREY رنگ کی کسی سوتی کپڑے کی جو وصلی ہوئی برجیس پہنے ہوئے تھے، جو ممکن ہے کہ MILITARY UNIFORM ہوں۔ امیر عنایت اللہ خاں اور

غلام جیلانی خاں دونوں کوٹ اتارے ہوئے تھے اور غالباً شہزادے بھی کوٹ اتارے ہوئے تھے اور ننگے سر۔ گرمی بہت محسوس کر رہے تھے۔ غلام جیلانی خاں کی تو داڑھی بھی چار پانچ دن سے نہیں منڈی تھی اور ٹھوڑی پر ذراسی کھچڑی داڑھی تھی۔ اس کے لگ بھگ منڈی ہوئی داڑھی بھی آپہنچی تھی۔ عبدالہادی خاں اور غلام جیلانی خاں دونوں نے انکار کیا کہ جس طرح CIVIL & MILITARY میں چھپا تھا کوئی لڑائی ہوئی اور شاہ امان اللہ خاں کے ڈھائی ہزار آدمی مارے گئے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور اعلیٰحضرت نے خون ریزی سے احتراز کیا اور جنگ نہیں کی۔ غلام جیلانی خاں نے مجھ سے شکایت کی کہ ترکی انگورا گئے اور مجھ سے نہ ملے۔ میں نے کہا کہ پورا ارادہ تھا لیکن جب مصطفےٰ کمال پاشا نے اس قدر بیہودگی کی تو مجھے بے حد غصہ آیا اور میں فوراً چل دیا اور بھول گیا کہ ابھی آپ سے ملاقی نہ تھا۔ جب ریل چل دی تب یاد آیا اور نادم ہوا۔ میں نے لجاجت سے ان سے معافی چاہی اور پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے بیان کو یاد رکھ کے مجھے معاف کر دیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ معذور تھے۔ میں نے غلام نبی خاں صاحب کا اپنے ساتھ دہلی میں کھانا کھانے کا ذکر کیا اور پھر ان کے ساتھ پیرس میں افغانی کھانا کھانے کا ذکر کیا۔ کہا کہ مزار شریف ان کے قبضہ میں ہے اور وہ وہیں ہیں۔ ان کا قندھار صرف پانچ دن پہلے آیا تھا۔ کہا کہ توفیق رشدی بک سے تمہاری ساری گفتگو سنی تھی۔ وہ مجھ سے ملے تو ابھی طرح مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ ترک کرلے اور سوائے FORMAL COURTESY کے اور کچھ نہ تھا۔ شاہ امان اللہ خاں صاحب کے اس طرح شکریہ ادا کرنے سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ملنا نہیں چاہتے یا ان سے کوئی عہد لے لیا گیا ہے کہ کسی سے نہ ملیں میں نے غلام جیلانی خاں سے جب کہا کہ میں ہدیۂ ہمدردی پیش کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہ میں وزیر صاحب سے کہے دیتا ہوں مگر میرا خیال ہے کہ یہ بھی ٹالنے کے لئے تھا۔ دونوں بار انہوں نے خود ہی رخصت ہونے کے الفاظ استعمال کئے جس سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ زیادہ گفتگو سے بھی گھبراتے ہیں۔ البتہ ایک اور شخص جس کے خشخاشی داڑھی تھی اور جو عربی بھی بولتا تھا اور فارسی بھی، وہ نہایت محبت اور جوش سے ملا۔ اس کے ذریعہ میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو بھی اطلاع بھجوائی کہ اگر ممکن ہو تو میں مل لوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر جواب دیا کہ وہ سخت متاسف ہیں۔ کوئی جگہ نہیں جہاں مجھے بلوا کر وہ گفتگو کر سکیں۔ ایک SALOON CARRIAGE میں وہ اور ان کی مستورات تھیں اور ایک میں شاہ امان اللہ اور ان کے بال بچے اور ان دو SALOON CARRIAGES کے علاوہ چند فرسٹ کلاس کے درجوں میں اور لوگ تھے۔ ایک DINNING CAR بھی تھی اور SALOON CARRIAGES میں بھی KITCHEN کے تختے تھے مگر ایک آدھ نوکر کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم سے کچھ کھانا پک کر گیا تھا اور میں نے اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو یہ کہتے سنا تھا کہ چند دُنبے انہوں نے منگائے ہیں، وہ بھی چڑھانے کے لئے تیار ہیں۔ ڈپٹی کمشنر گاڑی آنے کے بعد ہی آگیا تھا اور غالباً سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ساتھ دو نئے چھوٹے چھوٹے سے بند بھی کے بنے ہوئے SUITCASES تھے اور دو نہایت ہی سستے CUSHIONS جن پر نہ جھالر ٹانکی گئی تھی نہ ریشم کا کوئی COVER وغیرہ تھا، بالکل اس طرح کے جس طرح کے کوئی مسافر اسٹیشن پر خرید کر سر کے نیچے بطور تکیہ کے رکھے۔ نہ معلوم کسی کے پاس بستر بھی تھے یا انہی تکیوں پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔ BAGGAGE کہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ صرف ایک جگہ

نوکروں کے پاس ایک آدھ چمڑے کا ولایتی CABIN TRUNK تھا اور نہ معلوم وہ میجر و کہم کا تھا یا شاہ امان اللہ خاں کے رفقائے سفر میں سے کسی کا۔ بعد کو سنا ہے کہ چند جوڑے بوتوں کے بھی بازار سے لائے گئے تھے۔ پانچ چھ سبیں برف کی ٹرین کے رکتے ہی رکھوا دی گئی تھیں۔ ٹرین کے رکنے کے بعد ہی شاہ امان اللہ خاں کی گاڑی کی کھڑکیاں اندر سے چڑھا دی گئی تھیں لیکن پلیٹ فارم کی دوسری طرف میں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھا کہ گویا اُدھر سے کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ چنانچہ میرے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنے کے بعد ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ دوسری طرف کی کھڑکی کھلی ہے اور امان اللہ خاں نظر آ رہے ہیں، مگر میں نے اُدھر جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کو اس حالت میں دیکھنا ہم دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا۔ اس لئے میں ان کی گاڑی کے قریب ہی باورچی خانہ کی گاڑی کے دروازے پر کھڑا رہا جہاں سے کھانے وزیر وغیرہ ان کے درجہ میں جانے تھے۔ طارق میاں میرے ساتھ رہے اور نہایت مودب اور خاموش کھڑے رہے اور دو تین وزیر صاحب اور دوسرے لوگوں سے مصافحہ بھی کیا۔ عنایت اللہ خاں صاحب کے SALOON کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ ٹرین پورے گھنٹہ بھر کے بعد دہلی سے روانہ ہوئی۔ نہ معلوم آپ COLABA گئے تھے یا نہیں۔ میں نے عبدالہادی خاں صاحب اور غلام جیلانی خاں صاحب سے جنہوں نے آپ کے متعلق پوچھا کہہ دیا کہ آپ بمبئی میں ہیں اور انشاء اللہ ضرور ملاقات کریں گے۔

یہ تمام منظر میرے لئے سخت درد انگیز تھا اور میری آنکھوں میں بار بار آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ "اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر۔" دیکھئے اب افغانستان کا کیا حشر ہوتا ہے اور ہندوستان پر اس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ اب اس طول طویل داستان کو ختم کرتا ہوں چار پانچ دن ہوئے اسے شروع کیا تھا اور ۱۲ صفو لکھ کر چھوڑنا پڑا تھا۔ آج صبح سے بغیر غسل و وضو و منہ دھونے کے اسے شروع کیا تو اس وقت جب کہ ایک ناشتہ نہ کرنے والے شخص کو سوا بارہ بجے سخت بھوک لگ رہی ہے ختم کرتا ہوں۔ یہ خلافت میں ہرگز ہرگز شائع نہ کیجئے گا۔ صرف دوست احباب کو دکھایا جا سکتا ہے، اور وہ بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو، ورنہ صرف آپ کے لئے لکھا گیا ہے۔ خدارا صورتِ حالات کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے۔ نہ میں خدا سے مایوس ہوں نہ اپنے نفس سے، لیکن اس وقت جو فیصلہ کیا ہے وہی صحیح ہے، خلافت کے کام کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، الا ماشاء اللہ، جب آج کی سی مجبوریاں دہلی میں قید کر دیں۔ ڈاکٹر انصاری کا خط پڑھا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ اسے سوائے اپنے دنیا میں کوئی مظلوم اور معصوم نظر ہی نہیں آتا۔ اب آپ کسی کی خوشامد نہ کیجئے۔ یہ آپ کی غیر ضروری بلکہ نامناسب فروتنی ہی تھی جس نے پہلے مجھے اور اب آپ کو بھی گالیاں دلوائیں۔ سب کو سلام۔

آپ کا پریشاں حال بھائی:

محمد علی

دعوتی خط آئے گا تاکہ داعیوں میں شریک ہو۔ جو کچھ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا وہی آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی مختلف عناصر کی کانفرنس کو ہندو مسلمانوں کی اتحادی کانفرنس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا اور خود مسلمانوں کی ایک یونٹی کانفرنس کو مختلف اقوام کی یونٹی کانفرنس سے پہلے منعقد ہونا چاہیے تھا۔ اگر جہاتا بھی نے ایک نہایت خطرناک برت نہ رکھ لیا ہوتا تو گذشتہ ستمبر کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد بعد میں ہوا ہوتا اور مسلمانوں کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد پہلے۔ اوس کے بعد بھی جب کنور عبد الوہاب خاں صاحب نے اس کی طرف مجھے متوجہ کیا تو میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حکیم صاحب اور بھائی سے اس کا ذکر کیا، چنانچہ سب نے اتفاق کیا مگر کانگریس کے اجلاس سے پیشتر کوئی اجتماع بہت مشکل نظر آیا۔ کانگریس سے واپسی پر بھائی نے اس کی تحریک مسلم لیگ کے جلسے میں کی اور بڑی مشکلوں سے کثرت رائے حاصل کر کے اپنی تحریک کو منظور کرایا۔ تاہم جیسا کہ تمام .... جماعتوں کا قاعدہ ہے اگر کوئی چیز ان سرداروں کی مرضی کے خلاف کثرت رائے سے منظور بھی ہو گئی تو یہ لوگ عمل میں تساہل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ چیز کھٹائی میں پڑ جاتی ہے اور تکمیل کا نام ہی نہیں آتا۔ مسلم لیگ نے آل پارٹیز کے اجتماع کے لئے ایک جلسہ ۲۳ جنوری کو طلب کیا مگر باوجود بہت سے روپے کے نا... کے شوکت صاحب ... اس تحریک کے مطابق مسلمانوں کے تمام فریقوں کا آج تک اجتماع نہ ہو سکا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ گذشتہ جون میں خلافت کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا تھا۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کے تمام فریقوں کو دعوت دی گئی تھی کہ قومی تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دہلی میں مجتمع ہوں۔ اس کے جواب میں بھی مسلم لیگ کے لوگ شریک نہ ہوئے اس لئے شوکت صاحب نے خیال کیا کہ بہتر ہو گا اگر بجائے خلافت کے یہ دعوت خود لیگ کی طرف سے دی جائے لیکن نتیجہ وہی ہوا کہ کوئی اجتماع آج تک نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کی کونسل اور مسلمانوں کا جو اجتماع جنوری گذشتہ میں یہاں ہوا تھا وہ صرف اسی غرض سے تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے خداوند ہماری تائید حاصل کریں اور چونکہ ہم ان کے تمام خیالات سے متفق نہ تھے اس لئے یہ تو نہ ہوا لیکن پھر بھی ہمیں کو جھکنا پڑا اور مروت کے خیال سے ہم نے کہہ دیا کہ بہت اچھا، آپ اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کریں ہم آپ کو پورا موقع دیں گے کہ آپ ہندوؤں کو ان کے پورا کرنے پر راضی کر لیں، تاکہ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ شکایت کریں کہ ہندو تو ہمارے مطالبات پورا کرنے پر راضی تھے مگر تمہاری مخالفت نے ان کو روک دیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھیوں کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر کے ہندو کو راضی کر لیں لیکن اس میں انہیں مطلق کامیابی نہ ہوئی اور اجتماع کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد نہ لیگ کے سیکرٹری صاحب نے، نہ صدر صاحب نے اس ریزولیوشن پر توجہ کی جسے شوکت صاحب نے لیگ میں پیش کر کے منظور کرایا تھا اور مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس آج تک جمع نہ ہو سکی۔ الحمد للہ کہ آپ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے مگر میں نہیں دیکھتا کہ داعیوں میں مختلف الخیال اور متفرق عناصر شامل ہیں۔ میں نے چھوٹتے ہی کنور صاحب سے یہ عرض کہہ دیا تھا کہ اگر اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ مختلف الخیال لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کا دین کس طرح چلے اور کیا کیا عنصر کس کس طریقہ پر کس کس کام کو کرنے کے لئے تیار ہے اور اس پر اصرار کرنا مقصود نہیں ہے کہ ہم بھی ترک موالات چھوڑ کر موالاتیوں کے طریقوں پر چلنے لگیں تو میں کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور

اس کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاس خلافت کمیٹی منعقدہ ۱۹ مارچ بمقام دہلی میں تھا، یعنی ترکِ موالات کو ہم سے ترک کرانا تو میں اس دعوت الی الشر میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترکِ موالات کی مشکلات سے میں ناواقف نہیں لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۲ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جو صاحب اس وقت تارکِ موالات تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف رجوع کریں تو یہ ان کو مبارک ہو مگر میں تو اس طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تبلیغ میرا دین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیم مسلمانان کا نام ہے اور قیامِ امن کے لئے اس تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینوں اور تسبیح ہلانے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سیاست بھی تنظیم مسلمانان کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم کو ایک اسلامی سیاست کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا ہے جس میں غیر مسلموں کے ہر گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آ سکے۔ موجودہ "کمزوری بلکہ بے حسی اور ناکارگی" جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض "بدنظمی" کے باعث نہیں ہے، بلکہ اس باعث ہے کہ ایک جماعت جس میں انگریزی پڑھے لکھے مسلمان اور علماء بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے "نظم" کو قائم کرانا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترکِ موالات میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ "متفرق اور متضاد عناصر کا تصادم" دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارکِ موالات نہیں ہیں وہ بھی تارکِ موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفریق و تضاد باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہو گا یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات تارکِ موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لئے تیار نہیں ہیں جو ترکِ موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی حد میں رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کریں گے۔ جو تارکِ موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس دشوار گذار راہ سے گذریں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر "رخصت" چاہنے والے نہ "عزیمت" والے بنیں، نہ اپنے آپ کو "رخصت" چاہنے والا سمجھیں، بلکہ منہ بند کر کے اپنے آپ کو "نفسِ مطمئنہ" والا کہنے لگیں، حالانکہ ہوں "نفسِ امارہ" کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحبِ "عزیمت" سمجھ کر حقیقی صاحبانِ "عزیمت" کو "رخصت" بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت، دعوت الی الخیر نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔

بھائی نیرنگ! مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا، پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف لپکوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جن صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کو دعوت، مولانا ظفر علی خاں صاحب کی صدارت اور (معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا یہ سب چیزیں مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کرتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ عبور کرنے والے

SECULAR STATE

یعنی ۱۹۲۱ء میں ہنود کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے بھی دن پھرے ہیں۔ آج انہیں پھر شاید بدبختی میں مبتلا پاتا ہوں لیکن انہی کے قدم بقدم چل کر مولوی مالوی اور منشی لاجپت رائے یعنی انہی دو ہندوؤں کی طرح کے مسلمان سرداروں کا اتباع کرنا نہیں چاہتا۔

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے — ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھوالی میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں بلکہ مالویت اور گاندھیت کی ہے۔ میں گاندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے محض مالویت کی مخالفت کرنا اس کو ہنود میں تقویت پہنچانا ہے اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں لیکن گاندھی انسان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان پر ہنود کا اور بالخصوص ہنودِ پنجاب کا ایک عرصہ سے نرغہ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے خود آپ سے سال گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی مگر جس جس سے اس چیز کے لئے کہا گیا اس نے سوائے ہندو اخباروں کے پلندوں کے جو میرے سر پر کھینچ کر مارے گئے، مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی جس کو میں پڑھ کر مہاتما جی کے سامنے مسلمانوں کا CASE پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے نہ پڑھنا نہ کام کرنا آتا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے CASE کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میری ہی معرفت سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے دل پر جو ہندو ہیں اور ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لے کر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ سوقیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خان صاحب نے اختیار کیا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب! افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداً انہوں نے اختیار کیا تھا۔

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

مجھے معاف کیجئے یہ خط بہت طویل ہو گیا اور جیسا کہ دنیا کا کتا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہو گیا۔ اس میں رشک ہے، حسد ہے، غیبت ہے، اپنی لفاظی ہے، خود ستائی ہے لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک فاسق و فاجر ہوں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اس کو ظاہر کر دوں کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں کیا ہے یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدۂ ریائی سے زمین کو بھی گندہ اور ناپاک نہیں کرتا۔

جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گذرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو حاضر ہوں ورنہ معذور ہوں۔

محمد علی

اس سے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ باتیں نہ کرنے دوں (حالانکہ ان کو علم تھا اور خود بھی چاہتے تھے کہ زیادہ باتیں اور صاف صاف باتیں ہوں) غریب وزیر ہند نے وعدہ کیا کہ اب دس منٹ اور دے گا اور ڈاکٹر کے حکم کے خلاف مجھے تھکنے نہ دے گا نہیں - پھر بھی کوئی آدھ گھنٹہ اور ٹھہرا اور پہلے بھی تقریباً آدھ گھنٹہ باتیں ہو چکی تھیں - اس طرح گھنٹہ بھر اب ملا - کوئی پندرہ منٹ نواب احمد سعید خاں کے ہوٹل میں اسی طرح کی باتیں ہوئی تھیں - مجھ سے اعتراف کیا کہ طرح طرح کے لوگوں سے ملا ہوں، کسی وزیر ہند نے اتنے مختلف الخیال لوگوں سے گفت وشنید نہیں کی، مگر تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب ہیں - پیچیدہ ترین مسائل پر جو سمجھ ہی میں نہیں آتے تھے آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا - اسی طرح اخبار اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے اڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوئیں اور اس پر پورا پورا اثر پڑا - اسی طرح ٹائمز کے ایک فارن اڈیٹر پر جس کے متعلق ہندوستان اور اسلامی ممالک پر مضامین لکھنا اور لکھوانا ہے، اس سے ڈیڑھ گھنٹے تک یعنی ساڑھے دس سے شب کے بارہ بجے تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی اور خود ہی اس نے ملنے کے لئے آنے کی درخواست کی - سوا گھنٹہ اس سے ترکی وغیرہ اور نجد اور یمن اور آخر میں ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی - یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا ہے اور دونوں اخباروں میں خود اڈیٹروں کے مضمون ان خیالات کے جو میں نے ان پر ظاہر کئے، شائع ہوں گے - اچھا اب رخصت ہوتا ہوں - یہ خط حیات کو بھوپال پڑھنے کے لئے بھیج دو - مجھ میں اتنی جان نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند سطریں بھی لکھ سکوں - پلنگ پر نہ لکھا گیا تو میز کرسی پر دس دن میں پہلی بار خط لکھا - دوسرے خط سیکرٹری ٹائپ کرتی ہے - حیات سے کہنا کہ وہی MISS MANTON یا اب MRS. KELLEY سیکرٹری ہیں، مگر مجھے خوف ہے کہ میں ان کی تنخواہ کا جو وہی ہے، دیر تک متحمل نہ ہو سکوں گا - کام کی جگہ سے دوری نے مجبور کر کے مسز مادکندی کے مکان سے جہاں ۶ گنی ہفتہ دینا پڑتا تھا یہاں بھوایا ہے جہاں تقریباً بیس پونڈ ہفتہ کا بل آیا ہے اور وہ بھی رعایتی، مگر ڈاکٹروں کا قرب ہے، کام کا قرب ہے، [illegible] شعیب اور شوکت بھائی اور زاہد کا قرب ہے اور غالباً اب موٹر کار رکھنا بھی بند کر دوں اور ٹیکسی پر [illegible] کر سکوں - ہفتہ وار نہ سہی تو دو ہفتے میں ایک بار تو تم براہ راست چند سطور ہی مجھے لکھ سکتے تھے - [illegible] نہیں کر سکتے تو پھر پرانا سلسلہ بند - یوں بھی میں چند دن کا مہمان ہوں - یہ کہنا کہ فرصت نہیں ملتی، [illegible] نے کے باعث بہت پریشان تھے وغیرہ وغیرہ بے کار کے عذرات ہوں گے اور بدتر از گناہ - [illegible] باری اور سیر سپاٹے کے عاشق ہو، کام سے وقت ملا تو اس میں صرف کیا، بھلا ایک دور افتادہ مریض [illegible] سطریں لکھنے کے لئے وقت کس طرح ملتا -

ہاں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ نہ ہندو لیڈر قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ مسلمان - سب سے زیادہ اہم کمیٹی وہ ہے جو ترکیبی حکومت کا ڈھانچہ تیار کر رہی ہے اور اس میں اس قدر وقت ان کی بدلیاقتی اور عدم تدبر سے ضائع ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ - مگر باوجود میرے پہلے سے کہلانے کے آغا خاں، شفیع اور جناح نے اس میں میرا نام نہیں رکھا حالانکہ پہلی کمیٹی میں صرف میری موجودگی جلسہ کے باعث میرا نام تھا اور اس پر

آغا خاں کے ذریعے سے مجھے کہلوایا گیا کہ تمہاری صحت اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ جب وہ کمیٹی اتنی عریض وطویل
ہو گئی کہ سب کو اس میں داخل کرنا پڑا تو اب مختلف کمیٹیاں ہر بحث کے لیے بن رہی ہیں۔ اب تک ایک
میں میرا نام نہیں ہے۔ میں نے آغا خاں کو صاف صاف ٹیلیفون پر سنائیں اور ممکن ہے کہ خود ہو
درخواست پر میرا نام بڑھا دیا جائے۔ البتہ ہندو مسلم کمیٹی میں ضرور میرا نام ہو گا۔ اس معاملے میں شوکت صاحب
نے میری غیر حاضری میں حسب معمول ڈھیل کی اور سب بدمعاشوں پر اعتماد کیا اور شفیع داؤدی کی طرح ہر ایک
کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذوق میں تدبر سے کام نہ لیا اور ہر ایک ان کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے، ان
کو صلاح کار و مشیر کوئی نہیں بناتا۔ وہ لوگ خود صلاح کار و مشیر اور مختار ہمام بن بیٹھے ہیں۔ میں نے اگر ایک
دو بار کھڑکھڑایا تو آنکھیں کھلیں اور ابھی اور ان شاء اللہ کھولوں گا۔ اچھا اب رخصت۔

تمہارا اور تم سے بیزار
محمد علی

بنام مہر صاحب

(۲)

ضروری

برادرم! السلام علیکم۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نام نہاد "خلافت کمیٹی" پنجاب نے آپ دونوں[1] کا نام ہی نکال دیا ہے صوبہ انبالہ سے نہ نیرنگ[2] صاحب کا نام ہے نہ ثناء اللہ[3] صاحب کا اور نہ شوقی صاحب کا۔ کب تک ان کی لغویتوں کو ہم خاموشی سے دیکھتے رہ گئے؟ یہاں مسلمانوں میں از حد جوش ہے اور کام کے لئے تیار ہیں۔ یہ وقت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ہر شعبہ میں لگا دینا چاہئے تاکہ دس برس میں ہماری حالت درست ہو جائے۔ مقابلہ سخت کرنا پڑے گا مگر خدا ہماری مدد کرے گا۔ آپ اور برادرم سالک کو ضرور آنا ہوگا۔ ہم تو آپ آ جائیے دفتر کے اور لوگ کام کو دیکھیں گے اور آپ یہاں سے سب حالات ان کو بھیجتے رہئے۔ ۱۵ دسمبر کے اخبار میں جلد ۳ نمبر ۱۴۹ میں میرے تار کا غلط ترجمہ شائع ہوا ہے مہارت کے بعد مولانا محمد علی کا انتخاب ہوا ہے۔ مجھ کو تو عظیم الشان جلوس مفت میں ہندوؤں کی بدتمیزی کی وجہ سے مل گیا اب ۲۰ دسمبر کو محمد علی آ رہے ہیں۔ لوگ بہت خلوص سے جلوس نکالیں گے۔ مہربانی فرما کر اخبار میں تصحیح فرما دیجئے گا۔ میں تار بھی بھیجوں گا۔ آپ ضرور آیئے اور احباب کو ہمراہ لائیے۔ پنجاب میں ہم کو اب کام کرنا ہوگا۔ خدا را ان حضرات سے آزادی دلوایئے۔ اب تو بیہودہ دونوں کے غلام ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کا
شوکت علی (خادم کعبہ) کلکتہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۸ء

بنام مہر صاحب

(۳)

برادرم مہر! السلام علیکم! افسوس کہ آپ شملہ میں نہ تھے بہت تکلیف دہ منظر تھا۔ ایک طرف تو کانگریسی مسلمان گاندھی اور ہندوؤں کا کھلونا بنے ہوئے تھے دوسری طرف ایک ۵۵ سالہ فضل حسین[4] اور انگریزی حکام کے منشا کے مطابق ناچ رہا تھا اور ہر طرف بدگمانی اور شکوک کی فضا تھی۔ اس میں ہمارے مہربان سید حبیب[5] خوب لطف لے کر دلچسپی لے رہے [illegible] اور اب اخوت اپنی خدا [illegible] صاف اعلان بھی کر دیا اور چلتے چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ بیچ غریب کو [illegible] ان کو پرواہ نہیں تو شوکت علی کس شمار میں تھا۔ آپ نے "سیاست" دوسری [illegible] کا دیکھا [illegible] گا۔ ان کی [illegible]

۱۔ آپ دونوں سے مراد مہر صاحب اور سالک صاحب ہیں۔ ۲۔ میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم ۳۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی جو تقسیم کے بعد بھی پانی پت میں قیام پذیر رہے [illegible] انہوں نے پانی پت میں [illegible] مسلمان جمع کر لئے ہیں۔ ایک مسجد میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید کی تدریس کا [illegible] بھی کر لیا ہے [illegible] اقبال احمد پانی پتی [illegible] تحریک موالات کے ایک ممتاز کارکن تھے، قید بھی کاٹی، مدت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔
۴۔ سر فضل حسین مرحوم جو اس زمانے میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے ۵۔ سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر روزنامہ "سیاست"
۶۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم

سے بھی بعض ایسی باتیں سُنیں جن سے مجھ کو رنج ہوا۔ میں جو کام کرتا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں اور بہت ہوشیاری سے کرتا ہوں تاکہ میری ذات سے اسلام کو اور وطن اور کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر اس سے بچنا محال ہے اس لئے غلطیاں ہوتی ہیں مگر میں غرض اور ذاتی منفعت کے لحاظ سے ان کا مرتکب نہیں ہوتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا حامی تھا، ہوں اور رہوں گا مگر ایسا اتحاد نہیں جو ان کو نقصان پہنچائے۔ میں اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کسی انگریزی حاکم کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا[1]، اور میں صاف عرض کروں گا کہ مجھ کو سر فضل حسین پر اعتبار نہیں ہے اور نہ میں ان کو اتنا قابل آدمی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دوں۔ انہوں نے یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان کے واسطے کچھ نہیں کیا بلکہ پنجاب کے مسلمانوں تک کو سکھوں کے مقابلے کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ساں اپنی پارٹی بنائی اور اپنے حاشیہ نشینوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ زبردست اور بہت ٹھنڈے اور گہرے کام کرنے والے ہیں مگر مسلمانوں کی قوم کا مستقبل ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آسانی سے اپنے اثر سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا سکتے ہیں اور سید صاحب جیسے آدمیوں کو اس قدر ہمت دلاتے ہیں کہ وہ غریب محمد علی کی روح کو بھی صدمہ پہنچائیں مگر مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے۔ میں "سیاست" کا جواب نہیں دوں گا مگر ان کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد علی کی کس قدر محبت اور وقعت ہے۔ یہ خط اقبال کو دکھا دیجئے گا میں دو دن میں بنگلور و مدراس کے دورہ پر جاؤں گا۔ اب اچھا ہوں۔ سالک صاحب کو سلام!

آپ کا بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۷ر جولائی ۱۹۳۱ء

(۴)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

برادرم مہر!

السلام علیکم و برکاتہ۔ میں نے آج آپ کو ایک تار بھیجا ہے جس کی نقل ہمراہ ہذا منسلک ہے۔ میاں جعفر شاہ کو بھی آگے لانے کی ضرورت تھی اور ان کو یونٹی کانفرنس کی صدارت کے لئے انتخاب کیا تھا مگر وہ صوبات علاقہ میں دورہ کر رہے ہیں خدا معلوم آ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ وقت کی نزاکت کا خیال کر کے آپ اس بار کو اپنے ذمہ لے لیں اور اجمیر شریف ۲۴ر ستمبر کی شام یا ۲۵ر کی صبح کو ضرور پہنچ جائیے اور اپنی قربیت کا مجھے تار دیجئے۔

---

[1] یہ شبہ صحیح نہ تھا کہ سر فضل حسین مرحوم انگریز حاکموں کے ایماء سے سب کچھ کر رہے تھے لیکن چونکہ وہ برا نگریزی حکومت کے رکن سمجھے جاتے تھے ان کی تجاویز و تدابیر کے متعلق اس قسم کے شبہات عام تھے۔

ایک طرف ہندوستان کے انگریزوں کی چالبازی اور بے اتفاقی دوسری طرف ہندوؤں کی شرارت۔ ہماری طرف سے کسی کمزوری کا اظہار ہونا ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ گاندھی کی اس نئی حرکت اور غریب اچھوتوں کو دھمکی نے سارا کانگریس کا پول کھول دیا[1]۔ ہندو قوم میں انتہا درجہ تقلید کا مادہ موجود ہے۔ آپ کو ڈر ہے کہ اگر ہماری طرف سے مسلمانوں کے لئے صاف اور مردانہ مطالبات نہ ہوئے گشتی نوان کو ہمت پڑے گی کہ مسلمانوں کے خلاف بھی اس دھمکی کو کام میں لائیں۔ آپ پر سب باتیں روشن ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کاش ڈاکٹر اقبال صاحب بھی آپ کے ہمراہ آ سکتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں آپ کے تار کا منتظر ہوں۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں[2]۔

آپ کا پریشان بھائی
شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

[1] اس فقرے میں اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ وار فیصلے میں اچھوتوں کو الگ نیابت دیئے جانے پر مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔

[2] مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خاص اور نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنے ہر نیاز مند کو آگے بڑھانے کی کوشش انتہائی فراخ دلی سے کیا کرتے تھے۔ میاں جعفر شاہ پونہ کانفرنس کی صدارت کے لئے نہ پہنچ سکے تو صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا۔ مجھے بھی خاص مشغولیتوں کے پیش نظر معذرت کرنی پڑی!

خود دیکھ کر اندازہ کر لیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اور ہمارے بھیا[۱] سرعلی سب خیریت سے ہوں گے۔ طاعون نے تو حیدرآباد کو تباہ کر دیا۔ معاذ اللہ۔

اس نقیر کو اطلاع ہوئی کہ ہمارے بھیا کے مکان میں چوہے متاثرہ کرے۔ اللہم احفظنا۔ یقین ہے کہ تبدیل مقام کئے ہوں گے[۲]

۲۴ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء

شاد

(۳)

بنام نصیر حسین خاں خیال

شاد نواز حضرت خیال دام محبتہ

آج کی تاریخ تک اس نقیر کے کان جو من گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است کے متمنی تھے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دل التوائے سفر کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اثر الٹا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور اثر میں بھی دشمنی ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ کل آپ کا قصد روانگی کا ہے[۳]

دیدۂ احباب و دل ہمراہ تست   تو نہ پنداری کہ بے ما می روی

آپ کا سچا خلوص اور آپ کی ہمدردی اہل دکن کے ساتھ اور خصوصاً آپ کا حسن سلوک اس نقیر حقیر کے ساتھ یہ صفات ایسے نہیں ہیں کہ شاد آپ کو دل سے بھول جائے۔ اگر خدا نہ کرے ایسا کیا تو شاد بھی جماد بے حس ہے۔ چوں کہ آپ کا قصد سفر دور و دراز کا ہے اس لئے شاد اپنے خاندان کے عل درآمد کے لحاظ سے حضرت امام ضامن علیہ السلام کے ضامن بھیج کر متوقع ہوں کہ آپ اس کو قبول کر کے شاد کو ممنون کریں ؎

بسفر رفتنت مبارک باد   بسلامت روی و باز آئی

اپنے متعلق تو شاد اتنا ہی کہتا ہے کہ جو گزرے گی ہم پہ گزر جائے گی۔ آپ کی واپسی[۴] تک فلک کی نیرنگیاں قابل دید ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ گردش لیل و نہار کے بعد زمانے کی کایا پلٹ کس قسم کی ہوتی ہے اور ہم اہل وطنوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کیا ہے۔ بہر حال۔ انی توکلت علی اللہ فہو حسبہ۔
شاد کے بچے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔

شاد

مطابق ۱۰ر مئی سنہ ۱۹۲۰ء

---

[۱] یہ مہاراجہ کی شرافت اور وضعداری تھی کہ اپنے رقیب سرعلی امام کو بھیا کہا کرتے تھے۔
[۲] یہ حیدرآبادی طرز اردو ہے کہ کیا ہوگا کی جگہ بصیغہ اخلاق جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔
[۳] سرعلی امام کے استعفا کے بعد جناب نصیر حسین خیال کو بھی یک بیک حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔
[۴] شاید مہاراجہ کو توقع تھی کہ پھر سرعلی اور خیال کی حیدرآباد میں یاد ہوگی۔

(۴)

بنام نصیر حسین خیال

حضرت خیال شاد نواز دام محبتہ

بعد اشتیاق بسیار آپ کا مسرت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بعد شادمانی پھولے پھلے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان خاطر کے ساتھ شاد کو محبت نامہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سفر یورپ کے التوا کی خبر نے شاد کے حال کو خوش تو کیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پھر آپ کا قصد بدستور معلوم کر کے افسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اب بھی دور ہیں لیکن ہندستان میں رہ کر جب چاہیں حیدرآباد آ سکتے ہیں۔ البتہ یورپ سے حیدرآباد آنا معنی دارد۔ اگر مستقل ارادہ ہے تو بسلامت روی و بازآئی۔ آپ کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بلکہ اب تک جتنی زبانیں ہیں اتنی ہی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں۔ الغرض دنیا بھی عجب تماشا گاہ ہے۔ اسی تماش بینی میں عمر ختم ہوتی جاتی ہے۔ جن میں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے تجسس اور تفکر کا مادہ دیا ہے۔ اور ہمارے فکر مدارتقا تک پرواز کر جاتا ہے۔ ویسے معدودے چند ہیں۔ شاد آپ کا دعا گو الحمدللہ مع عیال و اطفال خیریت سے ہے مگر اطمینان قلب میسر نہیں بلکہ روزمرہ افکارات میں ترقی ہے۔ مگر کیا کیا جائے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ اگرچہ آپ کی روزانہ یہاں بھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شاد ترستا تھا۔ لیکن آپ کا خلوص اور جذب محبت کا اثر ممنون منت بنا رکھا تھا۔

افسوس کہ آپ دکن سے جدا ہوئے۔ فقیر شاد کی نسبت آپ کا حسن ظن قابل تشکر و امتنان ہے۔ غالباً ولایت میں آپ سے سالار جنگ بہادر سے ضرور ملاقات ہوگی۔ شاد کی جانب سے دعا و سلام پہنچا کر شاد کو ممنون فرمانا۔ فاللہ خیراً حافظاً۔ فقط

شاد

۱۳ راگست سنہ ۱۹۲۰ء

(۵)

بنام عماد الملک

شاد نواز حضرت من

....

صاحب موصوف نے ایک رسالہ موسوم بہ رسائل عماد الملک تحفتاً جناب کی جانب سے پہنچایا جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں وجدانی کیفیت سے سرور کا نقشہ سمایا۔ اگرچہ بظاہر چند اوراق کی ایک کتاب ہے جس میں (۲۷) حروف کا ایک بسیط و دلفریب مرتع خانہ ہے۔ مگر ہر ایک شاہانہ رعنائی و زیبائی سے جلوہ آرا ہے۔ الفاظ کی اجتماعی ہیئت سے فقروں نے جو حسن ترتیب پایا ہے پری زادان معانی کی مجلس کا عکس پیش نظر کرتا ہے۔ اگر محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو علم و فضل کا ایک خزانہ ہے۔ جس میں اس ملک اور دوسرے ممالک کے صاحب نظروں کے لئے جواہر بے بہا ہیں۔

شاد آپ کی اس یاد فرمائی اور عنایت کا دل سے کمال درجہ ممنون ہوا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جب

اس معدنِ فضائل و کمال کا مشاہدہ کرتا رہے گا اس عنایت کو دل سے فراموش نہ کرے گا۔ ....

اس نادر رسالے کے طبع ہونے سے پیشتر اگر ایسا کیا جاتا یا شاد کے گوشِ اخلاص میں اس کی اشاعت کی خبر پہنچتی تو شاد بمقتضائے ذوقِ طبعی ضرور کوئی قطعہ یا رباعی اس کی توصیف میں لکھ کر بھیجتا۔ شاد کا بھی تحفہ اس کے ساتھ یادگار رہ جاتا۔ انشاء اللہ اس کتاب کو بالاستیعاب فرصت سے دیکھ کر استفادہ کروں گا۔ قطعہ

عماد الملک نے بھیجا رسالہ	کروں کیا اس کی میں تعریف اے شاد
خزانہ ہے یہ حکمت کا یقینی	دلِ اہلِ یقین اس کو رکھے یاد

حال میں چند رسالے جدید طبع ہوئے تھے جو روانۂ خدمت ہیں۔ بزمِ توحید۔ قومی لیڈر۔ معراج تقی۔ سعید پرکاش کرشن کلا۔ گیان درپن۔ مثنوی سرودجد۔ آشوبِ عظیم۔

۱۴ر نومبر ۱۹۲۱ء　　　　شاد

بنام عماد الملک

(۶)

شاد نواز

محبت نامہ رقم زدہ ۱۸ر جولائی ۲۲ء وصول ہوا .... خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ شاد کام رکھے ؎

تنت بہ ناز طبیباں نیاز مند مباد	وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامتِ ہمہ آفاق در سلامتِ تست	بہیچ عارضہ شخصِ تو دردمند مباد

.... اقوال حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا پسند کرنا فقیر شاد کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے۔ اصل قول حضرت کا نہیں ہے۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ صاحبوں سے جمع کئے ہیں جن کو اردو میں ترجمہ کرکے نظم کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کے لئے بھیجوں گا۔ وہ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسند فرمائیں گے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۲۲ء　　　　شاد

بنام خواجہ حسن نظامی

(۷)

حضرت سلامت۔

فقیر نے محبی محب کے جواب میں کچھ رباعیاں لکھی ہیں اور وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں۔ اس کا نام "سلک گہر" ہے۔ فقیر کی خواہش ہے۔ کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ شوکت بلگرامی مرحوم نے بھی اس پر تقریظ لکھی تھی۔ غبار صاحب متکلم میٹھی بھی تقریظ لکھ رہے ہیں۔ مگر حضرت کی تقریظ کی ضرورت ہے۔ سلکِ گہر زیرِ طبع ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تقریظ جلد ارسال فرمائیے۔

اس مژدۂ جاں فزا نے اپنے جامہ سے باہر کر دیا کہ حضرت محرم میں حیدرآباد تشریف فرمائیں گے۔ خدا ہمچنین کند

چھوٹی رانی کو دو روز سے پیچش آؤں اور لہو ہے۔ خدا فضل کرے کہ شاد کے لئے خدا نے اس ہستی کو اب باعث آرام گردانا ہے۔ باقی سب برائے نام ہیں۔

شریح دستخط
مہاراجہ بہادر

سٹی پیلس ۲۴ جولائی ۱۹۲۴ء

(۸)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز کرم فرما زاد لطفکم۔
جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہنچا۔ ممنون کیا۔ آپ اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں یہ آپ کے بندگانہ اشفاق کی دلیل ہے۔ فقیر شاد آپ کو کیا بلحاظ سن و سال اور آپ کے فضائل حمیدہ اور اپنے مرتبۂ تلمذ و نیاز مندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ہے بلکہ اپنا واجب العزت بزرگ سمجھتا ہے اس پچاس سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے ان کے اثرات بد سے محفوظ رہنا یہ آپ کی دانش مندی اور محتاط طبیعت کا نتیجہ ہے۔
افسوس ہے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اور پاؤں نے معذور کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ کبر سنی کا تقاضا ہے۔ خداوند عالم جل شانہٗ کی جو مشیت ہو اس پر صابر و شاکر رہنا ہی ہمارے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصحت و عافیت رکھے۔ آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ہے۔ فقیر کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں۔ مگر بار خاطر ہونے کا خیال ہر وقت سدِ راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو ہفتے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ اگر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فقیر
شاد

۴ مئی ۱۹۲۶ء

(۹)

بنام حضرت سید نظیر شاہ وارثی

مولینا
تسلیم عرض ہے کاغذات روانہ خدمت ہیں۔ حضرت وارث میاں کے واقعات اور حالات جیسے جیسے پڑھتا ہوں حیرت کی تصویر بن جاتا ہوں۔ اور قلب میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ جس کو شاد ہی محسوس کرتا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے خاص نفوس اس دنیا سے اٹھ گئے۔ مگر گئے کہاں۔ البتہ ہماری بصیرت کا قصور ہے۔ خدا بصیرت عطا فرمائے۔ ابھی درشن کی تمنا باقی ہے۔ مگر مجھے امید قوی ہے کہ وہ ضرور درشن دیں گے اپنے امیدوار کو محروم نہ کریں گے۔

شاد فقیر

(۱۰)

بنام عماد الملک

مائی ڈیر عماد الملک بہادر
محبت نامہ مجھے ملا۔ بجائے اس کے کہ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں آپ کی اس مخلصانہ عنایت کا دلی شکریہ

ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنی نیک دلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کارِ خیر میں شریک کرکے داخلِ حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا۔ میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریہ کے ساتھ روپے فلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

مزید محبت بہمیں نمط مستدام باد

شاؔد

(۱۱)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا .... (۶ سطر) .... یہ فقیر حقیر آپ کے نوازشات اور دلی خلوص کا ہمیشہ سے ممنون ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اسی تشکر و امتنان کو نباہ دوں۔

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک پوتا نمونیہ سے سخت علیل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث مجھے چندے وہاں قیام کرنا پڑا .... (۰ سطر) .... حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جس کی نقل منسلک ہذا ہے۔ بنظر اصلاح دیکھیں .... (۲ سطر)

(غزل ۸ شعر کی ہے)

مطلع۔ دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم دار آخر　　بشو یکسو ہوائے این و آن از سر برآر آخر

مقطع۔ رسیدی بر در مقصد نشستی بر سر مسند　　دعائے صبحگاہی شاؔد ے آید بکار آخر

(ادھورا)

شاؔد

(۱۲)

جناب من

تسلیم۔ جناب کا نامہ الطاف پہنچا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بیشک آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اسی لئے محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ میری ہمدردی فرماتے۔

اخبارات میں جو کچھ ہو رہا ہے حاسدوں کے حسد کے پھپھولے ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہو کر پھوٹ رہے ہیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ مصاحبت میں جہاں دیدہ پرانا آدمی ہوتا تھا۔ جناب من آپ جہاں دیدہ اور میدان محبت کا دیکھا بھالا تجربہ کار شخصیت ہیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ کیا محبت کے سودائی کو کوئی مصاحب کی مصاحبت سد راہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مالک نے زیادہ تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کس قدر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں گا کہ یہ بھی خیال نہ رہا تو پھر بیچارے مصاحب اور واعظ اور پند گو کر ہی کیا سکتے۔ خیر یہ قصہ عجیب و غریب ہے کہ آپ نے ایک ہی طرف کے لوگوں کی زبانی قصہ سنا ہے اس لئے آپ نے یکطرفہ فیصلہ صادر فرما دیا۔ در اصل یہ یا [illegible] کی

بدطلائی بھی آگ ہے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔
جواب پسند آیا اس کا شکریہ۔ خدا حافظ

شاد عفی عنہ

(۱۳)

بنام اکبر الملک بہادر

مہربان من نواب اکبر الملک بہادر
اعلیٰحضرت پیر و مرشد مدظلہم العالی نے یہ جواب اڈریس صرف خاص جو اسپیچ ارشاد فرمائی اس کی نقل حسب وعدہ منسلک ہذا ہے۔ یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے جشن سالگرہ مبارک کے طفیل آپ ہم روزانہ ملتے تھے اب تو شاید مہینوں اتفاق نہ ہو گا [۱]

شاد عفی عنہ

---

[۱] یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا ہے۔ اس پر تاریخ نہیں ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اس وقت مدار المہام یعنی دیوان ہو چکے تھے اور ریاست حیدرآباد کے سب سے بڑے عہدہ دار تھے لیکن جس بزم ادب ایک حد تک مقربان حضور سے خوشامدانہ لہجے میں اس خط کا آخری جزو لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص کر اکبر الملک کو توال سے مراسم بڑھانے کے لئے کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

بیخود بدایونی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مخدومی!

یہ عریضہ ۲۲ جون کے کارڈ کا جواب ہے اور اس قدر تاخیر کا سبب وہی میری پریشانیاں ہیں جو دم بھر چین نہیں لینے دیتیں۔ ناقدردانی کی شکایت، جو میں نے پہلے خط میں لکھی تھی وہ یہاں کے ذی اختیار آفیسروں کی نسبت تھی۔ نہ کہ اپنے احباب کی نسبت، اور احباب میں بھی آپ، جو اس ذرۂ بے مقدار کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ آب و تاب دے رہے ہیں۔ جون سے اب تک ایک مصرع بھی نہیں لکھا تھا لیکن اس ہفتہ میں جودھپور چھوڑ کر دورے کو اٹھا تو کوئی شغل یا کوئی ہم سخن ساتھ نہ تھا۔ ریل میں اور راؤنٹ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھیجتا ہوں۔ والتسلیم!

نیاز مند خادم: بیخود از جودھپور سادڑی۔ پرگنہ دیوڑی مارواڑ ۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

جواب جودھپور کو بھیجئے گا۔
یہ چند اشعار پہلے کے یاد آ گئے ہیں۔

بیخود بدایونی

تذکرہ بیخود کا یارانِ وطن میں رہ گیا / کیا فسانہ حیف کیسی انجمن میں رہ گیا
دل سا رہبر کوچۂ قاتل میں لے آیا ہمیں / فرق اب کیا رہنما و راہزن میں رہ گیا
فصلِ گل ہے دستِ وحشت ہاتھ کاٹے جائیے / تار بھی باقی اگر اب پیرہن میں رہ گیا
کیا جگہ پائی ہے شوخی سے دلِ بیتاب نے / فتنہ بن کر اس کے چشمِ سحر فن میں رہ گیا
کہتے ہیں تیرا دلِ صد چاک کچھ شانہ نہ تھا / پھر یہ کیونکر میری زلفِ پُر شکن میں رہ گیا
کیا کہوں میرا دلِ شگفتہ کیا تھا کیا نہ تھا / ایک غنچہ تھا کہ مرجھا کر چمن میں رہ گیا
میرے غم میں اس قدر افسردہ کیوں ہیں اہلِ بزم / میں نہیں میرا فسانہ انجمن میں رہ گیا

اور کتنا بھول جاؤ گے یہ سارے پیچھے	میں اگر اے ہم صفیرو اس چمن میں رہ گیا
آبرو جاتی رہے گی دیکھ اے خوں بار آنکھ	قطرۂ خوں بھی اگر پیارے بدن میں رہ گیا
جان دیدی غم سے لیکن اف رے استقلالِ عزم	وصل ہو کر تیشۂ دستِ کوہکن میں رہ گیا
دوست کا کیا دشمن پر بھی آنچ آنے نہ دی	خود ہی جل کر شعلۂ آتش تگن میں رہ گیا
آپ کے آتے ہی بیخود آپ سے جاتا رہا	ہائے اتنا ہوش تو دیوانہ پن میں رہ گیا

(۲)

بنام احسن مارہروی

سیدی و معظمی!

کورنش - میری ترقیات کے لئے جو میری آرزو کے خلاف تاریخی قطعۂ تاریخ عنایت ہوا تھا وہ میرے واسطے باعثِ افتخار تھا۔ مگر افسوس کہ تمام مجموعہ کی کاپیاں تیار ہو گئیں اور وہ قطعہ نہیں ملتا لہٰذا ملتجی ہوں کہ وہی یا کوئی اور۔ بہتر تو یہ ہے کہ چند قطعہ بوالپسی ڈاک عنایت فرمائیے۔ بھلا یہ آرزو تو پوری ہو جائے۔ خیریت مزاج اور دعائے رفع ترددات کا طالب:

بیخود از جودھپور ۳ر جنوری ۱۹۱۲ء

(۳)

بنام احسن مارہروی

معظمی و مخدومی سیدی و سندی سلالۂ خاندان برکاتیہ افتخار تلامذۂ فصیح الملک مرحوم!

آداب و تسلیم قبول ہو۔ حضور کا ایک عطوفت نامہ مورخہ ۸ر اکتوبر دوسرا رقم زدہ ۲۳ر جنوری سنہ حال تیسرا مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۱۱ء مع قطعات تاریخ و مثنوی میرے پیشِ نظر ہے۔ افسوس ہے ناتوانی اور علالت کی بدولت نہ رسید لکھ سکا نہ جواب۔ بلکہ اب باوجود وعدہ کے کر بیٹھنے اور مکرمی حضرت دلگیر کی فہمائش غزل اور سہرا لکھنے کا مصمم ارادہ کرنے کے ایک شعر بھی نہ لکھ سکا۔ اس سبب سے معافی اور اس کے ساتھ دعا چاہتا ہوں تاکہ بیماریاں بھی دفع ہوں اور پریشانیاں بھی اور سوا آپ کے خاندان اور آپ کے اجداد کرام!! آپ کے عزیزان عالیمقام کی توجہ کے آپ کے بیخود کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

قطعات تاریخ اور مثنوی تاریخی کی تعریف و ثنا از خود تصنیف میرے امکان میں نہیں ہے۔ یہ تقدیری بات ہے کہ جانشین داغ کی تقریظ نہ صرف آپ کی تاریخوں سے بلکہ عزیزم سید عنایت احمد جرأت بدایونی و سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی و قاضی کبیر احمد جودھپوری و مرزا احمد حسین بیگ صاحب دہلوی و سید محمد نوح صاحب نوح ناروی، غرض بہت سے احباب کی تصانیف کے مقابلہ میں بہت ہو گئی ہے۔ دیوان میں نے اپنے عنایت فرما اور پرانے ملنے والے مولوی سید نصرت علی صاحب دہلوی صاحب نصرت المطابع واقع فراش خانہ کو چھپنے کے واسطے دیا ہے۔ مگر کاپی باوجود بہت اچھی لکھی جانے اور فوراً واپس بھیج دینے کے خود میرے دوست بیمار ہو گئے اور کئی مہینوں تک کاپیاں پڑی رہنے سے پتھر پر اترنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خوش نویس سے دوبارہ پھر کاپیاں لکھوائی گئیں جن کو میں نے دوبارہ بغرض تصحیح کے بغلی بھیجا ہے

لہٰذا امید ہے کہ اب جلد چھپے گا۔ کل اجرت وغیرہ ساٹھ روپے طے ہوئی ہے جس میں میرے عنایت فرما نے اپنے منافع کی نسبت میری نیازمندی پر خیال زیادہ رکھا ہے اور اس رقم میں سے تیس روپے مطبع میں پہنچ چکے ہیں۔ اب آئندہ تقدیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ میں آپ کا [illegible] خادم ہوں اور موروثی غلام ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی عنایت کو میرے دمِ آخر تک قائم رکھے اور بیماری و ضعف کے سبب سے میں بہت مجبور ہوں۔ لکھنا، پڑھنا، بولنا، چلنا کوہ کندن معلوم ہوتا ہے۔ نوکری کی مجبوری میں ریل میں بیٹھا ہوا دورہ سے آ رہا ہوں اور اپنی عدالت کے اہلکار قاضی عبدالغنی صاحب جو میرے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں ان سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والتسلیم!

محمد عبدالحی

خواجہ عشرت لکھنوی

(۱)

بنام احسن مارہروی

لکھنؤ۔ احاطۂ خان ساماں ۶ / جولائی ۱۹۰۹ء

مخدومی بھائی احسن صاحب!

تسلیم۔ میں بہت سے مخمصوں میں مبتلا ہوں۔ آپ کا مضمون تو لکھا ہوا مدت سے رکھا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ پرچہ میں ا[illegible] کے استفسار کے جواب میں انجمن کے متعلق لکھوں۔ وہ اب تک نہ ہو سکا۔ بہرحال ایک مضمون مرسل ہے۔ مئی کے پرچہ میں جگہ ہو تو اس کو لکھوا دیجئے۔ جون کے واسطے اور کچھ لکھنے والا ہوں۔ میرا مضمون آپ ضرور دیکھ لیا کیجئے کیونکہ میں ہمیشہ مسودہ بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ ....

(نامکمل)

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ جناب سید صاحب!

تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب الحکم عالی ایک مضمون نثر کا، دو غزلیں بھیجتا ہوں۔ آئندہ برابر لکھتا رہوں گا۔ مجھ کو اپنا قدیم خادم تصور فرمائیے۔ نہ کبھی آپ سے ناراض ہوا ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ میں آپ کو اپنا قابلِ تعظیم دوست سمجھتا ہوں۔ میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھئے۔ کتابیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں وہ وہی ہیں جو آپ نے بذریعہ پوسٹ کارڈ مجھ سے پہلے طلب کی تھیں اگر خلافِ فرمائش میں نے بھیجی ہوتیں تو مجھ کو ضرور افسوس ہوتا لیکن اب صرف آپ کی پسند نہ آنے کا افسوس ہے۔ بہرحال جو آپ کی مرضی ہو میں ہر طرح موجود ہوں۔ فقط!

عشرت۔ از لکھنؤ احاطۂ خان ساماں

۱۶ / نومبر ۱۹۱۰ء

غزل

جھاڑتا کیوں ہے اگر بھر گئی پوشاک میں خاک — غافل اک دن تجھے سونا ہے اسی خاک میں خاک
نہ سکندر رہے نہ دارا نہ فریدوں ہے نہ جم — بیکسی ہو گئے اس گردش افلاک میں خاک
چار دن کے لئے مسند پہ ہے تکیہ بیجا — موت ہر وقت نئی گھات میں ہے ناک میں خاک
زر کو مٹی ہی سمجھتے ہیں قناعت والے — کیمیا ہے نظر صاحب ادراک میں خاک
بعد مرنے کے ٹھکانے سے لگی ہے مٹی — جم گئی ہے چمن گور چہ سفاک میں خاک

ہے یہ درگاہِ الٰہی میں دعا عشرت کی
جا کے ہو روضۂ پاک شہ لولاک میں خاک

غزل ولہ

بزم سے اٹھ کے ہمی نکلے جو وہ میخانے سے — شیشے توڑے گئے پھینکی گئی پیمانے سے
روح نکلے گی جو ساقی ترے ترسانے سے — سیدھی جنت کو چلی جائیگی میخانے سے
محفل آباد رہے خیر ہو خم کی ساقی — ایک دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے
حکما کہتے ہیں ہوتی ہے غذا جزوِ بدن — ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے
آپ بھی جلتے ہیں غیروں کے جلانے والے — ہم کو روشن یہ ہوا شمع کے جل جانے سے
قطع کر رشتۂ امید اگر دانا ہے — کشت امید ہری ہو گی نہ اس دانے سے
میکشی ترک نہ مجھ رند سے ہو گی واعظ — عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ تو چل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرت
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

---

(1)

کتاب کے متعلق اگر تغیر و تبدل کی ضرورت ہو اور دوبارہ محنت کرنے پر درست ہو سکتی ہو تو میں حاضر ہوں۔ اگر نہیں تو میں انشاء اللہ کسی اور کو دلوا دوں گا اور جس وقت اب کوئی درخواست کتاب لکھنے کی آئی تو آپ سے سکالوں گا۔ میاں امتیاز سلمہٗ کو دعا۔

نیاز مند: راشد الخیری - ۱۲ر جولائی ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام منشی امتیاز علی تاج

عزیزم سلمہٗ!

سلام مسنون۔ ہاں یہی درست ہو گا کہ آدھے صفحے پر لکھوا دو اور آدھا چھوڑ دو۔ جب مکمل ہو جائے تو روانہ کرو۔

یہاں کاتبوں کی دقت نہیں ہے مگر چھپائی کی مصیبت واقعی سخت ہے۔ سیاہی عصمت میں بھی دیسی استعمال ہو رہی ہے دلّی میں انگریزی سیاہی نہیں ملتی۔ قطعیت میں تو نہیں مگر ہاں چھپائی کا انتظام یہاں ہو جانا ممکن ہے۔ سنجوگ کی کاپیاں ختم ہوتے ہی بھیج دینا۔

میں نے منشی کو مسودہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کم بخت نے صاف تو صرف ساڑھے تین سلپ کئے اور ایک سلپ کھو دیا۔ اگر نہ ملا تو مجھے سخت اذیت ہو گی۔

تمہارا خیال آغاز اسلام وغیرہ بہت اچھا ہے اور میں اس کتاب کے ختم کرتے ہی انشاء اللہ اس پر شروع کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال ہے اسلام کا نام آجانے سے ذمہ داری بہت بڑھ جائے گی۔ خیر یہ بعد میں طے ہو جائے گا لیکن اس سلسلہ میں جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں ان کے علاوہ جو تمہارے ہاں ہوں اور تمہاری رائے میں مجھ کو مدد دے سکیں ان کو ابھی سے چھانٹ لو میں مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ یہ کتاب میں انشاء اللہ آٹھ دس روز میں ختم کر لوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک مضامین کا معاوضہ اگر طے ہونا ہے تو ہو جائے کیونکہ پچھلی دفعہ جو سو روپیہ تم نے بھیجے تھے اس کے بعد مجھ کو سو روپیہ اور دینے پڑے جو پندرہ فروری کو واپس کرنے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے اخراجات کے واسطے ضرورت ہو گی کیونکہ میں نے اس دفعہ کسی سے روپیہ نہیں لیا اور اس وجہ سے دو ایک کو ناخوشی ہوئی۔

بعض ضرورتوں پر خیال کرنے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کتاب کو ختم کر لوں تو جون میں ایک روز کے واسطے لاہور آ جاؤں۔

مولوی صاحب کو میرے خط کا جواب جلد دینا چاہئے اس کے جواب پر مجھ کو اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ والدعا!

نیاز مند: راشد الخیری - دہلی ۲ر فروری

(۳)

مکرمی و معظمی!

تسلیم۔ پہلی رجسٹری کے جواب میں جو گرامی نامہ وصول ہوا اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ ایک خاص حد تک چونکہ درست تھا اس لئے اس کا جواب میں نے جلد نہ دیا۔

ستمبر میں ملیریا وغیرہ کی وجہ سے میں اور بیوی بچے کچھ ایسے پریشان رہے کہ میں حسب دلخواہ کام نہ کر سکا اور گو ابھی تھوڑا بہت

حکیم اجمل خاں

(۱)

بنام نواب وقارالملک

مکرمی!

السلام علیکم - پارسل جھومر کا روانہ کیا گیا ہے امید ہے کہ خدمت والا میں پہنچا ہوگا - جھومر کی لاگت کا پرچہ ہمرشتہ خط ہٰذا ہے - مبلغ [illegible] اس کی لاگت میں (جیسا کہ پرچہ حساب میں درج ہے) آتے ہیں - مبلغ [illegible] روپیہ آپ کے میرے پاس جمع ہیں - مبلغ [illegible] آپ کی طرف اور واجب الادا ہیں -

اگر جھومر ناپسند ہو تو واپس ہو سکتا ہے - صرف مزدوری بنوائی کی دینی ہوگی -

اجمل - دہلی ۹ر مارچ ۱۹۰۵ء

میں کل دہلی سے روانہ ہوں گا - آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں -

محمد اجمل

فرحت مرزا آپ کو آداب عرض کرتے ہیں -

(۲)

بنام نواب محسن الملک

مکرم بندہ جناب نواب صاحب!

السلام علیکم - میں جب بمبئی پونہ میں تھا تو میں نے سید مصطفےٰ حسین صاحب کے ناگوار قصہ کا حال سنا تھا - اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے جلسہ سے اٹھا دیے گئے اور وہ بلائے ہوئے آئے تھے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بیجا توہین کی گئی جس کا رنج کم سے کم میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور یہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس کے اسباب مختصر طور پر آپ سے دریافت کروں -

اگر مصطفےٰ حسین واقعی بے قصور ہیں اور پرنسپل صاحب نے خود یا کسی دوسرے پروفیسر کے اشارہ سے انہیں تکلیف

پہنچا کر اپنے بے جا تحکمانہ اقتدار کو ثابت کرنا چاہا ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس کا ناگوار اثر کہاں تک قابل برداشت ہو سکتا ہے۔

گو میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر آپ کے جواب آنے سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار نامناسب سمجھتا ہوں۔ تاہم میں آپ کو یہ بات جتانی چاہتا ہوں کہ مصطفیٰ حسین ایک کالج کا طالب علم اور بدبخت مسلمانوں کی قوم کا ایک رکن ہے اس کے ساتھ بُرے برتاؤ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا گیا۔

کالج کے اسٹاف کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک شریف قوم کی تعلیم گاہ کی خدمت کر کے اس کی بے انتہا شکر گذاری کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کالج کا یورپین اسٹاف ایسا خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے کہ وہ ہماری توہین یا تحقیر کرنے پر بھی ہماری خاموشی کا متوقع رہے۔ مہربانی فرما کر صحیح واقعات سے مجھے جلد مطلع فرمائیے اور اپنی موجودہ نرم پالیسی کو ترک کیجئے ورنہ آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا کالج بہت سی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

اجمل خاں ۱۹ر نومبر ۱۹۰۶ء

(۳)

بنام مولانا شوکت علی

بھائی شوکت علی صاحب!

السلام علیکم۔ میں آج کل لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا میں ہوں۔ یہاں سے بیروت، عکہ اور حیفہ ہوتا ہوا مصر جاؤں گا۔ چونکہ میں ۲۵ ستمبر کی صبح کو بمبئی پہنچ رہا ہوں اور وہاں دو تین روز قیام بھی کرنا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلافت کی ورکنگ کمیٹی ۲۹ ستمبر کو کر دیجئے تاکہ ضروری مشورہ ہو سکے۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آ رہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہے جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا اس لئے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لئے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اگر آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں تو نوٹس جاری کر دیں۔

میں صحت کی درستی کے لئے ہندوستان سے باہر آیا تھا اور اس چٹھی میں جو میں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھی تھی اپنے سفر کی غایت بھی یہی لکھ دی تھی اور یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ میرا یہ سفر سیاسی نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ اس کا لحاظ رکھیں گے اور نوٹس میں جلسے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی ایسی بات تحریر نہ کریں گے جو میری چٹھی کے مضمون کے خلاف ہو۔

امید ہے کہ آپ کا دورہ کامیاب رہا ہوگا اور آپ کے وزن میں خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے مزید اضافہ ہوا ہوگا۔ پیارے شعیب کو سلام یا پیار جو آپ مناسب سمجھیں۔

اجمل۔ ۲۰ر اگست ۱۹۲۵ء۔ عین زحلتا

(۷)

(۸)

(۶)

م مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مخدوم و محترم دام لطفکم!

السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصیدہ بردہ کے متعلق پڑھا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں بلکہ میں آپ کو ستھرے علمی مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ علی گڑھ منتھلی کے اس مضمون کو میں آپ کے اچھے خیالات کی فہرست میں ہی سے اسلامی یادگاروں کے پاکیزہ مذاق کو اور بڑھا دیا ہے

معاف کیجیے گا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔

محمد اجمل!

سائل دہلوی

بنام احسن مارہروی

(۱)

اخلاص منزلی سیدی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم عرض ہے۔ آج صبح ہی حضرت قبلہ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور آپ کا مرسلہ عنایت نامہ اوس میں ملفوف تھا آپنے جو کچھ اپنا واقعہ اور سانحہ حضرت کو لکھا ہے میں نے سب دیکھا۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ کوئی سبب ضرور دوبارہ نہ ملنے کا ہوا ہوگا ایسا کیونکہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت سے کسی نے یہ کیوں کہا ہوگا کہ آپ پھر بھی تشریف لائے تھے۔ اونہوں نے بددل ہو کر جیسا مجھے لکھا تھا میں نے حرف حرف غیر رنگ کی سیاہی سے نقل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے نقصان اور پریشانیوں کا نہایت الم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم و فضل کرے۔ دیکھئے دیکھئے ذرا طبیعت کو روکئے۔ مجھ پر تہمت نہ دیجئے۔ اللہ علیم ہے کہ میں آپ سے نہایت صاف ہوں اور نہ ملال یا کسی لالچ ذاتی سے کبھی کچھ نہیں لکھتا بلکہ ہر پہلو سے آپ پر تاکید کرتا ہوں کہ آپ فصیح اللغات سے غفلت نہ کریں یہی ورثہ آپ کی عدیم الفرصتی کی ہے تو ایک بڑے مدعا کا صریح خون ہو رہا ہے۔ آپ کو مصالح اجازت نہیں دیتے۔ اس طرف رجوع کرنے کی اور آپ کو اپنے لالچ پر خاص طور پر ایسی نظر ہے کہ آپ اوس میں دوستانہ کہا ہے ماہ بہ مہینے میں ہم نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ مجھے اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہوتی ہے اس سبب سے میں نے کبھی آپ کو رلایا نہیں ہے اور جب کبھی جو کچھ لکھا ہے بے منشا حضرت قبلہ گاہی قلم نہیں اوٹھایا۔ نواب میر حسن علی خان صاحب بہادر اس کے شاہد ہیں جب آپ کو کوئی خط لکھا حضرت کے ایما سے لکھا اور حضرت کو دکھا کر نواب صاحب[2] کو ملاحظہ کرا کر بھیجا ہے۔ میری طرف آپ اب بھی کوئی تہمت کا وہم نہ لائیں ورنہ میں بری جبر و مرتہ عداوت ہو جاؤں گا بشرط زندگی اور اوستاد سلامت رہیں اور منظور خدا ہے تو بہت جلد فصیح اللغات مرتب ہو جائے گی اور کوئی دقت ہی نہیں ہوگی۔ اس فقرے کے معنی بتا دیجئے کیا ہیں ورنہ سوائے خاندان والا کے اور کسی کی مجال نہیں جو میرے مذاق کام میں دست اندازی کر سکے۔ نشان نمبر ایک کے لفظ کے معنی آپ کو آپ کے اوستاد[1] نے کیا بتائے ہیں۔ میرا خیال کرتا ہوں کہ آپ بڑے جوش میں یہ دو لفظ لکھ گئے ہیں۔ میں نے پڑھنے لکھنے میں آپ سے بہت زیادہ پاپڑ بیلے ہیں۔ میری نسبت آپ بے تکلف ایسے لفظ نہ برت جایا کیجئے جس کے کئی کئی پہلو نکلتے ہوں۔ نشان نمبر دو کے معنی آپ خود غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ جس کام کا ذکر کیا ہے اور جس سے مراد ہے وہ

---

[1] بظاہر داغ مراد ہیں   [2] نواب میر حسن علی خان

شاید آپ اپنا سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ایسے مغالطہ عبارت کو خبط کر دیتے ہیں اور ان سے پہلو ملال کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کے اغراض سے لا واللہ کوئی تعرض نہیں مگر یہ ملاحی تحریر ہے۔ اگر نفسانیت کر اشتعال کی رہی تو کوئی عجب بھی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شکر رنجی ہوگی اور بے لطفی اور اس سے میں تجاوز کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ شوق ملاقات۔ فقط

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

(۲)

اخلاص منزلی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ ۲۷ر ماہ رواں کا عنایت نامہ اس وقت کے ڈاک سے وصول ہوا۔ مجھے عالم صاحب کی تحریر سے آپ کی معذوریت کا حال دریافت ہوگیا تھا۔ اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کی افکار کو دور فرمائے میں چند مرتبہ آپ کو لکھ چکا ہوں اور ہمیشہ اس بات کا جواب نہیں دیکھتا آپ کی کسی تحریر میں اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اخلاص منزلانہ فصیح اللغات کی ترتیب میں مجھے استمداد نہیں کرتے۔ آپ جب تک وہاں اپنے معاملات میں گھرے ہوئے ہیں وہ مسودہ مجھے دے دیجئے گا کہ میں اوس کو آگے چلتا رکھوں مجھ کو کوئی اعتبار نہیں ہے حضرت قبلہ کو بھیج دیجئے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اوستاد کی زندگی کو غنیمت تصور کیجئے، آپ ہیں کس دھن میں؟ جب آپ فارغ ہو جائیے گا اور یہاں آ جائیے گا میں سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ کیوں اس قدر بے اعتبار آپ ہوتے ہیں؟ اللہ علیم ہے اگر میں لالچ پر نظر کروں تو بقسم عرض کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی حصہ اس کا نہ لینے دوں۔ یہاں یہ خیال ہی نہیں ہے اور آپ مفت بدگمان ہو رہے ہیں۔ آپ کی محنت کا حصہ بٹاتا ہوں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں۔ اون امور کو آپ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتے۔ یہاں اس کے بغیر شروع کئے نہایت نقصان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو آپ نہ فرمائیے کہ بغیر کسی کی مدد کے آپ نے اسے شروع کیا۔ کسی کی مدد کے بغیر تو دونوں حیثیتوں سے یہ چیز آپ کے بس کی نہیں ہے۔ میں نے اوس کے اجزا صاحب عالم کے توسط سے [illegible] دیکھے ہیں۔ اون کی نظر کے بغیر تو حضرت قبلہ تک لے جانے بھی بے سود سے ہونے تھے۔ علاوہ ازیں بے مدد مالی رقم کے بھی یہ کام آپ کے امکان سے خارج سا ہے۔ رہا صورت نفع اللہ علیم ہے کہ اس میں ہم دخل نہ دیں گے جب تک آپ جواب صاف نہ دے دیں گے اس کام کے لئے مگر کتاب کی ترتیب میں تو نقصان نہ ڈالو۔ کرن کا فرآپ کی امید پہ پانی پھیرتا ہے بلکہ در حقیقت آپ ایک عالم کی امید عمل پہ پانی پھیرتے ہیں ایک فضول بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ دے کر۔ دنیاوی معاملات میں کس کو یقین ہے کہ کب تک کس نجات ہو جائے گی۔ یہ بھی آپ کا ایک زعم ہے میں سخت علیل ہوں اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لئے ضرور دہلی جانا ہوگا۔ مشین کے معاملہ وغیرہ کو مجھے نہ سپرد کیجئے آپ جانیں اور منشی عبدالغنی خان اگر وہ بلٹی میرے پاس آئی تو میں منشی عبدالغنی خان کو اطلاع کر دوں گا۔ میں اچھا نہیں ہوں دوران سر اور اختلاج کی بے حد شکایت ہے یہاں آجکل ایسی گرمی ہے جیسے اپنے وطن میں آغاز ماہ اپریل میں ہوتی ہے شب کر کسی قدر خنکی ہوتی ہے ورنہ تمام دن سفید باریک شیروانی پہنی جاتی ہے۔ زیادہ اخلاص والتسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

(۳)

مخلصی!

تسلیم۔ آپ کی یاد آوری کا پہلے شکریہ بعد ازاں ۳۰ اگست کے کارڈ کا جواب ہے۔ مجھے دہلی سے واپس پہنچے کو چار ماہ گذر گئے۔ ناصر میاں بفضلہ تعالیٰ مدرسۂ اعزہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ فضول اوقات زیادہ گذرتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رغبت نہیں۔ تکمیل کا ابھی سلیقہ نہیں ہے۔ خود آرائی کا شوق ہے اور روپیہ کی بربادی مد نظر ہے بانت بڑی ہوتی گیا کہوں ــــ ہر وقت بکتے بکتے بھیجا پک گیا۔ گلدستہ معیار الانشا ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ کئی پیچیدگیاں فضل الٰہی سے سلجھ گئیں۔ اس کی معاونت فرض ہے اور احسن صاحب سے بھی میری از سلام یاد دہانی کیجئے گا۔ والتسلیم۔ فقط!

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد از حیدر آباد ترپ بازار۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام جمال الدین مرزا بیرسٹر

(۴)

زاد عنایتکم تسلیم!

انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جا سکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ میں قبل و بعد جاؤں واپسی کے لئے بھی آپ کے واسطے انتظام و خیال رکھا جائے گا۔ مطمئن رہیں۔ میں اپنی بابت اس وجہ سے مشکوک ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والتسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۱ مارچ ۱۹۰۰ء

بنام احسن مارہروی

(۵)

محترمی سید صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ بدایوں شریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحب فراش ہوں۔ گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مرض نہایت مخدوش ہے۔ عارضہ انقباض قلب و دوران سر ملے جلے ہیں ــــ سہل سرحن معالج ہے، اللہ مالک ہے۔ اوس کے متعلق میں اپنا مطلع حاضر کرتا ہوں اور یہ مطلع اوس غزل کا ہے جو حضرت استاد مرحوم کے ملاحظہ سے بھی گذری ہوئی ہے ؎

مہ کہتے رہے مل گئی دیر تک ۔ شبِ وصل ہو دم مچی دیر تک

اس مطلع کے موزوں پڑھے جانے میں آپ کے تمام مطالب حاصل ہو جائیں گے۔ تذکرہ تا نیت عاشباع کسی بات کی کسر نہ رہے گی۔ میں اپنی حالت آپ کو لکھ چکا ہوں اس صورت میں خود تو غزل کی نقل کر نہیں سکتا۔ کوئی لکھا پڑھا بیا پرسان حال آ گیا تو اوس سے لکھوا کر ملفوف نیا زنامہ کر دوں گا۔ ورنہ شام کو یہ غزل بہ خط بند ہو کر ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجھے معذور تصور فرمایئے گا۔ غالباً آپ نے میکو میاں سے اوس غزل کی نقل حاصل کر لی ہوگی جو اون کے خسر صاحب لے گئے تھے اور آپ سے اونہوں نے نقل بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جناب سید امیر حسین صاحب دلبر سے ملئے تو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ زیادہ شوق ملاقات۔ والتسلیم۔ اگر آپ کے منافی طبع نہ ہو تو میرا کلام آپ پبلک میں پیش کریں۔ وہ اس لائق نہیں اور حق و ناحق اکثر مہاجنوں کو اعتراض کرنے کی زحمت اوٹھانی پڑتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل ۲۴ نومبر ۱۹۰۹ء

(7)

(8)

(۶)

(۷)

جن کو میری پھوپی زاد بہن منسوب تھی۔ پانچویں میری حقیقی بھانجی کا بیوہ ہونا جس کی عمر اس وقت اٹھائیس سال کی ہے۔ اوس کا خاوند جاگیردار و تعلقدار چند اضلاع پنجاب کا تھا جس کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔ یہ لڑکی بے اولاد ہونے کی وجہ سے وہاں کے قانون کی رو سے اوس جاگیر میں کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ صرف پانچ سو روپیہ ماہوار پائے گی اگر عقد ثانی نہ کرے گی۔ ان تمام واقعات میں کم و بیش مجھے فکریں درپیش ہیں کہیں بوجہ جذبات کے کہیں بوجہ تعلقات کے۔ ۶۶ سال کی میری عمر بعارض ایسے شدید صحت و عافیت کیا دمسازی کر سکتی ہے۔ اپنے افکار میں بہت غلطاں و پیچاں ہوں کہ آپ جیسی محترم ہستی کو بھی خط تک لکھنا بھول گیا [illegible] فرمائیے گا صورت حالات پر غور کرتے ہوئے جب سے میں حیدرآباد میں آیا ہوں ۳۲ سال گزرے آپ سے نیاز حاصل کئے ہوں تنہا یا صرف دو دفعہ بلدہ گیا وہ دو چار روز کے لئے جو نہ جانے کے برابر تھا۔ آپ کے نوازش نامہ کے ورود نے مجھے اور میری اہلیہ کو اس قدر مسرور اور مبتہج کیا کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صاحبزادہ کی تشریف آوری غریب خانہ پر موجب مسرت و شادمانی ہوئی۔ کامگار لئیق علیخاں بہادر کی سعادت مندی پر دل لوٹ گیا۔ اچھوں کے اچھے ہی ہونے چاہئیں۔ ان کی تعلیمی کامیابی کی تہنیت قبول کیجئے۔ ناصر میاں دہلی میں رونق افروز ہیں اونہوں نے بطور خود بیرسٹر خورشید عالم کی سب سے چھوٹی نواسی سے عقد کر لیا ہے اور مجھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر علیحدہ رہتے ہیں۔ اس بیوی سے اون کے تین بچے ہوئے ہیں۔ دو زندہ ہیں ایک مر گیا۔ پچھلی میم صاحبہ اون کی میرے پاس ہیں بعد اپنے فرزند کے پہلا لڑکا اون کا جوان ہو گیا ہے اور کسی کمپنی میں ۸۰ روپیہ ماہوار کا نوکر ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اوس کی تنخواہ کہاں آتی ہے اور کہاں صرف ہوتی ہے۔ اوس کی والدہ اور اوس کی خبر گیری سے ناصر میاں کو کوئی تعلق نہیں۔ روٹی کپڑا اور دوسری ضروریات کا حسب استطاعت میں کفیل ہوں۔ ناصر میاں کا منصب بحکم اعلیٰ حضرت چھ سال سے بند ہے۔ یہ بندش منصب کی اون کی میم صاحبہ کی داد فریاد اور اون کے قرض خواہوں کی درخواستوں کے نتیجہ میں ہے۔ سخن ناشنوی جو اون کو قدرتی طور پر حاصل ہے ہنوز باقی ہے۔ کوئی تردد اور تفکر اونہوں نے انجام مقصد کا سرکار دکن سے نہیں کیا۔ جو رقم ۸۰ روپیہ ماہانہ اون کو اون کے باپ کے ورثہ میں نصیب ہوتی ہے اوس میں بمساوات ہوتی ہے۔ تین برس ہو گئے کہ ناتجربہ کاری اور بے احتیاطی کی وجہ سے شکار میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی بندوق سے زخمی ہو گئے۔ ریک شوٹ کے کارتوس کے سب چھرے اپنے پاؤں میں لگے۔ تین مہینے اسپتال میں پڑے رہے۔ ٹخنے کی ہڈی ضائع ہو جانے کی وجہ سے لنگ کر کے چلتے ہیں اور اچھے ہیں۔ میری دختر قدسیہ بیگم کی شادی ہوئی کو چھ برس ہے صرف ایک فرزند نرینہ اوس کے ہے جو چار سالہ ہے خاوند اوس کا قوم کا مغل ہے تعلیمی اعتبار سے ایم۔ اے ہے پنجاب کے احاطہ میں [illegible] ہے سات سو روپیہ تنخواہ ہے ۵۰ روپیہ سالانہ ترقی ہے۔ آجکل ضلع رہتک میں بدلی ہوئی ہے جو یہاں سے ۴۴ میل کے فاصلہ پر ہے دو گھنٹہ میں ریل اور موٹر آ جاتے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے باہم خوش ہیں۔ سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ باوجود اس تعلیم کے نہایت خوش اعتقاد مسلمان ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ۔ میرے دو لڑکے یہاں آ کر ہوئے خدا کے فضل سے ایک کی عمر ۱۸ سال ہے ایک کی ۱۶ سال، دونوں دسویں جماعت میں ہیں۔ بڑے کا نام غلام قطب الدین احمد خاں ہے چھوٹے کا نام غلام نظام الدین احمد خاں اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اولاد کو برومند کرے درازی عمر کے ساتھ۔ کشمیر میں چائے کی کاشت کی خبر آپ کو غلط ملی ہے۔ میرے [illegible] کی کوٹھی ضلع کانگڑہ دھرم سالے میں ہے اوس کے احاطہ میں البتہ چائے کے چند قطع چھوٹے چھوٹے ہیں جن کی سالانہ آمدنی اوس کو شاید

لہ غالباً یہ ممدوٹ کی طرف اشارہ ہے جس کے لاولد مرنے پر ریاست ممدوٹ نواب شاہنواز مرحوم کو ملی اور ان سے نواب افتخار حسین خاں کو۔

علاوہ ہو پرسال ہوجاتی ہے۔ بروک بانڈ کمپنی کردہ قطعات اجارہ پر دے رکھے ہیں۔ ہدیۂ ایک دو دفعہ ان کی چائے قدسیہ بیگم کے لئے لائی تھی چنداں قابل تعریف نہیں۔ وہاں سبز چائے اچھی بنتی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں قدسیہ بیگم کو لکھ دوں کہ دو تین پونڈ چائے [illegible] کو بھیج دو۔ میرے بچا کے ورثہ میں مجھے ایک ہزار سال کا اضافہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی وفات کا حال یہاں معلوم ہی نہیں [illegible] خبر سن کے مجھے اور میری اہلیہ کو بہت مغموم کیا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کی اولاد کو سعادت حصول درجات و مراتب [illegible] فرمائے۔ صاحبزادہ سید اسحٰق احمد میاں کو میری جانب سے دعا کہہ دیجئے یہ بڑا خاندانی بزرگ زادہ ہے اللہ خوش رکھے ان کے بزرگ ہمارے پیشوا ہیں۔ آپ اپنے کلام کو ضرور طبع کرا دیں یہ ایک لٹریری خدمت ہے جس کی ابھی بہت کمی اور احتیاج ہے۔ نواب صاحب آپ براہ کرم حضرت بھائی استاد مرحوم کی سنت کو سلامت رکھئے کہیں کہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر کچھ کہتے رہیئے۔ بیگم بعد آداب تسلیم عرض کرتی ہیں۔ بچوں کی طرف سے آداب و نیاز قبول ہو۔ صاحبزادگان کو دعائے دولت و عمر۔ والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۔ ۱۲ مئی ۲۹ء

بنام دل شاہجہان پوری

(۱۰)

مکرمی بھائی صاحب زاد الطافہم!

تسلیم۔ عنایت نامہ باستمزاج و دعوت شرکت مشاعرہ نمائش شاہجہان پور مجھے دو ہفتہ ہوئے وصول ہوا۔ یاد آوری کا سپاس مند ہوں۔ بھائی صاحب ۸۲ برس کا ہو چکا ہوں۔ اس کہن سالی پر طرہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور درد نقرس کا ہوں۔ اگر دورہ نقرس کا ہو گیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہو جاؤں گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کہیں یاد فرمایا جاتا ہے۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کروں محبت اور خلوص کے الفاظ میں آپ نے عنایت نامہ ارسال کیا ہے اور جو خلوص آپ مجھ سے برتتے ہیں اس کا میں معترف ہوں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے یہ درست اور بجا ہے کہ آپ کی کمیٹی میرے مصارف سفر برداشت کرے گی اور میری واحسن رسانی کے مواقع سے چشم پوشی نہ کرے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ میری جیب سے صرف ہو ہی جائے گا جو مجھے تکلیف دہ ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں جس مالی تکلیف میں آج کل میں مبتلا ہوں۔ میری بھاوج نے مجھ پر دعویٰ اپنے مہر کا کر کے پچیس ہزار روپیہ کی ڈگری عدالت سے حاصل کر لی ہے۔ میری جدی جائداد پر زوال سا آ گیا ہے۔ یہ رقم مجھے مارچ کے مہینے میں داخل عدالت کرنی ہے بلکہ مجھے کھائے جاتا ہے۔ تقریباً ڈھائی سو روپیہ ماہینہ کا فائدہ میرے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے یہ فکر مجھے فکر سخن کیا کرنے دے گا آپ اور [illegible] صاحب کلکٹر صدر شاہجہان پور مجھے معاف کر دیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ اگرچہ میرا دل آپ صاحبان کی صورت دیکھنے کو چاہتا ہے لیکن اقتضائے وقت سے معذور سا ہو رہا ہوں اور تاخیر جواب نگاری کی معافی چاہتا ہوں۔ آج کارڈ دعوت بھی بھائی بیباک صاحب نے مجھے بھیج دیا ہے۔ انہی کو وسیلہ جواب قرار دے کر یہ نیاز نامہ ارسال کرتا ہوں۔ والتسلیم!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل
۳۰ر جنوری ۱۹۳۰ء

(۱۱)

بنام [illegible]

بھائی حکیم صاحب سلامت رہئیے!

تسلیم - آپ کا عنایت نامہ کارڈ وصول ہوا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھے اس قدر لغو گو سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی ایسی پُر اہم طلب کو رد کر رہا ہوں۔ میں ایمان سے عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر سخت تشویش کا وقت گذر رہا ہے ورنہ سر تا قدم ساختہ حاضر ہوتا۔ مگر آپ کے دل میں میری گنجائش ہے تو اس کو آئینہ دار برنے قلب کا سمجھئے۔ میری عمر ستر سال سے متجاوز ہے۔ میں فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہوں اور دوستوں کو دھوکا دینا یا ان سے منافقانہ بات چیت کرنا گناہ عظیم جانتا ہوں طرح اور غیر طرح کا خیال بھی فضول ہے ۸ ہ سال کے ذوق سخن کا اقتضا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں چند شعر طرح میں نہ عرض کر سکوں امید ہے کہ آپ میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے اور اس عزت افزائی کا سپاس مند ہوں جو میری نامزد آپ نے فرمائی تھی سب صاحبوں کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ آپ کا بہی خواہ:

ابوالمعظم سائل از دہلی - ۱۶ فروری ۱۹۳۵ء

(۱۲)

بنام سید ولی محمد رضا

سید صاحب عنایت فرمائے بندہ سلامت:

السلام علیکم - عنایت نامہ شرف لایا - میں نے تعمیل حکم حسب الارشاد کر دی - کچھ اپنے اشعار مثنوی کے سناً حاضر کر دیئے ہیں جو مجھے الفاظ مستفسرہ کے متعلق یاد آئے کچھ کہہ دیئے ہیں۔ میں کسی سے مخالف نہیں جس کا جو مسلک ہے ہو۔ تذکیر و تانیث جو میری زبان پر ہے روزمرہ میں جاری ہے وہ مسلک اہل ہے۔ صحت میری خراب ہے۔ پاؤں کے ٹوٹنے سے میں محتاج ہو کر فرش ایک سال سے ہو گیا ہوں۔ سردار جگت سنگھ صاحب سے بعد سلام فرما دیجئے کہ اختلاج قلب کے دورے سے نجات ہو گی تو کچھ حاضر کر دوں گا۔ رہنمائے تعلیم کی صورت مجھے سالہا سال سے نہیں سوجھی۔ آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ میں بجائے خود خاموش ہو گیا زیادہ زیادہ۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۔ ۴ دسمبر ۳۵ء

موٹر : مونث

سیاہ رنگ تھا از بس کہ تیز موٹر تھی — سواری کوئی نہ پہچانی میں نے اندر کی

بائیسکل : مونث

نئی لے آیا ہوں بے پوچھے دام بائیسکل — ادا کروں گا میں قیمت سمجھ کے دیکھ کے بل

دسترس : مونث

کسی ایسے کے دامن تک نہ اپنی دسترس ہے — کہا کرتے ہیں جو اللہ و بس باقی ہوس ہے

وہی : مذکر

تمہاری شان کے بزرگوں کا قول یاد آیا — وہی کا پینے بنانا نہیں کوئی کھٹا

اپیل : مذکر

اپیل کر لیا منظور اگر عدالت نے — تو سمجھو کھایا ہے پلٹا تمہاری قسمت نے

رتھ : مونث

سواری جو تھی مکلف سوار ہونے کی — قفس تھی بہلی تھی رتھ تھی تمام سونے کی

گیند : مونث

یہاں کھڑی تھی جو بچی حسین و گلرو تھی — اوچھالتی رہی نادر یہ گیند پھولوں کی

پوزیشن : مذکر

خیال رکھتا ہے جو آدمی پوزیشن کا — وہ دل کا داغ سمجھتا ہے داغ دامن کا

بنام جناب اعجاز سکندر نازش

(۱۳)

عزیزی نازش صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم - آپ کا خط مجھے ملا میں ادب کی خدمت مدت سے کر رہا ہوں اس میں یگانہ اور بیگانہ کی تمیز نہیں ہے میں نے آپ کی غزل کے شعر درست کر دیئے نظم آپ کی میں نے دیکھی - اردو فارسی ادب میں یہ نظم کسی صنف میں داخل نہیں ہے - ممکن ہے کہ انگریزی طرز میں ہوگی کیونکہ اس کے مذاق سے میں آگاہ نہیں اس لئے میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا - آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ خاصے لکھے پڑھے ہیں - ٹھیک ہی لکھی ہوگی - عاشقانہ رنگ، صوفیانہ طرز کی درستی میں اپنی بساط کے موافق کر سکتا ہوں اور خود بہت بڑا انشاء ہونے کا دعویدار نہیں - اردو زبان کی خامی نکال سکتا ہوں - فن کا جو عیب ہوگا مفہوم میں جو غلطی ہوگی اس کو سنبھال دوں گا - میرا دیوان اب تک نہیں چھپا اس سے آپ کی خدمت میں بھیجنے سے معذور ہوں - اصرار احباب سے کچھ کہہ لیتا تھا - اب آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہو گئی - لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں - میری خدمت اگر پسند ہو حاضر ہوں ورنہ میرے معاصرین میں سینکڑوں مجھ سے اچھے ہیں ان سے رجوع فرمائیے -

مکرر آنکہ آپ کی ہدایت کے مطابق خط بیرنگ روانہ کیا جاتا ہے - والسلام!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلی - لال کنواں لال دروازہ - ۱۴ ر جنوری ۱۹۴۲ء

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

جناب اخلاص فرمائے من زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ کارڈ دہلی کی سیر کرتا ہوا مجھے کل شب کو یہاں وصول ہوا - میں واقعی دہلی گیا تھا مگر جب ہی عرف پندرہ بیس روز کے بعد واپس آگیا تھا - کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے گیا تھا اس کو تین چار ماہ کا زمانہ بھی منقضی ہو گیا - گلدستہ کا اجراء جو کرتے ہیں وہی اس کی اشاعت کی تقویم سے واقف بھی ہیں مجھے تو اس کی تاخیر کی شکایت نہیں ہے - میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اب تک اپنی کاہلی و سہل انگاری سے کیوں واجب رقم سالانہ مجلہ فصیح الملک نہیں بھیج سکا - چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم لکھ کر آدمی کو دے دیا ہے کہ کل یہ روپیہ روانہ کر دے اور میں اس یاد دہانی کی تکلیف کی معافی چاہتا ہوں معاملہ کی بابت میں آپ کیوں شرم کریں کلام اس لحاظ سے نہیں چھپتا علاوہ وہ کیسے طبائع ہیں جو سیدھی سیدھی باتوں سے برا مانا کرتے ہیں آپ کو اپنا پتہ جب تک کوئی اور نہ دوں میرے نام کے رسل و رسائل حیدرآباد ترتیب بازار ہی میں رہیں - حسب الطلب چند اشعار اور حاضر کرتا ہوں اگر قابل درج ہوں تو چھپئے گا ورنہ میرا مدعا اپنے کلام کی اشاعت سے نہیں ہے - اپنی قابلیت کا اندازہ مجھے خود ہے - فقط!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل -

میں نے ان کے نام آپ کے خط میں جو رقعہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ آپ کو میرا سارا حساب لکھ کر دے دیں
اور آپ مجھے وہ رقعہ ارسال کر دیں۔

۱۳؍ستمبر ۱۹۴۱ء

خاکسار محمد الدین فوق
از سری نگر۔ محلہ شہید گنج۔

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۲)

محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کشمیر سے!

ع جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

اور پھر راستے کے دلفریب مناظر کی کیفیت اور آپ کے جادو رقم قلم سے!

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میں اس وقت پیر صاحب (پیر ولی اللہ مخدومی) کے پاس بیٹھا ہوں اور موسم کے لحاظ سے ان کی چادر سے انکار کر رہا ہوں۔ البتہ برف ڈال کے ستو پی لئے ہیں۔ آپ پنڈت گوشہ لال ایڈیٹر "کشمیر کرانیکل" متصل ڈاک خانہ امیرا کدل (سری نگر) سے طلیسا دران سے میرا بلاک (میری ہی تصویر کا) لیتے آئیں۔ جو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں درج کروں گا۔
کشمیر کی سیر مبارک ہو اور جس مقصد کے لئے آپ کو سالک صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں کامیابی ہو۔

۵؍مئی ۱۹۴۲ء

خاکسار محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۳)

قلم چیکلہ ٹنگیٹ (کشمیر) مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ ابھی تک سری نگر نہیں گیا۔ اور روزوں سے پہلے شاید جا بھی نہ سکوں۔ گیا بھی تو پانچ چار دن سے زیادہ نہ رہوں گا۔ میں پانچ چھ دن سیم پور میں رہا۔ وہاں چائے پہلے انجیر اور خام اخروٹ اور آلو بخارے پر گزارہ ہوتا رہا۔ پھر سوپور اور بارہ مولا گیا۔ ....

سوپور میں چار دن رہا۔ ۲۹؍جولائی کو ہندواڑہ سے ہوتا ہوا قلم چیکلہ آیا۔ پرسوں ۵؍اگست کو بنگس کا وسیع میدان جو چار میل لمبا ہے اور یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ ایک جماعت کے ساتھ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہاں سے پانچ دن کے بعد واپسی ہے۔ پھر زینہ پلڈارہ۔ راجپور۔ تریگام۔ [illegible]۔ وہاں سے [illegible]۔ پھر ہندواڑہ پھر سوپور
غالباً روزوں سے پہلے سوپور پہنچ جاؤں گا۔

آپ اپنے حالات سے اطلاع دیں۔ اخبارات کا کوئی علم نہیں ہے۔ ....

پتہ بدستور سوپور ہی لکھیں معرفت پیر عبدالغنی یوسفی۔ سالک صاحب کو سلام۔

۳؍اگست ۱۹۴۲ء

محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۵)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے آپ بفضلہ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے امسال (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب نہیں آئیں گے۔ اور چونکہ وہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ بھی نہیں آئیں گے۔

میں ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ میں ہوں اور ابھی تک سری نگر میں ہوں۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گرمی یہاں بھی خاصی رہتی ہے مگر بارشوں سے حرارت و تمازت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

اپنی خیریت مزاج سے اطلاع دیتے رہیں۔ امید ہے آپ کے بچے بھی خیریت سے ہوں گے۔ سالک صاحب کا کیا حال ہے اور کیا شغل ہے؟ یہاں بہت سے واقعات و حالات ہیں۔ لیکن انقلاب والوں نے پرچہ ہی بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ میں نے یہاں سے بھی ان کو ایک مضمون بھیجا تھا۔ اس کے چھپنے نہ چھپنے کا بھی علم نہیں۔ وہاں کبھی جانا ہو تو اخبار نہ بھیجنے کی وجہ تو دریافت کریں، مجھے کسی اور پر اعتبار نہیں ورنہ اخبار تو اور بھی ہیں۔ یہاں احسان۔ شہباز۔ زمیندار دیکھے جاتے ہیں۔ انقلاب کم نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج ساری دنیا میں انقلاب ہی کا دور دورہ ہے۔

محمد دین فوق۔ ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ سری نگر کشمیر

۳۰ راگست ۱۹۳۲ء

(۵)

بنام محمد عبداللہ قریشی

مکرم بندہ قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا نوازش نامہ ملا! اخبار انقلاب بھی ملا۔ لیکن وہ پرچے درکار ہیں جن میں میرے مضمون ہیں۔ ایک تو وزی والا مضمون جو ۲ راگست کے بعد چھپا ہوگا۔ دوسرے ایک اور مضمون ہے جو میں ۲۸ رجولائی کو ڈاک میں ڈال آیا تھا۔ اس میں دو مضمون تھے۔ ایک مضمون محکمہ پنچایت کے متعلق تھا جس میں اعداد و شمار کا ذکر تھا۔ اگر یہ چھپ گیا ہے۔ تو اس کی کاپی ملے تاکہ آئندہ اس مضمون کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ ان دونوں پرچوں کو تلاش کر کے بھجوائیں۔

آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ میرے خط کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔ حالات جیسے لاہور میں ہیں ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ خدا سب جگہ ایک ہی ہے۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جموں کی سڑک تین مرتبہ بند ہو چکی ہے دو دن بند رہ کر آج پھر رواں ہو رہی ہے۔ کرایہ پنڈی تک آج سترہ روپے اور جموں تک آٹھ نو روپے ہے۔ راوی کی طغیانی کا حال بھی اخبارات سے اور آپ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے ریلوے میں بہت وقت سے جگہ ملتی ہے۔ اس کا آپ کو علم ہوگا۔ آج سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہے۔ اگر اخبار انقلاب دو چار دن پہلے آتا تو میں پاس لے دیتا۔ بیکار سمجھ کر نہیں دیا۔ نیز اپنی کتاب کا کام درپیش تھا اور فرصت بھی نہ تھی۔

سالک صاحب کو سلام مسنون۔

محمد الدین فوق

ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲۔ سری نگر کشمیر

۲ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۶)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سری نگر کشمیر۔ مخدومی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے کشمیر آنے کے قریباً دس دن کے بعد سوپور سے آپ کو کارڈ لکھا تھا۔ تعجب ہے وہ ایک ماہ کے بعد کیوں ملا۔ بلکہ جواب نہ آنے پر میرا خیال تھا کہ آپ شاید سالک صاحب کے ساتھ لاہور سے باہر کہیں دورہ پر ہوں گے۔ میں ۲۹ جولائی کو سوپور سے باہر نکلا اور ۸ راگست کو واپس سوپور آیا۔ اس عرصہ میں قلم چکلانہ چلڈارہ اور راجپور میں بوجہ بارش وغیرہ کے قیام رہا۔ دو مرتبہ ہنگس کی سیر کے لئے تیار ہوئے لیکن ہر بار بارش نے رکاوٹ ڈال دی۔

اب پرسوں سے سری نگر میں ہوں۔ مکانات کی سخت دقت و قلت ہے۔ میں بھی مفتی رشید الدین کے ہاں مقیم ہوں۔ عزیز نذیر الدین (ہائی کورٹ) کا خط مکان کے لئے آیا تھا۔ لیکن مکان ملنا قریباً ناممکن ہے جس سے پوچھتا ہوں کان پر ہاتھ رکھتا ہے۔ کل میں پیر ولی اللہ کی طرف شوپیاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس طرح شوپیاں اور کولگام کے بعد پھر سوپور آؤں گا۔ اور چند دن سیم پورہ میں رہوں گا۔ سیم پورہ میں بھی کشمکش ہے۔ اس لئے اس مرتبہ وہاں بھی نہیں رہا۔ لیکن اب فصل شالی کے کاٹنے کا موقع ہے۔ اس لئے مجبوراً عید تک وہاں ٹھہروں گا۔ عید کے بعد غالباً سیاحوں کی کمی ہو جائے گی۔ اور شاید بشیر احمد کے ہاں کچھ گنجائش نکل سکے۔ اگر ایسا ہوا تو پندرہ دن یہیں ٹھہروں گا لیکن میرا پتہ بدستور سوپور ہی کافی ہے۔ عید کے بعد جب سری نگر آؤں گا تو حیرت (پاندانی) یا (مفتی) سعادت (مورخ کشمیر) سے مل کر حبہ خاتون کے اشعار دریافت کروں گا۔ لیکن چار پانچ شعر مع ترجمہ مجھے بھی مل جانے کی توقع ہے۔ آپ کا کارڈ کل مجھے سری نگر میں ملا ہے۔ یہاں ایک پروفیسر کالج تاریخ بڈشاہی پر تنقید لکھ رہے ہیں۔ کچھ موافق کچھ مخالف!

۳۰ راگست ۱۹۴۹ء

محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۷)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ لفافہ آپ کا ملا۔ پیر ولی اللہ (مخدومی) کے ساتھ زیپورہ اور کولگام میں خوب دن گزرے۔ ان کی ہر بات کرامت ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آٹھ دس دن ہوئے کی سیر رہی۔ سری نگر میں قلت مکان کی وجہ سے میں خود وہاں قیام نہیں کر سکا۔ تین دن رہا اور مفتی (رشید الدین تحصیلدار) صاحب کے مکان پر رہا۔ سیم پورہ میں خوب دن گزر رہے ہیں۔ چھلیاں (بھٹے)۔ اخروٹ۔ سیب۔ ناشپاتی کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ سیب اس قدر گراں ہے کہ واقعی یا امیر لوگ کھائیں گے۔ یا جس کو ڈاکٹر حکیم بتائیں۔

مکان کا مزید ارادہ ہے۔ لیکن جب تک وہ زمین میرے نام انتقال نہ ہو جائے۔ یا کم سے کم میرے ساتھ اس کا سودا ہی نہ ہو جائے مکان وہاں کس طرح بن سکتا ہے۔ البتہ ذیلدارہ کے راجہ صاحب زور دے رہے ہیں۔ زمین مفت دیتے ہیں۔ لکڑی جس قدر خرچ ہو وہ بھی مفت۔ وہ جگہ بہت ٹھنڈی ہے اور سیرگاہیں بھی وہاں سے نزدیک ہیں صرف تعمیر میرے ذمہ ہے۔ لیکن جو تخمینہ مکان کا بنایا ہے وہ بھی چھ سو سے کم نہیں۔ یہیں آکے بات رہ جاتی ہے میں نے کہا تھا تین سو کے اندر اندر سٹی میٹ ہو۔

سری نگر والے کی تنقید ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی۔ خطوط اقبال بنام سراج الدین کی مطبوعہ کاپی مزید ارسال کرائیے۔ میر خورشید کو خط لکھوں گا۔ خطوط اقبال بنام فوق بھی مزید چھپنے۔ اور انہیں میں اقوام کشمیر جلد دوم والا خط بھی ملا لیجئے۔ در حقیقت وہ بھی میری تحریک ہی سے تھا۔

حبہ خاتون کے اشعار مع ترجمہ امید ہے پانچ چھ مزید مل جائیں گے۔ سوپور والا مضمون ہمدرد میں بھجوا دوں گا۔ کسی اپنے مضمون کے ساتھ۔ اس لئے شاید دیر لگے سبب مجھے افسوس ہے کہ سیر کا باقی حصہ منغص ہو گیا اور عید ماتمی ہو گئی۔ کیونکہ کل اطلاع ملی ہے کہ میری ہمشیرہ معظمہ (اہلیہ ڈپٹی غلام حسین مزنگ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے طبیعت

لہ بمعنی ہنگامہ

(٦)

(٧)

PROF ESSAD PACHA PRESIDENT INDO-OTTOMAN COLONISATION SOCIETY

CONSTANTINOPLE

(1)

چونکہ اگر آپ اپنے شایانِ محبت و مقتضائے الفت مجھ کو اس کا موقع رحمت فرمائیں جو جناب حاذق الملک کو عطا ہوا ہے مجھ کو جتنا وقت کہ فرصت کا ہوگا۔ انشاء اللہ جناب کی خدمت میں گزارنا اپنا فخر سمجھوں گا۔ میں اب بھی اپنے ارادے پر قائم ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر میں خواہ امروہہ ہو یا کوئی اور مقام کس قدر نقد تمسکات فروخت ہوں گے جن کی قیمت فوراً وصول ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرا وقت زیادہ وہاں ہی صرف ہوگا۔ جہاں اس کی توقع ہے کہ نقد و تمسکات کی کسی قدر فروختگی ہو جائے گی۔ کیونکہ مجھکو فرصت بہت کم ہے اور بڑے بڑے مقامات میں تمسکات کی فروختگی کے لئے جانا ہے۔ براہ نوازش جناب اس سے مطلع فرمائیں۔ فقط

نیاز مند مختار احمد انصاری

۱۵ اگست ۱۹۳۰ء

---

(۴)

بنام عرفان صاحب

(لوزان)

برادر مکرم۔ السلام علیکم

ہم لوگ کل وینا روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وینس ہو کر حکیم صاحب ورسلیس تشریف لے جائیں گے تاکہ بندر سعید سے وہ ریل یا اسٹیمر سے بیروت جائیں اور وہاں صحت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ قیام فرمائیں۔ میں استانبول انشاء اللہ ۱۵ جولائی تک پہنچوں گا۔ فتحی بک سے پیرس میں دوبارہ ملاقات کی، ان سے خواہش کی وہ انگورہ لکھ کر غازی پاشا سے ملاقات کے لئے تمام امور پہلے سے مقرر اور طے کر لیں۔ آخیر ماہ مئی میں پیرس سے روانگی کے قبل پھر ان سے مل کر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب اس وقت تک نہیں آیا ہے۔ ہمارے پتہ پر لوزان بعد میں مطلع کریں گے لیکن جب ان کا کوئی خط آخیر جون تک نہ آیا تو ہم نے ان کو تار دیا، اس کا بھی جواب نہ آیا۔ ہم نے السعد بک ڈاکٹر عاقل مختار بک کمال عمر بک کو بھی خطوط لکھے۔ السعد بک کا خط آیا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ کمال عمر بک اور ڈاکٹر عاقل مختار بک کا جواب نہ آیا۔ ایک تار بھیجا۔ اس کا جواب یہ آیا کہ "تمہارا انگورہ جانا نہیں ممکن ہے لیکن ہم لوگ تم سے قسطنطنیہ میں بخوشی ملیں گے" اس جواب کے بعد حکیم صاحب نے اپنا جانا ملتوی کر دیا لیکن میں جا رہا ہوں۔ قسطنطنیہ جا کر غازی پاشا سے ملنے کی خود بذریعہ تار خواہش کروں گا۔ اگر ملیں گے بہتر ورنہ وہاں اور لوگوں سے مل کر شام اور دوسرے سرکاری وزرا سے فلسطین، مصر ہوتا ہوا انشاء اللہ آخیر اگست تک بمبئی پہنچوں گا۔ حکیم صاحب مانسون سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور لبنان میں آخیر ستمبر تک قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے مالی وجوہ سے اس قدر طولانی قیام کرنا غیر ممکن ہے۔ ایک فہرست آپ کو روانہ کرتا ہوں یہ ڈاکٹر رشاد۔ ڈاکٹر وصفی شریف پاشا اور دیگر اتراک نے خلیفہ عبدالمجید آفندی کے پرائیویٹ سیکرٹری کے مشورہ سے تیار کی ہے۔ یہ خاندان عثمان کے ان افراد کی فہرست ہے جو کہ نہایت معتمد و محتاج نانِ شبینہ کے لئے پریشان ہیں۔ ان کے واسطے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں کچھ کیا جائے۔ ہم وہاں کی دقتوں سے واقف ہیں۔ مگر فہرست آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ نیز ایک تحریر داماد حامی عثمان بک کی یہ ایک نیک اور شریف نوجوان خاندان عثمان کے پیرس میں مجھے روانگی کے روز ملے اور ان کی ایک تحریر تیس روز ہوئے مجھ کو ملی

میں ملی۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مفصل حالات قسطنطنیہ سے (اگر ممکن ہوا) لکھوں گا۔ اشتباہ اس وجہ سے ہے کہ آج کل وہاں سنتا ہے کہ ایک قیامت حکومت نے برپا کر رکھی ہے۔ اسعد بک، مولوی عبدالرحمن، ریاض وغیرہ نے خط ایک شخص کے ہاتھ ترکی سے باہر جا کر ڈاک میں ڈلوائے تب ہمارے پاس پہنچے۔ کیا بلحاظ کردوں کی بغاوت کے، کیا بلحاظ وحید الدین کی سازش کے اور کیا بلحاظ اندرونی خطروں کے ترکی حکومت آج کل بے حد متوحش معلوم ہوتی ہے اور ہر قسم کی بندش اور سختیاں کر رکھی ہیں۔ تاہم میں نے تو قصد وہاں جانے کا کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی معلومات بہم ہو سکیں گی کروں گا۔ البتہ فواد سلیم بک وغیرہ کا خیال ہے کہ غازی پاشا تو ملیں گے نہیں اور میرے ہمراہ ایک جاسوس مقرر کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ESPIONAGE کا عادی ہوں اس سے ذرا میں نہیں گھبراتا اور اگر قید بھی کر دیا جاؤں تو اس کی مجھ کو فکر نہیں۔ قید فرنگ کا جس کو خوف نہیں اس کو ترکی جیل کا خوف کیا ہوگا۔ بہرحال میری تحریر کو آپ اپنے چند خاص آدمیوں تک محدود رکھئے یہ حالات ایسے خراب ہیں کہ ان کو باہر نہ جانا چاہیئے۔ شعیب کو میرا پیار فقط

۵ جولائی ۱۹۲۵ء　　　آپ کا بھائی مختار احمد انصاری

چونکہ ہم نے جمعیۃ مرکزیہ کی بنا یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو رکھی تھی جب کہ ارتداد کی وبائی صورت ختم ہو چکی تھی اور آریہ سماجی جس قدر لوگوں کو اپنی پندرہ سالہ خفیہ ریشہ دوانیوں سے ارتداد کے واسطے آمادہ کر سکے تھے ان کو مرتد کر چکے تھے اس واسطے اس جمعیۃ کی ساعی کا مرکز قسم اول و دوم کا کام کر رہا ہے۔ جن دیہات کی حالت خطرناک تھی وہاں مکاتب قائم کئے گئے۔ بچوں کو دینی تعلیم دی گئی اور مدرس کو بڑوں پر اثر ڈال کر ان کی حالت کو درست کرنے کا بھی ذمہ دار گردانا گیا۔ گشتی مبلغین و واعظین کے ذریعے سے دیہات کے مسلمانوں کو مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا گیا۔ برادریوں کی پنچائتیں اور کانفرنسیں کر کے ان کو اسلام کی خوبیاں بتائی گئیں۔ الغرض استحکامی اور دفاعی کام کیا گیا۔ اسی کام کے ضمن میں مرتدین کی واپسی بھی ہوئی۔ مگر مرتدین کی واپسی کو مقصد نہیں بنایا گیا۔ مالی اصلاح کے ضمن میں بہت مقروض ملکانوں کو روپیہ دے کر قرض خواہوں سے ان کو چھڑایا گیا۔ مگر اس عنوان کے تحت میں معتدبہ کام نہیں ہو سکا۔ مکاتب وغیرہ کے تحت میں جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	تعداد مکاتب	تعداد مبلغین
۱۹۲۳ء	۲۸	۳۸
۱۹۲۴ء	۱۰۴	۵۰
۱۹۲۵ء	۶۶	۱۰

مرتدین جو واپس ہوئے ان کی تعداد　　۳۶۰

غیر مسلم جو داخل اسلام ہوئے ان کی تعداد　　۴۰۰

اس کے علاوہ اکتالیس مواضعات کی شدھی کو روکا گیا۔

یہ اب تک کے اعمالنامے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم مبلغین کا ایک اعلیٰ مدرسہ جو بلاشبہ گورو کل کانگڑی ہردوار کا جواب ثابت ہو اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا ہے، سرمایہ بہم پہنچ گیا ہے۔ ایک بڑے وقف نے اس کی کفالت کر لی ہے۔ اس کی ایک خاص کمیٹی بن گئی ہے جس میں ہماری جمعیۃ کے صدر صاحب، نائب صدر صاحب اور معتمد عمومی بھی شامل ہیں۔ انشاء اللہ وہ کام جلد سے جلد جاری ہو جائے گا۔ اس میں جمعیت ہذا کا دخل صرف اس قدر رہے کہ یہ جمعیت اس کی محرک ہے اور اس کی سعی سے اس کا وجود قائم ہوا مگر اس کے حسنات کا شمار اللہ کے ایک نیک بندے کے نامۂ اعمال میں ہوگا جس نے ایک صدقۂ جاریہ قائم کیا۔ اس صدقۂ جاریہ سے اس درسگاہ کے مصارف چلیں گے۔

جس قسم کا کام اوپر لکھا گیا وہ اب تک کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مقدار کے لحاظ سے اس وقت تک عشر عشیر بھی نہیں ہو سکا اور صفت کے اعتبار سے بھی جیسا کام ہو سکتا ہے اس سے بدرجہا بہتر ہونا چاہئے تھا۔ مبلغ اور مدرس تعداد میں بھی کئی گنا زیادہ درکار ہیں اور اپنی قابلیت کے لحاظ سے بھی ان کو موجودہ حالت سے کئی گنا بہتر ہونا چاہئے۔ اگر کافی روپیہ موجود ہو تو سب کچھ کیا جا سکتا ہے معیار بہت بلند ہونا چاہئے اور ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم معیار تک پہنچ گئے ہیں بلکہ پبلک شائع شدہ رپورٹ میں اپنے کام کے نقص اپنے ہی قلم سے لکھ دیئے ہیں۔

لہ ۔ محمودہ میں دوبارہ جان ڈالنے کو مرخر رکھا گیا۔ زندوں کو امراض مہلکہ سے محفوظ کرنا مقدم سمجھا گیا۔

بحالات مندرجہ بالا میں ہر ایک عملی اصلی شرط کو پورا کرنے کو آمادہ ہوں۔ مگر یہ کہ مرتدین کو مسلمان بنا بنا کر گنواتا جاؤں اور دو ہی لیا جاؤں۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آپ حکم دیں کہ ہماری جانب سے ایک یا دو مبلغ نوکر رکھیے۔ اس کو خاص اس کام پر لگاؤ کہ مرتدین میں جا کر کام کرے اور ہر ماہ اس کی کارگزاری کی رپورٹ لو اور ہم کو دو۔ اس کی تنخواہ ہم دیں گے۔ میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر اس کی سعی ناکام رہی اور کوئی مرتد واپس نہ آیا تو اس صورت میں کیا کروں گا؟ [illegible] جنہیں اس پر مجبور کریں جو کام ان کو پسند ہو اس کام کے لئے مناسب شرائط کے ساتھ مناسب احتیاطوں کے تحت وہ ہم کو دیدیں۔ ہم صرف یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا پورا زور لگائیں گے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے مبلغ حضرت نوحؑ سے بہتر تو نہ ہوں گے جنہوں نے اعتراف فرمایا: انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدہم دعائی الا فراراً۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہ ہوں جن کو جناب الٰہی سے ارشاد ہوا: انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آدمی اچھے سے اچھا مقرر کر دوں گا۔ اس کے کام کی نگرانی اچھی سے اچھی کر دوں گا۔ آپ کو اور تہذیبی بہنوں کو رپورٹ دیتا رہوں گا مگر ذمہ داری صرف کام کی لوں گا۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ۔ جنرل سیکرٹری سنٹرل جمعیۃ تبلیغ الاسلام

(۲)

نام جناب فخر یار جنگ بہادر (حیدر آباد دکن)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی۔ حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہوگی بہت بڑی ہستی اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ وہ عالم تھے شیخِ طریقت تھے خاندانی پیرزادے تھے، اپنی شخصیت میں بڑی کشش رکھتے تھے، زبردست خطیب تھے۔ اگر وہ اس زمانے کی عام روش پر چلتے تو تقدس کی دکان کھول بیٹھتے اور خدا جانے کتنا کچھ مال و زر کماتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیوی نقصانات اٹھاتے رہے۔ امراض میں مبتلا رہے۔ اہل و عیال کی تکلیفوں کو نظر انداز کرتے رہے مگر مرتے دم تک قوم کا غم کھایا اور اسلام کی خدمت کی۔ آخر بحالتِ خدمت ہی عالمِ غربت میں جان دے دی۔ گویا شہادت پائی۔

اب ان کے ورثاء پریشان حال ہیں۔ میں ایک عرضداشت تیار کر رہا ہوں، عنقریب سرکار حیدر آباد میں بھجواؤں گا۔ آج اخباروں کو ایک تار دیا ہے اس کی نقل ملفوف ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک اخبار نے لکھ دیا کہ مرحوم کا وظیفہ ان کے بھائی کو مل جائے۔ ایک جگہ ایک جلسے نے تجویز کر دیا کہ بھائی کو وظیفے میں شریک کر دیا جائے۔ یہ غلط بحث ہے۔ بھائی کی درخواست ایک الگ معاملہ ہے جو آپ کے علم میں ہے۔ یہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ مرحوم کے بچوں کو اگر کچھ مل سکے تو ضرور ملنا چاہیئے اس میں بھائی کا کوئی حق نہیں ہو سکتا — میں عنقریب آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا اور شاید عنقریب حیدر آباد آؤں گا بھی اور وہ بسلسلۂ تبلیغ نہیں بلکہ بسلسلہ مسلم ہائی سکول — زیادہ نیاز۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ ۵ / اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۳)

<u>بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی</u>

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کا مفصل خط مع مراسلہ مولوی سعید حسن[1] صاحب پہنچا۔

گوڑگانوں کے مرض دو ہیں۔ اوّل مالی مشکلات، دوم کارکنوں کا ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکنا اور باہم اختلاف سے گذر کر تلخی تک پہنچنا۔ چودھری[2] صاحب کی نیت یقیناً بخیر ہے مگر ان میں ایک بات کی کمی ہے جس کی کسی لیڈر میں نہ ہونی چاہیئے۔ وہ مختلف طبائع کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ گوڑگانوں کے مرہٹے کو اہمیت نہ دیجئے۔ اب معاملات کی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ منتشر لوگوں کو جمع کر لینے سے کام بہتر چلے گا۔ جب تک گوڑگانوں اور فیروز پور جھرکہ اور ریواڑی میں کوئی سنبھالنے والا تھا مختلف مرکز بن سکتے تھے۔ جب سنبھالنے والا نہ رہا تو سب منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کر لینے سے ہی کام بہتر چلے گا۔ انتشار سے نقصان ہوگا لہٰذا آپ گوڑگانوں سے تو لوگوں کو فوراً بلا لیجئے۔ ریواڑی اور فیروز پور جھرکہ سے معلوم کیجئے کہ وہاں کا کام چل رہا ہے یا نہیں اور لوگ برے اثرات سے محفوظ ہیں یا نہیں۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو وہاں کے لوگوں کو بھی دہلی میں بلا لیجئے۔

اچھا میں جانتا ہوں کہ اس طور پر جو خبریں ان مرہٹوں پر پہنچ کر مفید ہوتی تھیں شاید وہ دیر میں پہنچا کریں مگر اوّل تو میں انتظام کروں گا کہ خبریں برابر ان مقامات پر پہنچیں اور ہم کو پہنچائی جائیں۔ دوم اگر بالفرض خبروں میں کچھ توقف ہوا بھی تو وہ موجودہ مرحلے پر کچھ زیادہ مضرت رساں نہ ہوگا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انتظام سے دہلی کا مالی بوجھ جو پہلے ہی زیادہ ہے اور بڑھ جائے گا مگر اس سے نہ گھبرایئے۔ اوّل تو مولوی سعید حسن صاحب کو دورہ کرنے کی آزادی ہوگی اس سے فائدہ ہوگا۔ دوسرے میں کچھ اور تدبیر بھی کر رہا ہوں۔ انشاءاللہ روپیہ آئے گا۔

ایک بے حد اہم بات: وائسرائے کی ملاقات میں اور پولٹیکل سکرٹری کی گفتگو میں خاص طور سے تعداد مہاجرین کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پولٹیکل سکرٹری نے کہا کہ چیف کمشنر کی رپورٹ ہے کہ دو سو سے زائد مہاجرین دہلی میں نہیں ہیں چیف کمشنر نے اگر ایسی رپورٹ کی تو وہ جھوٹ نہیں بولتا کیمپ میں کسی وقت بھی پچاس آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے اور چیف کمشنر کو رپورٹ دینے والے سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں کہ آ کر کیمپ پر نظر ڈالیں اور رپورٹ کر دیں۔ اچھا تو میں نے پولٹیکل سکرٹری کو جو جواب دیا وہ دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کے واسطے آپ سے پوچھوں کہ آپ تعداد مہاجرین کیا سمجھتے ہیں اور کس وجہ سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے جو بار بار کہا کہ دس ہزار سے زائد نے ہجرت کی تو کس بنیاد پر کہا۔ آج اگر کوئی پوچھے کہ کتنے مہاجرین تا حال

---

[1] یہ تبلیغ کے مبلغ تھے۔ ریواڑی، گوڑگانوں اور فیروز پور جھرکہ کے مہاجرین کیمپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

[2] چودھری یٰسین خان صاحب ایڈووکیٹ بانی میو ہائی سکول نوح ضلع گوڑگانواں میواتی قوم کے لیڈر جو ہمارے شریک کار اور مہاجرین کیمپ گوڑگانوں کے انچارج تھے۔

الور کو واپس نہیں گئے تو کیا جواب دیا جائے اور کس بنیاد پر دیا جائے۔

سوالات بالا کا جواب جہاں تک ممکن ہو مدلل دیجئے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھ کو مہاجرین کی مردم شماری صحیح صحیح مل جائے (کم از کم دہلی ہی کی مل جائے) تو وائسرائے اور چیف کمشنر دونوں کو چیلنج دوں کہ میں فلاں دن فلاں مقام پر تمام مہاجرین کو جمع کرتا ہوں۔ وہ مجمع بالکل نہتا اور قطعاً خاموش ہوگا۔ نہ کچھ بولے گا نہ کوئی حرکت کرے گا حتیٰ کہ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو آپ کو اشارے سے بھی سلام تک نہ کرے گا تاکہ بالکل ہی بتوں کا ایک مجمع دکھائی دے۔ آپ پارلیمنٹ کے واسطے آکر ان کو خود دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کیا ہے اور پھر نہ ہم سے پوچھنے کی ضرورت پڑے نہ حکام الور سے۔

کیا ایسے مجمع کا انتظام مستقبل قریب میں کیا جا سکتا ہے؟

میں انشاء اللہ کل کو یہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ بھجواؤں گا اور چندے کے واسطے خاص کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کی مشکلات کا بوجھ میرے قلب و دماغ پر ہر وقت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرنے سے بھی منع کرتا ہوں۔ ذکر ضرور کرتے رہیے تاکہ کسی حد تک آپ کی طبیعت ہلکی ہو اور میں بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ والسلام

بندہ: غلام بھیک نیرنگ انبالہ ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۲ء

مولوی سعید حسن صاحب کو آپ خود اس خط کا مضمون یعنی خلاصہ جہاں تک ان کے متعلق ہے لکھ دیں۔ میرا وقت آج اور کاموں میں صرف ہوگیا اور خدا جانے پھر کب وقت ملے۔

نوٹ: سید صاحب کے ارشاد کے مطابق گوڑگانواں کا کیمپ توڑ کر مہاجرین کو دہلی بلا لیا گیا اور ۳؍نومبر ۱۹۳۲ء کو دہلی کیمپ میں تمام مہاجرین کو جمع کیا گیا۔ چیف کمشنر دہلی نے دور سے ہی معائنہ کیا۔ (محمد اسحٰق)

---

(۴)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ الحمد للہ کہ میں آج یہاں خیریت سے پہنچ گیا۔ الور کے اسٹیشن پر کوئی نہیں ملا لیکن اس کے سبب کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم ہونا مشکل ہے کیونکہ ہماری گاڑی پیچھے کی طرف تھی اور روشنی گل کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی تاریکی سے دیکھتا تو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی آیا ہو اور ڈبوں کو بند اور لوگوں کو سوتا ہوا پا کر لوٹ گیا ہو۔ میں جاگ رہا تھا۔ میری گاڑی کے سامنے کوئی نہیں آیا۔

یہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ تجاویز کانفرنس کے بارے میں تار دے چکا ہوں کہ بلا ترمیم اخباروں کو بھیج دی جائیں۔

آج مولانا شفیع داؤدی سے مشورہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ کھلے اجلاس میں جب تجویز منظور ہو گئی تو اب بدل نہیں سکتے۔

بہلول خان صاحب کے بارے میں آج پریس کو تار دے دیا گیا جس میں نذیر الحق سپرنٹنڈنٹ پولیس جے پور کو بے نقاب کیا گیا۔ جو مشورہ مرزا عبدالقادر بیگ صاحب نے دیا تھا مولانا شفیع داؤدی ایم۔ ایل۔ اے سے مشورہ کر لیا۔ وہ جے پور چلنے کو آمادہ ہیں۔ میں مرزا صاحب کو لکھتا ہوں کہ کیٹ صاحب کو لکھیں کہ ہم بہلول خان کے متعلق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب ابوالاسرار حق سویرے سفر اجمیر شریف کے دوران میں ان تحریروں کی وجہ سے جو میں نے امام صاحب کو لکھی تھیں، ایک مرتبہ الور ہو آئے ہیں اور آج صبح پھر گئے ہیں۔ میں ابھی امام صاحب سے نہیں ملا مگر اب ملنے جاؤں گا اگر انہوں نے سائنس ریاز کل کا دن یہاں ٹھہر کر چندے کی کوشش کروں گا۔

آپ ۹ر کی صبح کو یہاں ضرور پہنچ جائیں۔ جناب حاجی محمود الحسن صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا مگر آپ سے کہنا میں بھول گیا۔ مولوی سعید حسن صاحب کے ہاتھ کہلوایا تھا انہوں نے کہا ہو گا۔ حاجی صاحب کو ۹ر اور ۱۰ر تاریخ کو عرس کا کام درپیش ہو گا اس واسطے آپ کی ضرورت ہے۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ دہلی ۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: مہاراجہ جے سنگھ والی الور آبو میں تھے اور کچھ کرایہ کے مسلمانوں سے کام لے کر اے۔ جی۔ جی راجپوتانہ کو اپنے موافق بنانے کی سعی کر رہے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ ہم اجمیر پہنچ کر اس فتنہ کا سدباب کریں چنانچہ میں اور سید صاحب اجمیر گئے اور وہاں کے لیڈروں بالخصوص مرزا عبدالقادر بیگ صاحب ایڈووکیٹ اجمیر سے مشورہ کے بعد اس فتنہ کا سدباب کیا کہ اطلاع ملی کہ جے پور میں بہلول خاں صاحب دانا کو گرفتار کر لیا گیا جو جمعیت افاغنہ کے صدر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب دہلی روانہ ہو گئے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں ٹھہر گیا۔ سید صاحب نے یہ خط مجھے حقانی منزل دہلی سے اجمیر شریف لکھا تھا۔
(محمد اسحٰق)

---

(۵)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولوی سعید حسن صاحب کی چٹھی سے ایک حد تک حالات معلوم ہوئے مگر بعض مضامین تشنہ رہ گئے مثلاً انہوں نے لکھا کہ اس وقت تک کے ترض کی فہرست بھیجتا ہوں مگر لفافے میں کوئی فہرست نہ ملی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ نے مہاجرین کو واپس جانے سے ایک حد تک منع کرنا چاہا اور میری ہدایات کے خلاف جن کا ان کو علم تھا یہ تجویز کیا کہ سب ٹھہریں اور صرف بعض جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سعید حسن صاحب کے سمجھانے سے ان

ء انسپکٹر جنرل پولیس جے پور

بدرنگ کا وہ مطلب ہے اثر ہو گیا مگر خدا جانے یہ خط مولوی صاحب نے کس وقت لکھا تھا کہ اس میں دن بھر کے حالات کا نتیجہ درج نہیں۔
اسی وجہ سے میں نے آپ کو تار دیا ہے کہ مہاجرین کی حالت کی اطلاع بذریعہ تار دیجئے۔
مولوی صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مہاجر روپیہ مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کوئی کہتا ہے کرایہ مکان دینا ہے کوئی کسی اور ضرورت کا حوالہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے اس بات کا جواب مشکل ہے۔ اگر روپیہ موجود ہو تو جن لوگوں کو کوئی معقول اور اصلی ضرورت ہے ان کو دیا جا سکتا ہے مگر بعض لوگوں کی عادت ہی ہے کہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی ترکیب کیا کرتے ہیں۔ آدمی کو دیکھ لیجئے۔ ضرورت کا اندازہ کر لیجئے اور پھر اپنی جیب کو دیکھئے۔ تینوں باتوں پر نظر کرنے کے بعد جیسا سمجھ میں آئے کیجئے۔

خدا کرے اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے تب اطمینان ہو۔ مہاجرین کے طبائع کے مشکلات ہیں۔ اہل الرائے حضرات کی رائے زنی سے خطرات ہیں۔ خالد سعیدی اور سرو جیسے لوگوں کے بہکانے کے اندیشے ہیں۔ ٹیٹری کے سے مزاج والے حضرات کا خوف ہے اور پھر جب یہ تمام منازل ہفت خواں مع الخیر طے ہو سکیں تو یہ کھٹکا باقی ہے کہ دیکھئے فریق ثانی کس حد تک اور کس رنگ میں ایفائے عہد کرے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک۔ ۱۰ ردسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڈھ سے مجھے لکھا تھا میرے علی گڈھ پہنچنے سے قبل۔ (محمد اسحٰق حقانی)

(۶)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ ممکن ہے آپ نے علی گڈھ کے پتے سے لکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو خدا جانے کب پہنچے کیونکہ وہاں شادی کے کام میں ڈاکٹر صاحب کو شاید پتہ بدلنے کی بھی فرصت نہ ہو۔ خیر۔

میں کلکتہ میل سے روانہ ہو کر آج یہاں پہنچ گیا۔

الامان مورخہ ۱۲ ردسمبر میں پھر بد فتنہ انگیزی کی گئی ہے۔ میں نے کل کے خط میں ملّا صاحب کو کچھ کھری کھری باتیں لکھ دی تھیں مگر مقامی نامہ نگار کے پردے میں۔ آج دل چاہتا ہے کہ صاف صاف ہی لکھ دوں مگر غور کے بعد ملتوی رکھتا ہوں۔ ذرا الور کا نتیجہ آجائے تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کا بڑا خیال آتا ہے کہ اس فتنہ انگیزی کا ہدف ہوتے ہوئے دہلی میں رہنا اور صبر کرنا ایک سخت امتحان ہے۔

خاص طور پر دریافت طلب: ۷ ر اگست کو جب آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں وائسرائے صاحب کے ہاں وفد لے جانا

۱۔ [illegible] صاحب الور کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ مہاجرین میں انتشار پیدا کر دیں تاکہ وہ گھبرا کر الور چلے جائیں۔
۲۔ خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم ۳۔ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب پرنسپل علی گڈھ یونیورسٹی ۴۔ مولوی نظام الدین صاحب

(7)

(۷)

لکھ سکا کہ میں آج ہی کلکتہ میل سے واپس ہو جاؤں۔ انبالے میں ایک ضرورت سے مجھ کو کل موجود ہونا چاہیے۔ بلکہ ممکن ہے کہ آج خود واپس چلا جاؤں گا لہٰذا آپ ٹرین پر آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اب میں انشاء اللہ ۱۸ دسمبر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ کیونکہ معاملہ مقدمہ اب پھر شروع ہو گیا ہے اور مجھ کو طلب کیا گیا ہے۔

امام صاحب اگر آ گئے ہوں تو ان سے مل کر کل واقعات کا ذکر کر دیں اور معلوم کر کے لکھیں کہ ان کی رائے کیا ہے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ

آج ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بھی یہاں آ نکلے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ مولانا الطاف الدین صاحب سرور شام بھی ملے تھے۔ تب بھی انہوں نے مولوی صاحب کو تمام بات بتا دی تھی لہٰذا کل جو آپ کو ساتھ لیجا کر ملنے کا قصد تھا وہ قصد مکرر رہا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک ضروری نوٹ لکھوا لیا ہے۔

اس پر بھروسہ ہے یہ محفوظ رہے گی۔ زیادہ نیاز

۲۰ رجنوری سنہ ۱۹۳۹ء

بندہ تیج بہادر سپرو

بنام مولوی عبدالحق

(۲)

مخدومی ڈاکٹر صاحب۔

تسلیم و نیاز۔ یہ خط میں ہائی کورٹ سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے شام کو مسٹر عزیز کے یہاں ایک جلسہ ہے اُس میں جانا ہے۔ میں ۶ بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اور پھر آٹھ بجے مجھے ایک اور صاحب کے یہاں جانا ہے۔

آج آپ ۶ بجے کے بعد تشریف لائیے۔ گھنٹہ بھر تو ضرور بات چیت ہو سکے گی۔ زیادہ نیاز

۵ رجنوری سنہ ۴۲ء

تیج بہادر سپرو

بنام نصیرالدین ہاشمی

(۳)

جناب مخدومی۔ تسلیم و نیاز

(۱۹۔ البرٹ روڈ۔ الٰہ آباد)

گرامی نامہ مورخہ ۶ رجون وصول ہوا۔ اس کے بعد آپ کی مرسلہ کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" پہنچی۔ میں آپ کی عنایت کا ازبس مشکور ہوں۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ میں میں نے آپ کی کتاب کل پڑھ لی ہے۔ مگر میں نے مختلف مقامات پر اس کا مطالعہ ضرور کیا ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ جلد اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب بغیر سخت محنت و تحقیقات کے تیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

نیازمند سر تیج بہادر سپرو

تیر مقدمہ کے لئے کل پانچ زر کیر پانچ سو روپیہ بذریعہ تار عالیجناب ہز ہائینس نواب صاحب بہادر بجیوں نے عطا فرمایا شکر للہ شکراً شکرا۔

عاجز کمترین قزلباش ۷ رنومبر ۱۹۲۱ء

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد　　وہ ستین

عالیجاہا! ادام اقبالہٗ!

آداب نیاز۔　　بار بار عرض کیا گیا کہ میں دیوانہ مزاج آدمی اس دنیا کے حوادث کا کیونکر مقابلہ کروں لیکن کوئی تسکین بخش جواب نہیں ملتا۔ ہائے افسوس ——

کیا جہنم ہے خانۂ دنیا　　　جس کو دیکھا عذاب میں دیکھا

خبر ۶ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

شکر، صد شکر اس مالک حقیقی کا بتاریخ ۹ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند ارجمند بلند اقبال، آغا اقبال علی طولعمرہٗ پیدا ہو گیا مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مریضہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آ گیا، ہنسلی ہچکی لگ گئی، نبض سرد پڑ گئی۔ بس نزع پڑھنے، لینے کے دینے پڑ گئے۔

ڈاکٹر، بیڈی ڈاکٹر، تین دائیاں اور مہمانان ناخواندہ و خواندہ کا ہجوم غفیر جمع ہو گیا۔ خدا خدا کرکے تین گھنٹہ تک برابر زیست کے عالم کے بعد فضل الٰہی ہوا۔ ابھی تک علاج جاری ہے۔ ۲۵۰ روپیہ سے اونچا اس تین روز میں صفیکری ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک بے نیاز کا کہ کئی جانیں بچ گئیں اور ابھی چھٹی دور ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ جلد تندرست فرمائے۔

آمین! ثم آمین!!

عاجز کمترین آغا قزلباش ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار مہاراجہ صاحب بہادر، دام اقبالہٗ!

آداب نیاز، دست بستہ۔

آفتاب کا مارچ نمبر ۱۹۲۲ء بھی پیش گاہ عالی میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا گیا جس میں دو نئی نیں فارسی کی طبع ہو گئیں۔ اب کوئی غزل باقی نہیں۔ مدت سے کوئی مضمون بھی عطا نہیں ہوا۔

آفتاب کا سالانہ چندہ بھی ابھی تک سرکار سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ۱۹۲۲ء کا مارچ نمبر تک چھپ چکا ہے۔ اب اپریل حاضر ہوگا۔ کیا کمترین نہایت ادب سے اس امر کی طرف حضور کی توجہ کو مبذول کر سکتا ہے کہ کاغذ اور اخراجات کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور جو کچھ فدوی کو بخشا جاتا ہے وہ بذریعہ تار کرامت فرمایا جائے۔

زیادہ حد ادب!

دو سال کے بعد یہ فتوحِ غیب بذریعہ پہنچنا چاہیے۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔

آغا قزلباش۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء

(۵)

بنام بسمل دہلوی

عزیزمن سلمہٗ!

دو خط پے بہ پے پہنچے۔ پہلی دفعہ پہلی اور دوسری دفعہ دوسری غزل۔ جیسی کچھ اس میں جان تھی ہم نے نمک مرچ لگا دیا۔ یہ میرا شعار نہیں ہے کہ شاگرد کے اصلی خیالات کو بالکل بدل دوں اور نہ اس اصلاح کا نام اصلاح ہے۔ اگر یہ اشعار فی نفسہٖ آپ کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں تو جس پایہ کے ہیں ان کی اتنی داد ضرور ملے گی۔ اس سے زیادہ میرے بس کا روگ نہیں بے شک آپ کا گمان صحیح ہے وہ پنسل سے لکھا ہوا مطلع اور مقطع نہ تو میرا ہے نہ میری طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ میاں غلیق کی کارستانی معلوم ہوتی ہے، یہ شخص بے حد حریص معلوم ہوتا ہے اور اس کا وہاں طمع ہزار شعر مل جانے پر بھی نہیں بند ہوتا۔ بس وہ شعر انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دئے اور آپ کے دو شعر خود لے کر انہیں قلمزد کر دیا ہوگا۔ تعداد بھی پوری ہوگئی اور کام کا کام بن گیا۔ آپ مشاعرے میں جانے سے ایک دن قبل مجھ سے ضرور مل لیں اور جلسے کے روز تو ہم اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔

افسر الشعرا۔ ۳۱ فروری۔ راحت منزل دلّی۔

(۶)

بنام آغا آفتاب علی (فرزند آغا صاحب)

برخوردار آفتاب علی طول عمرہٗ!

بعد دعائے درازی عمر و ازدیادِ اقبال کے بعد مطالعہ کرو کہ بتاریخ ۱۰ ر صبح کی گاڑی سے میں ضعیف و ناتوان، نروانہ اسٹیشن پر اُترا۔ کیتھل جانے والے مسافر یہیں سے دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔ اسی امید پر میں بھی اترا تھا مگر میری تقدیر سے پچھلا عمل درآمد اب بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسٹیشن سے باہر جاتے ہی معلوم ہو گیا کہ آج صبح چار بجے تک کوئی گاڑی یہاں سے کیتھل نہیں جائے گی۔ اب نہ اوڑھنا نہ بچھونا، کڑکڑاتے جاڑے کا موسم اور میں تنہا بے پناہ، محض خدا کے رحم پر جنگل بیابان میں کھڑا ہوں۔ یہ پہلی بھول ہوئی۔ دوسری غلطی سنو کہ جس ہینڈ بیگ میں میرا توشہ بمعہ ضروریات اور پانوں کی ڈبیہ اور کچھ کاغذات تھے اس کی کنجی وہیں گھر ہی رہ گئی تھی۔ یہ بھول نمبر دو ہوئی۔ تیسری مشکل یہ کہ اس گاؤں گنوئیں میں نہ یار نہ آشنا۔ کل صبح چار بجے تک ٹھہروں تو کہاں؟ پہلے سے کوئی ٹھکانہ کیوں نہ کر لیا۔ یہ بھول نمبر تین۔ آخر تن بہ تقدیر اپنے کو خدا کے حوالے کیا اور ایک احاطے میں جا کھڑا ہوا۔ یہیں قضائے الٰہی سے ایک تھانیدار صاحب آنکلے مجھ سے پوچھا تم کون؟ عرض کیا مسافر جس کا گھر نہ در۔ مگر بیچارے نے خوف خدا کھایا اور کمبل اور ہینڈ بیگ اٹھوا کر مجھے تھانے میں لے گیا۔ دن بھر اور ساری رات نہایت آرام رہا۔ اب کل صبح کو یہاں سے کیتھل جانے کا قصد رکھتا ہوں جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔

راقم: تمہارا ضعیف باپ ۱۱ اپریل۔ نروانہ ضلع رہتک

کام شروع کر دیا ہے۔

کیا اس علمی امداد کے لئے میں حضور سے بھی عرض کروں کہ جلد سے جلد جو حضور پسند فرمائیں کچھ دستِ کرم کو جنبش دے سکیں۔ دیکھئے فردوسی فرماتا ہے ؎

فریدون فرخ فرشتہ نبود　　ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود

ز جود و کرم یافت این نیکوی　　تو جود و کرم کن فریدون توی

عالیجاہا! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسی علمی مراسلت کی کس کو غرض پڑی ہے مگر ہندوستان میں آپ ہی جیسی قدر شناس چند ہستیاں رہ کر رہ گئیں۔ اگر انہی سے نہ عرض کیا جائے تو بہا ئے خدا بتا دیجئے کہ ان جواہر پاروں کو ہم لوگ کہاں لے جائیں؟

ہم لوگ چراغِ سحر ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بیکار ہستیاں بھی اُٹھ جائیں گی۔ پھر یہ چیز ہمیں نہ ملے گی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون! نمونہ کے طور پر صرف ایک رباعی کا ترجمہ حاضر ہے۔ آپ کو قسم ہے اپنے مرتبہ اور عزت کی، ایک نظر اسے ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ بس کم و بیش ... رباعیوں کا ترجمہ اسی شان سے ہے۔ انصاف آپ ہی پر موقوف ہے۔

حکیم خیام نیشاپوری

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما　　کای رند خراباتی دیوانۂ ما

برخیز کہ پر کنیم پیمانہ ز مے　　زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

افسر الشعراء

آئی یہ ندا صبح کو میخانے سے　　اے رند خراباتی و دیوانے سے (لمعنی مانند)

اٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم　　کم بخت چھلک جائے نہ پیمانے سے

سرکار والا! عند اللہ انصاف کریں اگر یہ چیز خدانخواستہ نہ چھپی اور میں مر گیا تو پھر تین برس کامل جو راتیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا۔ اس لئے جبر نہیں کرتی، فرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو جیاتِ جاودانی خیال فرمائیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ تار کرامت فرمادیں۔ وما علینا الا البلاغ!

عاجز کمترین چراغ سحر: افسر الشعراء قزلباش دہلوی۔ جھالراپاٹن راجپوتانہ

(۱۰)

بنام [illegible] حسین غبار

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

بھائی غبار!

سلام مسنون۔ آپ غبار ہیں اور ہم خاکسار۔ آپ کے تخلص ہی سے ڈر لگتا ہے۔ بھلا جہاں آپ جیسے مستند روزگار موجود ہوں وہاں ہم جیسے بے سواد ناچیز لوگوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بھائی جان! آپ کے اعتراض وارد کرنے

یہ بے اختیار مجھے ہنسی آگئی۔ کیونکہ آپ لوگ وہ ہیں جو نہ خود عمر بھر ترقی کر سکے اور نہ دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھ کر خوش ہو سکے لے بھاگے ہیں کیا اور میرا کلام کیا۔ چراغِ سرِ رہگذار ہوں خدا جانے کس وقت صرصرِ اجل کا ایک جھونکا گُل کر دے گا اور میں خاموش۔

حکیم خیام کی وہ پہلی ہی رُباعی جس کے ترجمے پر تمام دنیائے ادب سنے سر دُھنا ہے اس کے دوسرے مصرع دیوانے سے اکر آنکھ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ غبار ہیں۔ پہلے آپ وہ نظر تو پیدا کیجئے جو دیوانے سے کی خوبی کو دیکھ سکے اب رہا چوتھا مصرع، وہ آپ کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ بھلا جس شخص نے ایک ہزار رباعیوں کو ہزار ہزار دفعہ جانچا ہوگا، تمام فارسی کے مطبوعات سے ٹکرایا ہوگا، چار برس کامل آنکھوں کا تیل اور جگر کا خون ٹپکایا ہوگا، ذرا آپ ہی انصاف کریں وہ زاں پیش کے معنی نہیں سمجھتا۔

مگر بھائی جان یہ وہ ترجمہ نہیں ہے جو مکتب کے ملّا نے کہتے ہیں :

"سعدی گوئے بلاغت ربود"

سعدی گیند بلا کی۔ غنز بود لفظ عربی ہے، آگے چل۔ یا کبھی پر کبھی ماردی۔ خیر صاحبِ من! مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان۔ اگر مشیت ایزدی شامل حال ہے اور عمر نے وفا کی تو یہ منظوم ترجمہ چھپ جائے گا۔ اس وقت جو اہلِ نظر اس پر ریویو کریں گے وہ سرکار عالیجاہ کے ملاحظہ کے لئے ضرور بھیج دئے جائیں گے ورنہ خیر دل شکنی یہاں کسی کی روا نہیں۔ آپ ناخوش ہیں؟ اچھا فقیر معافی چاہتا ہے[1]۔

کے توانم دید ساقی جام صہبا بشکند
مے پرد رنگم صبائے گر بدریا بشکند

راقم: عاجز بے سواد غریب آغا شاعر۔ جھالرا پاٹن (راجپوتانہ)

---

[1] آغا شاعر کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے سکرٹری صادق حسین غبار نے ان کے ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام میں کچھ عیب نکالے تھے جن کی بنا پر مہاراجہ نے ان کو امید افزا جواب نہیں دیا۔ اس لئے انہوں نے غبار صاحب کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔

خاطر خواہ زیر باری بھی ہوتی ہے اور وقت و فکر کا بھی صرفہ رہتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ بہر حال میں شکر ہے کہ اگر اس سے بڑ
عادت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ نور الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ اب گھر میں سب لوگ خیریت سے ہیں۔ بسلسلہ علالت کی ایک کڑی اگرچہ باقی ہے یعنی میں خود کئی دن سے شدید نزلہ میں مبتلا ہوں مگر امید ہے کہ یہ عارضی ثابت ہو اور واقعی اس کے بعد دوا سے بالکل نجات مل جائے۔ داؤد سلمہٗ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے ۸ اپارے ہو چکے ہیں۔ عزیب بیماریوں کی وجہ سے کئی سال سے نکاس رہا ہے ورنہ کب کا حافظ ہو جاتا۔ جب تک اس سے فراغت نہ پا جائے اور کوئی سلسلۂ تعلیم نہیں شروع کرایا جا سکتا۔ ضعیف و ناتواں اس قدر ہے کہ زیادہ محنت کا متحمل نہیں۔ بہر حال ابھی تو دسواں سال ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں اور چونکہ انگریزی کی تعلیم دلانا مقصود نہیں اس لئے امید ہے کہ اس مرحلہ سے نکل کر چند سال میں علوم عربیہ کی تکمیل کر لے گا اور ساتھ ہی ساتھ میں خود اسے ان شاء اللہ اردو پڑھاؤں گا نیز مراسلت کرنے بھر کی انگریزی تاکہ کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت آ جائے باقی اللہ کی جو مرضی ہو۔

تازہ الناظر بھیجا جاتا ہے۔ مشورہ اور مضامین دونوں سے سرفراز فرمائیں۔ مطبوعات الناظر کسی قدر کم تعداد میں بھیجی جاتی ہیں۔ میرے پاس مال زیادہ نہیں ہے اور اس وقت کئی جگہ سے نبادلہ کی معاملت درپیش ہے۔ نیز سابقہ تجربہ کی بنا پر امید نہیں کہ جو مال بھیجا جاتا ہے اسے بھی آپ ایک سال کے اندر ختم کر سکیں گے۔ بہر حال جب حاجت ہو تو اور بھیج دیا جائے گا۔ بلٹی ملفوف ہے اور فہرست کتب مرسلہ بھی۔

علی گڈھ کی حاضری کا قصد ضرور ہے۔ جامعہ کے کانووکیشن میں مجھ جیسے بے کار و بے مایہ کو کون پوچھتا ہے۔ وہاں لیڈروں کی ضرورت ہے البتہ اپنے طور پر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خواہ مخواہ میرے لئے ایک دعوت نامہ جاری کرا دیں۔ میں اپنی فرصت دیکھ کر ہی یہاں سے ہٹ سکتا ہوں۔ آج کل تو بہت سے کام میری ذاتی توجہ کے محتاج ہیں۔ سب سے زیادہ اہم الناظر بک ایجنسی کی فہرست مرتب کرنے کا کام ہے۔ فہرست سابقہ ختم ہو گئی اور بغیر میرے فہرست مرتب ہو کر چھپ نہیں سکتی۔ کتابوں کی رسید سے مطلع فرمائیے۔

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ معہ مجیبی صاحب کی تحریر کے وصول ہو گیا تھا۔ میں اب عذر لنگ سے نجات پا گیا ہوں اس لئے

(7)

باقی رفتہ رفتہ جب مشق بڑھے گی تو غلطیاں خود بخود کم ہوتی جائیں گی۔ اردو ہماری مادری زبان ضرور ہے مگر بغیر کافی محنت کے مادری زبان پر بھی کافی عبور نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسے حصوں میں رہتے ہیں جہاں کی زبان دوسرے اثرات کی بنا پر بگڑی ہوئی ہے اسلئے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بغیر وسیع مطالعہ اور پوری مشق کے صحت کے ساتھ لکھ سکیں گے۔

لکھنؤ بھی اب وہ لکھنؤ نہیں رہا جو کسی زمانہ میں تھا۔ پھر بھی ہندوستان بھر میں اب بھی یہی ایک ایسی جگہ باقی ہے جہاں کے بہت سے عوام تک شستہ اردو بولتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں سید ہاشمی فرید آبادی ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں کچھ دن قیام ہوا اور جس مکان میں میرا دفتر ہے اسی میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ پورا مکان میرے قبضہ میں نہ تھا، بلکہ ایک حصہ میں مالک مکان کا کارخانہ تارکشی تھا۔ دن بھر لوگ تارکشی میں مصروف رہتے تھے اور شام کو چلے جاتے تھے۔ ان تارکشوں کے پاس وقتاً فوقتاً باہر کے لوگ بھی آتے رہتے تھے اور کام روک کر وہ آپس میں بھی بات چیت کرتے تھے۔ سید ہاشمی مجھ سے کہا کہا کرتے تھے کہ ایسی شستہ اور شیریں گفتگو میں نے عمر بھر کبھی نہیں سنی۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ لکھنؤ کے رہنے والوں کو کتنی آسانی ہے۔ اس پر بھی حالت یہ ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا یہاں کوئی نثر لکھنا نہیں جانتا۔ اچھے اچھے خاندانی لوگ اگر کوئی عبارت لکھتے ہیں تو وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ چھپے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت بولنے والی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے قلم نہیں چلتا۔

میں اپنے مخصوص احباب سے متوقع رہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا قلم لغزش کھائے پرچہ دیکھنے کے بعد فوراً مطلع کر دیا کریں اور اس بات کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کہ اس طرح پر بہت سی لغزشوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں انسان کے دل میں یہ غرہ پیدا ہوا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی، وہیں ترقی رک جاتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو شاعروں اور ادیبوں میں بہت عام ہے۔

قرطاس ابیض پر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ضرور لکھیں۔ آج تو منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کے مضمون سے لوگوں کو اس امر کے صحیح اندازہ کا موقع ملے کہ موجودہ حالات کیا ہیں اور جدید سفارشات کے بعد صورت حال کیا ہوگی تو بہت کارآمد ہوگا۔ حجم ضرور بڑھ جائے گا۔ خیر ایک نمبر کے بجائے کئی نمبروں میں اشاعت ہو جائے گی۔

سمجھناک اور سمجھدار ترکیب میں یکساں ہیں۔ جس طرح سمجھدار کو غلط العام قرار دے کر رواج دے دیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ سمجھناک بھی رائج نہ کیا جاسکے۔ خصوصاً مزاح میں اگر سمجھناک تفہیم کا مفہوم ظاہر کرنا منظور ہو۔ عام طور پر یہ لفظ مستعمل نہیں اس لئے نوٹ لکھ دیا گیا تھا۔

مثنویوں کے پرچے میں نے دیکھے نہیں۔ صرف ...... ان کا ذکر دیکھا اور آپ کی اطلاع کیلئے ذکر کر دیا تھا کہ مزید تلاش کا خیال رہے۔

آزادی و الالکٹرا سابق کے مسودات میں نکلا ہے ہم نے حوالہ نہیں دیا تھا یا دیا ہو تو وہ مسودہ میں نمایاں نہ تھا۔

ڈاکٹر نعیم الحق صاحب کو وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ نومبر نمبر تیاری کے قریب ہے۔ اگر آج شب برات نہ ہوتی تو آج ہی مکمل ہو جاتا۔ اب ذرا دیر لگے گی اس لئے کہ میں بضرورت باہر جا رہا ہوں اور شاید میری واپسی سے قبل پرچہ نہ روانہ ہو سکے۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲۴ نومبر ۱۹۴۳ء

کتاب میں علیحدہ سے شریک کر دیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی کتابیں میں نے جو زائد چھپوائی ہیں ان میں شامل ہو جائے گا۔

آپ کا ایک خط جواب طلب خطوط کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے۔ کثرت کار نے اب تک موقع نہ دیا۔ آپ کے دست اسمبلی کے ممبر غالباً یہیں ہوں گے۔ خیال تھا کہ کسی دن کونسل چیمبر جاؤں گا تو ان سے ملوں گا مگر آج تک جانے کی مہلت نہ ملی۔ شاید اب مل جائے۔ مدح صحابہؓ کے مسئلہ کا تصفیہ کرانے کے سلسلے میں بعض احباب سے گفتگو کرنا ہے۔ اکتوبر میں یہ قضیہ طے ہو جائے تو شاید مجھے اطمینان نصیب ہو۔ آجکل وہ مقدمات چل رہے ہیں جو مئی کے ہنگامہ کی بدولت پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کے دائر کردہ مقدمات تو کچھ ختم ہو چکے اور کچھ ختم ہو جانے کے قریب ہیں باقی وہ مقدمات جو فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف دائر کئے ہیں غالباً تا تصفیہ چلتے رہیں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ، ۱ر ستمبر ۱۹۳۷ء

احسنؔ مارہروی

(۱)

بنام مولوی بشیرالدین احمد مرحوم

میرے معزز عنایت فرما۔ تسلیم مع التعظیم

آپ کا ہونہار اخبار البشیر جو آپ نے بتحریک جمی سید مخدوم عالم صاحب بھائی سید کاظم علی صاحب کے نام ویلیو روانہ کیا تھا پہونچا۔ میں بھی خدمت برادر صاحب موصوف میں حاضر ہوں۔ اور البشیر کے کارآمد مضامین سے اکثر محظوظ ہوتا رہا ہوں اور رہوں گا۔ آپ نے جو اخبار ویلیو کیا ہے وہ جلد دو کا پہلا نمبر ہے ازروئے قاعدہ حساب کے تو یہ کارروائی ٹھیک ہے مگر یہاں دو ایک صاحب بھی بتہ مخدوم عالم صاحب کے مضمون دیکھنے کے مشتاق ہیں۔ مہربانی فرما کر وہ پرچے جن میں بھی موصوف کا مضمون ہے دیجیے اور ان پرچوں کی قیمت سے اطلاع دیجیے کہ بذریعہ ٹکٹ بھیج دیے جائیں میں نے مارہرہ سے دو ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کیے تھے جن میں عرض کیا تھا کہ مجھے ایک مختصر رسالہ جو تقریباً ۴ جزو کا ہوگا آپ کے البشیر پریس میں چھپوانا ہے۔ اس کا جواب مجھے نہیں ملا۔ مہربانی فرما کر اطلاع دیجیے کہ فی جزو کیا لیا جائے گا۔ تعداد چھپائی ۵۰۰ ہوگی اور تقطیع ۲۲ × ۲۹ کاغذ کے ۸ صفحے ہوں گے غالباً تقطیع کا ایک نمونہ بھی میں نے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ کاغذ کی قیمت پیشگی حاضر کروں گا اور باقی بعد طبع۔ مگر آپ کے مطبع میں کاتب اچھا نہیں ہے آپ . . . . . . کو کیوں نہیں بلا لیتے تو سب شکایتیں رفع ہو جائیں۔ منشی نواز احمد صاحب کو سلام مسنون۔

فقط منتظر جواب آپ کا: نیازمند خادم، احسنؔ مارہروی

۱۹؍ شوال ۱۳۱۷ھ ۱۷؍ فروری ۱۹۰۰ء

حیدرآباد دکن محلہ دارالشفا مکان مولوی سید علی حسن صاحب

(۲)

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

احسنؔ نواز تسلیم نیاز

محبت نامہ پہنچا۔ امتنان و انبساط کا باعث ہوا۔ جس طرح سے کہ جناب مجھ بدنام سے واقف تھے اسی طرح

یہ عاجز بھی جناب کے اسم گرامی سے آگاہ تھا بحمد اللہ کہ اب [illegible] کا سلسلہ شروع ہوا کل پرسوں ملاقات کا لطف حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کے ناولوں کا نام تو میں نے بھی [illegible] دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر جب اصل ہی مل گیا تو نقل کی کیا اصل۔

فصیح الملک کی قدر افزائی کا بھی شکر گزار ہوں۔ فی زمانہ نظم کے مقابلے میں اردو کی اچھی نثر کی بہت ضرورت [illegible] اس لئے میں ممنون ہوں گا اگر مجھے زیادہ امداد کی گئی۔ پیران کلیر شریف کے متعلق جو مضمون جناب نے لکھا ہے وہ بھیج دیجئے میں دیکھ کر بے تکلف عرض کروں گا کہ یہ خالص ادبی رسالے کے لائق ہے یا کیا۔ چونکہ فصیح الملک تے [illegible] لیسے [illegible] ہیں جو اردو ادب کے ماہر ہیں اس لئے خیال رہتا ہے کہ شاید وہ سطر مذاق پسند نہ ہو گو چونکہ آپ خود زمانہ شناس اور واقف [illegible] لئے غالباً آپ کی ہر تحریر مفید ہوگی اس لئے آپ بے تکلف اور جلد بھیج دیجئے۔ امید ہے کہ سلسلۂ کتابت جاری [illegible]

والسلام: خاکسار

احسن مارہروی، مارہرہ ضلع ایٹہ

(۳)

بنام منشی محمد [illegible] ذوق

[illegible] شد کرہ [illegible] ونا مسدود است
نہ کسے [illegible] ایں جانہ کسے می آید

برادر شفیقم السلام علیکم

امتداد زمانہ اور ترک مراسلت کے سبب ممکن ہے تحریر ہذا اجنبی معلوم ہو۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ نیاز مند کہن [illegible] اس کا کاتب و محرر ہے اجنبیت نہ رہے گی۔ شکر ہے کہ حضر زندہ ہے۔ گو کہ مشاغل تفریحی اور خصوصاً معاملات [illegible] سے نابلد ہو رہا ہے ——— آپ کے افادات قلم کے نمونے اکثر موقت الشیوع رسائل میں دیکھتا رہتا ہوں اور کبھی کبھی [illegible] کی کسی تازہ تالیف کا تذکرہ بھی نظر سے گزرتا رہتا ہے۔

آج کی ساعت کیا مبارک ساعت ہے کہ چند منٹ فرصت کے مل گئے ہیں اور بہت دیر سے یاد حبیب [illegible] سے رہی ہے۔ جس کا مآل کار نیاز نامۂ خاکسار ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا اور آپ کی ذہن [illegible] سے نام اس خارج نہ ہوا ہوگا۔ مجھے۔ اقتضائے یہ ہیں کہ گوشہ نشینی ترک کر کے چند ماہ سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کالج میں مقیم ہوں اور اردو پروفیسر کی خدمت پر مامور ہوں ——— اگر آپ کو برادرم رجا [illegible] کا پتہ معلوم ہو تو ضرور لکھیے۔ والسلام خیر الکلام

نیاز مند احسن مارہروی اردو پروفیسر انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ

۲۰ ر اگست ۱۹۲۳ء

(۴)

بنام مولوی محمد طاہر احسن صاحب وکیل

عنایت فرمائم ۔ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گرامی کارڈ ملا ۔ اس سے پہلے زمانہ بھی بدل چکا تھا[1] اور آپ کا طبیعت افزا تبصرہ پڑھ چکا تھا جس سے کلفت کے عوض مسرت حاصل ہوئی۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک حد تک میری بضاعت مزجات کو دیکھنے کی طرح دیکھا مگر جیسا کہ میں نے مکرر مااتم مل کے تحت میں عرض کیا ہے اس کے مطابق آپ نے ذرا جلدی کی آپ کی تحریر یقیناً نیک نیتی پر مبنی ہے اور مجھے بڑے نام کی خدانخواستہ آپ پر نام رکھنے کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تنقید میں بعض امور ایسے ہیں جن کا دفاع دخل بعض تبصرہ و کیفیت میں موجود ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی تفصیل و تکمیل جلد دوم میں ہوگی۔ اس وقت مختصراً اسی اطلاع پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے تبصرے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شبہات از سرتا پا تحقیقات اور انصاف پر مبنی ہیں۔ میں فرصت سے اس کے متعلق آئندہ عرض کروں گا۔ بسلسلۂ تعطیل چند روز کے لئے وطن آیا ہوا ہوں ۸ تاریخ کو علی گڑھ پہنچ جاؤں گا اگر آپ نے پھر یاد فرمایا تو مفصل خط و کتابت ہوگی۔ آپ کا یہ ارشاد کہ اس قسم کی کتابوں کو پڑھنے اور لکھنے کا شائق ہوں .... مگر خریدنا مشکل ہے" یا تو اشکال اگر کسی مالی مجبوری سے ہے تو بمسرت ایک نسخہ ہدیۃً حاضر ہوگا اور اگر یہ بنا بر کفایت شعاری ہے تو راستے بر جائے سخن۔ رسا[2] مرحوم کے بعض حالات قیام ایٹہ کے زمانہ کے اور رامپور جانے کے میں بتا سکوں گا اور اس سے قبل کے حالات مولوی عبدالوحید صاحب فدا ساکن گلاوٹھی سے معلوم ہو سکیں گے آپ اگر چاہیں تو گلاوٹھی کے پتے سے ان کو لکھیں اور مجھے بھی اپنے مطلوب عنایت لکھ کر آگاہ فرمائیں تاکہ جو حال مجھے معلوم ہو عرض کروں۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مرحوم سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ تاریخ نثر اردو کا حصہ دوم ان شاء اللہ ۴ ۔ ۵ ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔ میری یہ تالیف سیر المصنفین وغیرہ سے پہلے کی ہے اور میں نے اس قسم کی کتابوں کو ابتداً نہیں دیکھا جس کے ثبوت پھر پیش کروں گا[3]۔ والسلام

میرا علی گڑھ کا پتہ: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔ کافی ہوگا

خاکسار:

احسن مارہروی ۔ مارہرہ ضلع ایٹہ ۵ مئی ۱۹۳۱ء

۱۔ زمانہ کان پور بابت ۱۹۳۱ء جس میں مولانا کی کتاب تاریخ نثر اردو پر مکتوب الیہ کا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مکتوب الیہ نے تبصرہ میں مولوی محمد یحییٰ تنہا کی سیر المصنفین کا ذکر کیا جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔

۲۔ منشی حیات بخش رسا شاعر دربار رامپور

۳۔ مولانا نے کتاب میں فرمایا تھا کہ تاریخ نثر اردو لکھنے میں درجہ اولیت حاصل ہے۔

(۵)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم

میں بہ سلسلۂ تعطیل محرم وطن چلا گیا تھا۔ کل واپس ہوا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ نے میرے لفافے کا جواب نہیں لکھا کہ آج ہی محبت نامہ ملا۔ شکر کرم۔ آپ نے رسا مرحوم کے حالات کی بابت جو الفاظ شکریہ لکھے ہیں یہ تکلفات بارد ہیں۔ میں عموماً تمام اہل ادب کا خادم ہوں اور اس خدمت کے معاوضے میں شکریہ وغیرہ کی خواہش نہیں۔ اگر مجھے خود اس کا شغف اور شوق نہ ہوتا تو بہت سے شاعرانہ پہلو نکال کر انکار کر دیتا ہمارا ادب اسی سے خراب ہو رہا ہے کہ اگر کوئی کام کرنے والا اٹھتا ہے تو دوسرے ارباب فن کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے۔ بہرحال آئندہ ان تکلفات کو چھوڑیے۔ اور مجھے اپنا اور ادب کا خادم سمجھئے اور کام لئے جائیے۔ جون میں کالج کھلا رہے گا اور اس شدت موسم میں حاضری کے علاوہ اور ضروریات وقتی ایسی لاحق ہیں کہ میں یکم جولائی سے پہلے کوئی جواب باصواب پیش نہیں کر سکتا۔ رامپور کو ایک خط ابھی لکھ رہا ہوں جو حالات معلوم ہوں گے آپ کو بھیج دوں گا اور جولائی میں وطن پہنچ کر مرحوم صاحب کے خطوط بھی تلاش کر کے بھیجوں گا نیز رسا کا کلام انشاءاللہ سو پچاس غزلیں مجھ سے آپ کو ضرور مل سکیں گی۔ خم خانۂ جاوید بھی میرے پاس ہے اگر آپ کے پاس ہو تو میں اس کو نہ دیکھوں ورنہ اس کے حالات و کلام لکھوا دوں گا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میری اور مرحوم رسا کی جو خصوصیت تھی اس کا اظہار اب فضول ہے۔ میں اس کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ ہائے رسا تم کہاں ہو کہ ہم کلامی کا لطف اٹھایا جاتا۔ آپ رسا کے خطوط بھی چاہیں گے تو بھیج دوں گا۔ اور یہ لکھیے کہ رامپور کے وہ واقعات جو بعض اخلاق کو ظاہر کرتے ہیں اور فلورا نامی مسماۃ کے متعلق ہیں، انہیں بھی لکھا جائے یا نہیں۔ باقی باقی

علی گڑھ ۲۳ جون ۳۱ء خاکسار، احسن

غالباً لدھیانے کے شاگرد نظیر ہی ہیں۔

(۶)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم خلوص تفہیم

محبت نامہ پہنچا۔ آپ اس قدر دیر میں یاد فرماتے ہیں کہ میں مفوضہ تعمیل کو بھول بھول جاتا ہوں اور ایسا ہی کچھ مندی اور بڑھے ہوئے ترددات کے سبب سے ہوتا ہے۔ آج میں نے پرانی ردیوں کا ایک بستہ دیکھا۔ اس میں کوئی خط وغیرہ نہیں ملا۔ اب دو ایک دن بعد پھر دیکھوں گا اور انشاءاللہ خطوط و غزلیات ضرور بھیجوں گا۔ آپ اتنی تکلیف گوارا فرمائیے کہ جس قدر غزلیں آپ کو مل گئی ہیں ان کا ایک ایک آخری مصرع مجھ کو لکھ بھیجیے تاکہ میں ان قافیہ و ردیف کی غزلیں نہ بھیجوں جو آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے پاس غزلوں کا کافی سرمایہ مل جائے گا۔ رامپور سے

رقی شانی جواب اب تک نہیں ملا۔ وہاں سے سید دو ایک شاگرد ہیں ان کو لکھا ہے کہ وہ مولانا رشا مرحوم سے استفسار کرکے جواب لکھیں۔ حافظ اشتر سکندر آبادی کے پاس کچھ کلام سنا جاتا ہے کیا آپ ان سے نہیں کہہ سکتے؟ رامپور میں ایک صاحب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب منیر ہیں ان کو بھی لکھیے شاید وہ کچھ مفید مطلب ہو سکیں۔ ان کا پتہ صرف رامپور کافی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بلبل تسلیم علی لکھتے ہیں آپ بھی پتے میں اس لقب کا اضافہ کر دیجیے گا۔

۸/ جولائی ۱۹۳۱ء   والسلام خاکسار احسن

۷

بنام محمد ظہیر الحسن صاحب غازی آباد

حبیب محترم۔ السلام علیکم

تبت نامہ مورخہ ۱۴/ اگست کا جواب آج دے رہا ہوں۔ یہ توقف کچھ ناسازیٔ مزاج اور زیادہ تر تلاش خطوط و نقول غزلیات کے سبب سے ہوا۔ دو تین مرتبہ دو دو تین تین بستے دیکھے۔ اس وقت تک ساٹھ ستر خطوط مل سکے وہ سب بلا انتخاب بھیجتا ہوں۔ بلا استعجال ان کو پڑھیے اور اپنے کام کے نوٹ لکھ لیجیے۔ ان سے آپ کو سید اور مرحوم رشا کے مراسم، ان کے مزاج اور خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا اسی طرح مصطفٰی علی خان مرحوم کے خطوط سے رشا کی تقریب اور رامپور کے تعلق اور میری وساطت کا حال کھلے گا۔ مجموعۂ رشا کے ۵۵ کارڈ اور ۱۰ لفافے ہیں۔ ۹ لفافے مصطفٰی علی خان صاحب مرحوم کے ہیں۔ ان کو رکھیے مگر احتیاط سے جب فراغت ہو جائے واپس کر دیجیے گا۔

مختلف گلدستوں اور رسالوں سے ۳۶، ۳۷ غزلیں بھیجتا ہوں۔ یہ غزلیں آپ کی لکھی ہوئی غزلوں کے علاوہ ہیں اور غالباً اتنی یا ان سے کچھ کم وبیش غزلیں اور سید کے پاس ہوں گی جو علی گڑھ سے بھیج سکوں گا کیونکہ بعض رسالے وہاں بھی ساتھ چلے گئے ہیں۔ خطوط اور بھی ہوں گے مگر اب پرانے بستوں کا ٹٹولنا کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ پھر بھی تلاش کروں گا۔ رشا مرحوم نے محسن کاکوروی کی ایک غزل نعتیہ کا خمسہ بھی کیا تھا اور یہ ۳۲، ۳۳ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ مخمس اگر آپ کے پاس ہو تو خیر ورنہ میں بھیجوں۔ میں نے اور دوسرے احباب نے بھی تضمین لکھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سو، ڈیڑھ سو غزلیں میری وساطت سے آپ کو مل جائیں گی۔ مرسلہ غزلوں میں دو ایک جگہ قابل نظر الفاظ ہیں جن کے متعلق میری رائے ہے کہ وقت اشاعت اس کا اظہار کر دیا جائے۔

آپ نے اپنے اس خط میں مرزا یاس یگانہ کے دو شعر لکھ کر مجھ سے رائے طلب کی ہے۔ یہ کام میرے لئے ناپسندیدہ ہے اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے متعلق بالوضاحت کچھ لکھوں مختصر یہ ہے کہ محاورے کا ترجمہ ناپسندیدہ ہے۔ ... نے جب یہ مصرع پڑھا ہے کہ صبا وہ ڈھول بجانے کہ بس سحر ہو جائے تو برسر مشاعرہ معترض نے کہا کہ جناب بار وہ تو نزع کا ہو جانا ہے نہ سحر ہو جانا۔ وہی عالم یہاں ہے۔ ڈنکا شہرت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ یہاں ڈنکے سے شہرہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ڈنکے کا جو مفہوم یہاں ہے وہ شہرت میں نہیں۔ رہا علیہ السلام

خدا کو معلوم ہو ں چاہتی کہ وہ برسوں ان کے ہم صحبت اور بیکار رہے ہیں۔ ایڈیٹ میں ان کے اکثر لطیفے اور شاعری اس قسم کی ہوا کرتی تھی کہ کسی حاکم وغیرہ کی ہجو کہہ دی یا کوئی فقرہ کس دیا۔ مثلاً ایک سخت گیر حاکم کے لئے ایک قطعہ کہا تھا جس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

ہوتی ہے اتوار کی تعطیل اس کو ناگوار

اس طرح کا اک سنیچر دفتر سرکار میں ہے

ان کے موافق و مخالف مضامین لکھنے والوں میں ایک وجاہت جھنجھانوی تھے جن کے مضامین ان کے ایک رسالے میں شائع ہوتے تھے جس کا نام اصلاح سخن تھا مگر یہ سلسلہ بہت جلد منقطع ہو گیا۔ اسی طرح بعض مضامین نیرنگ اور جلوہ یار میں نکلے ہیں۔ شوکت میرٹھی کا سال مجھے معلوم نہیں۔ جلال و تسلیم کی کوئی بات مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی فرصت کے موقع پر اپنی رائے پیش کروں گا۔ تاریخ نثر اردو کا دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے اور اپنی انتشاری حالت کے سبب سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک تمام کر سکوں گا۔ جب شائع ہو گا آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور مجھے ہر وقت اپنا بہی خواہ اور خادم سمجھیں گے۔ باقی باقی

والسلام: دعاگو

۸ر جنوری ۳۲ء

احسن مارہروی

(۹)

بنام منشی مہیش پرشاد

لطف فرمائے و قدردان فرمائے تسلیم خلوص تعظیم

۸۔ دسمبر کا رقم زدہ والا نامہ پہنچ کر مسرت افزا ہوا۔ میں جناب کے اس خلوص و کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اس زمانہ کو ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مردم شماری روز افزوں ہے اور سائنس کے مناظر نتائج گوناگوں ہیں۔ ضرور ترقی یافتہ ہے۔ لیکن وہ خصوصیات مستقل جن کا وجود اب سے پچاس سال قبل فی صد ۹۰ آدمیوں میں نظر آتا تھا اب فی ہزار چار میں دکھائی دیتا (ہے) جس باب میں جناب کو تکلیف دی گئی۔ اس معاملہ میں حقیر نے بیان ایک ایسے گریجوایٹ کو چند ساعت کی تکلیف دینی چاہی جن سے دو چار ہندی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی تحریروں کو پڑھوانا چاہتا تھا میری گزارش پر بخوبی اور باخلاق ظاہری رو نقی شاندار الفاظ ارشاد ہوئے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن وہ دن آج آتا ہے نہ کل۔ اور طرہ یہ کہ وعدہ کنندہ زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ بنا برسیں بابیں تفصیل مکمل جواب باصواب آ گیا مگر سو قدم سے ایک عزیز نہ آ سکے۔ کیا اس ترقی کو حقیقی ترقی کہا جائے یا ترقی معکوس۔ بہرحال دعا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو اخلاق عالم توفیق وطن پرستی عطا فرمائے۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کو گمشدہ حصّہ کے امید افزا جواب ملے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ خطوط آپ تک پہنچے ہیں وہ عود ہندی اور اردوئے معلّے کے شائع شدہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ اگر غیر مطبوعہ ہیں تو واقعی یہ کامیابی قابلِ افتخار ہے تاریخ نیمروز شاہی کے مشتبہ لفظ کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیقات　　جاری ہے۔

ہندی قدیم و جدید تحریروں کے جو نمونے آپ نے عنایت کئے ہیں میرے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان میں اتنی بات رہ گئی کہ آپ نے اپنی زبان میں ترجمہ فرما دیا۔ میں چاہتا تھا کہ ترجمے کے ساتھ وہ اصلی ہندی تلفظ بھی اردو میں لکھ دیا جاتا کہ اصلی غرض یہی تھی۔ خیر یہ معمولی بات ہے یہاں یہ کام ہو جائے گا۔

عند الملاقات "بیگم صاحب[1]" والے شعر میں جس لفظ کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کو میں نے اپنے پاس کی مختلف کتابوں میں دیکھا۔ میری مرتبہ کتاب (منتخبات عود ہندی) اصل عود ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ کی نقل ہے۔ ان دونوں میں بھپسوڑا باے فارسی (پ) سے چھپا ہوا ہے۔ لیکن میرے نزدیک بھسوڑا (باے موحدہ) ہے جس کے متعلق میں نے منتخبات عود ہندی کے حواشی میں لکھ دیا ہے کہ وہ یہاں کی روزمرہ میں بھسوڑا حبس رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ متذکرہ بالا عود ہندی کے سوا اردوئے معلّیٰ اکمل المطابع دہلی مطبوعہ ذیقعدہ ۱۲۸۹ھ اور اردوئے معلّے مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۲ء میں یہ خط موجود ہے لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ شعر نکال دیا گیا ہے۔ بھسوڑے کے متعلق میرا قیاس اقرب الی الصواب ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بطورِ مذاق اگلوں اور پچھلوں کو ایسے غیر متعلق اور مضحکہ آمیز مقاموں پر چھپا دیتے ہیں۔ شعر کے معنی صاف ہیں۔ دوسرے مصرع میں چھپا اگر آزاد ہونے کے معنی میں نہیں ہے تو مراد بیگم یعنی چھوٹی بیگم کا بگڑا ہوا تلفظ ہوگا۔ یعنی بیگم صاحب نے بھسوڑے میں پھنسا دیا اور چھپا (چھوٹی، چھتی) بیگم نے ذلیل و رسوا کرا دیا۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یہ مثنوی نہیں اور نہ میں (نے) ابتدائے عمر سے اس وقت تک دیکھی ہے مثنوی مرزا مہر کی جو چھپ گئی ہے وہ لڑکپن اور عنفوانِ شباب تک میرے پاس تھی اور غالباً اسی کا نام شعاع مہر تھا لیکن اس کا وزن یہ نہیں۔ گزشتہ ایام میں اس کے اکثر اشعار یاد تھے۔ اس وقت ایک مصرع لکھتا ہوں، اس سے وزن معلوم ہو جائے گا

مہر ہیں مہر ہیں مشہور جلے تن ہم میں

---

[1] غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں مہر کی ایک مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے۔

بیگم صاحب بھپسوڑا ہی میں لایا　　چھپا بیگم نے بے حرمت کرایا

مکتوب الیہ نے بڑا کام اسی سلسلے میں غالباً لفظ بھپسوڑا کے تعلق سے　استفسار کیا تھا احسن صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ "بھسوڑا" ہے یعنی حبس رکھنے کی جگہ۔ بیگم سے مراد بڑی بیگم اور چھپیا سے مراد چھوٹی بیگم۔

آپ سے خیال رکھا کروں گا اور تلاش شروع کروں گا کہ ان کے اعقاب سے ان کا کلام مل سکے۔ مرحوم کے پوتے سے ملاقات و تعارف تھا۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ غالباً ان کے پوتے موجود ہیں۔ پتہ دریافت کرکے ان کو لکھوں گا۔ ان کا دیوان خود میرے پاس ہے لیکن اس وقت وہ بھی نہیں ملا۔ شاید وطن کے کتب خانہ میں ہے۔ مارہرے جاؤں گا تو اسے بھی دیکھوں گا۔

عندالملاقات والے فارسی لفظ صحیح یاد نہیں۔ شاید وہ لفظ "زہے سپاہی فانیز" ہو جس کے معنی میری تحقیق میں چشپارہ[1] کے ہیں۔

آپ نے عندالملاقات اور اس کے قبل و بعد جو خطوط فصیح الملک کے مقابلہ و تصحیح کے لئے بھیجے ہیں ان کا جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ فصیح الملک نمبر ۱۰۰۹ جلد دوم میں وہ خطوط شائع ہوتے ہیں اور ان میں رشک عرفی و فخر طالب مرا الخ اور درکش کش منعم اور دیگر از خویشم بطور نشان شعر سے (۶۰ کی رقم) تحریر ہے۔ مرقع جلد دوم صد ۲۳ کا پتہ ابھی نہیں چلا۔ یہ لکھئے کہ کس مہینے کے مرقع کا صفحہ (۲۳) ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ باقی باقی۔

آپ کا مخلص

۱۳/دسمبر ۳۳ء

احسن مارہروی

(۱۰)

بنام سید الطاف علی صاحب بی۔ اے

شفیق محترم۔ السلام علیکم

دعا گو ۱۳/جولائی کو علی گڑھ آ گیا۔ اگر سنا کہ آپ نے اپنی خصوصی نوازش و عنایت سے برخوردار سید انعام احسن متعلم میڈیکل کالج پٹنہ کے وظیفے کی بابت اپنے اختیار تمیزی سے ایک مہینے کا وظیفہ قبل میٹنگ عنایت کیا، اس توجہ کا شکریہ قبول فرمائیے۔ یقین ہے کہ ۱۲ کی میٹنگ میں اس کی باقاعدہ منظوری ہو گئی ہوگی۔

اسی سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے پہلی عرضی دیتے وقت یہ معلوم تھا کہ کانفرنس کا گزشتہ وظیفہ جولائی

---

[1] مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس کا غالباً مطلب پوچھا گیا تھا۔ چشپارہ سے مراد وہ شے ہے جو باغ یا کھیت کو نظر بد سے بچانے کے لئے بنا دیتے ہیں۔

۳۶ء تک ہے اس سے دو ماہ کے لئے مزید درخواست کی گئی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ جون تک تھا اور دو ماہ کے لئے زائد وظیفہ جو منظور ہوا وہ اگست تک ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ستمبر تک امداد کی ضرورت ہے۔ اس طرح ۳ ماہ کا مزید وظیفہ ملنا چاہیئے۔ مشورہ دیجئے کہ اس ایک ماہ کے لئے کیا کیا جائے۔ میں دوسری عرضی اسی مضمون کی لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں یا آپ خود اپنی مہربانی سے اس کو منظور کرا لیں گے۔ اس کا جواب عطا ہو۔ بفضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی ۱۵ر جولائی ۳۶ء

(۱۱)

بنام تمکین کاظمی

محبی و عزیزی۔ السلام علیکم و علی من لدیکم

مدت کے بعد محبت نامہ ملا مجھے آپ کا پتہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہجوم کار سے اتنا وقت نہیں ملا کہ اپنے رجسٹر یادداشت سے تلاش کرتا۔ اب آپ کی شکایت بجا ہے مگر میرا یہ شکوہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا۔ سینکڑوں مضامین لکھتے ہیں۔ بہت سی تصنیفیں کرتے ہیں مگر دعاگوئے قدیم کو یاد نہیں کرتے آپ چشم بددور ابھی جوان ہیں میں لب گور۔ اگر مجھے تساہل و تغافل ہو تو عجب نہیں آپ کی بے توجہی موجب استعجاب ہے۔ حسب ارشاد شاہکار عثمانی کا ایک نسخہ اس کارڈ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو اس کی رسید میں صبح دکن اور دکن کے جن اخباروں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔ ان اخباروں کے پورے پرچے یا ان کے تراشے بھیجکر ممنون فرمایئے لکھیئے کہ آجکل کیا تالیف و تصنیف زیر قلم ہے کبھی کبھی یاد کر لیا کیجئے یہ ممکن نہیں کہ آپ یاد کریں اور میں بھول جاؤں۔ ۱۰ اکتوبر تک میں علی گڑھ نہ رہوں گا لہٰذا خط و کتابت اس زمانے میں مارہرے کے پتے سے ہو۔ نیز یہ یاد رہے کہ اب علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کالج نہیں ہے میرا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے پتے میں اگر لکھا جائے تو مسلم یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی

(۱۲)

بنام تمکین کاظمی

اعز محترم! سلام مسنون

میں ایک عشرے سے سفر میں تھا رات واپس ہوا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا پیکٹ جس میں صبح دکن کا پرچہ

تا پایا" یادآوری کا شکریہ آپ کے بھیجنے سے پہلے یہ تراشہ مجھے مل چکا تھا۔
سفر کے تکان کی وجہ سے اس وقت مجھے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں صرف رسید لکھ رہا ہوں۔ شاہجہاں عثمانی کے
متعلق آپ جو کچھ لکھیں گے۔ یہاں کے اخبارات میں بھی چھپ سکتا ہے اور دکن میں بھی جلیبی آپ کی ماہنے ہو ہیرے
پاس آپ کی مولفات میں تذکرہ ریختی اور غنچہ تبسم تو موجود ہیں ارنسٹ اور معاشقہ پولین نہیں
مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق حالات معلوم ہیں جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لائق مجھ میں لیاقت نہیں
علاوہ اس کے میری عمر اب پوری ہو چکی یونیورسٹی علی گڑھ دو برس سے توسیع دے رہی ہے اور غالباً رواں سال
چھوڑ دے گی۔ اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر کچھ دنوں کی زندگی اور ہے تو گھر پہنچ کر اللہ اللہ کروں اور خدمت ادب
اب کسی پابندی کی ہمت نہیں اور پھر اتنی دور زیادہ تر بادہ۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اپنی خیریت
لکھتے رہیں گے

۱۱ر اگست ۱۹۳۷ء   والسلام دعا گو
احسن مارہروی

(۱۳)

باہ نگینہ کاظمی

بہی واخی السلام علیکم و تحیۃ الیکم
مدت سے آپ کے مضامین اور نظمیں مختلف رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں اور ان کو پڑھ کر ایک نامعلوم
کشش ہوتی تھی آج معلوم ہوا کہ یہ کشش بے معنی نہ تھی آپ نے حضرت تجلی کا نام اور پتہ بتا کر یہ حجاب و تاریکی دور
کیا اور مجھے بے حد مسرور۔ بقول مشہور
اے گل تبو خرسندم تو بوئے کسے داری
مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ برادر مرحوم کا کب انتقال ہوا۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے دوبارہ
یا سہ بارہ سفر حیدر آباد (۱۹۱۹ یا ۱۹۲۲ء) میں لطف ملاقات ان سے حاصل ہوا تھا امید ہے کہ آپ لکھیں کہ یہ کب
واقع ہوا۔
مجھے اپنا مخلص بے ریا سمجھیں اور ہمیشہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھئے شکرگزار ہوں گا "تاریخ نثر
اردو کی داد دہی کا شکریہ۔ حصہ دوم چھپنے کے لئے تیار ہے ذرا جلد اول کی اشاعت ہو لے۔ ایک مطبوعہ اشتہار
ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اور دوسری جلد کے مضامین کا اندازہ۔
اس میں جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے جن نمونے میں آپ قلمی امداد دے سکیں۔ عنایت
ہوگی۔ خصوصاً نذیہ، دعوت وغیرہ کے اردو رقعے جن کی ابتدا ۲۵۔۳۰ برس سے ہوتی ہے اور اگر اس سے پہلے

ل مسیح مالد تجلی مرحوم سے مولانا کی پرانی دوستی تھی

کے مل سکیں تو کیا کہنا۔ اس وقت ایک سفر کی وجہ سے خاتم کرتا ہوں۔ اور آئندہ کے لیے مفصل مکالمت، مراسلت کا وعدہ والسلام

دعاگوئے انام
احسن بدنام ۲۰/ نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۴)

بنام ولی شاہجہانپوری

شفیق محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ عزت افزا ہوا شکر کرم۔ جی ہاں میں اگست ۱۹۳۸ء سے ریٹائر ہو کر گھر آیا اور اب انہیں پرانی روایات کے ماتحت نئی زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ۱۵، ۱۶ برس پہلے ترک کر چکا تھا۔ بہرحال می گزارم وی گزارد۔

جناب نے جس شعر کی بابت میری ناقص رائے دریافت فرمائی ہے اس کے متعلق حسب ارشاد بے تکلف عرض کرتا ہوں فضا و صبا کی مسکینی کے متعلق میں جناب مرزا یگانہ کا ہم خیال ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ تشبیہات استعارات یا اصطلاحات و محاورات حسب موقع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ بقول شیفتہ

ہم اگلے کہنے والوں کی تقلید کیوں کریں

البتہ نئے الفاظ کے استعمال پر کہنے والے کو کسی قرینے اور مناسبت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ یعنی صبا اور فضا کو مسکین بنانے کے لئے کوئی ایسی وجہ ہونی چاہیے۔ جس سے سننے والے کی ذہنیت میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اگر ایسا قرینہ قائم ہے تو صبا و فضا کو مسکین کہنے پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

مولوی ضیا احمد صاحب ایم اے بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی سے میں خوب واقف ہوں اور میرے ان کے درمیان میں مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات ہیں فرمایئے ان کی بابت کیا ارشاد ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور کبھی کبھی یاد فرمانے سے شاد کام فرماتے رہیں گے۔

دعاگوئے بے ریا
احسن بے نوا۔ ۱۱/ اپریل ۱۹۳۹ء ۱۱/ اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۵)

بنام ولی شاہجہانپوری

لطف فرمائم تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ برخوردار سلمہٗ کی کامیابی سے مسرت ہوئی۔ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور دست بدعا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ہر امتحان میں فائز المرام فرمائے، آمین۔ لیکن آپ نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو استفسار
فرمایا ہے اس کا جواب وہاں جائے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ آجکل تعطیل ہے اور وسط جولائی تک کسی کا صحیح
اور مستقل قیام معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس قسم کی رائے پیش کرنا قبل از وقت ہے۔ تعلیمی مشکلیں ہر جگہ پائی جاتی
ہیں۔ نفیس کی سفارش بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔ حضور صا کسی دوسرے کالج کے پاس شدہ کے لئے۔ میں دریافت حال کرنے
کے بعد کہہ سکوں گا کہ اب ممکن ہے یا نہیں۔ بریلی کالج میں اگر عبدالشکور صاحب لیکچرار بریلی کالج سے کوئی کام نکل سکے
تو میں ان سے کہنے کے لئے تیار ہوں وہ میرے خاص الخاص دوست ہیں۔ برخوردار سے پوچھئے کہ ان کا وہاں کسی سے تاثر
ہے۔

اس وقت زیادہ نویسی کی معافی چاہتا ہوں۔ ۳، ۴ / جون کو مسوری جانے کا قصد ہے اگر وہاں گیا تو
شاید ۱۰، ۲۰ روز وہاں رہنا ہو۔ ۲۵ / جون کو ایک مشاعرہ بھی ہے بعض خصوصی احباب کا اصرار ہے اور میرا مزاج یہاں
کی گرمی سے ناساز رہتا ہے کیا عجب کہ اس سلسلے میں وہاں زیادہ قیام ہو جائے۔ لہٰذا میں بعد واپسی مزید عرض کروں گا
آپ نے شکریہ ادا فرما کر مجھے شرمندہ کیا۔ یہ تو میرا ذاتی کام تھا

والسلام
۱۸ / جون سنہ ۳۹ء
دعاگو: احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

محبی و شفیقی! تسلیم خلوص تضمیم

آپ کا علی گڑھ (کانفرنس جوبلی میں) تشریف لانا اور میرا چند منٹ کے لئے ملنا ایک خواب دیکھنا تھا۔ اس
وقت اس خیالی گفتگو سے قطع نظر اس خواب کی تعبیر چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ
میرے پاس مرزا داغ مرحوم کے دو ایک خطوط یا رقعے موجود ہیں۔ اور میں نے استدعا کی تھی کہ اسکی نقل مجھے عنایت کیجئے
آپ نے وعدہ فرما لیا تھا مگر میں اپنی غفلت سے اب تک نہ چونکا سکا۔ اب مرزا مرحوم کے خطوط مرتب کر چکا ہوں۔ جس کا
تاریخی نام "انشائے داغ" ہے۔ یہی تین مہینے میں کہ وہ پریس جا کر اس تاریخی نام کو بے کار نہ ہونے دے۔ لہٰذا
امیدوار کہ حسب ارشاد ایک دو یا جتنے خطوط یا رقعے مل سکیں رحمت ہوں۔ اگر ممکن ہو تو نواب عزیز یار جنگ بہادر[1]
سے میرا سلام نیاز فرما کر ان سے بھی حاصل کیجئے۔ اگر ان کے سوا کسی کا پتہ اور جناب کو معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیے۔
میں بہت بہت شکرگزار ہوں گا اگر اس ابدی یادگار میں جناب میرے مددگار ہوں گے۔

---

[1] نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدرآباد میں مرزا داغ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کے کئی دیوان اور تالیفات چھپ چکی ہیں۔

آپ کی تازہ تالیفات کے اشتہار دیکھتا ہوں مگر پھر بھول جاتا ہوں۔ اگر آپ کسی گوشہ یا فہرست یادداشت میں میرا نام ٹانک لیں اور جب کوئی تازہ تالیف ہو تو مجھے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا فی الحال روحِ غالبؔ[1] میں دل اٹکا ہوا ہے۔ فضلِ مولا سے امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہو گا۔ والسلام۔ بخیر ختام مسلم یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اکثر گھر ہی میں رہتا ہوں۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء　　آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۷)

بنام ڈاکٹر زور

شفیقِ محترم۔ سلام مسنون

۲۹ اکتوبر کا والا نامہ جس میں نواب لقمان الدولہ بہادر[2] کے نام کے دو خط ملفوف تھے اس کرم و نوازش کی رسید ذرا دیر میں بھیج رہا ہوں۔ اس توقف کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے اس خط میں روحِ غالب کے بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اب تک اس انتظار میں رہا کہ وہ پیکٹ مل جاتے تو یکجائی رسید شکرگزاری حاضر کروں مگر اب تو انتظار کی حد گزر چکی تو روحِ غالب کا پیکٹ دستیاب ہوا نہ والا نامہ۔ سب رس نظر افروز ہوا۔ اطلاعاً عرض کردہ شد۔

امید ہے کہ مزاج گرامی ہم آغوشِ عافیت ہو گا۔ سب رس مجھے ملا تو میں کوشش خدمت کروں گا۔ زیادہ

ادب

۹ نومبر ۱۹۳۹ء　　خادم، احسن مارہروی

نواب عزیز یار جنگ بہادر کو بھی اس وقت خط بھیج رہا ہوں۔

(۱۸)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

برادرِ شفیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی احسنؔ کو بھول گئے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت کے بند

---

[1] روحِ غالب میری ایک کتاب ہے جس میں غالب کے حالاتِ زندگی اور دلچسپ خطوط شامل ہیں ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] نواب لقمان الدولہ ولی (۱۲۷۶ھ - ۱۳۲۵ھ) حیدر آباد میں مرزا داغ کے باثر تلامذہ میں سے تھے اور مرحوم نظام میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے اتالیق رہے تھے۔

ہونے سے خیال اور یاد کو دل و دماغ سے لیٹا ہو گیا ہو۔ بہرحال بفضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ مزاج بہار اور ہم آغوش عافیت ہو گا۔ میں بھی بخیر ہوں۔ اور عمر کی آخری دہائی پوری کر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ جب تک سانس جاری ہے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کی خدمت گزاری کرتا رہوں۔ ان کے کلام کا انتخاب پریس میں بھیج چکا ہوں۔ بعد تکمیل بھیجوں گا۔ اس وقت ان کے خطوط مرتب کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے زمانۂ قیام حیدرآباد میں آپ کے نام اکثر خطوط گئے ہیں اور امید ہے کہ آپ نے محتاط اور بچا کے انہیں محفوظ رکھا ہو گا۔ لہٰذا ان کی اصل یا نقل عنایت کیجیے۔ اور جلد عنایت کیجیے۔ اس لیے کہ مجموعہ مکمل ہو چکا ہے اور اسی ماہ میں چھپوانا مقصود ہے کیونکہ تاریخی نام انشائے داغ بے کار ہو جائیگا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے اور اس کا جواب مجھے بھی مل جائے تو سلسلہ خط و کتابت ہو گی۔ پندرہ سولہ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت کرنے کے بعد اب ریٹائر ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو شاید دسمبر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں لاہور آؤں۔ اگر ایسا ہوا تو ۳۰۔ ۳۵ برس بعد پھر ملاقات ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہو گا۔ آج کل کسی رسالے سے ادارتی تعلق ہے یا نہیں؟

آپ کا برادر کہن

احسن مارہروی

نوٹ: حافظ حاجی سید علی حسن احسن مارہروی نائب داغ رہے کی مشہور تالیف مخانۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے زمانہ (۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء) میں عرصہ تک لاہور میں رہے۔ بلکہ اکثر اردو کے نام پر یہیں سے ماہانہ رسالہ فصیح الملک جاری کیا لاہور سے واپس جا کر اپنے وطن مارہرہ میں رہے۔ پھر علی گڑھ میں اردو کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں سے ریٹائر ہو کر قریباً ۳۵، ۳۶ برس کے بعد فروری ۱۹۴۰ء کے آخری ایام میں بزمانہ جلسہ مسلم لیگ لاہور تشریف لائے اور اگست یا ستمبر ۱۹۴۰ء میں آپ سب کام ادھورے چھوڑ کر مارہرہ میں انتقال فرما گئے۔

(۱۹)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد[1]

لطف فرمائم۔ سلام شوق۔

کارڈ مورخہ ۱۲۔ ۱۱۔ ۳۹ نمبری ۱۴۵۴ موصول ہوا۔ اور اس کے ساتھ نومبر کا سب رس پہنچا۔ شکر کرم۔ روح غالب کا پیکٹ جس کی روانگی آپ نے ۳۰ اکتوبر کو لکھی ہے اس وقت تک مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ یہاں میری ڈاک بہ احتیاط آتی ہے اور دروازہ میرا کر لاتا ہے [illegible] ڈاکوؤں نے ہاتھ صاف کیا۔ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ کی پرما

[1] خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم اے لیکچرار اردو [illegible] گھاٹ کالج اس وقت سب رس کے ایڈیٹر اور ادارۂ ادبیات اردو کے مہتمم تھے۔

کہا کرتا ہے۔ اب میں کیا عرض کروں بجز شتان مالا یلتاق۔

انشاء اللہ سب رس کے لئے کچھ حاضر کروں گا۔ مکرمی حضرت زور کی خدمت مبارک میں میرا سلام پہنچا جائے

والسلام

۱۷ نومبر ۱۹۳۹ء   خاکسار، سید علی احسن مارہروی

(۲۰)

بنام منشی محمد دین فوق

بھائی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نوازش کارڈ ملا۔ سرفراز فرمایا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کے خطوط کی تلاش میں توجہ فرمائی ہوگی۔ خدا کرے کہ کچھ خطوط مل گئے ہوں۔ مجھے بھی یاد آیا کہ آپ کے نام استاد مرحوم نے تلوار وغیرہ کے لئے جو خطوط لکھوائے تھے غالباً وہ میرے ہی ہاتھ کے تھے۔ ایک دو جس قسم کی تحریریں ہاتھ آئیں بھیج دیجئے۔ رام پور میں خطوط وغیرہ کا پتہ چلا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بھی جلد دستیاب ہو جائیں۔ اس وقت تک جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اب تک جتنے خطوط مشاہیر کے شائع ہو رہے ہیں یقیناً ان سے کم نہیں اور میں نے جس ترتیب سے انہیں لکھا ہے وہ غالباً اپنی نوعیت میں نئے ہوں گے۔

مسلم لیگ کا جلسہ اب دسمبر میں نہیں بلکہ مارچ میں ہوگا۔ اگر زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا تو آپ سے ملے بغیر نہ رہوں گا۔ میں بھی اب ۷۴ ۷۵ ویں سال مرحلۂ عمر شروع کر چکا ہوں۔ دیکھئے یہ منزل کہاں اور کب ختم ہو[1]۔ باقی باقی۔ والسلام

خیر طلب

مارہرہ ضلع ایٹہ سرکار خورد، ۲۰ نومبر ۱۹۳۹ء   احسن

(۲۱)

بنام منشی محمد دین فوق

برادر محترم۔ السلام علیکم

کلام فوق کی رجسٹری مجھے ایسے موقع پر موصول ہوئی کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے پابہ رکاب تھا۔ وہاں میرے دو لڑکے ہیں اور سات آٹھ پوتے پوتیاں ہیں۔ عید بعد ان سے ملنا ضروری تھا۔ چار پانچ روز رہ کر واپس ہوں گا۔ اس وجہ سے حسب عادت کلام فوق کی رسید نہ لکھ سکا اور نہ شکریہ پیش کر سکا۔ اس سفر میں اس کی خوب سیر کی۔ اور خوب

---

[1] افسوس یہ منزل ستمبر ۱۹۴۰ء میں ختم ہو گئی

(۸۸)

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص صمیم

دہلی میں ایک یا دو مرتبہ سرسری ملاقات کے بعد پھر نوبت مکالمات نہ آئی۔ دار السلام روزانہ آتا جاتا رہا۔ ۱۳ دسمبر تک وہاں رہا مگر پھر دیدار نصیب نہ ہوئے۔ غالباً آپ جلد واپس تشریف لے گئے۔

میں زبانی عرض کر چکا ہوں اور اب بذریعۂ لسانِ قلم عرض کرتا ہوں کہ "روحِ غالب" کے لئے چشم براہ ہوں۔ رسالہ سب رس بھی مجھے ایک مرتبہ کے بعد پھر نہیں ملا۔ اگر ملتا تو شاید کوئی خدمت بجا لاتا۔ یہ نیاز نامہ اسی یاد دہانی اور مزاج پرسی کے لئے حاضر کیا جا رہا ہے۔ کسی فرصت کے وقت بتوجہ خاص روحِ غالب کے بھجوانے کا فیصلہ فرمایا جائے۔ اگر تحفۃً نہ مل سکے تو قیمت طلب پارسل ہی سہی غرض جو صورت بہتر ہو باعث شکر گزاری ہے۔

امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیریت ہوگا۔ والسلام

۲۵/ جنوری [illegible] آپ کا

سید علی احسن مارہروی

(۲۴)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

میں ۲۵/ دسمبر سے ۷/ جنوری تک دہلی اور بھوپال کے سفروں میں رہا اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ صحت [illegible] مزاج معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے اس خط میں استاد مرحوم کے جس خط کی نقل بھیجی ہے۔ اس قسم کی اور تحریریں بھی مجھے مل گئی تھیں جن کو مجموعہ خطوط میں لکھ لیا ہے۔ اب اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ ریاست رام پور سے کچھ پرانے خطوط وغیرہ کے ملنے کی قوی امید ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب روک دی گئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے وصول ہو جانے کے بعد جلد از جلد انشائے داغ پریس میں پہنچے گی۔ جن حضرات کے حالات کی ضرورت ہوگی۔ دوبارہ یاد دہانی کر دوں گا۔ سفر کی وجہ سے جو کام میری عدم موجودگی میں رک گیا ہے۔ اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

آپ کا

۱۲/ جنوری [illegible] احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ۔ یوپی ۲۷/ جنوری [illegible]

(۲۵)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تعظیم

روحِ غالب کے لئے نیاز نامہ بھیج کر میں علی گڑھ چلا گیا تھا۔ ۷۔۸ روز رہ کر کل واپس ہوا ہوں۔ آکر روحِ غالب کی رجسٹری پائی۔ اس توجہ و عنایت کا شکر گزار ہوں۔ ابھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پیش لفظ[1] دیباچہ اور چند صفحے حیاتِ غالب کے دیکھ لئے ہیں آپ کا مختصر اور جامع دیباچہ ماقل و دل کا مصداق ہے۔ "صحبت کا اثر" اور "مال پریشانی" کے متعلق بہترین رائے ظاہر فرمائی ہے۔ صفحہ ۲۴ سطر ۵ پر مرزا یوسف کے انتقال کا سنہ ۱۸۰۷ء[2] چھپ گیا ہے۔ غالباً اس میں کاتب نے غلطی کی ہے اس وقت ان کی وفات کا صحیح سن یاد نہیں مگر یقینی ہے کہ مرزا غالب کے زمانہ شیب میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تصحیح فرمائی جائے: قید کے تحت میں محسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی کتاب "یوسف مہدی قید فرنگ میں" کا حال پڑھ کر اس کے مطالعے کا اشتیاق ہے۔ امید کہ ادارۂ ادبیات اُردو کو ہدایت فرمائی جاتے کہ ایک نسخہ مجھے قیمت طلب پارسل کے ذریعہ بھیج دیا جائے اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر آخر میں شکریہ عرض کرکے رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

آپ کا مخلص

۱۹ فروری [illegible]

سید علی احسن۔ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی)

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم جناب فوق۔ سلام مسنون الاسلام

آج اتفاقاً [illegible] میں آپ کے خطوط صاف کر رہا تھا کہ آپ کا آخری خط جو یکم نومبر ۱۹۰۱ء کے پنجۂ فولاد سے نقل کرکے آپ نے بھیجا ہے مکرر دیکھا۔ اس خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ وفات

---

[1] روحِ غالب کا پیش لفظ عماد الملک کے لائق ترین فرزند نواب ڈاکٹر مہدی یار جنگ مہدی حسین بلگرامی وزیر تعلیم و نائب صدر اعظم حیدر آباد نے لکھا تھا۔

[2] یہ دراصل ۱۸۵۷ ہے۔ کاتب نے ۵ کے ہندسے کو صفر لکھ دیا تھا۔

کی تاریخیں بھی اخباروں میں درج ہونا شروع ہوگئیں[۱] اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی تاریخ وفات آپ کو یاد ہو یا
(اخبار) پنجۂ فولاد میں شائع ہوئی ہو تو اسکی نقل عنایت ہو۔ یہ بھی ایک تاریخی یادگار ہوگی۔ امید کہ توجہ کیجئے گا
اور جواب اور اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے۔

آپ کا مخلص

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ۱۴ر فروری [illegible] — احسن مارہروی

---

[۱] بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں
شائع ہوگئی اور قطعات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے۔ مرزا صاحب نے خود اس کی تردید میں فوق صاحب کو لکھا:

"دشمنوں نے میری بدخبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب فضلِ الٰہی
سے میں بالکل صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی۔ میں باقی رہ گیا
دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں۔ ان کو داغ دل نصیب ہو"

فصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج۔ حیدرآباد۔ (دکن)

یہ خط یکم نومبر [illegible] کے اخبار پنجۂ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

صفی لکھنوی

(۱)

بنام محمد کبیر خاں رشا جالندھری

عزیزی زاد فضلکم!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ بہت شرمندہ ہوں کہ پورے دو مہینے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں بلکہ اس میں بھی کچھ زائد زمانہ ہوا۔ کچھ مسلسل سفروں کی وجہ سے کچھ خرابیٔ صحت سے مجبور رہا۔ مہینے سے زائد مدت کے لئے تو بالکل صاحبِ فراش ہی رہا۔ نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بحمد اللہ اب صحت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جذبات اور وادی کی نسبت دریافت کیا تھا۔ وادی کا لفظ روزمرہ اہلِ لکھنؤ کے مطابق مذکر ہی ہے البتہ اہلِ دہلی نے بعض شعروں میں مونث باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجاب میں اس کا استعمال بالتانیث ہو۔ جذبات خواہ جَذَبات ایک نوزاد اردو لفظ ہے عربی نما اور اردو میں احساسات کے معنوں میں بکثرت استعمال ہو رہا ہے اچھے اچھے لکھے پڑھے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زبان عربی میں صرف جذب کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ فارسیوں نے اس کے آخر میں ہائے مختفی کا اضافہ کر کے کشش کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے جذبۂ دل۔ اردو میں جذبہ غصے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جذبہ اور جَذَبات عربی میں کشش یا احساساتِ دلی کے معنوں میں کہیں نہیں آتے اور نہ فارسیوں نے کہیں جذبات یا جَذَبات ان معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر جذبات اردو میں FEELINGS کے معنوں میں وضع کر لیا گیا ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن پھر وہ اردو لفظ کی طرح استعمال ہونا چاہئے نہ کہ بطور عربی یا فارسی۔ عربی میں لفظ جذبہ اور جَذَبات آتے ہیں مگر دوسرے معنوں میں ہیں کشش کے معنوں میں نہیں ہیں ورنہ ہم صحیح سمجھتے۔ جب یہ لفظ اردو ہے تو عطف و اضافت کے ساتھ اس کا استعمال قطعاً غلط ہے اس لئے جو شعر کہ آپ نے سند میں پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ آپ یہ بول سکتے ہیں کہ کسی دل کے جذبات برانگیختہ ہو گئے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جذباتِ دل برانگیختہ ہو گئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اردو ترکیب ہے اور دوسری میں فارسی ترکیب۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ جذبہ کی جمع جَذَبات ہے۔ آپ اپنے ان شعروں کو جن میں آپ نے جذبات باندھا ہے مجھے لکھ کر بھیج دیجئے تو میں سمجھ سکوں کہ میں نے انہیں

کبھی غور نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ نظرانداز ہو گئے ہوں۔ آج کل اکثر حضرات نے جو بالکل آزاد ہیں زبان اور طرز شاعری پر بے جا تصرفات شروع کئے ہیں اور اسے بگاڑ رہے ہیں۔

..... قطعاً فضول ہوتی ہیں اور غزل کی لطافت سے انہیں کون مناسبت ہے۔ فقط!

خیراندیش: صفی عفی عنہ۔ لکھنؤ مولوی گنج ۲۰ فروری ۱۹۲۶ء

(۲)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی! زاد فضلکم
دعائے حیات و ترقیٔ درجات۔

بحمد اللہ اچھا ہوں۔ ظریف صاحب کو بفضلہٖ پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ لیٹے یا دیر تک بیٹھے رہتے ہیں بائیں گردے میں چمک ہونے لگتی ہے علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتاپور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے، بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے وفات پائی، آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔ ایک مرتبہ بغرض تعزیت جا چکا ہوں، غالباً پھر جانا پڑے گا۔ خدا غریقِ رحمت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ تقریباً پچھتر چھہتر برس کا سن تھا مگر قویٰ بہت زبردست تھے۔ کشیدہ قامت، استخوان بہت چوڑے، اڈیل ڈول نہایت حسین، طاقت قدرتی ایسی تھی کہ بھینسے کے دونوں سینگ پکڑ کے زمین پر پچھاڑ دیتے تھے بنا بریں بے شمار کام کرتے رہے۔ کئی مرتبہ نامی نامی ڈاکوؤں کو جنہیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی تن تنہا جا کر گرفتار کیا۔ سپاہگری کے فنون کشتی، بنوٹ خوب جانتے تھے۔ مشہور رشہ زوروں میں تھے۔ سیتاپور کے ضلع میں زمینداری بھی تھی۔ حکام و رعایا سب ان سے خوش تھے باوجود اس قوت و ثروت کے نہایت منکسر المزاج، خندہ پیشانی، متحمل، سیر چشم، احباب پرور، مہمان نواز تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔

وصی صاحب سے آپ کا پیام کہہ دیا، سلام کہتے ہیں اور ان شاء اللہ کچھ کلام بھیج دیں گے۔ سرور صاحب، مبارک علی خاں صاحب، حمید صاحب، حکیم صاحب، عاشق صاحب، ڈاکٹر صاحب، ناور صاحب اور دیگر احباب کو بہت بہت سلام پہنچا دیجئے۔ اپنے گھر میں دعا میری طرف سے کہہ دیجئے، بھائیوں کو دعا کہہ دیجئے۔ آپ کا اور سرور صاحب کا مصنفہ قطعہ اور آپ کی دونوں غزلیں بعد اصلاح اسی خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ سیتاپور چونکہ چلا گیا تھا اس لئے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ آج کل یہاں آگ برس رہی ہے۔ دن بھر لو چلتی ہے حواس مختل رہتے ہیں۔ باقی حالات بدستور ہیں۔
امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ خط پہنچنے پر بذریعہ کارڈ فوراً اطلاع دیجئے تاکہ باعث اطمینان ہو۔

نیاز و دعا
خیراندیش صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۸ جون ۱۹۲۶ء

(۳)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی رسا فضلکم!

دعا۔ غزل مشاعرہ کھپور فقط آج ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد یہ خط پہنچا۔ خوں کے مقابلے میں خون واقعی زیادہ فصیح ہے اور اس لئے میں بھی اس مصرع میں رد و بدل کرنے والا تھا مگر شاید نظر انداز ہو گیا اس لئے کہ دماغ آجکل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل۔ دوسری وجہ پریشانی خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو ہفتہ عشرہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ ۱۰۶ ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب قریب سرسام حالت پہنچ جاتی ہے اس لئے طبیعت یکسو نہیں رہتی۔ بیشتر دل متفکر رہتا ہے۔ بہرحال مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ تمہارے ذہن میں یہ بات خود ہی آگئی اور تم نے مصرع بدل دیا۔ (ابھی ہے خون کے چھینٹوں سے چادر مہتاب) پہلے مصرع کی جگہ اس کو رکھئے۔ یہ بہت ٹھیک ہے۔ وہ عیب ساقط اخفائے نون کا نکل گیا۔ غزل ماشاءاللہ بہت اچھی کہی ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔

سرور صاحب کے اس مصرع کو "گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے" غالباً میں نے عدد نکال کر نہیں دیکھا تھا ورنہ میں کبھی اس کو جائز نہ رکھتا کہ گئے کے ۳۰ عدد لئے جائیں گے۔ 'گئے' میں دو 'ے' ہیں۔ پہلی ہمزہ ہو گئی ہے مگر عدد اس کے بھی دس ہی شمار کئے جائیں گے۔ 'آئی' کے جلال نے اگر گیارہ عدد لئے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ 'آئی' میں بھی دو 'ے' شمار میں آنا چاہیئے۔ پہلی 'ے' بصورت ہمزہ ہے اس کے بھی دس عدد لینا چاہیئے اور اس طرح آئی کے ۲۱ عدد ہوتے ہیں۔ 'کہلائے' بر وزن فعولن' اس کے بھی ۶۰ لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں بھی دو 'ے' ہیں۔ پہلی 'ے' ہمزہ کی صورت ہی ہے۔ اگر امیر مینائی صاحب نے اس لفظ کے ۶۶ عدد لئے ہیں تو مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں البتہ کہلاے اگر بروزن فعول کہیں پر نظم میں آئے تو اس حالت میں آپ ۶۶ لے سکتے ہیں کیونکہ کتابت میں صرف ایک 'ے' ہوگی اور اس کے دس شمار کئے جائیں گے۔ گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے۔ اس مصرع کے عدد ۱۳۵۵ ہوتے ہیں۔ ان سے کہئے کہ دس کا تخرجہ کریں ورنہ مصرع غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے جوڑ کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ آپ کی تاریخ صحیح ہے گئے، کے ۲۰ ہی عدد ہونا چاہیئے۔ سرور صاحب کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے گرامی مرحوم کی وفات پر کہا ہے میں نے اس کا مصرع مادہ جوڑ کر دیکھ لیا اور اشعار بھی دیکھ لئے اور ضروری تصرف بعض مقامات پر کر دیا۔ جواب لوالپسی ڈاک بھیجتا ہوں تاکہ مشاعرے کے قبل خط آپ کو پہنچ جائے۔ زیادہ دعا۔ جملہ احباب کو سلام۔ اپنے گھر میں دعا۔ وصی صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔

صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۴ جون ۱۹۲۷ء

(۴)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری۔

عزیزم سلمکم اللہ!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ مدت مدید کے بعد خط آیا باعث اطمینان خاطر ہوا۔ حق سبحانہ تعالے تمہیں اپنے

حفظ و امان میں رکھے اور مقدمات میں کامیاب کرے اور صحت و عافیت نصیب ہو۔ میں بھی دو سال تک عجب افکار و آلام میں رہا۔ کئی مرتبہ خیال آیا کہ خط بھیجوں مگر خط بھیجنے کی نوبت نہ آسکی۔ امسال ایک جلسہ ملتان میں تھا اور دعوتی خط بھی بہت اصرار کے ساتھ آیا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اب سفر میں زحمت بھی محسوس ہوتی ہے اس لئے طبیعت بہت ہچکچاتی ہے کانفرنس کا جلسہ غالباً ایسٹر کی تعطیل میں بمقام منٹگمری ہوگا۔ بوجہ پیرانہ سالی و خرابی صحت قصدِ شرکت نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی مجبور کیا گیا اور جانا پڑا تو ضرور تم کو اطلاع دوں گا۔

تنظیم الحیات کی ابھی بہت سی جلدیں پڑی ہوئی ہیں یہ نکل جائیں تو اور کلام طبع کراؤں۔ میں کچھ ایسا عدیم الفرصت رہا کہ ان جلدوں کے نکلنے کی اب تک کوئی معقول فکر نہیں کی۔ ٹیکا ٹیکی نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس جس رسالے میں مناسب سمجھئے ریویو کرا دیجئے۔ وصی سلمہٗ اچھے ہیں۔ آج کل روزوں کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ کو سلام کہاتے ہیں اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے۔ گھر میں اب بفضلہ سب بصحت و عافیت ہیں۔ گذشتہ سال البتہ پورا سال ملیریا کے حملوں میں گذرا۔ متواتر حملے ہر شخص پر ہوتے رہے۔ نومبر دسمبر سے نجات ملی ہے۔ اپنے گھر میں میری دعا پہنچا دو۔ غزل میں نے دیکھی ماشاء اللہ بہت خوب کہی ہے۔ صرف دو ایک مقامات پر خفیف سا تصرف کرنا پڑا۔ سب شعر اچھے ہیں۔ احباب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا۔ نصیر و صابر و رضا صاحب کو۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے مگر ضعف و ناتوانی زنجیر پا ہے۔ اگر کانفرنس میں شرکت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور ملوں گا۔ زیادہ دعا۔

صفی عفی عنہ۔ ۱۰ رفروری ۱۹۳۱ء

(۵)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ میں آج خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا دوسرا خط مجھے ملا۔ آخر وہ کہ مصرع جو دوسری بحر میں تم نے کہا ہے وہی بہتر ہے۔ باقی مصاریع سقم سے خالی نہیں۔ حسبِ فرمائش اسی پر تین مصرعے لگا دیے گئے۔ مصرع تاریخ میں شاعر کے تخلص کا عدد میں شامل ہونا پسندیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مرحوم کے نام کا اشعار بھی بے تکلفانہ نہیں۔ لہٰذا پہلا قطعہ قلمزد کر دیا گیا۔ الف ممدودہ کے بعض تاریخ گویوں نے دو عدد لئے ہیں لیکن بالعموم ایک ہی لیا جاتا ہے اگر بضرورت کبھی الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا اتفاق پڑے تو اس حالت میں رسم الخط بدل دینا چاہئے مثلاً آہ کے اگر آپ ۷ لینا چاہیں تو یوں لکھئے اا۵ - قدیم رسم الخط الف ممدودہ کا یہی تھا۔ لیکن اگر الف پر آپ مد لکھیں تو پھر اس کے ۲ شمار کرنا چاہئے نہ کہ ۷۔ بہرکیف بہ لحاظ رسم الخط رائج الوقت دوسرے مصرع تاریخ میں ایک گھٹتا ہے اور تیسرے مصرع تاریخ میں ایک بڑھتا ہے اس لئے یہ دونوں مصرعے بھی قلمزد کر دیے گئے اور چوتھا مصرع جو دوسری بحر میں آپ نے نظم کیا ہے اور نئے تغیر کے ساتھ قائم رکھا گیا اور اسی پر تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا گیا بس یہ کافی ہے۔ اس میں مرحوم اور ان کے بچے دونوں کی وفات کا کنایۃً ذکر ہے نثر میں جو نظم آپ نے کہی ہے اسے اصلاح دے کر اس کے ہمراہ روانہ کرتا ہوں۔ فنِ تاریخ میں ایک رسالہ جلال مرحوم نے

لکھا ہے اس وقت نام میرے ذہن میں نہیں انشاء اللہ دریافت کر کے لکھ بھیجوں گا۔ تنظیم الحیات پر تنقید لکھنے کے متعلق آپ نے
کئی خطوں میں لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے لیکن آخر اکتوبر سے اب تک میں شدید دردِ سر کے دورے میں مبتلا رہا۔ اس لئے اس کے
متعلق بالکل کوئی انتظام نہ کر سکا۔ اسی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے آپ کے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہ لکھ سکا اور نہ آپ کے
دوست ذاکر صاحب مدیرِ فانوس کو کوئی خط لکھ سکا۔ لکھنے پڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان سے میرا سلام کہیے اور خط
نہ بھیجنے کی وجہ بیان کر دیجئے۔ پرانی نظمیں وقتاً فوقتاً چھپ چکی ہیں۔ انہیں کیا بھیجوں۔ جدید نظموں کی فکر مدت سے چھوڑ دی اس لئے
کہ دماغی کام کرنے سے دردِ سر بڑھ جاتا ہے۔ میں تو شاعری ہی کو خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر کبھی کوئی جدید نظم یا غزل کہوں گا تو آپ کے
رسالے میں بھی بھیج دوں گا۔

سرور صاحب اور دیگر احباب کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور اپنے گھر میں دعا کہہ دیجئے۔ آپ کی سالی کا واقعہ دریافت
ہو کر بہت قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ حضرات کو صبر عطا فرمائے مشیتِ ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سابق میں
لفظ "جذبات" کے متعلق لکھا ہے۔ اس لفظ کے متعلق میری وہی رائے اب بھی ہے جو پیشتر لکھ چکا ہوں۔ جذبات اور پرستان
یہ دونوں ایسے لفظ ہیں جو اب تک زیرِ تحقیق ہیں۔ اوّل الذکر عربی نما ہے اور مؤخر الذکر فارسی نما۔ لیکن عربی اور فارسی نظموں
میں کسی اہلِ زبان نے استعمال نہیں کیا ہے۔ جذب بمعنی کشش البتہ عربی لغت میں ہے۔ فارسیوں نے ہائے تحتی بڑھا کر جذبہ بنا
لیا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اردو میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS جو عطف و اضافت کے ساتھ اپنی تحریروں
میں سرسید مرحوم، علامہ شبلی مرحوم اور دیگر مشاہیر نے استعمال کیا ہے۔ اس کی سند کسی عربی یا فارسی شعر میں نہیں ملتی۔ خود تحقیق کئے بغیر
محض انہی معاصرین کے اعتبار پر اپنی پرانی نظموں میں دو ایک مقامات پر میں نے اس لفظ کو نظم کیا تھا اور میرے ہی تتبع میں عزیز نے
بھی اپنی نظموں میں استعمال کرنا شروع کر دیا مگر عند التحقیق جب مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ کسی عرب یا عجم کے کلامِ منظوم میں جذبات کا لفظ
بمعنی FEELINGS مستعمل نہیں تو میں نے اسے ترک کر دیا اور اسی بنا پر آپ کو بھی منع کر دیا۔ لوائح جامی کے لائحۂ یازدہم
میں ایک مقام پر یہ لفظ نثر میں صرف ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "اما چوں آثار جذبات لطف در دے ظہور کند..... الخ" لیکن
محض ایک شخص کا نثر میں اس لفظ کو استعمال کر دینا اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے گو کہ ملا جامی استادِ فن اور بڑے مرتبے کے
آدمی ہیں اور ممکن ہے کہ مذکورۃ الصدر اشخاص نے انہی کی تاسی میں اس لفظ کا استعمال نثر اردو میں شروع کر دیا ہو مگر تاوقتیکہ کسی
اور اہلِ زبان کے کلام میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچے احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ حتی الوسع اس کے صرف سے احتراز کیا جائے
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "جذبات" اور "پرستان" کو اردو کی حیثیت سے استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔ لیکن عطف و اضافت کے ساتھ
استعمال ان دونوں لفظوں کا اگرچہ حرام مطلق تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے اور میں اسی مسلک پر کاربند ہوں۔ میرا جو مصرع اس لفظ
کے جواز میں استدلالاً پیش کیا گیا ہے وہ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان کا کلام ہے یعنی تقریباً چالیس برس پیشتر کا کلام۔
وصی سلمہٗ نے بہت بہت سلام عرض کیا ہے اور ان کا بچہ تسلیم عرض کر رہا ہے۔ زیادہ دعا۔
محررہ صفی عفی عنہ۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۳۱ء

(۶)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی زاد لطفکم!

سلام نیاز۔ جناب کا دیوان موسوم بہ "نغمۂ دل" موصول ہو کر باعث شکر گزاری و منت پذیری نیاز مند ہوا۔ چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کروں مگر بوجہ ناسازی مزاج و ہجوم افکار اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔ بااوقات مختلف جستہ جستہ جو کچھ دیکھا ہے اور اس سے جس قدر لطف حاصل ہوا ہے اس کا اندازہ اس ایک شعر سے ہو سکتا ہے ؎

از نغمۂ دل صفیؔ دلم شد چہ کیف
بر دل ریزد ہر آنچہ از دل خیزد

میں تو ہمیشہ سے آپ کے کلام کا دلدادہ ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیوان سلیم المذاقی کا بہترین نمونہ ہے شعرائے صف اول میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ مخدومی رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری نے مقدمۂ دیوان میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس سے حرف بحرف اتفاق ہے اور اس کے علاوہ اب کسی تحریر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۷)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی و محترمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ ابھی ابھی کارڈ مورخہ ۴ فروری ۱۹۳۵ء وصول ہوا۔ عزیزی ظریف صاحب سلمہٗ آجکل محمود آباد میں ہیں۔ راجہ صاحب دہلی سے واپس آ کر وہیں چلے گئے اس لئے وہ بھی انہی کے ہمرکاب محمود آباد گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے راجہ صاحب سے اجازت کے متعلق تحریک کی یا نہیں۔ اگر عزیز موصوف یہاں ہوتے تو میں دریافت کر لیتا۔

اب رہا میرے متعلق تو آپ کو غالباً خوب یاد ہوگا کہ صاف الفاظ میں میں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر ایسی سردی رہی تو میں شرکت سے معذور رہوں گا۔ چونکہ وعدہ مشروط تھا اور جو شرط مانع سفر تھی وہ تاریخ معینہ تک رفع نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اس کے مقابل اب سردی چہار چند ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں تعمیل ارشاد سے بالکل قاصر ہوں۔ اگر حاضر ہو سکتا تو طرحی یا غیر طرحی کوئی کلام عرض کر دیتا۔ اسی بنا پر کل دعوت ناموں کے جواب میں معذرت نامے بھیج چکا ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہر کرم فرما کا اصرار بلیغ شرکت کے متعلق ہے۔ مگر میں بحالت موجودہ کہیں نہیں جا سکتا۔

جناب کو اپنے مشاعرے کا خیال ہے مجھے اپنی صحت کا جس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے لہٰذا مجھے افسوس ہے کہ مشاعروں پر اپنی صحت کو قربان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء

(۶)

(۷)

سے مجبور ہو کر میں نے ان سے یہ مشروط وعدہ کر لیا تھا کہ اگر میرا مزاج اچھا رہا اور اشتداد موسم مانع و مزاحم نہ ہوا تو میں حاضر ہوں گا۔ اسی بنا پر ان کے چند عنایت نامے بہ تحریک ایفائے وعدہ دسمبر سے اب تک آ چکے ہیں اور میں برابر معذرت موانع حاضری پیش کر رہا ہوں۔ پس ایسی صورت میں کہ ان کے وعدے کو تقدیم زمانی بھی حاصل ہے میں اسے نظر انداز کر کے آگرے کے مشاعرے میں اگر شرکت کروں تو یہ انصاف کب مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ اگر دونوں مشاعرے متحد الوقت نہ ہوتے تو البتہ یہ امر ممکن تھا کہ اپنی صحت کو معرض ہلاکت میں ڈال کر جس طرح بنتا دونوں جگہ شریک ہو جاتا۔ بہ نسبت آگرے کے شاہجہان پور لکھنؤ سے نزدیک بھی ہے لہٰذا وہاں کے مشاعرے کو چھوڑ کر آگرے کے مشاعرے میں شریک ہونا بے حد قابلِ اعتراض ہوگا اور اس شکایت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔

اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ تو وہ بیچارے بندگی و بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے ساتھ ساتھ ان کا قیام رہتا ہے۔ کبھی لکھنؤ میں ہیں کبھی محمود آباد میں، ان کی شرکت و عدم شرکت راجہ صاحب ہی کی اجازت پر منحصر ہے۔

انہی باتوں پر نظر کر کے میں نے عریضہ سابق میں لکھا تھا کہ کسی صاحب کا محض ہم لوگوں کو لے جانے کے لئے زحمت فرمانا بے سود ہوگا۔ اپنے متعلق جو مجبوریاں ہیں وہ بھی عرض کر چکا اب رہا تقریب بہر ملاقات تو اگر زندگی باقی ہے تو ان شاء اللہ اس طرف جب کبھی حاضر ہونے کا اتفاق ہوگا ضرور در دولت پر حاضر ہو کر شرف دیدار حاصل کروں گا۔ امید ہے کہ مزاج عالی مع جملہ متعلقین مع الخیر ہوگا۔ زیادہ نیاز۔

نیاز کیش نیپر انڈسش: صفی عفی عنہ — فروری ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی و محترمی دامت معالیکم!

تسلیم بالتحیۃ والتکریم۔ عید مبارک! سخت محجوب ہوں کہ دعوت نامہ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۸ء کا جواب اب تک نہ بھیج سکا۔ واقعاً مجھے اپنی محرومیٔ قسمت پر خود افسوس ہے کہ جناب محترمی محمد مرتضیٰ صاحب صدیقی انکم ٹیکس افسر آگرہ کے ذریعے سے اس کے پیشتر چند بار میں یاد فرمایا گیا اور اب جناب خود یاد فرماتے ہیں مگر حاضری سے برابر قاصر ہوں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ۶۰ سال کی عمر تک خاکسار حتی الامکان احباب کے احکام کی بلا عذر تعمیل کرتا رہا اور رنجہ زحمتیں پڑتی رہیں انہیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب چند سال سے اختلاط قویٰ اور اعراض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں التزاماً شریک ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً سالانہ مشاعرہ بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الہ آباد یا سالانہ محفلِ قصیدہ خوانی موتی مسجد فیض آباد یا سالانہ اجلاس ہائے شیعہ کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ خود لکھنؤ کی انجمن بہارِ ادب کے مشاعروں میں شاذ و نادر شرکت کا اتفاق ہوتا ہے حالانکہ انجمن مذکور کا میں خود صدر ہوں اور وہ میرے مرحوم شاگرد "بہار" کے نام سے معنون ہے۔ اس عزلت گزینی کے بعد سے جتنے دعوت نامے مختلف مقامات سے آتے ہیں مجبوراً جواب میں معذرت نامے بھیجنا پڑتے ہیں اور اپنی مجبوریاں کا

احساس کر کے بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کیا کروں ایک تو خلقتہً کمزور ہوں اس پر طرہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کے مرض
میں مبتلا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی
ہے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا۔ زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ سیر و سفر کی مجھے یوں بھی عادت نہیں تھی۔
زمانۂ صحت میں جب کبھی ضرورتاً باہر جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو مجھ سے چھوٹے بھائی ظریف مرحوم زندہ تھے، جو
سایہ کی طرح میری راحت رسانی کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور جہاں میں خود نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے انہی کو بھیج
دیتا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس ضعیفی کے عالم میں انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا، اب کہاں جاؤں ع

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں۔
میرے لئے ایسی جسارت خودکشی کے مترادف ہوگی لہٰذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر نظر رحم فرما کر
مجھے معاف فرمائیں گے۔ فقط زیادہ نیاز!

خاکسار صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۱)

بنام رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ خط مورخہ ۳۱ مارچ ۴۸ء مجھے مل گیا۔ جواب بھیجنے میں البتہ تاخیر ہوگئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کا سبب یہ ہوا
کہ ۴ مارچ سے ۱۳ اپریل تک تمہارے بھتیجے کا سالانہ امتحان تھا اور امتحان بھی ایف۔ اے کا فائنل۔ اس لئے مجھے بالکل
فرصت نہ ملی۔ چونکہ اُردو اور عربی دو مضمونوں کی کتابیں وہ مجھی سے پڑھتے رہے ہیں لہٰذا اس زمانے میں بہت سا وقت ان کے
تیار کرانے میں صرف ہوا۔ پھر لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۱۴ اپریل سے شروع ہوگئی۔ دو روز رہی، اس میں شریک ہونا
پڑا۔ حالانکہ دہلی کی کانفرنس کے بعد سے میں نے کانفرنسوں اور جلسوں مشاعروں میں شرکت قطعاً ترک کر دی ہے۔ پیرانہ سالی،
صحت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر مصائب و آلام نے بالکل دل افسردہ کر دیا ہے۔ پیوستہ سال بھائی کا داغ اٹھایا، پارسال
رفیقۂ حیات کی رحلت کا صدمہ اور امسال تو وہ روح فرسا جانگزا غم نصیب ہوا جس نے بالکل زندہ درگور کر دیا یعنی
جوان سلیقہ مند بیٹی جس کے دم سے گھر کا سب انتظام درست تھا، دفعتہً آٹھ روز تپ میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ بہرحال
جو خدا کی مرضی۔ اس کی مشیت میں چارہ ہی کیا ہے۔ امسال آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام دوکوہا متصل جالندھر
ہوگا مگر میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ سفر وغیرہ کے قابل نہیں رہا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں اور سب
کلام مثلاً قصائد، تاریخیں، نظمیں، قطعات، مکتوبات منظوم وغیرہ مرتب ہو گئے ہیں۔ اب غزلیات اور رباعیات خیام کا ترجمہ
منظوم ان دو چیزوں کی ترتیب باقی ہے اور ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب۔ انہی چیزوں کی ترتیب میں وقت کاٹتا ہوں۔
رباعیات خیام کے متعدد مجموعے مطبوعہ ہندوستان، طہران جمع کر کے ان سے ایک مکمل مجموعہ تیار کیا ہے اور تمام رباعیوں کا

ترجمہ بھی زیادہ تر رباعی اور کم تر قطعے کے دو شعروں میں کر ڈالا ہے اور ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل مضمون سے حتی الوسع علیحدہ نہ ہونے پائے اور اسی کے ساتھ با محاورہ اردو میں ہو۔ ہر رباعی کے متعلق ایک مفصل نوٹ بھی لکھتا جاتا ہوں۔ مطبوعہ مجموعے جہاں تک میری نظر سے گذرے بے حد مختلف اور نہایت درجہ غلط ہیں۔

سرور صاحب کو میرا سلام کہئے۔ وصی میاں نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے امید ہے کہ تمہارا مزاج مع الخیر ہوگا۔ خیر و عافیت سے گاہے ماہے مطلع کر دیا کرو۔ زیادہ دعا۔ الرقوم ۲۰ راپریل ۱۹۴۰ء

صفی عفی عنہ

مکرر یہ کہ ۱۲ راپریل سے شہر بھر میں بدامنی کا دور تھا اس لئے خط روانہ نہ ہو سکا۔ اب کسی قدر سکون ہے۔

تحریر: ۲۷ راپریل ۱۹۴۰ء

حررہٗ صفی عفی عنہ

منشی دیا نرائن نگم

منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ (کانپور) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں
نے زمانہ کے ذریعے سے سلاست روی کے ساتھ مدت العمر اردو کی جو خدمت انجام دی
وہ تشریح سے بے نیاز۔ متعدد اہل قلم صرف زمانہ ہی کے ذریعے سے روشناس عوام ہوئے
ان میں سب سے بڑھ کر قابل ذکر منشی پریم چند ہیں ذیل میں موصوف کے چند خطوط پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)

بنام احسن مارہروی

عنایت فرمائیندہ تسلیم۔ نوازش نامہ باعث مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اس کا بیک
گراؤنڈ قلعہ معلی ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں ہے ان کا خیال ہے کہ تصویر اکبر اعظم
کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہے۔ مروجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرا کسی قدر لمبا ہے۔ عام
تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے بہالی
ہو گئے تھے اور ڈاڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے مگر یہ باتیں بھی قابل
لحاظ ہیں۔ میں ایک نورتن کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو مزید عنایت
فرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی
کہ امسال انجمن ترقی اردو کے آپ سکرٹری مقرر ہوئے۔ میں اس انتخاب پر آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں انجمن
ترقی اردو نے اب تک کوئی کارنمایاں نہیں کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانے میں یہ ایک مردہ انجمن کی حالت میں نہ
رہے۔ زمانے میں علمی خبروں اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے
کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے
سکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن اردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا۔ جس کی خریداری
ممبران انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیئے۔ بعض اس حصے کی علحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ
رسالہ جس میں اس کے متعلق کل ضروری امور و کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں نے اپنے

کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں ۔ مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن مو صوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے ۔ مضامین خاص کے لئے بلشیز سے تکلیف دے رہا ہوں ۔ راجہ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اول ہفتہ فروری میں شائع ہو گا ہدیۂ ناظرین ہو گی ۔ اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمایئے زیادہ نیاز

۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء　　　بندہ دیانرائن نگم ۔ کانپور

(۲)

مکرمی تسلیم ۔ عنایت نامہ صادر ہوا ۔ جواباً عرض ہے کہ میں ایسا مذہبی شخص نہیں ہوں جو یہ بتا سکوں کہ فلاں ترجمہ صحیح ہے اور فلاں غلط ۔ وید مقدس، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کتابوں کے ترجموں کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر خط و کتابت کیجئے ۔ امید ہے کہ آپ کو عمدہ ترجمے دستیاب ہو سکیں گے ۔

۱ ۔ مطبع منشی نول کشور صاحب مرحوم ۔ لکھنؤ
۲ ۔ پانئنی آفس ۔ الہ آباد
۳ ۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی ۔ اڈیار ۔ مدراس ۔
۴ ۔ راجپوت گزٹ ۔ لاہور

۱۸ جولائی ۱۹۲۸ء　　　نیاز مند دیانرائن نگم ۔ ایڈیٹر

(۳)

بنام تمکین کاظمی

مکرمی تسلیم ۔ اکثر رسائل میں آپ کے مفید و دلکش مضامین نظر سے گزرتے ہیں لیکن "زمانہ" جو ملجاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحات فکریہ سے محروم ہے ۔ لہٰذا بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کرانے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرما کر ممنون کیجئے ۔

دوسرا عریضہ سعیدی صاحب کے نام ہے ۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں لہٰذا براہِ کرم ان کی خدمت میں بھیج دیجئے نیز مجھے ان کے پتے سے اطلاع دیجئے عنایت ہو گی ۔

امید ہے کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے والتسلیم ۔

۱۲ ستمبر ۱۹۲۸ء　　　نیاز مند دیانرائن نگم ۔ ایڈیٹر

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

DAYA NARAIN NIGAM, CAWNPORE.

مکرمی تسلیم ۔ نوازش نامہ ملا ۔ ملا صاحب کے نظم "دوشیزہ کا راز" پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی

اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے - البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد میں شائع کردوں یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالہ میں شائع کرادیں - ملا صاحب کی نظموں کا میں بھی تہ دل سے قدردان ہوں - اور اسی لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لئے حاصل کرلیتا ہوں ان کی تنقید کسی اور رسالہ میں شائع ہو تو بہتر ہوگا -

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لئے کسی ادبی علمی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں -

امید مزاج مبارک بخیریت ہوگا -

۲۴ رجولائی ۱۹۳۰ء　　دیا نرائن نگم - ایڈیٹر زمانہ

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد　　(۵)

جناب مکرمی - تسلیم عرض - نوازش نامہ آیا تھا، شکریہ قبول فرمائیے اور تاخیر جواب کے لئے معاف کیجئے - میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا - بشرطیکہ ہر ماہ دس صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آجائیں - ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لئے ہوئے ہو - معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمائیے - لیکن اتنا خیال رکھئے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں - زمانہ یوں بھی کوئی متمول رسالہ نہ تھا - کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے - ہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے -

کانپور ۲۶ رجون ۱۹۳۲ء　　نیاز مند بندہ دیا نرائن نگم - ایڈیٹر زمانہ

بنام مولوی اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد　　(۶)

میرے مکرم تسلیم - نوازش نامہ معہ مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا - میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا - اس لئے اب تک شکریہ درکنار رسید بھی نہ دے سکا - معاف فرمائیے گا -

آپ کا مضمون مارچ نمبر زمانہ میں درج کر رہا ہوں - اختصار اور چستی الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں - عملی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی استخواں بندی کا بھی بڑا قائل ہوں لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہئے - دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو - وغیرہ وغیرہ -

بہرحال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے -

آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھئے -

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا -

۲۶ رفروری ۱۹۴۱ء　　بندہ دیا نرائن نگم

مولانا وحید الدین سلیم

(۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

مخدومی و مطاعی جناب نواب صاحب دام اقبالکم!

مجھ کو جناب سے دو چار مرتبہ سرسری نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ اب معارف کے ذریعہ سے ہر مہینہ زمیں بوس حاصل ہو جاتا ہے۔ جناب کو معارف کا خریدار نہیں خیال کیا گیا ہے۔ بلکہ جناب کا نام نامی معارف کے سرپرستوں میں ہے۔ اس بنا پر مجھ کو یقین واثق ہے کہ میں جو التماس کروں گا اس کو شرف قبول حاصل ہوگا۔

"البیان" سا فصیح و بلیغ اور پُر زور لکچر دیکھنے کے بعد مجھ کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اپنے زور قلم اور جادو بیانی سے قوم کو بہت کچھ منفعت پہنچا سکتے ہیں۔ جناب کی اس لیاقت اور فصاحت کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہماری قوم نہایت ہی بد قسمت ہوگی اگر جناب کی بے نظیر دلچسپ اور مفید تحریروں کے مطالعہ سے محروم رہے۔ میں معارف کے ناظرین کی طرف سے نہایت ادب کے ساتھ یہ التماس کرتا ہوں کہ جناب والا اپنے اوقات گرامی کا ایک حصہ قوم کی فیض رسانی کے لئے وقف کریں اور معارف کے لئے کوئی علمی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی یا تاریخی مضمون تحریر فرمائیں۔ میں اور حاجی صاحب اور معارف کے تمام ناظرین نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر یہ التماس عزت قبول حاصل کرلے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مولانا شبلی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جناب کے کتب خانہ میں "المقتطف" (کے اوجہم کا عربی رسالہ ہے) بہت سے پرچے موجود ہیں۔ اگر بطور امداد معارف کے چند روز کے لئے وہ کل پرچے مستعار عنایت فرمائیں تو نہایت شکر گزاری کا باعث ہوگا۔

مجھ کو امید کامل ہے کہ یہ دونوں التماس جناب والا قبول فرمائیں گے اور عریضہ کے جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ زیادہ حد ادب۔

خاکسار: وحید الدین سلیم (ایڈیٹر معارف)
از دفتر معارف علی گڑھ ۱۲ نومبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب والا!

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۹ مارچ ۱۸۹۹ء معہ مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی میرے پاس اس وقت پہنچا جبکہ میں پانی پت میں والدہ مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھا۔ مضمون کا شکریہ قبول فرمایئے اور اسی مضمون کو مکمل کرکے وقتاً فوقتاً ارسال فرمایئے کیونکہ یہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ اور ناظرین معارف کے لئے دل پسند مضمون ہوگا۔ اگر اس کے مکمل کرنے میں دیر ہو تو حسب وعدہ آپ دیگر مختصر مضامین جن کا میٹریل پہلے سے جمع ہے ارسال فرمائیں۔

چونکہ معارف کے سرورق پر ہر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا پورا نام معہ خطاب و عہدہ وغیرہ درج کیا جاتا ہے اس لئے نہایت مہربانی ہوگی اگر آپ اس ضروری امر سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں میری نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قبل اس سے کہ میں آپ کے اس عنایت آمیز استفسار کا جواب دوں اپنی سابقہ اور موجودہ ملازمت کی مختصر کیفیت عرض کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

میں جب لاہور سے تعلیم پاکر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں بعہدۂ پروفیسر السنۂ شرقیہ اجرٹن کالج مقرر ہوا۔ تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم الدین خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجبور کیا کہ میں ہائی اسکول رام پور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کر دوں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت آئندہ کے لئے جو خیالات تھے وہ سب چھ مہینے کے مرحوم کے واقعۂ قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کیا اور ارادہ کر لیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔ میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ برس مطب پر گذر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا کہ یکایک سر سید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڑھ کو روانہ ہو گیا۔ سر سید مرحوم نے ایک مہینہ کے قریب ٹھہرایا پھر مولانا حالی کو درمیان ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کروں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ ملازمت کیسی؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریک رنج و راحت ہو کر رہو اور اگر تم پہلے مر جاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کر دوں اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہو گیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک نباہ دی۔ میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں۔ مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جاکر کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہی علمی شغل اور اس کے سوا میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا تو جو کام تم وہاں جاکر کرو گے علی گڑھ ہی میں کیوں نہ کرو۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا شریک نفع نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بند ہو چکا ہے، اگر کوئی صورت تم نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے مشغلہ کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی بہلے اور تم بھی اپنے مشغلہ میں کامیاب ہو۔ چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کر لیا اور اب تک میں اسی میں مصروف ہوں۔ چونکہ یہ کام اپنا ہے

اور اس میں پوری آزادی ہے اس لئے مجھ کو پورا اختیار ہے کہ میں جب چاہوں اس کو ترک کر دوں اور جب تک چاہوں اس کو جاری رکھوں اور یہ میری عین طبیعت کے موافق ہے۔

اب میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اجمالاً جو کیفیت اپنی زندگی اور طبیعت کی میں نے بیان کی اس کے لحاظ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تو وہ کیا خدمت ہوگی جو مجھ سے لی جائے گی اور کس طور کی اور طریقہ کی؟ میں صرف اسی حالت میں اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہوں کہ آیا میں اس خدمت کے قابل ہوں یا نہیں اور آیا وہ میری اقتضائے طبیعت و حالات کے موافق ہے یا نہیں۔ مجمل طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ میرے لئے نہایت عزت و افتخار کا باعث ہوگا اگر کبھی آپ مجھے اپنی رفاقت میں قبول کرنا چاہیں۔ میں آپ کی یاد آوری اور قدر افزائی اور محبت و عنایت کا دلی شکریہ پھر عرض کرتا ہوں۔

حاجی صاحب آگرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور کتاب "اسامی" ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: وحید الدین سلیم از علی گڑھ ۴ر اپریل ۱۸۹۹ء

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب من!

آپ کے مضمون بلاغت مشحون "عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر، مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اس کے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر ان کی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کریں گے۔

آپ کی عنایتوں سے قوی امید ہے کہ اس کے جواب میں آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المقتطف" کی باقی دیگر جلدیں بھی جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے مرحمت ہوں تو عنایات مربیانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر الاختتام

آپ کا نیاز مند قدیم: وحید الدین سلیم از دفتر المعارف، علی گڑھ
۶ر جون ۱۸۹۹ء

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارے تین کارڈ ایک ساتھ ملے، میں دیر سے پانی پت پہنچا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ تم معاف کرو گے۔
بعض کامیاب شدہ طلبا کے نام تمہارے خط سے معلوم ہوئے مگر پورا نتیجہ پانی پت میں نہ ہونے کے سبب مجھے نہ مل سکا۔ اگر ممکن ہو

تم چھپکا وہ پرچہ جس میں نتیجہ امتحان شائع ہوا ہے، میرے پاس بھیج دو۔ میں تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے تمام عزیزوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، یہاں گرمی شدید ہے۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے اور ضروری حالات سے خبردار کرتے رہو۔ والسلام!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۱۱ جون ۱۹۲۱ء

(۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ بغایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دینی اور دنیوی ترقی عطا فرمائے۔ تمہارا بھیجا ہوا صحیفہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ البتہ ایک طالب علم نے مشیر دکن بھیج دیا ہے اور اس سے نتیجہ پورا معلوم ہو گیا۔ تم اپنی خیریت سے ہر ہفتے برابر مطلع کرتے رہو تاکہ اطمینان ہو۔ میں ہر وقت تمہارے لئے اور تمہارے تمام عزیزوں کے لئے دست بدعا ہوں۔ ضروری حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ فقط!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۲۰ جون ۱۹۲۱ء

(۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

خط تو پہنچا مگر پتہ لکھنا آپ بھول گئے۔ ہر خط میں پتہ لکھنا ضروری تھا۔ معلوم نہیں یہ کارڈ آپ کو مل سکے یا نہیں، کیونکہ پتہ ادھورا ہے۔ نیز میں عنقریب حیدر آباد آتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ اب آپ کو خط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام!

وحید الدین سلیم از پانی پت ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

نوٹ: مولانا سلیم مرحوم سے مجھ کو اس وقت نیاز حاصل ہوا جبکہ وہ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے سے پہلے مولوی حمید الدین صاحب صدر دارالعلوم کے یہاں مہمان تھے۔ اس کے بعد سلیم مرحوم سے میری ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ میں اپنی تعلیم کے بعد جب ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا اس وقت بھی مولانا سلیم کے یہاں اکثر جایا کرتا۔ مرحوم کو مجھ سے خاص انسیت تھی۔ "دکن میں اردو" مرحوم کے ہی ترغیب کے باعث تالیف کی گئی تھی۔

(نصیر الدین ہاشمی)

نصیر حسین خاں خیالؔ عظیم آبادی

بنام انوار احمد صاحب

(۱)

کرمی انوار احمد صاحب۔ میں ادھر پھر کلکتہ سے باہر اور اپنے علاج میں مصروف تھا قبل
کی نسبت فی الجملہ بہتر ہوں۔ لیکن ابھی تک تندرست نہیں اور دیکھئے گھڑیاں جو تنا ہوتی ہیں۔ آنریبل مولوی فضل حق کے ٹرسٹی منتخب
ہو جانے کی وجہ سے کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں ایک ممبر کی جگہ خالی ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے مسٹر نور محمد اسمٰعیل
کا نام جائنٹ سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آپ مسٹر موصوف سے خود اچھی طرح واقف اور علی گڑھ و کانفرنس
ساتھ ان کے شغف سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے مجھے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس انتخاب
میں پوری طرح مساعی ہوں گے اور ہم لوگوں کو شکر گزاری کا موقع دیں گے۔ والسلام

خیالؔ

پرنسپ اسٹریٹ کلکتہ ۔۔۔ اپریل سنہ

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

(۲)

عزیز مکرم۔ سلام شوق۔ .... ۲۸ کو آپ کی محبت کی وہ یادگار (راسخ عظیم آبادی
مطبوعہ الناظر لکھنؤ) ملی۔ ممنون ہوا۔ مضمون دل لگا کر پڑھا۔ حق یہ ہے کہ آپ نے اردو پر، مذاق صحیح پر، پھر اپنے صوبہ و شہر پر
احسان کیا ہے میں آپ سے متفق ہوں کہ راسخ کا درجہ میرؔ سے کم نہیں۔ بلکہ بعض اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہے۔ اور اس ضمن میں
آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ہرگز طرف داری و مبالغہ نہیں ہے۔

تمہید میں جو کچھ آپ کے جلے دل سے نکلا اُسے بھی ایک حد تک جائز سمجھتا ہوں۔ لیکن آزادؔ یا کسی اور کے متعلق آپ
کے سے اہل علم کے قلم کا احتساب قابو ہو جانا درست نہیں۔ بلاشک آزادؔ نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس پر بار بار مزد تھی۔
مگر آپ (معاف کریں) ضرورت سے زیادہ دوڑ گئے ہیں۔ پھر جس چشمہ سے اپنی سیرابی بیان کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ خود
اس میں کیا دھرا ہے .... [1]

---

[1] یہ اشارہ اپنے علاتی ماموں مولانا سید علی محمد شادؔ عظیم آبادی کی ایک تالیف "نوائے وطن" کی طرف ہے اب جب کہ دونوں ماموں بھانجے دار فنا میں جا
ملے یہ امر کوئی راز باقی نہ رہا کہ معقول ایک دوسرے سے صاف نہ تھے یہ ایک خاندانی بات اور ردو مناقشہ تھا۔ جس سے ادبی دنیا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی (باقی حاشیہ صفحہ پر)

ناسخ کے ذکر میں "نوائے وطن" مثنوی کشش عشق کا سعادت علی خاں کے نام سے معنون ہونا بتاتی ہے۔ حالانکہ یہ مثنوی آصف الدولہ کو نذر دی گئی۔ نواب وزیر کی تعریف میں اس شعر کو یاد کیجئے:۔

فقط ہے یہ تیرا ہی یمن قدم　　　ہوا لکھنؤ جس سے رشک ارم

کون نہیں جانتا کہ یہ آصف الدولہ ہی تھے جو ماں اور بی بی سے رنجیدہ ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ آ رہے۔ پھر سنئے عمارات کی تعریف میں:۔

عمارات عالی کا ہو وصف کیا　　　نہیں اپنا ادراک اتنا رسا

نہ ہو خوبیِ قطع ان کی بیاں　　　ورق ہے مرقع کا اک اک مکاں

نظر کیجئے جس پر سو تصویر ہے　　　عجب رنگ سے طرز تعمیر ہے

کیا اس کے بعد بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ عمارات کی بنا شوق آصف الدولہ سے منسوب ہے، نہ کہ سعادت علی خاں سے۔ اب صاف سنئے:۔

تو اے آصف الدولہ عالی جناب　　　رہے تا قیام جہاں کامیاب

نہیں تجھ سا صاحب ندا خلق کا　　　بہت خوش ہے تجھ سے خلاق کا

آپ سے بہتر اسے کون جانتا ہے کہ تذکروں کی ایسی غلطیاں ناقابل معافی ہیں۔ نوائے وطن میں اس ذکر کو یوں پڑھ کر ناسخ کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ لوگ اسے مستند سمجھ کر مثنوی کشش عشق کو سعادت علی خاں کے زمانے کی چیز سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ وہ آصف الدولہ کے وقت کی ہے، یعنی جب کہ مثنوی میر حسن نکلی۔ غور کیجئے مصنف کی تحقیق نے غریب ناسخ کو کتنا پیچھے ہٹا دیا۔

پھر اسی طرح مثنوی حسن و عشق کے ذکر میں نوائے وطن کی عبارت ملاحظہ ہو: "غازی الدین حیدر کے زمانہ میں پھر لکھنؤ آئے۔ ایک مثنوی مسمّٰی بہ حسن و عشق ان کے نام سے موزوں کی۔ مگر اب شریعت نے رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اس نے بھی کام نہ کیا۔ وار خالی گیا"۔ یہ دوسری تاریخی غلطی ہے۔ لکھنؤ میں شریعت نے محمد علی شاہ کے وقت میں رنگ بدلا نہ کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں۔ اسی عہد میں "فسانہ عجائب" تالیف ہوئی۔ اور نصیح نے اپنی مشہور مثنوی "نان و نمک" (تصوف میں) تصنیف کی۔ پھر شریعت نے وہ کون سا رنگ بدل دیا تھا کہ فسانہ عجائب و مثنوی نصیح تو عام ہو جائیں، مگر ناسخ کی مثنوی مقبول نہ ہو؟

کلکتہ میں مرآۃ الجمال لکھی گئی۔ اس میں نواب جان ایک کسبی کے حسن و جمال کا ذکر ہے۔ نوائے وطن اس ذکر سے بھی خالی ہے۔ عظیم آباد میں گنجینۂ عشق تصنیف ہوئی جس میں ایک کسبی پر اپنے عاشق ہونے کا نہایت صفائی و دلیری سے حال لکھا اور اس کی تعریف و توصیف کی ہے:۔

(بقیہ نوٹ ماقبل) دونوں اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ ایک فرزانہ نگار شاعر، دوسرا صاحب طرز نثر نگار۔ اللہ دونوں کو مغفرت کرے۔ ذاتی گفتگو بھی اس خط سے حذف کر دی گئی ہے۔ (مسلم)

بہت اس شہر میں ہیں خوبرو، پر — نہیں ہے دلبر اپنا کسی طور
دل اپنا اُس صنم کا ہے فقط رام — کہ شرفو "جس کا ہے نام خدا نام"
اُسی گُل کی ہوا ہے دل میں اپنے — یہی آتش ہے آب و گِل میں اپنے

دنیا کے شاید ہی کسی شاعر نے اپنے عشق کو اس طرح بیان کیا ہو۔ یہاں تو "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" میں سب کچھ کہا جاتا ہے، اور راسخؔ کا یہی وہ رنگ ہے جسے آپ اس کا امتیازی طرز کہتے ہیں ......

نوائے وطن میں راسخؔ کی وفات کی تاریخ سنہ ۱۲۳۸ھ دی گئی ہے۔ مگر گلشنِ بےخار اور تاسیؔ میں سنہ ۱۲۴۰ھ ہے اور تاسیؔ نے راسخؔ کو تو نہیں مگر شیفتہؔ کو جو ان کے ہمعصر یا کچھ دنوں بعد کے ہیں دیکھا تھا۔

راسخؔ کے ذکر میں بہار یا عظیم آباد کی زبان و شاعری کی تحقیق تعلق سے خالی نہیں۔ راسخؔ نواب مہابت جنگ کے زمانہ یعنی سنہ ۱۱۶۲ھ (سنہ ۱۷۴۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شاعری کی عمر اگر پندرہ برس کے سن سے شمار کی جائے تو سنہ ۱۷۶۴ء ہوگا۔ یعنی پلاسی کے دو برس بعد۔ اور ان کی زبان بتا دے گی کہ صرف چند سال کی مشق کا یہ نتیجہ نہیں۔ بلکہ پشتوں اگر نہیں تو ایک پشت کی ریاضت و صفائی کا نتیجہ ضرور ہے۔ اور اُس ایک پشت کا زمانہ کم از کم پچاسی سال مقرر کیا جائے گا۔ یعنی سنہ ۱۷۰۰ء سے کبھی اِدھر کی یہ زبان نہیں ہو سکتی۔ یہ فرض کر لیا جائے (جس کا فرض کیا جانا قیاساً نادرست نہیں) تو وہ زمانہ عالمگیر کا ثابت ہوگا۔ جو سنہ ۱۷۰۷ء میں فوت ہوا۔ اس لئے عالمگیری عہد بلکہ اس سے بہت قبل اُردو ہی نہیں، بلکہ شاہجہانی یعنی ٹکسالی اُردو کا عام رواج آپ کے صوبے میں تھا۔ اور اُس وقت لکھنؤ تو لکھنؤ، فیض آباد میں بھی ٹکسالی اُردو عام نہ تھی۔ فیض آباد محمد شاہ یا زیادہ سے زیادہ فرخ سیر (سنہ ۱۷۱۹ء) کے وقت میں آباد ہونا شروع ہوا۔ اس لئے عظیم آباد کی زبان اودھ اور دکھن سے بھی قدیم اور مستند ہے۔

اشرف علی خاں کوکہ فغاںؔ دلّی سے عظیم آباد راجہ شتاب رائے کے زمانے میں آئے۔ اور سنہ ۱۱۸۶ھ میں وہیں مرے۔ راسخؔ کی عمر اس وقت ۲۴ سال سے کم نہ تھی اور اُس وقت اُن کی شاعری بھی جوانی پر ہوگی۔

فرخ سیر عظیم آباد امیر الامراء نواب حسین علی خاں کے ساتھ سنہ ۱۷۱۳ء میں دلّی گیا ہے۔ اُس وقت عظیم آباد امرائے دہلی کی جاگیر بنا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہاں ٹکسالی اُردو کا بازار گرم تھا۔ انہیں امرا میں سے نواب سید ہدایت علی خاں اسد جنگ المتخلص بہ ضمیرؔ (صاحبِ سیر المتاخرین کے باپ) بھی تھے جو فرخ سیر کے آخر عہد سے لے کر شاہ عالم ثانی کے وقت تک دلّی و عظیم آباد میں رہے۔ نواب اسد جنگ ٹھُمریاں، پہلی اور دُہرے خوب کہتے تھے۔ اردو میں بھی ان کی غزلیں ہیں۔ نواب عمدۃ الملک انجامؔ وزیر محمد شاہ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ نواب صاحب کی جاگیر میں پرگنہ جیلہ (بڑا حسین آباد) تھا۔ لیکن زیادہ تر وہ اپنے عملہ اور شاگرد پیشہ سمیت جو دلّی کے تھے عظیم آباد میں رہتے تھے .... حاجی گنج، پورب دروازہ اور نون گولہ امرائے دہلی کا مسکن رہا ہے .... شاہ ارزانؒ، خواجہ کلاں (جن کے نام سے گھاٹ ہے) اور شاہ صادق (جن کے نام سے غالباً صادق پور ہے) ان سب کو دلّی سے توسّل تھا۔ اور یہ سب عمدہ شعرائے اُردو میں سے تھے۔ آپ کے خاندان صادقپور میں بھی زبان کا خاص ذوق و شوق رہا، جسے

علم و فضل اور فراغت ہمیشہ چلا دیتی رہی۔

غرض راسخ کے ذکر میں عظیم آباد کی زبان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اور جب اس پر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ کے گھر میں جس وقت اردو عام رواج تھی، لکھنؤ اُس وقت شیخزادوں اور کمبوہوں کا قصبہ و مسکن تھا۔ اور سعادت علی خان کے وقت تک وہاں کی زبان وہی تھی۔ جو کاکوری، موہان، بہرائچ اور محمود آباد میں رائج ہے۔ عمدۃ الملکی مکتب کا اثر فیض آباد پر پڑا۔ اس لئے کہ انجام کے بعد صفدر جنگی و سالار جنگی اردو کے اسکول اور دفتر کو (بجبر و کشتی عمدۃ الملک) فیض آباد اٹھا لائے۔ شاہ حاتم وغیرہ دلی میں عمدۃ الملک کے ملازم اور اردو کے دفتر میں کلرک تھے۔ ان پر زبان کا اثر پڑتا رہا۔ اور اسی وجہ سے ان کے شاگردوں کی زبان بھی درست ہوئی۔ اس دفتر کے لوگوں میں میر ضاحک اور آتش کے چچا اور ماموں صفدر جنگیوں کے ساتھ فیض آباد آئے۔ اور اردو کا دفتر اب وہاں قائم ہوگیا۔ میر حسن (صاحب مثنوی) نے اسی دفتر اور نوابانِ فیض آباد کے محلوں میں پرورش پائی۔ میر خلیق وہیں پلے۔ میر انیس کی خالہ گھسیٹی بیگم نواب بہو بیگم صاحبہ کی مصاحب تھیں۔ اور میر انیس اسی محل میں بڑے ہوئے۔ اتنے اُتار چڑھاؤ کے بعد انیس کی زبان ایسی ہوئی ہے اور اسے نوٹ کر لیجئے کہ انیس کے قبل تک لکھنؤ کی زبان وہی تھی جو ناسخ و دبیر کے ہاں مستعمل ہے۔ یہ انیس کے گھر اور عمدۃ الملکی اسکول کا صدقہ تھا کہ لکھنؤ کی زبان اس پایہ کو پہنچ گئی۔

عظیم آباد پر لکھنؤ کی زبان کا کوئی معتدبہ اثر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے بعض شعرا مصحفی کے البتہ شاگرد ہوئے۔ اور آپ کے ہاں کے اکثر شعرا نے اپنے شاگردوں کو ناسخ وغیرہ کے مقابلے کے لئے تیار کیا اور وہاں بھیجا ہے یعنی اُس وقت تک لکھنؤ کی شاعری و زبان عظیم آبادیوں کے لئے سند نہ تھی۔ فکر، سانس اور برف وغیرہ الفاظ شاہ عالم ثانی کے وقت تک مونث تھے، وہی لکھنؤ پہنچے اور اسی رستے سے عظیم آباد آئے۔ دلی میں پنجابی اور آگرہ وغیرہ کے اثر سے وہ مذکر ہوگئے، مگر لکھنؤ اور عظیم آباد میں پرانا اثر قائم رہا ....

۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۹ء — خیال

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

سیف آباد۔ حیدر آباد دکن۔ مکرمی مسلم۔ آپ کا ۱۴ کا خط پاکر بے حد مسرت ہوئی۔ اس سے قبل آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ ورنہ ضرور جواب دیتا۔ آپ میری عادت سے با خبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دے دیتا ہوں۔

میں ۲۳ اکتوبر سن گزشتہ کو یہاں پہنچا اور معاملات کچھ ایسے الجھے ہوئے تھے کہ رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور جب سے جتا ہوا ہوں۔ اب تک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے میرا جی لگ نہیں سکتا۔

دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے۔ ملیں تو بہت کچھ کہہ سکوں۔ میں ان شعبہ جات (دارالترجمہ و جامعہ عثمانیہ) کے متعلق غور کر رہا ہوں کہ کس طرح انہیں تقویت ملے آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھیں۔

راسخ کا تتمہ آخر آپ نے تحریر کر ہی دیا۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے اب اُس کے دیکھنے کا بیحد

اشتیاق ہے۔ آپ کے قلم سے جو نکلتا ہے میں اُسے دل سے پڑھتا ہوں۔
مجھے اتنی مہلت کہاں کہ اردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظر ثانی کر کے اب اُسے شائع کر سکوں۔ کاپیاں اس کی اس درجہ نایاب کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اس کا نہیں ہے! آپ کی خدمت میں کیا اور کیسے کر بھیجوں۔ دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں جلد اپنی صحیح جگہ مل جائے کہ میں مطمئن ہو کر کچھ کام کر سکوں یا یہاں سے گلو خلاصی ہی ہو جائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ والسلام

۲۰ رجنوری سنہ ۲۰ء
خیال

عزیزی حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں؟

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۴)

مائی ڈیر مہاراجہ یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ۔ چند روز ہوئے کہ صاحبزادی سلمہا کی خبر علالت معلوم ہوئی تھی مگر فقیر کچھ اس درجہ عدیم الفرصت رہا کہ مزاج پرسی تک نہ کر سکا۔ شکر کہ اب اس عزیزۂ حبیبہ کا مزاج درست ہے۔ خداوند عالم جناب والا کے یہاں ہر طرح خیریت رکھے آمین۔
کل فقیر کو جناب والا کے مزاج کے دراز حال نادرست ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ شافی حقیقی جلد صحت عطا فرمائے۔ میں تو اس درجہ مجبور ہوں کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر مجبوری و معذوری فقیر پر خود جناب والا کی نظر ہوگی۔ اور عدم حاضری پر امید ہے کہ میں خطاوار نہ سمجھا جاؤں گا۔ خداوند عالم جناب کی ذات والا صفات کو تادیر قائم رکھے۔ امیدوار ہوں کہ دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرما کر اطمینان و آبرو بخشی جائے۔

زیادہ بندگی چاکرانہ —
نیاز مند و خادم — خیال
سیف آباد ۱۰ رفروری سنہ ۱۹۲۰ء
(سید نصیر حسین خاں)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۵)

مائی ڈیر مہاراجہ یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ —— فقیر درجہ خجل و شرمسار ہے کہ خدمت عالی میں اب تک عریضہ نگار ہونے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کلکتہ آکر جناب عالی کی خادمہ سخت علیل ہوئیں اور ڈیڑھ ماہ تک صاحب فراش رہیں۔ خیر۔ اب وہ اچھی ہیں۔ اُن کی علالت کی وجہ سے سفر یورپ بھی ملتوی ہو گیا تھا مگر اب کہ الحمد للہ اطمینان ہے۔ ۱۲ راگست کو انشاء اللہ بمبئی سے اس سفر کا قصد ہے اور فقیر خدا حافظ کرتا اور امیدوار دعا ہے اگر فرصت و موقعہ ملے تو خیریت مزاج عالی اور صاحبزادوں کی خیر و عافیت سے مطلع فرما کر شادکام و سرفراز فرمایا جائے۔ یہ فقیر نیاز مند جہاں اور جس حال میں رہے گا جناب عالی کے ان اشفاق کو فراموش نہیں کر سکتا جو اس کے حال پر مبذول رہے۔ اور کیا عرض کروں۔ خداوند عالم جناب عالی کی ذات والا صفات کو تادیر قائم و برقرار رکھے

۱؎ نواب نصیر حسین خاں خیال حیدرآباد میں سر علی امام صدر اعظم کے سیکرٹری تھے۔ اور اس حیثیت سے مہاراجہ سابق وزیر اعظم سے ان کا موقع بموقع ملنا مناسب تھا۔

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

(۹)

مکرم و محترم۔ لیجئے دو اور تذکرے آپ کے ہمزبان نکلے۔ تعلّق کا بیان اس لئے اور پُرلطف ہے کہ محبت خان اُن کے یار تھے۔ انہوں نے اسرارِ محبت کو سسّی پنّوں کا قصہ کہہ کر اس حکایت کو اور صاف کر دیا۔ اب مزید تائید کی ضرورت نہیں۔ خط بند کیا جائے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔

کل کے حقیقت میں ایک لکھنوی صاحب کا ایک سلام ساماں ہو گئے، شاداں ہو گئے، نظر پڑا اُس میں ایک شعر ہے ؎

نام پوچھا جب تو لوگوں نے کہا ہے کربلا　　شاہِ یثرب یہ سخن سنتے ہی گریاں ہو گئے

ہماری نظر میں یہ 'گریاں ہو گئے' ٹکسالی نہیں۔ یہ جگہ 'بھوئے' کی ہے۔ شاہ گریاں ہوئے نہ کہ ہو گئے۔ جناب آرزو سے بھی اسے پوچھنا چاہئے۔ جو وہ فرمائیں وہ سند۔

آپ شام کو مکان پر رہیں تو سوا سات تک آ سکتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۰ مئی ۳۱ء چہارشنبہ

خیالؔ

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

(۱۰)

عزیز مکرم۔ سلام و نیاز۔ داستان اردو کا ایک باب مغل اور اُردو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد قلم و زبان سے اس کی 'قصیدہ خوانی' کی چنداں ضرورت نہیں۔ ضرورت اور اردو کی بڑی خدمت یہ ہے کہ بہار میں اس کی کافی شہرت ہو اور وہاں اس کی خاطر خواہ اشاعت کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ چیز جب تک وہاں کے اسکولوں میں رائج نہ ہو گی۔ بہار کا مذاق اس طرح جلد درست نہیں ہو سکتا ایک عرصے سے جس کی آپ فکر کر رہے ہیں۔ غرض میں کچھ نہیں جانتا یہ چیز آپ کی ہے اور اس کے پبلشر صاحب جنہوں نے اس کی اشاعت میں کمال محنت و صرفے سے کام لیا ہے' آپ کے بھائی یعنی بہاری ہیں اس۔ لئے ان کا خیال و لحاظ کیجئے اور اپنے تدبر و اثر سے پٹنہ یونیورسٹی تک اسے پہنچا کر وہاں کی درسگاہوں میں اسے داخل کرا دیجئے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ جواب جلد دیجئے۔ والسلام مع الاکرام

کلکتہ ۱۲ جون ۳۳ء

دعاگو۔ خیالؔ

ہر وقت گلاس بھرا سامنے دھرا رہتا ہے۔ اوس وقت گرمی کی زیادہ شکایت ہونے کے باعث گھر پر آکر بھی پانی پیا اور ایک مباحثہ میں
پھنس کر دو بجے تک جاگتا بھی رہا۔ مگر طبیعت پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ عارضہ ذیابیطس کے باعث رات کو نیند میں بار بار خلل آنے
اور پیشاب کرنے کے لئے اوٹھتا ہوں مگر اوس روز آنکھ نہ کھلی۔ کیونکہ پانی اودھر پہنچا تھا، معدہ میں فساد کر رہا تھا صبح کو یکایک
آنکھ کھلی تو طبیعت برہم اور اجابت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ حقہ تک نہ پینے پایا۔ جائے ضرور گیا تو اتنا لمبا دست آیا کہ
ہوش اوڑ گئے۔ اوس میں وہ کھجوروں کے چھلکے، فالودہ کے ٹکڑے اور دال کے دانے بجنسہ موجود۔ فارغ ہو کر آیا تو پیٹ میں
قراقر اور پیچ، اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ سات بجے اوٹھا تو پھر ضرورت ہوئی اور ویسا ہی دست آیا۔ پھر تو تار بندھ گیا۔ بخار،
درد سر، اعضا شکنی سب موجود ہو گئے اور حالت بگڑنے لگی۔ آپ جانتے پردیس اور بیکاری اوس پر بیماری اور وہ بھی خطرناک بیماری
اس نے طبیعت کو اور بھی گھبرا دیا۔ سخت اندیشہ ہوا۔ بہ تجویز خود سکنجبین و گلاب پیا اور برف منگوا کر ڈلیاں منہ میں رکھنے لگا تشنگی
زیادہ تھی۔ مالک رفاہ عام پریس بیچارے وطن جا رہے تھے، میری کیفیت سن کر مضطربانہ آئے اور کمال مشوش ہوئے۔ کافور،
جوہر الائچی، تیزاب گندھک کی دو خوراکیں بھیجیں۔ دست برابر آتے رہے اور شام ہوتے ہوتے اتنا ضعف ہو گیا کہ پاخانہ تک
جانا دشوار تھا۔ رات کو ایک حکیم صاحب کو بلایا۔ اونہوں نے بند کرنے کی صلاح نہ دی بلکہ شربت دردو شربت بنفشہ قوی کے استعمال
سے مادہ کو اخراج میں مدد دینی چاہی۔ میں نے اون کی مجوزہ مقدار سے نصف شربت استعمال کئے۔ سوتے سوتے ایک دست
آیا۔ بارے آنکھ لگ گئی۔ رات کے دو بجے کے قریب بارش نے جگایا۔ اوس وقت بھی احتیاج ہوئی مگر اس قدر محسوس ہو
گیا تھا کہ کھجوروں کے چھلکے اور دانے نہیں نکلتے۔ صبح کو پھر سلسلہ شروع ہوا۔ اب میں بالکل بیحال ہو گیا تھا۔ گو درد سر و بخار نہ تھا
مگر کمر میں بہ شدت درد معلوم ہونے لگا۔ ناچار اون حکیم صاحب کو اطلاع دلوائی کہ اب ہضم غذا خارج نہیں ہوتی بلکہ مراد کی
مقدار برائے نام رہ گئی ہے، اسہال بند کیجئے۔ اونہوں نے کہلا بھیجا کہ میری تو رائے نہیں لیکن اگر تم مُصر ہو تو یہ دوائیں استعمال
کرلو۔ تین پڑیاں بھی بھیجیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر شربت کے ساتھ اونہیں شروع کیا۔ خدا خدا کر کے دو بجے کے بعد اسہال
موقوف ہوئے۔ چوتھے وقت شوربے میں بھگو کر پھلکا کھایا۔ ایسی نیند آئی اور غفلت طاری ہوئی جیسے کوئی نشے میں ہو۔ اور
واقعی رزق بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی ان کا کیڑا ہے۔ میری اس سے بدتر حالت دہلی، میرٹھ، لکھنؤ میں ہوئی مگر وہاں تیمارداری
ضرورت سے زائد کی جاتی تھی۔ معالج بہتر سے بہتر موجود تھے جس سے طبیعت قوی رہتی تھی یہاں بس اللہ کی ذات اور میں۔ خرچ
بھی اتنا وافر نہیں کہ کسی نامی ڈاکٹر یا طبیب کو بلا لیا جائے۔ خیر دست تو بند ہو گئے مگر حکیم صاحب کی رائے درست تھی طبیعت
کا قرار واقعی تنقیہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ گرانی موجود رہی۔ اجابت بند ہوئی تو ایسی کہ سہ روز تک پتہ نہیں۔ ناتوانی کا بیحد زور ہو گیا
تھا۔ دوسرے روز سے اونہوں نے گلقند برگ نقرہ و طلاء آمیختہ کھلانا شروع کیا۔ اب تک علاج جاری ہے مگر طبیعت زور
پکڑ گئی ہے۔ کام پر جی بھی لگتا ہے۔ پہلی سی گرانی سر بھی نہیں۔ ہاں جو شکایات قدیم و مزمنہ ہو چکی ہیں وہ دور نہیں ہوئیں۔ در اصل
مجھے ایک مستقل علاج کی ضرورت ہے جو مہینوں جاری رہے۔ گذشتہ چار پانچ سال میں بے روزگاری و پریشان حالی نے کہیں کا
نہ رکھا۔ غذا کام کی نہ ملی۔ کسی بات کا ٹھیک نہ رہا۔ تمام دستور العمل ٹوٹ گئے۔ جناب حکیم حاذق الملک مرحوم نے ۱۹۱۹ء میں فرمایا
تھا کہ تمہارا علاج ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لے گا۔ مجھے اتنے دن دہلی میں رہنے کا اعتماد نہ تھا۔ گو چار مہینے رہا مگر ہر ہفتے جانے کے لئے تیار

ایک معقول سرکاری ملازمت کی کوشش نے مجھے چار سال تک اخباری دنیا سے خارج اور طرح طرح کے مصائب و آلام کا نشانہ بنائے رکھا۔ اب بھی اوس کی امید ہے اور وہی امید اخبار کے معاملہ میں کسی کا پابند نہیں ہونے دیتی۔ ریواز گزٹ کا ڈیکلیریشن داخل کیا۔ شرائط معاہدہ طے کرلیں، کام بھی شروع کر دیا مگر کاغذ معاہدہ پر دستخط نہیں کئے بلکہ برابر ٹالتا رہا کیونکہ اوس آسامی پر مقرر ہونے کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ ۱۰ اکتوبر کو ہز آنر صاحب لفٹیننٹ گورنر کی چٹھی دربارہ اجازت نامہ وصول ہوئی اور حکیم صاحب نے ۱۲ سے کام کرنے کا حکم دیا۔ اوسی روز شورش عظیم آبادی، ابن علی مرادآبادی اور محمد صدیق امرتسری ندوہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر لاہور آئے اور میرے ہاں ٹھہرے۔ اون کی وجہ سے دو ایک روز کام ملتوی رہا۔ اسی اثنا میں جنرل صاحب کے ہیڈ کلرک کی چٹھی منصوری سے بدیں مضمون آئی کہ تم فوراً میرٹھ جاؤ۔ جہاں نئی پلٹن ۱ر کو آنے والی ہے اوس میں رفل کا موجودہ منشی بھیجا جائے گا اور تم کو اوس کی جگہ ملے گی۔ رفل بغرض شرکت جنگ مصنوعی ۲۸ر کو انبالہ جانے کے لئے میرٹھ چھوڑے گی اور غالباً تم کو ساتھ لیجانا چاہے گی۔ اس پر میں نے چلنے کا سامان کیا۔ والد ماجد بھی سخت علیل تھے۔ اون کی علالت اور میرے دہلی پہنچنے کی تاکید کے خطوط برابر چلے آتے تھے۔ اونہی کو کہا کہ میں نے حکیم صاحب سے دو ہفتہ کی رخصت لی اور ۱۸ر کو لاہور سے روانہ ہو کر دوسرے دن علی الصباح بٹھنڈہ پہنچا وہاں ۲۴ گھنٹہ ٹھہر کر ۱۹ر کو دہلی آ گیا۔ والد ماجد کی حالت بڑی سقیم پائی۔ پہلے آنکھ میں درد ہوا جس نے چند گھنٹہ میں نصف سر، کنپٹی، رخسار کو گھیر لیا اور ایک رات گذرنے کے بعد بتاشے بتاشے برابر آبلے سر، پیشانی، رخسار پر نمودار ہو گئے جن کی سوزش ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ حکما نے بہتیری کوشش کی مگر آبلے نہ بیٹھے اور درد بڑھتا گیا۔ جان پر بن گئی۔ آخر آبلوں کو کاٹ کر پانی نکال دیا گیا اور لگانے پلانے کی ادویہ سے مادّہ کا ازالہ کیا گیا۔ جب یہ تدبیر راست نہ آئی تو مسہلوں کی ٹھہری۔ ۴ مسہل علی التواتر ہوئے جنہوں نے رہا سہا ست نکال لیا۔ درد ہلکا پڑا مگر بالکل دور نہ ہونے پایا۔ اس حالت میں جا کر میں نے دیکھا اور فوراً ڈاکٹری علاج شروع کیا۔ اوس سے قدرے افاقہ ہوا تھا کہ میرٹھ سے بھی طلبی کا پیام بذریعہ تار برقی پہنچا اور میں ۲۵ر کو یہاں چلا آیا۔ حکم تقرر کا ۲۲ر کو پلٹن میں پہنچ گیا تھا جس کا یہ مضمون تھا کہ نئی پلٹن کے آنے پر موجودہ منشی کا تبادلہ اور میرا تقرر عمل میں آئے۔ پلٹن جانے والی تھی۔ اونہوں نے میری فوری تقرر کی کوشش کی مگر جنرل صاحب نے اوسی حکم کو شائع کر دیا اور تقرر پلٹن کے آنے پر موقوف رکھا۔ خیر چند روز کی بات تھی میں پلٹن کے ساتھ حسب الارشاد کرنال چلا گیا۔ مفلسی، تنگدستی اور پیدل کا سفر۔ جتنی زحمت اوٹھائی بس اللہ کو خوب معلوم ہے مگر سب گوارا تھی اس خوش قسمتی میں کہ [illegible] مل گئی ہے۔ اب دو تین ماہ کے بعد حالت درست ہو جائے گی۔ ولدر دور عسرت کافور ہوگی۔ تمہارا خط اور اشتہارات کا پیکٹ مجھے لاہور، میرٹھ اور کئی پڑاؤں سے ہو کر بڑ دلی میں ملا تھا۔ جواب میں دو ایک روز میں دے دیتا مگر وہ ساری طمانیت خاک میں مل گئی۔ فلک سفلہ پرور کو میرے اطمینان و خوشحالی پر حسد ہوا اور ایک ہی ہفتہ بعد وہ حکم منسوخ کرا دیا۔ پیپلی کے پڑاؤ پر مجھے خبر پہنچی۔ گویا بجلی گری۔ ہوش جاتے رہے۔ بصد دقت انبالہ پہنچا۔ وہاں اصلی سبب تنسیخ حکم کا معلوم ہوا کہ نینی تال پر جو فوجی لاٹ صاحب رہتے ہیں اونہوں نے نئی پلٹن کے لئے تمام دیسی ملازم کانپور سے بھیج دئے جہاں وہ ایک اور پلٹن کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ موجودہ منشی کا تبادلہ رہ گیا پھر میرا تقرر کس جگہ پر ہوتا۔ انبالہ سے مظفر نگر ہوتا ہوا میرٹھ آیا۔ مظفر نگر میں ایک صاحب سے ملنے کی توقع تھی جن سے چھوٹے دو برس گذر گئے۔ وہ بھی نہ ملے اور مجھے صدمہ پر صدمہ ہوا۔ یہاں آنے پر بھی جی نہ بہلا۔ کیونکہ عشرت مع اپنی والدہ کے دہلی گیا ہوا ہے اور والد بدستور علیل ہیں۔ بھاوج کو فالج مار گیا۔ اودھر بیماری ادھر بیکاری، کس کس آفت کو بھگتا جائے۔ لاہور کا روزگار بھی بظاہر گیا گذرا کیونکہ

کہ مجھے پہنچنا چاہیئے تھا۔ دوسرے اون کو بیرے تقرر کی خبر بھی پہنچ گئی جس پر سخت غصہ آیا ہوگا۔ انبالہ سے میں نے معذرت آمیز خط لکھا جس کا جواب نہیں ملا۔ اب وہ حالت ہوتی ہے کہ از من سو رانده و ازآں سو مانده۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم... الخ۔ مجھے جس قدر اس کا صدمہ ہے وہ بیان نہیں کر سکتا۔ شاید کسی عزیز کے مرنے کا بھی نہ ہوتا اور نہ مدت العمر ہوا۔ تمام امیدیں میری والدین، عیال، اطفال، دوست احباب کی خاک میں مل گئیں۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کچھ نہیں سوجھتا۔ دیکھئے کب تک یہ صورت رہے اور کوئی دوسری شکل ملازمت کی نکلے۔ گو میری عرضی پر سوں واپس آ گئی مگر اس آسامی کے ملنے کی امید بھی ہنوز قطع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہیں جا نہیں سکتا۔ دعا کرو کہ امیدوں [illegible] اور آلام سے نجات دے۔ مجھے کھانا پینا، سونا، بیٹھنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا نہ کسی بات میں جی لگتا ہے۔ تمہاری غزلیں پڑھیں۔ ماشاء اللہ کیا رنگ ہے۔ صحبت اور [illegible] کی تاثیر ہے۔ ہم کو بھی اللہ نصیب کرے۔ پہلی غزل باغِ سخن میں بھی دیکھی۔ وفا سے ملنا ہوا۔ مجھے وفا اور باغِ سخن کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔ اشتہارات کچھ انبالہ میں لگا دئے کچھ مظفر نگر میں بھیجوائے اور باقی یہاں تقسیم کرادوں گا۔ جواب جلدی لکھنا اب میری طرف سے دیر نہ ہوگی۔ طیش وغیرہم کو سلام شوق۔ مجھے بعض امور میں تمہارے مشورہ کی ضرورت ہے اس لئے جواب جلدی آنا چاہیئے۔ حضرت استاد کیسے ہیں۔ فقط!

جالب دہلوی۔ میرٹھ کیمپ۔ اول کرتی۔ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء۔ جمعہ قبل دوپہر۔

(۳)

بنام مولانا شاہ حسین میاں صاحبؒ

مخدومی و مکرمی!

السلام علیکم۔ مجھے دس بارہ روز قبل آپ کا ایک خط ملا تھا جس میں آپ نے ہمدم میں بعض تاروں اور مضامین کے شائع ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ میں گذشتہ سوا دو سال سے اس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ تین مہینے بھی مسلسل اخبار میں کام کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ امسال ۶ر مئی کو عید کے روز میں ایک ماہ اسپتال میں مقیم رہ کر اور دو مرتبہ ایک خطرناک و تکلیف دہ آپریشن برداشت کر کے مکان پر واپس آیا تو شیخ شاہد حسین مرحوم سے بعض امور میں اختلاف ہوا۔ میں نے استعفاد پیش کیا جس کو انہوں نے منظور نہ فرمایا اور مجھے ہر طرح کا اطمینان دلا کر اور اپنی معاودت پر ہمدم کے لئے مناسب انتظامات کرنے کا وعدہ فرما کر وہ لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں واپس آتے ہوئے شملہ پر چلے گئے۔ وہاں یکایک ان کا وقت موعود آپہنچا اور بجائے ان کے ان کی لاش ۲۰ر مئی کو یہاں آئی۔ اس وقت ہمدم کی حالت بہت مخدوش تھی۔ میں نے اس کے قائم رکھنے کی جد و جہد کی مگر بعض ورثائے مرحوم کی طرف سے عجیب خود غرضانہ طریق عمل کا اظہار ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خیر خدا خدا کر کے ہمدم کے قائم رکھنے کی کچھ فکر کی گئی۔ مگر ابھی تک اس کے معاملات کا پورا تصفیہ نہیں ہوا۔ ماہ جون کے اواخر میں مجھے بغرض ادائے شہادت اجمیر جانا پڑا اور راستہ میں دہلی و آگرہ دیگر کاموں کی غرض سے قیام کرنا پڑا۔ جولائی میں پھر علی گڈھ و آگرہ کا سفر پیش آیا۔ اگست میں مولانا محمد علی صاحب کے لئے مشینیں و دیگر سامان پریس خریدنے دہلی گیا اور اپنے بھی وہاں منتقل ہونے کا انتظام کیا مگر اس کے بعد ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ لوگوں کو ہمدم کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی اور مجھے اس کو قائم رکھنے کے لئے لکھنؤ میں مقیم رہنے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۴ر ستمبر کو لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں کا ہولناک فساد شروع ہوا اور کئی روز تک گلیوں کے اندر خونریزی جاری رہی۔ مجھے ان ایام میں خاص طور پر محنت کرنی پڑی اور اخبار

فرائض کی ادائیگی کے ساتھ مقامی معاملات میں بھی حصہ لینا پڑا۔ اس کے بعد مصالحتی کانفرنس دہلی میں جانا پڑا جہاں سے سیلاب کی وجہ لائنیں ٹوٹ جانے کے باعث گیارہ دن بعد واپسی ہوئی۔ اس دوران میں والدۂ عشرت کی حالت بہت خراب ہوگئی جن کو میں بیمار چھوڑ گیا تھا۔ انہیں یہاں عشرت کی [illegible] کے وقت سے بعض شکایات لاحق ہوگئی تھیں جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہیں۔ اب گیارہ سال سے ان کو بڑی تکلیف تھی اور ہمیشہ علاج جاری رہتا تھا۔ ڈاکٹروں حکیموں نے پیڑو میں نازک مقامات پر رسولی پیدا ہو جانے کی رائے لگائی جس کی وجہ سے اب جسم میں خون پیدا نہ ہوتا تھا اور جو پیدا ہوتا تھا وہ ضائع ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے آپریشن کی ضرورت تھی جس پر وہ رضامند نہ ہوتی تھیں اور لیڈی ڈاکٹروں سے بھی خوف کرتی تھیں۔ اب جبکہ ان کی حالت بہت خراب ہوگئی تو بشکل ان کو رضامند کیا گیا اور میں نے ان کی خالہ صاحبہ کو (جنہوں نے ان کو پالا ہے) میرٹھ سے اور اپنی بہن کو دہلی سے بلایا۔ ۱۵ اکتوبر کو میں انہیں لے کر اسپتال آیا اور اب تک یہیں مقیم ہوں۔ ابتدا میں دو گھنٹے کے لئے دفتر جاتا تھا، اب کچھ زیادہ وقت گذارتا ہوں اور مضامین یہاں بھی لکھتا ہوں لیکن اخبار کے تمام صیغوں پر توجہ نہیں کر سکتا۔ ۱ اکتوبر کو ان کا آپریشن ہوگیا ہے اور اب خدا کے فضل سے ایسی حالت ہے کہ انشاءاللہ چند روز میں گھر واپس جانے کی اجازت مل جائے گی۔ اس وقت شاید میں کافی توجہ اپنے کام پر کر سکوں گا۔ مجھے ہمدرد کے دوبارہ اجرا میں مولانا محمد علی صاحب کو مدد دینی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ اس کا موقع نہیں ملا میں ان سے بہت شرمندہ ہوں لیکن ملک و قوم کے لئے جہاں میری ناچیز خدمات درکار ہوں وہیں مجھے موجود رہنا چاہئے۔

میں نے آپ کا قیمتی وقت اپنی پرائیویٹ مشکلات کی تفصیل سے ضائع کیا ہے اس کی معافی مانگتا ہوں اور آپ کو اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمدم میں اگر کچھ ایسی تحریریں شائع ہوئی ہیں جن سے خدانخواستہ آپ کو رنج پہنچا تو یہ میری لاعلمی میں ہوا ہے اور مجھے اس کا بیحد افسوس ہے۔ میں حضرت قاری شاہ سلیمان صاحب کا دیرینہ معتقد اور ایک پرانا خدمتگذار ہوں اور بزرگان کی یا آپ کی ذات کے متعلق ایسی باتوں کی اشاعت روا نہیں رکھ سکتا۔ مجھے ابھی تک یہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ نامہ نگاروں اور مضمونوں میں کیا درج ہوا۔ مجھے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب تک ہمدم میرے ہاتھ میں ہے وہ رکیک ترغیبات سے بالاتر رہے گا مجھے عمر بھر رنج رہے گا اگر یہ معلوم ہوا کہ خدانخواستہ جناب قاری صاحب کو بھی اس زمانے میں ہمدم سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے۔ آپ ان کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کریں اور کفارۂ یقین کے لئے جو کچھ آپ کی رائے میں ہونا چاہئے اس سے مطلع فرمائیں۔ خواہ مضمون آپ کی طرف سے آئیں یا میں اپنی طرف سے لکھ دوں۔

آپ کا بہی خواہ دلی: سید جالب دہلوی از کمرہ ۱۰ پرائیویٹ وارڈ
بلرامپور اسپتال لکھنؤ روز پنجشنبہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۲ء

(۴)

بنام مولوی سید الطاف صاحب بریلوی

عزیزی و محبی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کرنال سے واپسی پر مجھے ملا۔ مراسلات جو آپ نے اس کے ساتھ بھیجے تھے وہ اخبار میں درج ہو چکے تھے۔ جو اور مراسلتیں بعد میں آئی ہیں وہ بھی دے دی گئی ہیں۔ ایک آج نکل رہی ہے اور دوسری کل شائع ہوگی۔ مجھے

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ نے اپنی انجمن کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم میں داخل کرانے کا کام بعض محلوں میں شروع کرادیا ہے۔ میں اس وقت ابتدائی تعلیم کو مسلمانوں کے لئے اہم ترین مسئلہ [illegible] ہوں اور اس کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ کوئی مسلمان بچہ بوجہ ناداری یا والدین کی غفلت کے کم از کم پرائمری تعلیم سے محروم نہ رہے۔ یہ کام علاوہ ثواب آخرت کے دنیوی فوائد سے بھی مملو ہے۔ آپ اگر اپنی سرگرمیوں سے مجھے اطلاع دیتے رہیں گے تو میں مناسب تدابیر آپ کو بتاتا رہوں گا اور کچھ لٹریچر بھی بہم پہنچاؤں گا۔

مولوی عبدالودود صاحب کے واقعہ کا میرے قلب پر جیسا اثر ہے اس کا اظہار بذریعہ خط ناممکن ہے۔ بریلی میں وہی ایک ٹھکانا میرا تھا۔ جناب قاضی خلیل الدین احمد صاحب کی اگرچہ میرے حال پر خاص دیرینہ عنایات ہیں۔ "ہمت" میں انھوں نے جو امداد فرمائی ہے وہ مجھے مدت العمر شکر گزاری کے ساتھ یاد رہے گی مگر مولوی عبدالودود صاحب میرے بے تکلف و مخلص دوست تھے۔ یہ بھی قدرت ہی کا انتظام تھا کہ مجھے اوائل جون میں بریلی پہنچنے کی ترغیب ہوئی اور اس طرح مرحوم سے آخری ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے جو کچھ اظہار خیالات اس موقع پر کیا وہ مدت العمر میرے دل سے محو نہ ہوگا۔ شاکر خاں صاحب کا انتخاب اطمینان بخش ہے۔ خدا کرے وہ کام کے ثابت ہوں۔

میں نے سردار موصوف کی خدمت میں ایک خط اس وقت لکھا ہے کہ وہ "ہمت" کو اسلامیہ ہائی اسکول میں جاری کرا دیں جس کی مولوی عبدالودود صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی۔ آپ کی اگر ملاقات ہو تو ان کو یہ یاد دلائیں جو آپ کے روبرو کی بات ہے۔ مولوی عبدالودود صاحب کے بھائی سید محمد محسن صاحب کے گاؤں کا پتہ لکھیں۔ مجھے ان سے کام ہے۔

جالب۔ دفتر روزنامہ "ہمت" لکھنؤ

نیا گاؤں۔ پنجشنبہ مورخہ ۱۱ رجولائی ۱۹۲۹ء

(٨)

(١)

حقیقت میں لاجواب ہے، خیالات، بندش، لطفِ زبان، کس کس چیز کی داد دی جائے۔ بارک اللہ فی علمک وفضلک وعصمک من طوارق الحدثان۔ والسلام

سید سلیمان

۱۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء

(۳)

بنام محمد عبداللہ قریشی

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ محترم! اسلام علیکم۔ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے جہاں زرد رنگ کی پسندیدگی کا ذکر ہے۔ اس سے معمولی زرد رنگ مراد ہے۔ اور جہاں ممانعت کا ذکر ہے اوس سے زعفران کا رنگ مراد ہے۔ طبع دوم میں اس تشابہ اور غلط فہمی کو واضح کر دوں گا۔

کتنے آدمی ہیں جو کتابیں پڑھتے ہیں مگر چونکہ عمل کا ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اون کی نظر اس قسم کی باتوں پر نہیں پڑتی خدا ہر شخص کو کتابوں کو غور و تعمق سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیرۃ کی تیسری جلد مطبع میں ہے۔ یہ حصہ معجزات پر ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۷ جنوری ۲۳ء

(۴)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام مجدہ السامی! السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڈھ پہنچا۔ یہاں بھی چند روز حرارت اور پھوڑے کی تکلیف رہی۔ مگر آج اچھا ہوں۔ پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی ہے۔ اور اب صاف ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب بھی اسی دن صبح کو الٰہ آباد سے آئے۔ وہ سخت علیل ہو گئے تھے۔ نمونیہ کا خطرہ تھا۔ الٰہ آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں۔

جب سے آیا ہوں ندوہ کا تخیل قائم ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ وہ ندوہ میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ لینے پر کسی طرح راضی نہیں اور نہ مستقل قیام لکھنؤ میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ سال میں چند مہینے وہ وہاں اقامت کریں اور تنظیم و تعمیر میں اور فراہمی چندہ میں مدد دیں اور اس کے لئے وہ بہت جلد کارروائی شروع کریں گے۔ مولوی عبدالسلام صاحب عنقریب جائیں گے کہ ایک دو مہینہ رہ کر آخری سال کے طلبا کو ادبی علوم میں مدد دیں۔ اور کچھ تعلیمی نگرانی کریں۔ مولوی مسعود صاحب نے طلبائے قدیم کو خطوط لکھے ہیں۔ اور اُن کا جلسہ بلانے والے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میں تعلیمی نگرانی کے لئے تیار ہوں۔ معتمد دارالعلوم بنا دیجئے سال میں متعدد پھیرے کروں گا، ندوہ کی نظامت کا بار اگر ڈالیں گے تو قہراً جبراً برداشت کروں گا۔ مولوی حبیب الرحمن خان شروانی کا خط آیا ہے۔ مشورہ پوچھا ہے۔

ملہ سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جگہ میں نے پڑھا کہ حضور کو زرد رنگ بہت پسند تھا۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ حضور اس سے نفرت فرماتے تھے۔ میں نے مولانا سے اس تضاد کی وجہ دریافت کی۔ یہ خط اسی استفسار کے جواب میں ہے (محمد عبداللہ قریشی)

مولوی شبلوی صاحب کا خط آیا ہے کہ بھوپال میں جس حد تک کوشش کرنی تھی ہو چکی اور اب آپ کے ایما سے حیدرآباد جاتے ہیں۔ عبدالعلی صاحب کے لئے یہ کوشش کی اور مجھے لکھا بلکہ تم جنرل صاحب کو لکھو کہ اس کا وظیفہ ہو جائے۔ چنانچہ میں لکھوں گا اور امید ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کو مل جائے گا۔ اس طرح ان کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔

مولوی مرتضیٰ صاحب جو پہلے کتب خانہ میں تھے میرے پاس آئے تھے کہ ان کو کتبخانہ میں کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر کتبخانہ میں آپ کے کام کا ریکارڈ اچھا ہے تو مجھے اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نوابصاحب خود مانع تھے، اگر آپ نے ان کے کام کو پسند کیا ہے تو مزید ان کو کتب خانہ میں جگہ دے دیجئے۔ کتبخانہ کی حفاظت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کا بند رکھنا کتابوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

آپ ایجنڈا تو جاری فرما دیجئے۔ اور نظامت کی تجویز بھی درج کر دیجئے۔ اگر مارضا میرا نام بھی لکھ دیجئے تو ہرج نہیں۔ مستقل انتظام میری نظر میں ہے۔ انشاء اللہ۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب نگرامی کو خط لکھے گئے ہیں۔ والسلام۔

۱۷ رفروری ۲۳ء

سید سلیمان۔ اعظم گڑھ

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدومی المطاع ادام اللہ مجدہٗ - والا نامہ صادر ہوا، آپ کا عتاب بجا ہے، مگر آپ نے میرے گردوپیش کے حالات پر نظر نہ فرمائی، بہر حال اب میں ذاتی مجبوریوں اور معذوریوں کی داستان لپیٹ دیتا ہوں اور یہ مصرع پڑھ کر

ہر چہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم

اس بار عظیم کو اٹھا لیتا ہوں اب جس طرح آپ مناسب سمجھیں نظامت کی تجویز پیش کیجئے، مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب کا بھی اشارہ میری ہی طرف ہے۔ خدا مجھ سے جس طرح کا کام لینا چاہے گا اس کی توفیق اور ہمت بخشے گا۔

سب سے پہلا کام عمارت کا مسئلہ طے کرنا ہے۔ ہم سب لوگوں نے تو مولوی ظہور احمد اور مولوی نسیم صاحب کے ہاں بالتفصیل عرض کر دیا تھا کہ زمین کا معاوضہ نقد چاہتے ہیں زمین نہیں چاہتے۔ گورنمنٹ کے تعلقات کا یہ تسمہ بھی کیوں لگا رہے؟

اواخر مارچ جلسہ کی تاریخ رکھئے، مولوی مسعود علی صاحب جلسہ سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے پاس آجائیں گے، ضروری کارروائیاں شروع کر دیجئے ہیں ۲۵ کو وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، ڈیڑھ برس ہو گئے۔ جلسہ سے پہلے آجاؤں گا۔ والسلام

۲۱ رفروری ۱۹۲۳ء

سید سلیمان

(۶)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم محترم السلام علیکم گرامی نامہ موصول ہوا، اصولی حیثیت سے مجھے اس نظامت کے الاؤنس سے

اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس صورت کو پسند نہیں کر سکتا اور نہیں اپنے کو دعا سمجھا ہوں، ارکان ندوہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں، میری حیثیت چند مہینوں کے بعد جب جوش موافقت کم اور جوش مخالفت زیادہ ہو جائے گا۔ ایک ہیڈ کلرک کی ہو جائے گی۔ طرح طرح کے طعن ہوں گے نئے نئے جھگڑے ہوں گے۔ ندوہ کی یہ کس پرسی اسی وقت تک ہے جب تک وہ سسک رہا ہے۔ جہاں کوششوں میں کامیابی شروع ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آئے۔ آپ بھی دیکھیں گے کہ پھر کہاں کہاں سے مدعی اور صاحب طبل و علم پیدا ہوتے ہیں۔

البتہ یہ ہو گا کہ جب میں قیام کروں گا تو جب تک کی مدت اقامت ہو گی۔ میں مصارف ضروری کا بل ندوہ میں دے دوں گا۔ گویا معمولی کاروباری حساب کا طریق رہے گا۔ اور بس۔

نواب صاحب قبلہ! میں نے دار المصنفین اپنی قوت بازو سے اور خدا کے فضل و کرم سے بنایا ہے۔ جہاں میں آزادا اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ندوہ سے زیادہ یہاں سرمایہ ہے۔ ۱۳ بیگھہ زمین ملکیت ہے۔ بنگلے ہیں۔ کتب خانہ ہے پریس ہے موافق اور غمگسار احباب و رفقا ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اور اپنے بنے بنائے کام کو لات مار کر ندوہ کے اکھاڑہ میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤں کیا آپ یہ رائے دیں گے۔

دار المصنفین کو اعظم گڈھ سے لکھنؤ منتقل کرنا گویا اپنے بنائے گھر کو اجاڑنا ہے۔ اور اپنے کو لکھنؤ کی کشمکشوں میں آپ الجھانا ہے۔ سب سے بڑی چیز یہاں کی خاک میں استاد مرحوم کی نعش سپرد ہے جس کا میں مجاور رہوں۔ اور جس کو تا دم حیات چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لئے اعظم گڈھ سے باہر بیسیوں ترغیبات کے موقع پیش آئے۔ مگر خدا نے مجھے مستقیم اور مستقل رکھا و بیدہ التفضل!

ندوہ کی نظامت میں قبول کرتا ہوں اور اس سے بہتر کر کے دکھا دوں گا۔ انشاء اللہ جو پچھلے دور میں تھا۔ اگر مخالفتوں اور سازشوں نے مجھے وہاں فرصت دی۔ پنڈت مالوی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم و مہتمم سب کچھ ہیں مگر وہ وہیں کے صرف نہیں ہو رہے! سب اطراف پر غور کر لیجئے پھر فیصلہ کیجئے۔ آپ صرف اپنی تجویز میں الاؤنس کا ذکر کر دیجئے۔ قبول کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی از دفتر دار المصنفین۔ اعظم گڈھ		۲۲ فروری ۱۹۲۳ء

(۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں صاحب مرحوم

مخدوم محترم دام کرمہ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے مفتخر کیا۔ میں خود چند روز سے خدمت والا میں بذریعہ تحریر حاضر ہونے والا تھا۔ بارے آپ نے پیش قدمی فرمائی، خالی شدہ جگہوں کے لئے مجھے خود فکر ہے اور میں تلاش میں ہوں مدرس صرف و نحو کے لئے عملی مشاق ضروری ہے اس لئے نو آموز آدمی اس جگہ رکھتے ڈرتا ہوں۔ کتبخانہ کے لئے علمی آدمی اور دیانت دار ہونا چاہئے۔ مدرس صرف و نحو کی ضرورت فوری ہو گی۔ کتبخانہ کے لئے چند روز توقف بھی ہو سکتا ہے۔ کتبخانہ کے لئے ایک دو آدمیوں نے جو ندوی بھی ہیں درخواست دی ہے ان سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ چند روز ہوئے نواب عماد الملک کا خط میرے جواب میں آیا تھا۔ جس میں اپنی تائید کا یقین دلایا تھا۔ پھر مولینا شروانی کا والا نامہ آیا

(۶)

(۷)

بنام مولانا عرفان صاحب

(۱۱)

۲۳ - ۲۴ انڈرسن اسٹریٹ مدراس۔

مخدوم محترم دام کرمہٗ۔ السلام علیکم! آپ کے اخیر تار نے مجھے بے چین کر دیا، کئی دفعہ تار لکھوایا اور پھر کٹوایا، یقین جانیئے کہ رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی گولیوں ہی دماغ کی خشکی اور معدہ کی تبخیر کے باعث تین مہینے ہو گئے کہ نیند کی اصلی لذت سے محروم ہوں، مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی بدلتے بدلتے گذر گئی اور زبان پر یہ مصرع تھا "دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور" گو میں اپنے پہلے خط میں اپنی معذرت کے اسباب پوری طرح لکھ چکا ہوں، مگر آپ نے شاید باور نہیں کیا، اس لئے میں دوبارہ اپنا حلفیہ بیان پیش کرتا ہوں اور یہ اس لئے کہ مجھے آپ کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے یہ خیال کر کے دل میں تکلیف محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے عذرات کو محض بہانہ تصور کرتے ہیں۔

۱- میں یہاں چند ہفتوں کے لئے مسافرانہ آیا، اسباب و سامان جو ایسے بڑے سفر یعنی حجاز کے لئے درکار ہے وہ ساتھ نہیں، پاسپورٹ میرے پاس نہیں، پچھلا پاسپورٹ کہیں اعظم گڈھ میں پڑا ہے۔ پاسپورٹ مدراس میں نہیں مل سکتا، بمبئی میں نہیں مل سکتا، پھر کیونکر اگر بایں ہمہ بے سروسامانی چل کھڑا ہوں تو ۲۹ کر کراچی یا ۳۱ کو بمبئی پی اُو سے روانہ ہو سکتا ہوں۔ غور فرمایئے۔

۲- ہر شخص جو کچھ بھی اپنے پیچھے تعلقات رکھتا ہے، وہ کسی بڑے سفر سے پہلے کچھ انتظامات کرتا ہے۔ میں پٹنہ کے جلسے میں شریک ہو کر ابھی تک اعظم گڈھ نہیں گیا، چند ہفتوں کے لئے دار المصنفین اور معارف کا کام سنبھال کر، اور مطبع میں چھپنے کی چیزوں کا سامان کر کے مدراس چلا آیا، میں نے مجلس عاملہ میں شرکت وفد سے انکار کر دیا تھا، اب ادھر آپ کے تاروں نے بتایا کہ میرا نام مزید ہی ہے اور مٹ نہیں سکتا۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ میں اعظم گڈھ جا کر چند مہینوں کے کام متعین کر دوں، مطبع میں کتابوں کی چھپائی کا کام مقرر کر دوں، معارف کے مضامین کا سامان کر جاؤں، پچھلی دفعہ جب یورپ گیا خوش قسمتی سے میرے شریک ادارت مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی تھے، انہوں نے معارف سے مجھے مستغنی کر دیا تھا۔ اور مطبع میں سیرت دوم کا کام سال بھر کے لئے کافی تھا، دوسری مرتبہ تین مہینوں کا کام درست کر کے گیا، اب نہ مولوی عبدالماجد صاحب ہیں اور نہ مولوی ابوالحسنات مرحوم، الغرض کوئی کام سنبھالنے والا ہے۔ بایں ہمہ مجھے عرب کے سفر کے لئے مدراس سے واپس جا کر چند مہینوں کے انتظامات اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے درست کر کے تیار ہونا چاہئے تھا، اور اس کا موقع نہیں، ایسی حالت میں جانے کے معنی معارف اور دار المصنفین کے بند کر دینے کے ہیں۔

۳- مصیبت جب آتی ہے ایک ساتھ آتی ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب کی بھتیجی کی شادی درپیش ہے، بہت دنوں سے وہ ٹال رہے تھے، نومبر کا مہینہ فریق دوم نے آخری مہینہ مقرر کیا ہے کہ شادی کیجئے یا جواب دیجئے اور یہی مہینہ ان کے دو ہزار ادائے قرض کی قسط کا ہے۔ جس کا قصہ شاید آپ جانتے ہوں، اس

لئے وہ اوائل نومبر سے ایک ماہ کے لئے دار المصنفین چھوڑ کر مجبوراً مکان رہیں گے، اور دار المصنفین کے لئے ہم میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور اسی لئے اُن کو آزاد کرنے کے لئے مجھے یہاں سے دو چار روز میں روانہ ہو جانا ہے، کیونکہ یہاں جو کچھ دینے تھے وہ ختم ہو چکے، صرف ایک باقی ہے، جو آج کل میں ہو جائے گا۔

۴ - میں باقاعدہ دار المصنفین کا ذکر ہوں، اس میں دونوں طرح کے ارکان ہیں، پہلے یورپ گیا تو بلا اطلاع گیا، اور تنخواہ جاری رہی مگر اُس وقت ہوا ایسی تھی کہ وہ مخالفت نہ کر سکے۔ دوسری دفعہ حجاز گیا تو ان کی اجازت لے کر تین مہینہ کی رخصت پر گیا، مگر اس دفعہ باہم بدمزگی ہوئی، اب اس دفعہ پھر اُس بدمزگی کو بڑھانا سوسائٹی یعنی دار المصنفین کو برباد کرنا ہے، ان میں بعض وہ ممبر بھی ہیں جن کے ذریعہ سے حیدر آباد کی امداد آتی ہے، مجھے یا تو مستعفی ہو جانا چاہئے یا دار المصنفین کو باہمی اختلاف کی بنا پر توڑ دینا چاہئے۔ گو میں اب بھی زبردستی جا سکتا ہوں۔ مگر بار بار درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۵ - ندوہ کا قصہ یہ ہے کہ نومبر کے آخر میں انبالہ میں اس کا سالانہ جلسہ ہے، مولوی مسعود علی صاحب اپنی خانگی مزدوروں کے باعث گھر سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اب مجھی کو اُس جلسے کو سنبھالنا ہے، اس مہینے میں میری غیر حاضری کے باعث بعض مخالف ارکان نے مدرسہ پر مجلس تحقیقات تعلیم و اخلاق یعنی انکوئریشن مجھ پر قائم کیا ہے اتا کہ میرے زمانہ معتمدی پہ الزام رکھ کر مجھے بدنام کیا جا سکے، اس سے پریشان ہوں، اس کی بچاؤ کی صلاح کرنا ہے، ایک مدرس کا انتقال ہو گیا اُس کی جگہ کا انتظام مجھے کرنا ہے، نصاب بنانا اور بنوانا ہے اور سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرنا ہے۔

یہ سب تو وہ دور کی یعنی آفیشل مجبوریاں تھیں، اب میں آخر اپنا جسم آپ کو دکھاتا ہوں، یورپ سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد جگر سے لے کر گردہ تک درد ہوتا ہے، علاج سے دب جاتا ہے اور پھر ہو جاتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص طریق سے رہا جائے۔ آپ اپنی مہربانی سے ہر قسم کا انتظام اپنے سر لینے کو تیار ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں عرب کو دیکھ چکا ہوں اور آپ صرف سن کر فرماتے ہیں، پچھلی دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض کو پیدا کر دیا، بلکہ اور ایک نئے مرض میں مبتلا کر دیا عرب میں گوشت عموماً دنبے کا ہوتا ہے جو میرے لئے زہر، روٹی بازاروں میں خمیر کی پکتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں اور ترکاریاں جو میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتیں، پچھلی دفعہ ہندوستانی باورچی رکھا گیا۔ مگر گوشت اور روٹی کی قسم کو وہ کیا کرتا، وہاں درد شروع ہو گیا، تو دوا بھی بمشکل میسر آسکی، اینٹ کو آگ میں گرم کر کے اس سے جگر، پیٹ اور گردہ کو سینک کر علاج کرتا تھا اور تسکین حاصل کرتا تھا۔ پاخانہ کا وہاں سسٹم ایسا ہے جو ایک دائم المرض کے لئے سوہانِ روح ہے کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھائی ہے، اس سے ایک مرض نیا یہ تحفہ لایا ہوں کہ دونوں سرین کے بیچ میں کوئی رگ، یا پٹھا یا ہڈی ہے، اس میں درد ہو جاتا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے، اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے، تو جان نکل جاتی ہے، ایسی حالت

میں رابغ سے مکۂ معظمہ تک کئی دن اونٹ یا شغدف کی سواری میرے لئے ناقابلِ تحمل ہے، دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے نیند جاتی رہتی ہے، تین مہینے سے یہ حال ہے، قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل افسردگی اور پژمردگی آگئی ہے، ذرا سا بولتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور سینہ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہاں آیا تھا کہ کام کے ساتھ کچھ تفریح اور تبدیل آب و ہوا ہو جائے گی، یہاں ایک مرض جو جاتا رہا تھا عود کر آیا یعنی معدہ میں سوزش، اور ایک مرض نیا کر گیا یعنی سوزش اور درد شکم کے ساتھ دو تین دفعہ دست۔ ڈاکٹری علاج یہاں کیا کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر ایک ہفتہ کے لئے بنگلور گیا تھا، وہاں حکیم صاحب قبلہ کے ایک مستعد شاگرد حکیم ہیں، انہوں نے دیکھا اور دو تین یونانی قرص، معجون اور شربت تجویز کیا ہے جو روزانہ استعمال میں ہے اور اس سے کسی قدر تخفیف ہے۔

میں نے اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حرف بحرف سچ ہے۔ ناز و نخرہ اور بہانہ کی عادت نہیں، اور نہ طمع دنیا میں گرفتار ہوں، میری ملاقات آٹھ برس کی ملاقات آپ سے ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی شناخت کے مدعی سے میرا کوئی عیب یا ہنر چھپا نہ ہوگا، خدا جانتا ہے کہ آپ کی خواہش کو پوری نہ کرنے کا کس درجہ افسوس ہے، میں گنہگار ہوں، اور اپنی گنہگاری کی سزا آپ کے ہاتھ سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ کیا کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

میں دو چار روز میں یعنی یکم نومبر کو اعظم گڑھ روانہ ہو جاؤں گا۔ والسلام

۲۶ اکتوبر ۲۵ء

سید سلیمان

(۱۲۰)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

۱۔ عقد بیوگان کا کام الحمدللہ رواج پذیر ہو رہا ہے اور میرا تو اس پر ذاتی عمل ہے۔ پنجاب، صوبہ متحدہ، دہلی اور حد کہ صوبہ بہار میں بھی شرفا کے خاندانوں میں اس کا رواج ہو رہا ہے۔ اس کے لئے رسمی کمیٹی کی چنداں ضرورت نہیں۔ علماء اور نیک خیال اصحاب اس کام کو پھیلا رہے ہیں۔

۲۔ موجودہ سخت پردے کے بجائے اسلامی پردہ کا رواج بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اسلامی پردہ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں گھروں میں جس سے پردہ ہے تو اس قدر سخت کہ قد و قامت اور آواز کا بھی پردہ ہے اور جس سے علاوہ محرم کے پردہ نہیں اس سے سر و دوش کا بھی پردہ نہیں۔ عورت کا تمام جسم چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سب ستر ہے۔ کسی عورت کا اس ستر کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے آنا گناہ نہیں۔ اسلامی حدود پردہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ضرورت ہے۔

۳۔ فضول رسوم اور ہندوانی طریقوں کو یقیناً چھوڑ دینا چاہیے۔

۴۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم مردوں کی طرح ضروری ہے مگر عورتوں کے لئے نصاب تعلیم مردانہ اسکولوں اور کالجوں سے الگ ہونا چاہیے۔ جو عورتوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو۔

۲۲ اکتوبر ۲۶ء

سید سلیمان ندوی

(۱۳)

محترم و مکرم دامت مکارمکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے عزت بڑھائی۔ معارف کو نہ صرف انڈیا آفس لائبریری کی فہرست پیش کرنے کی پہلی عزت حاصل ہے۔ بلکہ نفس انڈیا آفس لائبریری کے اردو سکشن کا علم بھی لوگوں کو اوسی کے ذریعہ سے ہوا۔ سب سے پہلے میں جب ۱۹۲۰ء میں انڈیا آفس لائبریری کے دیکھنے کا مجھے موقع ملا تو اوسکی اردو کتابوں پر ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور اوسی زمانہ میں اوس میں چھپ گیا تھا۔ اب آپ نے میرے سادہ مسودے کام کی تکمیل کا بیڑا اوٹھایا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہاں دکنین کی تصنیفات کی تعداد کچھ زیادہ ہیں۔ بہرحال آپ تو اوس سمند۔ کی تھاہ لے ہی رہے ہیں۔ میں ساحل پر بیٹھا متعدد صار کے مسافر کو کیا بتاؤں۔

آپ کا مضمون بھی پہنچا ہے۔ اوس کی تمہید میں آپ کی کوششوں کا حوالہ دوں گا۔ اور شذرات میں بھی ذکر کروں گا۔ اگر آپ بجائے متفرق پرچوں میں لکھنے کے کسی ایک ہی پرچہ میں لکھا کریں تو علم کی وسعت اور یکسنگی اور صحافت کی خدمت بہتر ہو سکے گی۔

معارف کا محولہ نمبر جاتا ہے۔ اسٹوری صاحب کو دکھا دیجئے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ اپریل ۱۹۲۹ء

(۱۴)

بنام امتیاز علی عرشی

نمبر ۳۵۰ - دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مخدومی دام لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کا مضمون مارچ میں نہ آسکا۔ شاید اپریل میں آئے۔ پرچہ چھپنے کے بعد آپ کے پاس بھی جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنا پورا نام لکھیئے۔ فروری ۲۹ کے معارف میں جس مضمون سے آپ کو اختلاف ہے کیا اسکے خلاف کچھ ماتعاتی دلائل آپ کے پاس ہیں۔ اگر ہوں تو مطلع فرمائیے۔

سیدنا عمر فاروق کے مکاتبات و خطبات جمع کیجئے۔ کنز العمال۔ موطا امام مالک۔ مسند دارمی تو مطبوعہ ہیں باقی مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ قلمی باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔ علاوہ ازیں طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو۔

سید سلیمان

۲۲ مارچ ۱۹۳۰ء

(۱۵)

بنام مولانا عرفان صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی)۔ محترم دوست الطافکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ کا شکریہ، ایں بہ بیداری است یا رب یا بخواب، خواہ کسی دوست کی ضرورت ہی سے آپ نے یاد کیا، یاد تو کیا، اور اس پر شکریہ واجب، میں تو قومیات و ملیات کی دنیا سے شاید تین سال سے کنارہ کش ہوں، امروہہ کا واقعہ اتفاقی تھا۔

ؔ عمر خیام کا ایک نادر نسخہ معارف اعظم گڈھ جلد ۲۶ نمبر ۴-۵-۶ بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۳۰ء

میں علی گڑھ جا رہا تھا کہ بیچ میں یہ حادثہ پیش آگیا۔ آپ کی طرح میرے اکثر ملنے والوں نے امروہہ کے فیصلے کو میری
قوت تقریر کا نتیجہ بنا کر مورد الزام بنایا، خیر یہ بحث تو الگ رہی کہ اس پر مورد الزام بنانا مناسب ہے یا مورد اکرام
بہرحال اگر یہ صحیح ہے تو مجھے مغرور ہونے دیجئے کہ میں اس قدر پر تاثیر مقرر ہوں کہ حاضرین کو جدھر چاہوں جھونک دوں

آپ کے خط پر "خلافت کمیٹی آفس" کا پتہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ بار الٰہا! میں اور خلافت کمیٹی! آپ نے
دیکھا جس معاملہ پر آپ کی خلافت کمیٹی نے مجھے معتوب کیا، اس کا حشر کیا ہوا، اور ابن سعود سے بگاڑ کر کیا پایا؟ یا کیا کھویا؟
بہرحال گذشت آنچہ گذشت، اب صرف اس کی تلخ یاد باقی رہ گئی ہے، زمانہ اس کو بھی مٹا دے گا۔

اگست میں لکھنؤ آکر میری زیارت آپ نہیں کر سکتے، اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے تو اعظم گڑھ آنا پڑے گا۔
آپ دار الخلافت سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، مگر جو جہاں ہے وہ دار الخلافت نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے پرکیف حالات سے میں بیگانہ نہیں ہوں اللھم زد فزد آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر کیوں انہوں
سے عہد باندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں — تو عہد با کہ بستی وا زکہ بگسستی۔

بہرحال آپ نے جس معاملہ کی نسبت لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مدتہا سال کے تجربوں کے بعد یہ طے
کر لینا پڑا کہ ایجنسیوں کا معاملہ سخت نقصان رساں ہے، بیسیوں واقعات پیش آچکے، شروع میں جوش پیدا ہوا اور
پھر جب مشکل آپڑی، یا نقصان آیا تو کتابوں تک کو واپس نہ کیا، سید جالب، رحمانیہ بک ڈپو، انارکلی بک ڈپو، اور خدا
جانے کون کون، اکابر سے معاملہ پڑا اور سخت نقصان دار المصنفین نے اٹھایا۔ اس وقت سے ہم لوگوں نے یہ قاعدہ
بنایا ہے کہ کسی کو ایجنسی اس طرح نہ دی جائے، آپ بھی اپنے دوست کا تجربہ کرلیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے
اہل ملک اور ہم قوم کہاں تک حسن معاملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بہرحال چونکہ آپ نے لکھا ہے، اس لئے ہم اتنا کر
سکتے ہیں کہ آپ ان سے سو روپیہ پیشگی بھجوا دیجئے، اور فہرست بھیجی جاتی ہے اس میں سے وہ ہر ایک کتاب کے جس کو
وہ رکھنا پسند کریں ایک ایک دو دو نسخے منگوا لیں اور ہر مہینہ کے آخر میں جو حساب و کتاب ہو وہ دیتے رہیں اور قیمت
ادا کرتے رہیں، مولوی عبدالماجد کی تصنیفات بھی یہیں سے ملتی ہیں، اور ان کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔

براہ عنایت اپنے دوست سے فرمائیے کہ آئندہ معاملات کے متعلق مولانا مسعود علی صاحب مینجر
دار المصنفین کو لکھیں اور طے کریں۔

مولانا شوکت علی صاحب کو سلام فرما دیجئے۔ والسلام

۲۴ر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

سید سلیمان

(۱۶۱)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم و مکرم دام مجدکم! تسلیم و تکریم! کارڈ نے ممنون کیا۔ میں نے ۲۹ کو ایک مفصل خط لکھا ہے
جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ میں اپنی غلط روی و خطا کاری کا منت کش ہوں کہ اس کی بدولت
ایک عمدہ رباعی یا قطعہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس سے میں سرفراز ہوا۔ مجھ سے اس کا جواب ممکن نہ تھا کہ اول

نقش شاعری پھر فارسی میں شاعری میرے لئے قطعاً مشکل ہے - مگر میں اس کو بھی آپ ہی کا فیضِ سخن جانتا ہوں کہ کچھ غلط سلط سا میری زبان سے بھی نکل گیا -

تکلف تو چارہ گرِ دردِ ما بایستے — حسنِ من بالمِ عزیز تا بایستے
درمیانِ طالبِ حق و عطا فرقے ہست — آنچہ من طلبم از تو عطا بایستے

آج کل گھر میں بیماریوں کا سلسلہ ہے، سہیل کو کل ایک ہفتہ کے بعد بخار اترا تو آج سے اُن کی ماں کو بخار ہے - وسط اگست تک شاید آنا ہو - والسلام

۱۲ اگست سنہ ۱۹۳۰ء

سید سلیمان

(۱۷)

بنام محمد عبداللہ قریشی

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم و علیکم السلام - مکرمت نامہ کا شکریہ - یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ اوس (نکلسن کی کتاب) پر ایک مفصل تنقید کا ارادہ رکھتے ہیں - اوس کے قابلِ اعتراض مقامات مولوی خواجہ عبدالواحد صاحب ندوی ایم اے پروفیسر مشن کالج کانپور سے پوچھئے - اونہوں نے اوس کا ترجمہ اردو میں (ترقی اردو کے لئے) کیا ہے - اور اوس پر حواشی تردیدی لکھے ہیں -

"نگار" کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے - یہ شبابیات واہیات مضامین کے ذریعہ سے نوجوان طالب علموں میں الحاد کا بیج بو رہا ہے - اگر صرف پنجاب میں اس کا بائیکاٹ ہو جائے - تو اوسکی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے - آئندہ ہفتہ میں ہمت لکھنؤ میں ایک مراسلہ اس کی بابت چھپے گا - وہ نمبر آپ کے پاس بھیجوں گا - اخبارات میں شرکت کا شکریہ!

انقلاب کے اڈیٹروں کو اس کی بابت لکھا - مگر جواب سے بھی محرومی رہی - تا بہ دیگراں چہ رسد -

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی عنقریب اس کام کو شروع کریں گے - میں آپ کا خط اون کی خدمت میں بھی بھیج دیتا ہوں - والسلام

یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

سید سلیمان

(۱۸)

بنام محمد عبداللہ قریشی[1]

شبلی ہوسٹل - بادشاہ باغ لکھنؤ - مکرم - السلام علیکم - نامۂ عالی کا شکریہ - نکلسن کی کتاب کا کیا حشر ہوا؟ پرویز شیخ صاحب کا بھی عنایت نامہ ملا ہے -

نیاز کا فتنۂ نگار تو بحمداللہ ختم ہوا -

---

[1] اس خط کا پہلا حصہ میرے متعلق ہے اور باقی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے متعلق ہے - اتفاق سے ہم دونوں کی خط و کتابت بیک وقت ہو رہی تھی - مولانا نے دونوں کو ایک سمجھ لیا - میں نے قریشی اور چغتائی کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے التباس نام میں غلطی کا اعتراف کیا -
(محمد عبداللہ قریشی)

کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ جس سے اس مرقع کا معمہ حل ہو سکے، نہیں ہے۔

ہمارے دوست حاجی معین الدین صاحب ندوی رامپور میں مہتمم تالیفات ہیں۔ میں اس عہدہ کا مطلب نہیں سمجھا۔ نہ انہوں نے خود لکھا وہ ان باتوں میں مست ہیں۔ بارے آپنے مضمون کو بھیجا ہے۔ اگر آپ اس نئی چیز کی تفصیل بتائیں تو مہربانی ہوگی۔ کیا عہدہ ہے کیا تنخواہ ہے کس کی ماتحتی ہے کتنے دنوں کی جگہ ہے۔

آپ رامپور آنے کی پر اصرار دعوت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رامپور کے کتب خانہ سے محروم رہ جاتا ہوں۔

۳۰ رجب ۱۳۵۳ھ
والسلام۔ سید سلیمان

میر افوٹ متعلق کتب خانہ رامپور آپ کے اندر آپ کے وزیروں کی نظر سے بھی گزرا؟ یا یہ تیر یوں ہی اچٹ کر رہ گیا۔ سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خان صاحب مرحوم

(۲۴)

مخدوم محترم دام کرمہ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ مع جوابات مدرسین موصول ہوئے، شکریہ۔ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی عبدالحق ناتجربہ کار اور سادہ ہیں۔ مگر کام ہی سے تجربہ آتا ہے۔ اچھا ہے ابھی یوں ہی رہنے دیجئے۔ میں کسی استاد کی تلاش میں ہوں۔

عمارت کے کام میں میں نہیں سمجھتا کہ کیا دقتیں حائل ہیں۔ کیا یہ ہے کہ جلسہ نے اس کو طے نہیں کیا ہے یا یہ ہے کہ مزدور و معمار اور مسالہ نہیں ملتا؟ اگر دوسری دقت ہے تو خیر، اگر پہلی دقت ہے تو تعجب ہے کہ اب تک حل نہ ہوا۔ میرے خیال میں تو ایک تخمینہ بنوا کر جلسۂ نظامت سے بالفعل منظوری لے کر اتنا روپیہ معتمد تعمیرات کے نام بنک میں علیحدہ کرا دیجئے یا معتمد مال کی معرفت وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنا چاہئے۔

عملی کاموں کے لئے قوانین کی لفظی پابندی کبھی نہیں چل سکتی اور ہمیشہ کام میں رکاوٹ پیش آئے گی۔ آپ بے قاعدگی اور اعتراضات کا خوف نہ کیجئے، اس سے کوئی کام کرنے والا آدمی نہیں بچا ہے اور نہ بچے گا اور نہ بچ سکتا ہے یہ خیال دل سے دور کر دیجئے۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوہ کے کام سے گھبرائے ہیں کہ ان حالات میں کام کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ چھوڑ کر چلے آنا چاہتے ہیں۔ بارے میں نے عیدالاضحیٰ تک روکا ہے کہ ۱۲ - ۱۳ عید تک میں بھی آؤں گا۔

خان بہادر سید حسین صاحب تو تعمیر کو خصوصاً گنبد کی تعمیر کو بہت ضروری سمجھتے تھے! ان کی وجہ سے تو وقت ہو نہیں سکتی! پھر کیا دقت ہے جس کے لئے اس قدر تعویق و تاخیر و تعلل ہے۔

مولانا شروانی عیدالضحیٰ میں مکان آ رہے ہیں، مجھے لکھا ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ لکھنؤ آ ؤں، میں بھی ان سے آنے کا اصرار کرتا ہوں، میں بھی اس زمانہ میں وہیں ہوں گا۔ والسلام

۱۷ جولائی ۱۹۳۳ء
سید سلیمان

بنام اثر صہبائی

(۲۵)

صہبائی من! شاد باد، زندہ باد۔ کل آپ کا خط لا پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ انسانوں کی کمی نہیں، انسانیت

کی کمی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، متواضع خو اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا۔ آپ میرے الفاظ سے ملول نہ ہوں۔ ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے۔ آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے۔ آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔

میرا مقدمہ تیار ہو چکا تھا مگر آپ کے رنگِ جواب کے انتظار میں بھیج نہیں رہا تھا۔ اب آپ کا جواب آیا اور آپ کے طرزِ اخلاق سے اطمینان ہوا۔ آپ ان صفحوں کو پڑھیں جہاں کہیں آپ کو اتفاق نہ ہو آپ مجھے اطلاع دیں میں غور کروں گا اور تغیر کر دوں گا۔

اپنے والد ماجد کو میرا سلام کہئے۔ مجھے آپ کے اس رشتہ اور نسبتِ پدری کی خبر نہ تھی، تو گویا آپ ہمارے مخدوم مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے عزیز ہیں کیا یہ میں صحیح سمجھا۔

میں نے اپنی تصویر خود کبھی نہیں کھچوائی لیکن اگر کسی نے لے لی تو میں نے مزاحمت بھی نہیں کی۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۳۳ء — سید سلیمان

(۲۶)

[illegible]میرالدین ہاشمی

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ محترم دام لطفکم۔ السلام علیکم، میرا مضمون ہاشم علی برہان پوری پرچہ ہندوستانی میں چھپ گیا ہے۔ اس کی ایک کاپی مرسل ہے۔

۲۔ شائع شدہ کتابوں اور رسالوں کا دوبارہ طبع کرانا معارف کے حدود سے باہر ہے۔

۳۔ آپ کے فاضلانہ مضامین قابلِ اشاعت ضرور ہیں مگر دار المصنفین کو اپنے اصول کی بنا پر معذوری ہے۔

مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں فرمایا۔

۱۹ فروری ۳۴ء — سید سلیمان

(۲۷)

[illegible]تیاز علی عرشی

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم سلام مسنون۔ ایک صفحہ کا مضمون پہنچا۔ عبارت کا مطلب آپ نے صحیح سمجھا عربی طباعت کا آغاز سولھویں صدی سے شروع ہوا ہے۔ ۱۵۹۳ء میں روما میں قانون شیخ طبع ہوا تھا۔

پبلک لائبریری کے لئے فہرست کتب مرسل ہے اس کے ساتھ یہی رعایت ممکن ہے کہ قیمت میں تاجرانہ کمیشن ۲۵ فی صد دیا جائے۔ اس کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب ندوی منیجر دار المصنفین کو لکھئے۔ فہرست کتب مرسل ہے۔

میں شاید ۱۸ - ۲۰ اکتوبر کو بجنور ایک دوست کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ فرمائیے تو حاضر ہوں" اردو ادب پر نواب خلد آشیاں کے دربار کا اثر" اچھا موضوع ہے مگر شرط یہ ہے کہ طبیعت حاضر ہو۔ والسلام

۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء — سید سلیمان

(۲۸)

[illegible]مہر صاحب

نمبر ۷۷۲۳ - دار المصنفین اعظم گڑھ (یوپی)، مکرمی وعلیکم السلام۔ یاد آوری کا شکریہ، کامیاب سفر پر مبارکباد

دیتا ہوں، میرا سفرنامہ کیا وہ تو چلتے پھرتے معلومات کا بیان ہے۔ پہلے سے اس کا خیال بھی نہ تھا تاہم حضرت خواجہ صاحب نظامی کے سفرنامے سے تو زیادہ مکمل صحیح اور پُرمعلومات ہے۔ آپ کا سفرنامہ بھی یقیناً دلچسپ ہے۔ اور پُرمعلومات ہونا تو اس کا ظاہر ہے۔ میں نے جس روا روی میں یہ سفر کیا، اس میں اتنا کچھ لکھنا بھی غنیمت ہے۔

چہل زینہ کے متعلق مجھے غلطی ہوئی ہوگی، مغرب کا وقت تھا[1]۔ میں پوری عبارت بھی پڑھ نہیں سکا ابھی کل پرسوں "اصلاح" میں اس کا جو حال نکلا ہے اس میں بھی پیمائش و پیمانہ ہی سے بحث ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری عبارت کا محققانہ مطالعہ کیا جائے۔

میرے احباب افغانستان کو جب آپ خط لکھیں تو میرا بھی جوابی سلام پہنچا دیں۔

"سیرۃ النبی" جلد چہارم کی دو جلدیں بذریعہ ریلوے پارسل مرسل ہیں۔ مولوی بشیر صاحب[2] اور ظفر حسن صاحب[3] کو بھجوا دیجئے۔ ظفر حسن صاحب کو یہ بھی لکھئے کہ اس کی طبع دوم چھپ رہی ہے جس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے ہیں، وہ ترجمہ بالفعل شروع کریں۔ مگر طبع دوم سے بعد کو ملالیں۔ طبع دوم ان کے پاس بھیجوں گا، ان کے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ میں نے ان کے شریک ترجمہ کے نام حسب طلب سیرۃ چہارم قسطنطنیہ بھیجی تھی۔ مگر واپس آگئی اور کسٹم گھر سے دینا پڑا۔ پچھلی دفعہ لاہور ایسا سرسری گیا کہ آپ کے دفتر تک بھی پہنچ نہ سکا، جس کا افسوس ہے۔

امید ہے کہ دریائے کابل کی (جو تنگ چشمان سمرقند و بخارا کی طرح تنگ ہے) زیارت سے آشوب چشم جاتا رہا ہوگا۔ والسلام

۹ رنومبر ۱۹۳۲ء

سید سلیمان ندوی

(۲۹)

بنام امتیاز علی عرشی

نمبر ۸۴۲۳ — مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں نے علی گڑھ کے پچھلے سفر میں رام پور آنے کی اجازت چاہی تھی آپ کا خط میری روانگی کے بعد آیا۔ اور واپسی پر ملا۔ افسوس ہوا۔ اب دوبارہ عرض ہے کہ ۲۵ کو پھر علی گڑھ پہنچنا ہے۔ کورٹ کا اجلاس ہے۔ میں ۲۷ کو یا شاید ۲۹ کو رام پور آسکتا ہوں۔ مہربانی کرکے اس پتے سے خط کا

---

[1] میں نے سید سلیمان مرحوم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان کے سفرنامے میں جو بالاقساط "معارف" میں چھپا تھا چہل زینہ (قندھار) کے ذکر میں ایک فروگذاشت ہوئی

[2] مولانا محمد بشیر شہید رئیس مجاہدین چمرکنڈ۔

[3] ظفر حسن صاحب ایبک۔ یہ ان طلبہ میں سے تھے جو فروری ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ہجرت کرکے پہلے سرحد آزاد میں پھر افغانستان چلے گئے تھے۔ ظفر حسن صاحب بعد ازاں روس ہوتے ہوئے ترکیہ پہنچ گئے اور حربی کالج کا امتحان پاس کرکے فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے انہوں نے ترکیہ میں توطن اختیار کر لیا۔ میں ۱۹۳۲ء میں کابل گیا تھا۔ تو وہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مولانا شبلی کی سیرت النبیؐ کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا تھا۔ چوتھی جلد انہیں نہیں ملی تھی۔ میں نے مولانا سید سلیمان سے منگوا کر انہیں اور مولانا محمد بشیر کو بھجوا دی۔ (غلام رسول مہر)

جواب دیجیے بتوسط مولانا ابوبکر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
حاجی معین الدین صاحب تو روانہ ہو گئے بشہر خود ردم و شہریار خود باشم۔ اب ان کی جگہ پر کیا انتظام ہوا ایک صاحب جو میرے پیش نظر ہیں کیا موقع ہے؟ آپ کا مضمون دسمبر میں جا رہا ہے۔

۱۷ نومبر ۳۴ء　　　سید سلیمان

(۳۰)

بنام امتیاز علی عرشی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ نوازش کا شکریہ میرا ارادہ مصمم تھا کہ حاضر ہوں مگر افسوس کہ یہاں آکر بیمار ہو گیا۔ ۴۲ گھنٹے کے فاقہ کے بعد آج کھچڑی ملی ہے اور کوئی وقت مناسب رامپور پہنچنے یا یہاں سے روانہ ہونے کا نہیں تھا اس لئے بعد افسوس اس وقت سفر رامپور کو ملتوی کرتا ہوں اور آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ عرفت ربی بفسخ العزائم یار زندہ صحبت باقی۔ والسلام

۲۶ نومبر ۱۹۳۴ء　　　سید سلیمان

(۳۱)

بنام نصیر الدین ہاشمی

صاحب الفضل[1] ۔ وعلیکم السلام۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ سفرنامہ افغانستان آپ کو پسند آیا تو اس میں آپ کی محبت کی نظر کو دخل ہے۔ حسن لیلیٰ میں نہیں چشم مجنوں میں ہے۔
دسمبر سے معارف میں بعنوان شذرات تاریخ ہندوستان کی جلدوں کی تعداد و ترتیب لکھی گئی ہے۔ دسویں جلد بہمنیہ و سلطنت ہائے دکن سے متعلق ہو گی۔ اگر پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی اس جلد کو لکھنا چاہیں تو آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیے۔ اگر وہ اس جلد کا کام اپنے ذمہ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔
عہد آصفی کے لئے سراج الدین صاحب طالب اور آرکاٹ کے لئے محمد غوث صاحب لکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کے لئے چودھویں جلدیں صفحات محدود ہوں گے زیادہ سے زیادہ پچیس پچیس، تیس تیس صفحے۔
"حیات شبلی" لکھی پڑی ہے اور میری فرصت کی منتظر ہے حضرت امجد کی شاعری پر آپ کا رسالہ ملا ریویو ہو گا۔ آپکی عنایات کا شکریہ تاریخ ہند کیطرف توجہ کیجئے آپ کی پیشگی قیمتوں کے وصول کرنے سے بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ جس سے ڈرتا ہوں۔ والسلام

۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء　　　سید سلیمان

(۳۲)

بنام امتیاز علی عرشی

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ آپکے مجھ پر طرح طرح کے الزام ہوں گے۔ اور کم از کم بے اعتنائی اور بے رخی کی تہمت تو مجھ پر قدرۃً قائم ہونی چاہیے گو براءۃ انا منہا براۃ عائشہ
آپ کا جواب والا خط میرے پنجاب سے واپس آنے کے بعد اعظم گڑھ واپس ہو کر ملا۔ میری نیت ہمیشہ درست لیکن ارادہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے اور اس ارادہ کی غلطی کے سبب سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ارادہ کی غلط

[1] بیت الفضل میرے نو تعمیر مکان کا نام تھا۔ افسوس ہے کہ اس کو فروخت کر دیا گیا۔ ہاشمی

کے معنی یہ ہیں کہ صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفروں میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اور واپسی میں فسخ ارادہ کرنا پڑتا ہے کتب خانۂ رام پور کی زیارت کس کو آپ کی طرف نہ کھینچے گی۔ لیکن مجھے یقین آگیا ہے کہ ضمنی سفر کے بجائے جب تک وہاں کے لئے مستقل سفر کی نیت نہ کی جائے گی، شگون ٹھیک نہ ہوگا۔

امید ہے کہ ۳۵ء میں اگر زندہ رہا تو اپنے شوق کی تسکین اور آپ کے حکم کی تعمیل اسی سال کروں گا۔

عرفت ربی بفسخ العزائم کا فقرہ نہیں پڑھتا۔ والسلام

۱۹ مئی ۳۵ء

سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۳۳)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ کرم و ام لطفکم۔ السلام علیکم عنایت نامہ ملا، پرسش احوال کا شکریہ، وہ بچی اپنی علالت سے جانبر نہ ہو سکی، اوس کی وفات کی اطلاع مجھے حیدر آباد ہی میں مل چکی تھی، اس لئے جلد چل پڑا۔

میرے حسن سیرت کے ساتھ اگر وہ ہے آپ کی گرویدگی خود آپ کے حسن سیرت کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دفعہ احباب دکن کی محبتوں کا بیحد ممنون رہا۔ خاص کر بے نیاز امجد کی نیاز مندی کے شرف کو اس سفر کا حاصل سمجھتا ہوں۔ کلیات امجد کی ترتیب بسا مزدوری ہے۔ یہ امجد کے چمکانے کے لئے نہیں بلکہ امجد کے وجود سے دنیا کو مستفید ہونے کے لئے۔

جی ہاں جن کتب خانوں کی کتابوں کی فہرستیں نوٹ کی ہیں ان کا ذکر سفر دکن کے فوائد علمی میں آئے گا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کی فہرست چھپ جائے، تو بہتر ہے۔

میں نے غلام غوث صاحب کو ایک کتاب سحر حلال مصنفہ ولیا محمد معمار کے متعلق کتب خانہ مدراس سے دریافت کی فرمائش کی تھی، آپ سے ملاقات ہو تو پھر فرمائش کر دیجئے کہ کتاب کا پہلا صفحہ مجھے نقل کرکے بھیجدیں۔

جشن سیمین کی شرکت بعض حالات پر مشروط ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام

یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

سید سلیمان

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

(۳۴)

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم! ابھی آپ کا تار ملا! تار کیا تھا! بجلی تھی جو دلوں پر گری۔ ہائے اُن کا آخری دیدار کتا کم نصیب ہوا؟ وہ نہ صرف آپ کے باپ، بلکہ ہم سب کے بزرگ تھے اور میں اسی نظر سے ان کو دیکھتا تھا اُن کا وجود بزرگوں کی نشانی تھی۔ اور ہمارے لئے بڑا سہارا تھے۔ آہ آپکو اور برادرم امیر حسن خاں اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو کیا لکھوں اور کیونکر صبر کی تلقین کروں، ان کا سایہ آپ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت تھی جس سے افسوس کہ آپ لوگ محروم ہوگئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کی لفظوں میں پیش کروں زبان و بیان قاصر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے تعزیت کے لئے میں خود حاضر ہوتا مگر رمضان اور اہلیہ کی علالت کے سبب سے قاصر رہا۔ بہرحال مجھے امید ہے

کہ آپ لوگ جب تک میں جیتا ہوں اِس رشتہ کو شکست نہ ہونے دیں گے ۔ والسلام

۱۷ نومبر ۱۹۳۶ء　　　شریکِ غم : سید سلیمان

(۳۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دارالمصنفین، اعظم گڈھ ۔ مکرمی السلام علیکم ۔ میں اپریل سے خانہ بدوش تھا ۔ اب تک مرکز پہ پاؤں نہیں جمے ہیں ۔

حیدر آباد کی واپسی کے بعد بہت کچھ لکھنے کا ارادہ تھا ۔ مگر میں ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لالے پڑ گئے ' اب اچھا ہوا تو اکثر باتیں حافظہ سے نکل گئیں ۔

کلام امجد کی تدوین و ترتیب ضروری فرض ہے، مکاتیب شبلی کی تیسری جلد کا ارادہ نہیں ۔ سابقہ جلدیں دوبارہ طبع ہو چکی ہیں ۔

یہ سن کر کہ سراج الدین صاحب مرحوم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا افسوس ہوا ۔ بظاہر خیریت ہے ۔ اندر کا حال خدا جانے ۔ والسلام ۔

۸ ستمبر ۱۹۳۷ء　　　سید سلیمان

(۳۶)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

[illegible] دارالمصنفین، اعظم گڈھ ۔ کرم السلام علیکم ۔ آپ کا انگریزی رسالہ[1] ملا ۔ بہ یہ ہو گا ۔ مگر آپ کا رسالہ مجھے سفر میں ملا تھا ' دیکھنا یہ ہے کہ یہاں ساتھ آیا ہے یا نہیں ۔

مجھے اپنے مضمون کا برابر انتظار ہے ۔ آپ کے احساسات کی میں نے بڑی قدر کی ۔ آپ کا خیال درست ہے ۔ مسلمانوں کے فائدے اور خدمت کے لحاظ سے ہمارے پرانے گھروندے بے کار ہو چکے ۔ یا وہ اپنا چولا بدلیں یا موت کے گھاٹ اتر جائیں ۔

لیکن آپ کی ذاتی وابستگی و محبت کے لحاظ سے میں کبھی آپ کو یہ رائے نہیں دے سکتا کہ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں ۔ اس وقت تو جو جہاں ہے وہیں پر اس کو قدم جمائے رہنا ہے ' آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ بحیثیت ملازم جہاں ہیں وہاں بقدر ملازمت اپنا کام بطور فرض کرتے رہیں ۔ اور ہمارے دارالمصنفین کے لئے وہ مطلوبہ جلد لکھئے ۔ جس کی فرمائش میں نے آپ سے کی ہے ۔ دارالمصنفین آپ کو بطور معاوضہ نہیں بلطور ہدیہ پیش کش ڈھائی سو روپے نذر کرے گی ۔ یہ نذر حقیر ہے ۔ مگر حالات نے مجبور کر رکھا ہے ' ممکن ہے میں اس سے زیادہ کر سکوں ' مگر وعدہ نہیں ۔ انشاء اللہ علی گڈھ جلد حاضری ہو گی ' باتیں ہوں گی ۔ والسلام

۳ جون ۱۹۳۸ء　　　سید سلیمان

---

[1] "مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد"۔

بنام زبیری صاحب

(۳۷)

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ، مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ دونوں ٹکڑے مفید تھے کام آئیں گے۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں کا ماخذ کیا ہے مہربانی فرما کر ماخذ سے مطلع فرمائیے۔

باقی آپ کی تلمیحات تو میں نہیں سمجھا۔ مولوی عبد السلام صاحب سمجھیں یا آپ سمجھیں یہاں تو معاملہ صاف ہے۔ آج کل مولوی عبد السلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے۔ بیکار سے ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے مکان بدل لیا؟ والسلام

۱۲ دسمبر ۱۹۳۸ء　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۳۸)

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ ادھر بہت معروف تھا جواب نہ دے سکا۔ مجموعہ خطوط سر سید کہاں سے ملے گا۔ مجموعہ خطوط حالی بھی چاہیئے۔

میں علی گڈھ گیا تھا آپ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل مولوی عبد الحق صاحب کے ساتھ دہلی میں ہیں۔ میں آج کل خریداران معارف کی توسیع کی کوشش میں ہوں کیا آپ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ والسلام

۲۳ جنوری ۱۹۳۹ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۳۹)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم معلوم نہیں آپ کہاں ہیں آپ نے اپنے ایک اطلاعنامہ میں مولوی شبلی صاحب کا وہ عربی قصیدہ نقل کر کے بھیجا ہے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء میں مولانا نے سر سید کی مدح میں لکھا تھا آپ براہ مہربانی اکتوبر ۱۸۸۱ء کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ اکتوبر ۱۸۸۱ء کی تاریخ صحیح ہے۔ ہو سکے تو تاریخ مہینہ کی بھی لکھئے اور انسٹی ٹیوٹ کے جلد او نمبر یا تاریخ اشاعت۔

پھر اس سے مطلع فرمائیے کہ مولانا جنوری ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء میں علیگڈھ میں پروفیسر مقرر ہوئے؟ جواب جلد عنایت فرمائیے۔ بھوپال میں کیا ہوا۔ والسلام

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۹ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۴۰)

دار العلوم ندوہ لکھنؤ۔ محب مکرم السلام علیکم۔ آپ کے لفافہ سے جو خط برآمد ہوا اس کو پڑھ کر مجھے بے حد ہنسی آئی۔ وہ ایک دل جلے کے خط کا جواب تھا۔ جو پورنیہ میں ندوہ کے لئے کوئی جائداد وقف کرنا چاہتا ہے دیکھئے وہ دل جلا آپ کا خط پا کر کیسا چراغ پا ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کے خط میں یہ تھا

(۱) اس عربی قصیدہ کی تمہید لکھ بھیجئے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء کے گزٹ میں ہے

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ سر سید اور مولانا میں اخیر زمانہ میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے وجوہ کیا

ہیں اور اسباب کیا تھے۔

(۳) میں مولانا مرحوم کے خطبات اور تقریریں چھپوانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کی کن کن روداد دوں میں ان کی چھوٹی بڑی تقریریں ملیں گی۔ ان کا حوالہ اور ہو سکے تو ان رودادوں کے نسخوں کی بہم رسانی یا ان تقریروں کی نقل جس کی اُجرت دی جائے گی۔

(۴) کانفرنس کے اجلاس اوّل میں مولانا نے کن تجویزوں کی تائید یا تحریک فرمائی اور ان پر جو تقریر بھی کی ہو بقید تاریخ و اجلاس بھیج دیجئے۔

(۵) ترقی پنشن پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

آج کل ندوہ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اس میں مدد فرمائیے۔ الندوہ کا بھی قصہ ہے۔ ہاں آپ نے دوسرے خط میں دار المصنفین کی تاریخ کی جو تحریک اس موقع پر کی ہے وہ برمحل ہے انشاءاللہ عمل کی کوشش کی جائے گی والسلام

سید سلیمان

۲۷ نومبر ۳۹ء

(۴۱)

بنام محمد امین زبیری صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محبی السلام علیکم۔ الزہرو الا مضمون پہنچا۔ یہ ہمارے ہاں نہ تھا۔ آپ ان تقریروں کو بھیج دیجئے۔ میں ان کو درست کر لوں گا۔ "صرف دولت" والی تقریر ہو تو وہ بھی بھیج دیجئے "جمہوریت" والا مضمون بھی بھیج دیجئے۔

ایک مہینہ کے بعد حیدرآباد، پونا اور بمبئی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ حیدرآباد میں ندوہ کی ماہوار کے اضافہ کے لئے عریضہ پیش کیا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

ریویو جو بھیجا ہے وہ شائع ہو گا۔

الندوہ دوبارہ جاری کیا ہے خدا کرے جاری رہے اگر نہ دیکھا ہو تو دفتر الندوہ بادشاہ باغ لکھنؤ سے منگوا لیجئے۔ قیمت وہی ۴ روپے مع۔ مضامین خلافت۔ ہندی۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ۔ اوقاف اسلامی۔ اسٹرائک ندوہ۔ اوقاف اسلامی موجود ہیں۔ جمہوریت والا مضمون بھیجئے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۷ فروری ۴۰ء

(۴۲)

بنام ملک رام

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ جناب من تسلیم۔ آپ کے سب خط ملتے رہے۔ پوسٹل آرڈر بھی ملا تھا۔ بارہا جواب دینے کو جی چاہا۔ مگر تواتر سفر اور اس خیال سے کہ آپ اتنی دور پہنچ گئے ہیں، جواب میں توقف ہوتا رہا۔ میں بحمداللہ مع الخیر ہوں، اور آپ کے لئے داعی خیر!

آپ کا رسالہ بھی بحفاظت میرے پاس ہے۔ واپس اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے اس پر کچھ لکھنا پڑے گا اور اگر آپ میری تحریر کے بغیر واپس کرنے کو کہیں تو میں ہر وقت واپس کر سکتا ہوں۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں۔

دفعتہً تاریخ تقریب سے چند روز پہلے وہ چل بسے اور تقریب رک گئی۔ یہ سب امور پورے سال بھر سوہانِ روح بنے رہے۔ خدا کرے کہ اب بھی میرے سلسلۂ مصائب کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ مزید ابتلا میں نہ ڈالے۔ اس کے احسانات کی حد نہیں اور ممکن ہے کہ یہ مصائب بھی اس کی حکمت کے رو سے میرے لئے رحمت ہی کا باعث ہوں ہم اپنے جہل اور غیب کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مصیبت خیال کرتے ہیں۔

بہرحال یہ تو ذاتی حالات تھے جن کا مختصر ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں فارغ کوئی نہیں۔

مجھے آپ کی علالت کی خبر مطلق نہیں ہوئی آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی ہے کہ علی گڑھ کی فضا سے متاثر ہو کر آپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ اختلاف رائے دوسری چیز ہے مگر میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس اختلاف رائے کا ہماری ذاتی دوستی و محبت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے ایک مسلمان کے پاس قسم کے سوا یقین دلانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تو میں بقسم کہتا ہوں کہ میں آپ سے اپنی دوستی و محبت کے اسی جذبہ پر قائم ہوں جس پر علیگڑھ سے پہلے تھا۔ آپ کے وہ احسانات مجھے یاد ہیں جو آپ نے دار المصنفین پر فرمائے ہیں اور میری شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کا شکر گزار رہوں آپ اس باب میں برائے خدا کبھی شک نہ فرمائیں کہ مجھے اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کو کیوں یقین نہیں آتا کہ سالہا سال سے مجھے عملی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور سوائے ندوہ اور دار المصنفین کے میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتا۔ علی گڑھ کا تعلق بھی کورٹ کے ہنگامہ تک۔ ہاں پھر مجھے کوئی خبر نہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بعض بعض جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ باتیں بھی ہوئیں۔ پارٹی پالٹکس سے نہ مجھے پہلے کبھی دلچسپی رہی اور نہ اب ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ آپ کی کتاب پر ریویو نہ ہوا۔ آپ کی کتاب لا کر ایڈیٹر صاحب کو دے دی تھی پھر نہ آپ نے یاد دلایا اور نہ مجھے یاد آیا کہ میں پوچھتا۔ میں بھی آدمی۔ بھولتا بھی ہوں اور بھول بھی سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو ہوتا۔

آپ نے مولانا شبلی کے خطوط مانگے تھے وہ خطوط اور کاغذات میں گم تھے اور تلاش کی آلکسی سے پڑے رہے ہمارے ایک ضرورت سے کاغذات کو الٹ پلٹ رہا تھا تو وہ مل گئے اب پھر ڈھونڈتا ہوں۔ خدا کرے جلد مل جائیں۔ رمضان کے روزوں کے اندر میں نے ایک گھنٹہ تک تمام کاغذات اُلٹے مگر وہ اس وقت نہیں ملے۔ مولوی عبد السلام صاحب آپ کے دوست گواہ ہیں۔ میں اب بھی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔ جب وہ مل جائیں واپس ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھیں گے اور ویسا ہی سمجھتے رہیں گے جیسا پہلے سمجھا کرتے تھے ؎ صفحۂ مہرباں نام و نشاں است کہ بود۔

حیاتِ شبلی کے دیباچہ میں بھی آپ کی امداد کا ذکر آئے گا۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

(۴۷)

بنام زبیری صاحب

محبی مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ نے مسرور کیا مشکور کیا۔ میرے لڑکے کا نام ابو سہیل ہے مگر وہ اپنے کو اختر سہیل یا اے سہیل لکھتے ہیں انہوں نے امسال مسلم یونیورسٹی سے تھرڈ کلاس میں بی اے کیا ہے۔ میں واقعی ان کے لئے بہت پریشان ہوں کہ کیا کیا جائے۔ سنٹرل ہوم ڈیپارٹمنٹ میں کلرکی کی کوشش کا خیال تھا۔ مگر ذرائع مفقود۔ آنریبل سید عبدالعزیز صاحب سے قدیم ملاقات ہے ان سے دوسروں کے لئے سفارش کرتا ہوں مگر اپنے لئے شرماتا ہوں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اگر چاہیں تو وہ سب کچھ کرسکتے ہیں بشرطیکہ چاہیں۔ آپ کی کوشش و اثر سے بہت کچھ امید پڑتی ہے۔ ان کا سبجکٹ ایف اے تک تو تاریخ اور عربی تھی مگر بی اے میں اردو، تاریخ اسلام اور انگریزی تھی۔ لٹریچر سے ذوق رکھتے ہیں۔ محنتی اور مستعد بہت ہیں۔ ہر کام کو پوری جانفشانی سے کرتے ہیں ریلوے میں اچھی طرح چل سکتے ہیں وہ خود کمپیٹیشن میں بیٹھنا چاہتے ہیں آپ کا خط میں نے ان کو دے دیا اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی ہمدردی سے متاثر۔ وہ ایک ہفتہ کے لئے پٹنہ گئے ہیں واپس آجائیں تو میں ان کو آپ کے پاس علیگڈھ بھیج دوں گا۔ آپ جو مناسب مشورہ دیں گے وہ کریں گے۔

میرے داماد اردو میں ایم اے اور ایل ایل بی ہیں دونوں مسلم یونیورسٹی سے سیکنڈ کلاس میں کیا ہے اُن کا ارادہ منصفی کا ہے۔ پٹنہ میں جسٹس فضل علی اب چیف ہیں۔ شیعہ ہیں ان سے کام لینا پڑیگا۔ سوال یہاں بھی ذریعہ کا ہے بہرحال آپ کی کوششوں سے جو مدد حاصل ہوگی وہ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہو۔ عزیزی یامین کی کامیابی کا حال پڑھا اور سُنا مبارک کرے آمین۔ اس میں عزیز موصوف کی ہوشمندی اور صحیح راہ عمل کو بھی دخل ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اور صاحبزادوں کو بھی کامیاب کرے کہ اس عمر میں آپ کو اطمینان نصیب ہو۔

حیات شبلی کے ۳۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں ۶۰۰ ابھی باقی ہیں۔ میں اب لکھنؤ جا رہا ہوں ۲۵ اکتوبر سے دو ہفتوں تک تھانہ بھون رہوں گا۔ لکھنؤ کا پتہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور تھانہ بھون کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر۔ عزیزی سہیل کو براہ راست شبلی منزل اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھ سکتے ہیں۔ والسلام۔

سید سلیمان

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۲ء

(۴۸)

بنام زبیری صاحب

اعظم گڈھ۔ محبی منشی محمد امین صاحب زبیری سول لائنس علیگڈھ۔

مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مجھے تھانہ بھون میں ملا تھا۔ عزیزی سہیل کو ایک پھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ دانا پور اسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں اور میں بھی پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔ عزیزم سلمہ آپ کے پاس علیگڈھ جا رہے ہیں۔ اب آپ ہیں اور وہ ہیں ان کو جو مشورہ ان کے لائق دیجئے۔ وہ انشاء اللہ عمل کریں گے خدا کرے کہ آپ کی کوششیں کامیاب ہوں امید ہے کہ آپ ان کو مطیع و فرماں بردار پائیں گے۔ دسمبر تک یہ قسمت آزمائی کریں گے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔ سید سلیمان، ۷ نومبر ۱۹۴۲ء

بنام زبیری صاحب

(۴۹)

جناب محبی منشی محمد امین صاحب زبیری زاد لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کے مراہی دو عزیز تو چھپ چکے ہی ہوں گے
تک اب ایک تیسرا بھی چھپانا چاہتا ہوں۔ علیگڈھ گزٹ ۱۵ ردسمبر ۱۹۴۲ء میں ملفوفہ اشتہار چھپا ہے۔ میرے
ایک نوجوان عزیز جو میرے پاس اسی قسم کا کام کرتے ہیں لیکن یہاں مشاہرہ کم پاتے ہیں۔ اس اشتہار کے مطابق
اپنے کو پیش کرتے ہیں۔ درخواست تو انہوں نے حفیظ الرحمان صاحب حفیظ منزل میرس روڈ علیگڈھ کے
نام بھیج دی ہے میں ان صاحب سے واقف نہیں اگر آپ کو واقفیت ہو اور مزید واقفیت ہوگی تو آپ
براہ مہربانی کوشش فرما کر تقرر کرا دیں۔ بہت ممنون ہوں گا۔ افسوس کہ قلم تعویل کا عادی نہیں ورنہ زیادہ لکھتا
عزیزی سہیل ابھی تک ناکام ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے حسب توقع دلچسپی نہیں لی۔ بہرحال ممنون ہوں
کہ اس گرانی میں آپ ان دو ناخواندہ مہمانوں کی میزبانی فرما رہے ہیں۔
کیا ان لوگوں کی کامیابی کی کوئی توقع ہے؟ آپ کی رائے سننی چاہتا ہوں۔ افسوس کہ میں اچھا نہیں
ورنہ علیگڈھ خود آتا۔ گھر میں بھی علالت ہے۔ والسلام

۲۲ ردسمبر ۱۹۴۲ء

سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۰)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تسلیم۔ آپ کے خط ملتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ جواب بھی آپ کو ملتا ہے
یا نہیں۔ ہندوستان خوش ہے اور انتظار کے دن دیکھ رہا ہے۔
آپ کی کتاب کا مسودہ اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ اس میں چند باتیں تنقید کے قابل ہیں
یہاں کسی کا نام بتائیے تو اس کو یہ امانت سپرد کردوں۔

۹ رفروری ۱۹۴۳ء

سید سلیمان

بنام مولوی عبدالرزاق صاحب مولف البرامکہ

(۵۱)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ "یاد ایام" کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں۔ میں دوبارہ عرض
کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں غایت بے تکلفی سے بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو احباب کے
لئے اور وہ بھی آغاز شباب کے لئے ہوتے ہیں۔ در جوانی اندر چنانکہ تو دانی۔ مگر اب جب وہ اواخر عمر میں
ایک مقدس کام کے بانی ہوئے ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے گناہ کا ستر چاہئے نہ کہ تشہیر اس
لئے از راہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے سے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات
پر پردہ ڈالئے تاکہ ان کا نام نیک ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا برملا اظہار اور فخر مسلمان کے لئے
زیبا نہیں آپ کا یہ فرمانا کہ "عطیہ بیگم صاحبہ کی علمی قدردانی نے مولانا کی فارسی شاعری میں نئی روح پھونک دی تھی"
بالکل غلط واقعہ ہے غزلوں کا آغاز ۱۹۰۵ء سے ہوا ہے اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ ۱۹۰۸ء سے ہے والسلام سلیمان ۸/۳/۴۳

(۵۲)

بنام نصیرالدین ہاشمی

مکرم - السلام علیکم - جواباً عرض ہے - جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی - اور نہ مساجد میں اور نہ کتاب یعنی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظر آئیں - صرف سواحل ہند میں ایک ساحلی شہر تھا - جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے - اور سکا بیان ہے کہ سواحل ہند میں ہنور کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے تھے جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ (مصر) -

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسہ کا ہے - یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیوں کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے جیسا کہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے -

بے شبہ اعلیٰ تعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املاء میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں اور روایت کرتی تھیں - بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ کر احادیث کرتی تھیں - اور مرد تلامذہ و سامعین انکو سنتے تھے - لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا - اختلاط نہ ہوتا تھا - جیسا کہ احادیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا - اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا - جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے احوال میں ہے - یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف وجہ بھی کرتی ہوں گی - مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے -

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے - اور اس کی مثالیں بہ کثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں اور اب بھی ہیں - اور بعض فقیہات اسلام کے تذکروں میں بھی ہے - بعض اپنے شوہروں سے علم حاصل کرتی تھیں - والسلام

۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء — سید سلیمان

(۵۳)

بنام زبیری صاحب

جونپور - بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب - محب مکرم - السلام علیکم - میں اس وقت ضعف معدہ و ضعف اعصاب میں مبتلا ہوں - یہاں بغرض علاج مقیم ہوں - مشاغل دماغی سے کلیتہً احتراز ہے -

سیرت شبلی ختم ہوگئی ہے اس کا مقدمہ و دیباچہ معارف نومبر میں مع فہرست چھپ رہا ہے -

آپ اپنے محفوظات دماغی و تحریری سب سپرد قلم کر دیجئے - بہرحال وہ مفید ہوں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے بطور مسالہ کے کام آمد ہوں گے -

مسلم یونیورسٹی کے مباحث سے مجھے دور ہی رکھئے اعتراضات کی بجائے ڈیپارٹمنٹ کو اپنے مشورے دیں تو زیادہ بہتر - اور پھر کوئی صیغہ اپنے مقام پر ہے - فقط عربی و فارسی اور دوسرے صیغوں پر بھی نظر ڈالیئے -

جی ہاں میاں سہیل سے فرصت ملی میاں سہیل محکمہ نمک میں انسپکٹر ہو کر مظفر پور (بہار) میں ہیں -

میاں عاصم نے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ والسلام

۳۱ر اکتوبر سنہ۱۹۴۳ء
سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۴)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ کرمفرمائے من آداب عرض ہے۔ ایک زمانہ کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ گزشتہ زمانہ میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ جو جہاں ہے وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔ خیر یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ اپنی جگہ پر ہیں اور بخیریت ہیں۔

آپ نے میرے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ صحیح ہے ایک تو بُعد مکانی، پھر میری صحت کی خرابی اور اس پر سستی جو تقاضائے عمر و طبیعت ہے۔ یہ سب امور اب جمع ہیں۔ اس لئے بجز اس کے احباب معاف فرمائیں اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں مضمون پر نشان بنا دیا گیا ہے۔ اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔ یہ ظاہر رہتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کے کسی مدعی اجتہاد اہل قرآن سے مشورے لئے ہیں۔ وہ ان کے ذاتی افکار ہیں۔ ان کا تعلق اسلام کے قانون و شریعت سے نہیں۔

آپ کا یہ مضمون آپ کے دوست کے نام بھیجا جا رہا ہے۔

نگار میں نہیں دیکھتا۔ آپ کا جو مضمون اوس میں نکل رہا ہے، وہ بھی نہیں دیکھا۔

اب تو پابندیاں کم ہو رہی ہیں۔ کچھ مصر کے اجتماعی و تمدنی و اخلاقی و تعلیمی احوال و ترقیات سے باخبر کر سکتے ہیں۔ اور اس کا مستقبل آپ کی نگاہ میں کیا ہے۔

معارف کے لئے کنٹرولر کو لکھا جائے گا۔ دیکھئے کیا جواب ملے۔ والسلام۔

۳۰ر دسمبر سنہ۱۹۴۵ء
سید سلیمان ندوی

بنام مالک رام

(۵۵)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تحیت و تسلیم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ آپ نے معارف کے ساتھ جس محبت اور قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ مستحق شکریہ ہے۔ ڈاکخانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مصر پارسل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے حیات شبلی و سیر افغانستان بھیجنے سے معذوری ہے۔

دفتر سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے حسب ذیل پرچے مل سکتے ہیں۔ باقی آوٹ آف اسٹاک ہیں۔

سنہ۱۹۴۱ء مکمل ۱۲ پرچے ہیں۔

سنہ۱۹۴۲ء ۸ پرچے۔ مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اکتوبر، نومبر، دسمبر

سنہ۱۹۴۳ء ۴ پرچے۔ مارچ، اپریل، نومبر، دسمبر

۱۹۴۴ء ۸ پرچے۔ اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔
۱۹۴۵ء فروری، مارچ، جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

لغتہ دار جہہ کے متعلق مولانا شبلی صاحب اپنے سفرنامہ سے (؟ میں) جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ یا میری لغات جدیدہ میں جو کچھ ہے، اوسکو پڑھ کر لکھیں۔

کہئے آپ نے اتنے دنوں تک مسلمانوں کو تو دیکھا، اسلام کو بھی دیکھا۔ وہ اسلام نہیں، جو بازاروں میں اور شہروں میں ہے۔ وہ اسلام جو کتابوں میں ہے۔ میرے خطبات مدراس کا عربی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ کیا کسی اچھے عربی پریس میں آپ اوس کے چھپوانے کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ میں اپنے مصر کے پرانے احباب سے بالکل ناواقف ہوں، ورنہ اون سے کام لے سکتا تھا۔ یہ خطبات سیرۃ نبوی پر ہیں۔ والسلام

۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء　　سید سلیمان

(۵۶)

بنام مالک رام

مکرم تسلیم و تحیت۔ والانامہ ملا۔ بل مرسل ہے۔ خطبات مدراس ہنوز عربی میں مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ضخامت غالباً ۲۰۰ صفحوں کی ہوگی۔ تقطیع معارف کی۔

بحمد اللہ اچھا ہوں۔ مگر کسی کام کے قابل نہیں۔

خطوط شبلی معمولی خطوط ہیں۔ حسن و عشق کی داستان کا رنگ اوسکو مولوی عبدالحق اور امین زبیری نے دیا ہے۔ نہ مجھے اوس سے واقفیت اور نہ وہ میرے علم میں ہے، اس لئے میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ جو صاحب اس سے واقف ہوں۔ . . . وہ لکھیں۔ چنانچہ امین زبیری نے ابھی تبصرہ بر حیات شبلی لکھا ہے اور چھاپا ہے۔ اوس میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سر تا پا ظن فاسد ہے۔ والسلام۔

۱۶ جون ۱۹۴۶ء　　سید سلیمان

(۵۷)

بنام تمکین کاظمی

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نوازش نامہ ملا۔ ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو۔ باقی میرا حال تو یہ ہے۔

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے　　اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

بھوپال ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء　　سید سلیمان

(۵۸)

بنام نصیر الدین ہاشمی

بھوپال۔ مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ قرآن پاک کے اس مبارک نسخہ کا صدقہ ہے کہ آپ کا سواد خط ان نورانی حرفوں میں نظر آیا۔ الحمد للہ بخیر ہوں۔ اور داعی خیر۔

ملکاپوری صاحب کا بیان جب تک کسی قدیم سند پر مبنی نہ ہو وثوق کے قابل نہیں۔ سلاطین کے کتب خانوں میں عموماً اون کے کتب خانوں کی کتابوں پر مہریں ہوتی تھیں۔ ان مہروں سے اس نسخہ پاک کا خالی ہونا اوس کی نسبت کو مشکوک بناتا ہے۔

نسخہ کی آخری عبارت ضعیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے۔ اضعف عباداللہ چاہئے جیسے اس کے بعد واعجز خلق اللہ ہے۔ پھر نام کے آخر میں الحسنی الحسینی لکھا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے طریق کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اس طرح نہیں کہیں لکھا گیا ہے۔ علمائے عراق عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تاہم ان اشعار کی زبان میں کسی قدامت عہد کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اصل شے خط اور کاغذ کی پہچان ہے۔ یہ اشعار اگر نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں تو وہ پھر حضرت سیدنا شیخ جیلانی قدس سرہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خط نویں صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ عربی خط سے بھی کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

۲۰ر جنوری ۱۹۴۷ء

سید سلیمان ندوی

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۹)

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا والا نامہ ملا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کے لئے معلومات کا تفحص پیش کروں۔ مگر یہاں کتابیں نہ میرے پاس ہیں نہ دوسروں کے پاس ہیں۔ اس لئے معذوری رہی۔ اور امروز فردا میں معاملہ ٹلتا رہا۔ بہتر ہے کہ آپ سید صباح الدین عبدالرحمان رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ سے مغلیہ دور کی کرتالی کے فرائض کے متعلق دریافت کریں۔ وہ ان چیزوں پر کتاب لکھ رہے ہیں اور وہاں ماخذ بھی موجود ہیں۔

غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا۔ اب یہ در نایاب آپ کو مبارک۔ معارف کے نمائش خانہ میں کبھی اوسکو دیکھوں گا۔

حیدرآباد آنا بلا تقریب تو ہوتا نہیں۔ اور کوئی مستقل تقریب ابھی تک پیدا ہوئی نہیں۔ اور یوں بھی اب وہ آزادی نہیں۔ پابندی ہے۔ والسلام

بھوپال ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی

(۶۰)

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں اور تماشائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو دور فرمائیں۔ معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام

بھوپال ۱۷ر اپریل ۱۹۴۹ء

سید سلیمان

بنام مولوی عبدالباری بی اے (علیگ) (۶۱)

مکرمی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ملا۔ زبیری صاحب نے حضرت مولانا شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں نے ان کی کتابیں نہ پوری پڑھیں اور نہ ان کے جواب دینے کا کبھی ارادہ کیا۔ آپ اگر جواب لکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکتا نہیں تاہم میں اپنی طبیعت کی بنا پر زبیری صاحب کو اپنی مدت آپ مرجانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تاہم اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہیں تو شام کو عصر و مغرب کے درمیان میرے غریب خانہ پر مل سکتے ہیں جو انڈیا ہائی کمشنر جہانگیر روڈ کے پاس جمن اسٹریٹ میں ہے مکان کا نام شار منزل ہے۔ دروازہ پر نام کا بورڈ لگا ہوا ہے

والسلام۔ کراچی ۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء — سید سلیمان

خواجہ حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

بھائی جی وصدقی صاحب - السلام علیکم - ایک مہینہ لگاتار سفر کاٹھیاواڑ و گجرات و دکن میں سرگرداں رہا۔ اثنائے سفر میں آپ کا عنایت نامہ ملا تھا مگر افسوس ہے کہ جواب لکھنے کی فرصت میسر نہ آسکی۔

آپ پنجاب کے پہلے اخبار نویس ہیں جنہوں نے اصلی خلوص و محبت سے اپنا فرض محسوس کیا۔ خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دیگا[1]۔

میں پرسوں سفر سے آیا ہوں اور کام کی کثرت ہے۔ فرصت میں غور کروں گا۔ اور اپنے سفر کے نتائج سے بھی آگاہ کیا جائے گا۔ قادیانیوں کا ذکر بھی مزدوری تھا۔ کیونکہ اس وقت تو ہم کو توجہ دلانی ہے اور جذبات مہیا کرنے ہیں۔ کام کے وقت ہر شے تقسیم اور علٰحدہ ہو جائے گی۔

۲۷ر نومبر ۱۹۱۷ء

دعاگو حسن نظامی دہلی

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

(۲)

یرن بسیرا، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی۔

خماری شاہ صاحب[2]۔ السلام علیکم۔ مدت سے خط نہیں آیا۔ میں بھی ایک مہینہ سے سفر میں تھا۔ درد بازو کا اب تک وہی حال ہے۔ ناسور اور بخار کی تکلیف قائم ہے۔ ۱۷-۱۸ ربیع الثانی کو حضرت محبوب الٰہیؒ کا سالانہ عرس ہوگا۔ اطلاعاً مرقوم ہے۔ بیت المقدس سے ایک وفد آیا ہے۔ پرسوں وائسرائے نے ان کی دعوت کی تھی اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ان کو دیا ہے۔ وہ آج حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں اطلاعاً لکھا گیا۔

[1] مولانا ظفر علی خاں نے "ستارۂ صبح" کے نام سے ایک اخبار نکالا تھا۔ جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ بعد ازاں روزنامہ ہوگیا۔ اس میں غلط قسم کے تصوف اور غلط قسم کے پیروں کے خلاف بھی مضامین شائع ہوئے تھے۔ جس سے بعض حلقہ ہائے تصوف میں مخالفت شروع ہوگئی۔ فوق صاحب نے اسی زمانے میں رسالہ "طریقت" جاری کر رکھا تھا۔ جس میں بعض مضامین صحیح قسم کے پیروں کی حمایت میں شائع کئے گئے۔ خواجہ صاحب کا یہ اشارہ اسی طرف ہے۔

[2] خواجہ صاحب اپنے خلفا کو خطاب دیا کرتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو انہوں نے خماری شاہ کا خطاب دیا تھا۔

خواجہ بابا کی آنکھ کیسی ہے۔ آپ تو آج کل وائسرائے کی آمد میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انجام خیر فرمائے۔ اور آپ کی خوشی دیکھنی اور سننی نصیب ہوئے۔

۳ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ ——— ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء — دعاگو: حسن نظامی

لنگر شریف کے لئے جو ماہوار آپ کے ہاں سے مقرر ہے عرس کے قریب آجائے تو مصارف لنگر میں کام آئیگی۔

(۳)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

دین بسیرا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی ——— تار کا پتہ "خواجہ دہلی"

ہمارے شاہ صاحب السلام علیکم۔ خط رجسٹرڈ مورخہ ۲ ردسمبر وصول ہوا۔ درویش کے مضمون میں جماعت علی شاہ صاحب ہی کے واقعہ کا اشارہ تھا۔ آپ مجھ سے پہلے اس قصہ کو فرما چکے ہیں۔

اگرچہ آپ کا خیال بلحاظ تدبیر درست ہے کہ جماعت علی شاہ صاحب جیسے لوگ ان جوابات سے قائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اور ضد کریں گے۔ مگر ملک میں ان کے علاوہ بھی ایک جماعت کثیر ایسی ہے جو اس قسم کے مضامین شائع ہونے سے بدگمانیوں اور فضول افواہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے میں نے وہ مضمون شائع کرنا ضروری سمجھا اور مناسب معلوم ہوا تو آپ کا یہ خط بھی خانگی الفاظ قلم زد کرنے کے بعد شائع کر دیا جائے گا۔ کہ اس خط میں نہایت مخلصانہ بھی تحریر ہے۔ اگر خط شائع ہوا تو جماعت علی شاہ کا قصہ درج نہ ہوگا۔

میں کل ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اور دو تار بھی آپ کو دیئے ہیں۔ امید ہے کہ وصول ہوئے ہوں گے۔ میں خود آمنے سامنے ملنا اور بات چیت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے حسن بانو کو بھی اب آرام ہے یعنی قابلِ فکر حالت نہیں ہے۔ شادی اگر مقرر ہو گئی تو فوراً چلا آؤں گا، ورنہ پندرہ دن کے بعد ارادہ ہے محض آپ ہی سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں کہ مریدوں کی بھیڑ سے بچ کر کہیں ٹھہروں۔ خواجہ بابا اور بچوں کو دعا۔

۵ ردسمبر ۱۹۲۳ء — دعاگو: حسن نظامی

(۴)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر ——— حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو۔ السلام علیکم۔ خط ملا۔ لکھی ہوئی تقریر تبلیغ نسواں کے لئے دہلی چلی گئی ہے۔ چھپ کر آنے والی ہے۔

میں آج مہاراجہ کے مکان میں سب کو لے کر جا رہا ہوں اور آج کسی وقت آپ سے ملنے آؤں گا۔

---

[1] اشارہ ہے خواجہ پرشاد کی طرف۔ مہاراجہ کو ہندو بیویوں سے لڑکیاں تھیں کوئی لڑکا زندہ نہ رہتا تھا۔ خواجہ صاحب کی دعا سے جب لڑکا ہوا تو اس کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔ چنانچہ یہی لڑکا ان کا جانشین ہوا۔ حالانکہ مسلمان بیویوں سے اس سے بڑی عمر کے لڑکے موجود تھے۔ خواجہ پرشاد نے اپنے والد کے بعد چند سال کے اندر ہی بمبئی میں مشتبہ حالات میں وفات پائی۔

[2] مہاراجہ آخر میں تیسری مرتبہ حیدرآباد کے صدر اعظم ہوئے اور خواجہ صاحب نے یہ خوشی بھی دیکھ لی

سید ہمایوں مرزا صاحب کو تسلیم۔ ان کی علالت کی خبر نہ تھی۔ دو تین دن تک ان سے ملنے آؤں گا۔

۳۰ جولائی ۱۹۲۹ء دعاگو: حسن نظامی

ریلوے کے کاغذات مرسلہ سید صاحب وصول ہو گئے ہیں۔

(۵)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

مخلص نواز جناب سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

السلام علیکم۔ میں یہ خط خصوصیت سے آپ کی خدمت میں اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ کو ملک و قوم کی موجودہ حالت کا پورا احساس ہے۔ اور آپ کے دل میں اصلاح و ترقی کا ایک خاص درد ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ نئے تمدن و تہذیب اور قدیم تمدن کے باہمی تصادم کے موجودہ زمانہ میں جب کہ سیاسی خیالات اور مذہبی عقائد میں انقلابات بھی پیدا ہو رہے ہیں بڑی ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے ملک و قوم کی عورتوں کو ہر انقلابی خطرہ سے بچائیں اور ان کو اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لئے تیار کریں۔ اور ان میں قومی و ملکی احساس کو بڑھائیں۔ اور مختلف صوبوں کی عورتوں کو باہم متحد کریں۔

اس کے لئے تجویز ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء سے ایک ہفتہ وار زنانہ اخبار جاری کیا جائے جو با تصویر ہو اور جس میں عکسی اور لیتھو کی تصویروں کے ذریعہ عورتوں کی اصلاح و ترقی اور متحد ہونے کے لئے مضامین شائع کئے جائیں۔ اس اخبار کا نام "عورتوں کا اخبار" ہو اور وہ دہلی سے میں خود جاری کروں۔ اس کی قیمت چار روپے سالانہ ہو۔ اور اس کا ایک ماہوار ایڈیشن بھی ہو جو ایک روپیہ سالانہ میں دیا جائے تاکہ غریب لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں

پس یہ خط اس لئے لکھتا ہوں کہ پہلے آپ کا مشورہ حاصل کر لیا جائے کہ آپ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اور اس بڑے کام میں کچھ مدد دے سکتے ہیں یا نہیں۔

۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء دعاگو: حسن نظامی

(۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

مخلص نواز و صدق صاحب۔

السلام علیکم۔ آپ کے خط کے جواب میں بہت دیر ہو گئی۔ کیونکہ میں بہت بیمار تھا۔ آپ کی کتاب "تاریخ کا روشن پہلو" بیماری کے زمانہ میں سرہانے رہتی تھی اور میں اس کو بار بار پڑھتا تھا۔ اب ان شاء اللہ اس کی نسبت روزنامچہ میں لکھوں گا۔

۱۶ اپریل ۱۹۳۲ء دعاگو: حسن نظامی، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی۔

(۷)

بنام سید ہمایوں مرزا

از دفتر خواجہ حسن نظامی۔ دہلی۔ مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب۔

السلام علیکم۔ امید ہے کہ ہمایوں بانو اور آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں نے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا

(۶)

(۷)

کپڑے میں سی کر گلے میں ڈال دیجئے۔

آپ کا دوسرا خط تازہ منادی میں شائع ہوا ہے۔ خیریت لکھئے۔ یہاں سب کو فکر ہے۔ اور سب دعا مانگ رہے ہیں

۲۰ر جون ۱۹۳۶ء   دعا گو، حسن نظامی

دو حرے خاص طور سے دعا کرائی جاتی ہے۔

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

(۱۰)

حیدرآباد دکن بشیر منزل دبیرپورہ

آج رات کو دس بجے میں نے بشیر منزل میں دکن کی مشہور ہونہار شاعرہ بشیر النسا بیگم بشیر کا سلام ان کی زبان سے سنا۔ ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب اور ان کے بڑے بھائی مرزا محمد فاروق علی صاحب وکیل بھی موجود تھے بشیر کا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیکھا بھی تھا۔ اور دوسروں سے سنا بھی تھا۔ مگر خود بشیر کی زبانی ان کا کلام سننے کا آج پہلا موقع تھا۔ وہ مرد شاعروں کی طرح بن بن کر نہیں پڑھتیں۔ بلکہ جس طرح ان کا کلام بے ساختہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے پڑھنے کا طرز بھی بناوٹ سے پاک ہوتا ہے بہت سلاست اور سادگی سے وہ اشعار ادا کرتی ہیں۔ جس سے ان کی موزوں طبیعت کی رعنائی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے۔

اہل دکن خوش نصیب ہیں کہ ان کی عورتوں میں بشیر جیسی ہونہار شاعرہ ہیں۔ آج ان کے دستر خوان کی نفاست کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ دستر خوان پر کھانوں کی شکل میں بھی غزلیں نظر آتی ہیں۔ کھانوں کی ترتیب میں تمیز اور سلیقہ تھا۔ مگر ایسا سلیقہ جو شاعری کی شان دکھاتا تھا۔ کوئی کھانا اور اس کی نشست شاعری کی تختی سے خالی نہ تھی۔ میں اگر شاعر ہوتا تو بتا دیتا کہ کھانے اس ترتیب سے چنے گئے ہیں کہ کہیں رباعی ہے، کہیں خمسہ ہے کہیں تضمین ہے کہیں طرح کا مصرع ہے، کہ اکیلا میٹھا پکار رہا ہے کہ نیچے گرہ کا مصرع لگائیے۔

بہرحال شاعر نہ ہونے کے باوجود میں یہ داد شاعرانہ زبان میں لکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں اور اس کے مشاہیر شعراء میں ایک ناموزوں غزل کی طرح یادگار رہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ بشیر کو خدا اتنے دن زندہ رکھے کہ اردو زبان تمام ملک میں قومی بولی تسلیم کر لی جائے۔ اور ہر گھر بشیر کے کلام کی دھوم مچے۔

۲۱ر اگست ۱۹۳۹ء   راقم حسن نظامی دہلوی مسافر

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

(۱۱)

دختر روحانی بشیر النسا بیگم چمن آرا اور ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ میری صحت کا شیرازہ ایسا بکھرا ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں حیدرآباد آنا بہت مشکل ہے۔ حیدرآباد آنا ہو یا نہ ہو تم دونوں میاں بیوی کے دلوں میں پہلے بھی تھا اب بھی ہوں آئندہ بھی رہوں گا اور تم دونوں بھی میرے دل میں اور میرے تصورات میں ہمیشہ نفس کا لجر رہتے ہو۔

۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء   دعا گو حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور

(۱۲)

مخلص نواز ڈاکٹر زور صاحب

السلام علیکم۔ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ آپ کو تاناشاہ کے حالات اور ٹیپو سلطان کے حالات کی نقلوں کی یاد دہانی نہ کرا سکا۔ اب یہ خط خیریت طلبی اور دونوں کتابوں کے حصول کی غرض طلبی سے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ سجادہ نشین صاحب[1] کی خدمت میں تعظیم۔

مخلص حسن نظامی

۱۵ / اپریل ۱۹۴۶ء

یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ زاہد حسین صاحب نے آپ کے مزید کے لئے کچھ کیا یا نہیں جن کی میں نے سفارش کی تھی اور آپ کے کتب خانے کے واسطے بھی کچھ ہوا یا نہیں۔

حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور صاحب

(۱۳)

مخلص نواز زور صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی مورخہ نسیان پہونچا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی خانقاہ میں کتب خانہ قائم ہوا۔ منادی میں بھی اس کا ذکر کروں گا اور زاہد حسین صاحب کو بھی خط لکھوں گا۔ اب مطلوبہ کتب کی نقل نہ بھیجئے۔ کیونکہ میں اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔

سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں تسلیمات۔

مخلص حسن نظامی

۱۶ / اپریل ۱۹۴۶ء

بنام ڈاکٹر زور

(۱۴)

ہادی منزل۔ باغ عام روڈ۔ حیدرآباد۔ برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب۔

آداب عرض ہے۔ جواب نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں پنجشنبہ سے ہادی منزل میں منادی کے انتظامات کے لئے آگیا ہوں۔ املا نویس اور عمدہ کاتب کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی عمدہ اور زود نویس خوش خط املا نویس آپ مہیا کر سکیں تو ایک روپیہ گھنٹہ اجرت دوں گا۔

اور کاتب ایسا ہو جو میرے یہاں رہ کر کام کرے تو بہت ہی اچھا ہو تاکہ میں دہلی کے مروجہ اصول کتابت بتاتا جاؤں ورنہ یہاں کا طرز تحریر باہر والوں کو پسند نہیں آئے گا۔

بہت عنایت ہوگی اگر آپ اس کام میں سعی فرمائیں گے۔

حضرت شاہ صاحب[2] کی خدمت میں استدعائے دعا۔ وہ معصوم ہیں اُن کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

مخلص حسن نظامی

۳۰ / نومبر ۱۹۴۶ء

---

[1] میرا (ڈاکٹر زور کا) لڑکا سید شاہ تقی الدین احمد قادری جو اپنے دادا حضرت مشکل آسان ثانی کی درگاہ کا سجادہ نشین ہے۔

[2] میرے لڑکے سید شاہ تقی الدین قادری کو سجادہ نشین ہونے کی وجہ سے خواجہ صاحب بہت چاہتے اور تعظیم دیتے تھے۔

بنام مولوی وحید احمد صاحب بدایونی (۱۵)

حجرۂ قدیم شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی، صدر آل انڈیا چشتی پارٹی و جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ دہلی

بخدمت جناب مولوی وحید احمد صاحب بدایونی۔

السلام علیکم! مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۴۹ء آج وصول ہوا۔ شکریہ۔ میں ۲ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد گیا تھا اور یکم جون ۱۹۴۹ء کو اپنے گھر میں واپس آیا۔ آپ کی مرسلہ کتاب مجھے نہیں ملی۔ لیکن میں اس کی دید کا مشتاق ہوگیا۔ ممکن ہے آپ نے دہلی کے پتہ پر بھیجی ہو مگر یہاں کوئی انتظام باقی نہ تھا۔ آپ میرے آقا حضور سلطان المشائخ کے ہموطن ہیں، اس واسطے آپ کو اس طرف جو توجہ ہوتی ہے میں اس کو ارواح مقدسہ کی توجہ کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں مزید خط و کتابت بھی چاہتا ہوں مگر پہلے کتاب دیکھنی ضروری ہے۔

۱۶ر جون ۱۹۴۹ء — مخلص حسن نظامی

بنام وحید احمد صاحب رئیس شیخوپور (بدایوں) (۱۶)

دفتر امیر خسرو اردو لائبریری دہلی۔

پیارے ماموں روشن دل بیدار قلم وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی اُس کا حال مجھ سے کہا گیا تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے۔ اس لئے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں۔ میرے دل پر حوادث اور انقلاب ایام کا بہت ہی کم اثر ہے اور اس کو میں خدا کی سب سے بڑی نعمت تصور کرتا ہوں۔ روشن دل اور بیدار قلم بھی حقیقت سمجھ کر لکھے گئے ہیں۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی روحانی تجلیات ہم سب کو صراط مستقیم دکھاتی رہیں گی۔ منادی اخبار آپ کو ملا یا نہیں۔ مادر ہمدرد کتاب بھی روانہ کرونگا۔

۱۸ر مارچ ۱۹۵۰ء — مخلص حسن نظامی

بنام مولانا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور بدایوں (۱۷)

مخلص نواز جناب مولانا وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کتاب گرد راہ لالہ انوپ سنگھ صاحب کے ذریعے مجھے ملی۔ یکم اپریل کے منادی اخبار میں مختصر تبصرہ گرد راہ پر لکھا ہے۔ . . . .

. . . یہ کتاب پڑھ کر مجھے ایک حد تک یقین ہوگیا ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح آپ سے وہ کام لینا چاہتی ہیں جو موجودہ وقت کے ہندوستانی اور پاکستانی انسانوں کے لئے ضروری ہیں۔

میں نے آپ کو ماموں اس لئے لکھا تھا کہ انوپ سنگھ نے مجھ سے کہا کہ وحید احمد صاحب کہتے تھے خواجہ صاحب میرے پیر ہیں۔ میں سمجھا کہ آپ نے کام تو کیا مریدوں کی طرح لیکن کچھ تھوڑی سی شوخی بھی ظاہر کر دی۔ کہ اس شخص کو پیر کہا جو ہمیشہ اہل سیاست کا حریف رہا تھا۔ اس لئے میں نے بھی خوش طبعی سے ماموں لکھ دیا۔ بہرحال

ہوں کہ دنیا سازی کی طلبگار ہے۔ بے ساز آواز اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ اس واسطے میں بھی زمانہ سازی کر رہا ہوں۔ تاکہ "زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ بساز" پر عمل ہو جائے۔

۵ر اپریل ۱۹۵۰ء　　مخلص طالب دیدار حسن نظامی

اتنا لکھوا چکا تو ملا محمد واحدی صاحب کا کراچی سے خط آ گیا۔ وہ میرے دل نشین لوگوں میں ہیں بس دو آدمی زیادہ دل نشین ہیں ایک واحدی صاحب، دوسرے بھیا احسان صاحب۔ مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، واحدی صاحب مذہب میں غرق ہیں۔ بھیا مذہب سے کوسوں دور ہیں مگر محرم حقائق و معارف ولایت ہیں۔

میرے جسم کی بغاوت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مگر میرے عزم کی قوت تبسم کناں مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ سطریں بے نظر آنکھوں کی مدد سے خود لکھی ہیں کہہ نہیں سکتا کہ ٹھیک لکھیں یا غلطیاں رہ گئیں۔

حسن نظامی

(۱۹) بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)

محرم اسرار فرد فرید کو سلام اور محبت کے پیغام کے بعد معلوم ہو کہ ۸ر اپریل کا خط آج ۱۱ر کو ملا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کا جواب بھی اپنے ہاتھ سے لکھوں مگر پچھلی رات تحریری کام زیادہ کیا تھا۔ اس لئے خط لکھواتا ہوں۔

تصوف کی کتاب ہر وقت سامنے رکھتا ہوں اور جلدی تبصرہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اجمیر شریف کے سالانہ عرس کے زائرین تک پہنچ جائے۔ کیونکہ آج کل وہاں نامحرم بہت کم جاتے ہیں یا بالکل نہیں جاتے۔ بس وہی جاتے ہیں جو محرم اسرار ہیں۔ الوپ سنگھ اور مول چند کی نسبت میں نے جو کچھ لکھا تھا اس سے آپ نے میرے انقباض کا نتیجہ درست نہیں نکالا۔ بلکہ میں آپ کی اور اپنی بات چیت سے غیریت کا حجاب دور کرنا چاہتا تھا کہ جتنا کام آپ کر سکتے تھے اس سے زیادہ آپ نے کر دیا۔ اب بعد کی رسہ کشی سے بے تعلق ہو جایئے۔ اور مجھے روزانہ ایک خط لکھ دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ کے خط سے مجھے بہت سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ کا خط آیا تو ریاست ریواں سے پانچ عورتیں اور ایک مرد بیعت ہونے کے لئے آئے اور ضلع حصار سے ایک ہندو عورت مرد تعویذ کے لئے آئے۔ میں نے ان دونوں کو آپ کے خط میں اس لئے یاد کیا کہ پچھلی رات سے دونوں قوموں کے سمجھوتے کی نسبت مختلف نوٹ لکھتے لکھتے تھک گیا تھا اور اس وقت آپ کو یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جس خلوص اور سچی محبت سے یہ آنے والے میرا کہنا مانیں گے اس خلوص و محبت سے لیاقت نہرو کی رعایا ان کا کہنا نہیں مانے گی۔ حالانکہ ان دونوں کے پاس طاقت ہے، دولت ہے، اختیار ہے اور میرے پاس ان میں سے بہت کم۔

قوالی میں آنے کی ان دونوں کو فرصت نہیں ملی۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ میں اس قوالی سے محفوظ رہا جس میں قوالی کے مضمون کی طرف توجہ کم ہوتی اور قوالی سننے والوں کی حفاظت جان کی طرف توجہ زیادہ ہوتی

میں آج کل بولتا قرآن کتاب لکھ رہا ہوں۔ جس میں ان آیات کو جمع کیا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کرتی ہیں۔

ایک دفعہ امین آباد لکھنؤ میں حضرت اکبر الہ آبادی ٹھہرے ہوئے تھے اور میں ان سے ملنے گیا ہوا تھا۔

نوکر نے آکر خبر دی مولانا ابوالکلام صاحب ملنے آرہے ہیں۔ حضرت اکبر نے مجھ سے کہا چلئے ابوالہلال صاحب آرہے ہیں، ہم کہیں بھاگ چلیں۔ میں نے کہا بھاگنے کی کیا ضرورت ہے آنے دیجئے۔ کہا۔ میرے اعصاب کمزور ہیں، آپ کے اعصاب مضبوط ہیں۔ مگر بحث کا وقت نہیں ہے، جلدی چلئے۔ چنانچہ ہم دونوں بالاخانہ سے نیچے اُترے اور ایک یکّے والے کو بلایا، ایک طرف میں بیٹھا، ایک طرف حضرت اکبر بیٹھے۔ یکّے والے نے لکھنوی تمیزداری سے پوچھا، حضور کہاں چلئے گا، فرمایا جلدی چل یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ یکّہ چلا۔ سڑک مڑی۔ یکّے والے نے پھر دریافت کیا کہاں لے چلوں؟ فرمایا۔ حجت نہ کر و جہاں جی چاہے لے چلو۔ یکّے والا حیران کہ عجب سواری ملی ہے۔ مجھے بھی خلجان کہ مولانا ابوالکلام سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر امین آباد کی ایک دکان کے سامنے اترے، اور یکّے والے کو کرایہ دیا اور دوکاندار کے پاس پہنچے۔ وہ واقف تھا۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا میں دکان کے آخری حصے میں جانا چاہتا ہوں، دکان کے تین درجے تھے حضرت اکبر آخری تیسرے درجہ میں جاکر بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا یہاں تو ابوالہلال صاحب نہیں آجائیں گے؟ میں نے کہا یہ جگہ بالکل محفوظ ہے لیکن آخر ان سے ڈرنے اور بچنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا جب آپ کا سر جیمس مسٹن سے جھگڑا ہوا تھا تو مجھ پر آپ سے تعلق رکھنے کے سبب بڑی پورش ہوئی تھی۔ اب انگریزوں کے مخالف ابوالہلال سے ملوں گا تو خبر نہیں افسران ضلع کتنا زیادہ ستائیں گے۔

یہ قصہ اس لئے لکھا کہ ہر دور میں ذات پاک کسی نہ کسی خوف کی شکل میں تجلی دکھایا کرتی ہے۔ مگر میں ہمیشہ اس تجلی کی زیارت سے محروم رہا۔ یعنی کسی ڈرنے کی چیز سے کبھی نہیں ڈرا۔ جب قاتل ۳۰ رجنوری ۱۹۲۸ء کی شام کو میرے خسر کو قتل کر چکا تو میرے سامنے آیا اور پستول سے گولی چلائی جو میرے کان کے پاس سے نکل کر چلی گئی، پھر دوسری گولی چلائی جو دوسرے کان کے پاس سے نکل گئی۔ پھر تیسری گولی چلائی جو سر سے گزر گئی۔ چوتھی گولی چلا کر وہ بھاگا اور میں اُس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑا۔ اگر ڈر جاتا تو ذات پاک کی تجلی اُس خوف میں دیکھ لیتا۔ نہیں ڈرا۔ تو ذات پاک کی تجلی صراط مستقیم میں دیکھ لی۔ خبر نہیں امین آباد میں اب بھی ہوٹل ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل کے قیام کو آزادی اور راحت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہوائی جہاز میں آؤں گا اور دو رات امین آباد کے ہوٹل میں ٹھہروں گا اور آپ سے اور فرنگی محل والوں سے مل کر چلا آؤں گا۔ گھانس کی منڈی کو بھی دیکھ لوں گا۔ جہاں بھوپال والے نواب نورالحسن خاں صاحب کے پاس کچھ دن رہا تھا۔ اگرچہ گھسیاری منڈی میں اب کوئی جاننے والا نہیں ہے مگر میں ذگھسیاری منڈی کا جاننے والا ہوں۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن۔

آپ کے کتنے بچے ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں؟ کل میری تین سالہ نواسی جھومتی ہوئی آئی اور کہا۔ دودھ ملیدہ اللہ ہی دے گا۔ مست قلندر اللہ ہی دے گا۔ وہ جھومتی تھی اور میں دل میں کہتا تھا۔ دعوے کرتے ہیں لم یلد ولم یولد کا۔ اور تردید دکھاتے ہیں قدم قدم پر۔ ہمہ اوست اور ہمہ از اوست۔ وہ سب کچھ ہے اور سب کچھ اس سے ہے۔ وجود و شہود کو آپ نے جس عالمانہ اور فلسفیانہ انداز سے اپنی کتاب میں لکھا ہے

اس کو تو میں سمجھنے کی بساط بھی نہیں رکھتا لیکن نہرو لیاقت کے سمجھوتے میں جتنا میں نے خدا کو بے نقاب دیکھا ہے
اتنا شاید منصور نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔
گڈ بائی مائی ڈیر من موہن۔

۱۱ اپریل ۱۹۵۰ء　　　مخلص حسن نظامی

یہ لکھنا بھول گیا کہ ۶ دن سے پان تمباکو چھوڑ دیا ہے اور قطب عالم کی طاقات کا استخارہ کر رہا ہوں جو
۷ دن میں ختم ہوگا۔ پان تمباکو کی عادت پچاس برس سے ہے اس لئے ایک طرح کی غشی اور غنودگی طاری رہتی ہے
صبح کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ چار بجے سے لکھوا رہا ہوں۔

(۲۰)

بنام مولانا حمید احمد

جناب مینیجر صاحب ہوٹل دی ہارٹ[1]
کسی بوائے کو آواز دیجئے کہ کمرہ نمبرا کا مسافر ناشتہ مانگتا ہے۔
صورت حال یہ ہے کہ ۱۳ اپریل کا خط آج ۱۵ کو ملا۔ جب آپ یہ خط لکھ رہے تھے میں اپنے گھر سے دس
میل دور انکم ٹیکس آفیسر سے ملنے جا رہا تھا۔ لاکھوں عورت مرد جمنا اشنان کر کے گھروں میں واپس جا رہے تھے۔ قدم
قدم پر اندیشہ ہوتا تھا کہ کسی سے ٹکر ہو جائے گی۔
مجھے معلوم نہ تھا بیساکھی کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ اس کا چرچا پنجاب میں زیادہ ہے۔ اب پنجاب کے پانچوں
دریا دلی کے کوزے میں بند ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر محب الغفار ہندو ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا آج نیا سال ہے شگون
بہت اچھا ہے۔ ساس نے سونے کی گھڑی کلائی پر باندھی اور خدا نے آپ کو گھر بیٹھے بھیج دیا۔
یہ سن کر کہ بیساکھی حساب کا نیا سال ہے مجھے اس لئے دل نواز معلوم ہوا کہ میں بھی اپنے انکم ٹیکس کا حساب
سمجھنے سمجھانے گیا تھا۔
پھر کل صبح درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں گیا۔ سالانہ عرس میں شریک ہوا۔ سیکڑوں زائرین کو چیخیں مار
کر روتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ مزارات کو شکستہ پایا۔ درگاہ کے دروازے پر حافظ ویران کی قبر تھی جس پر لکھا تھا کہ
مرقد ویران پہ بھی فاتحہ پڑھتے جانا　　ان سے کہہ دو جو ہیں اس در سے گزرنے والے
دیکھا تو یہ کتبہ بھی ویران تھا۔ شاعر نے ویران تخلص رکھ کر بدشگونی کی تھی۔ میں نے آج سے چالیس برس پہلے ایک
کارٹون بنایا تھا کہ اسکول ماسٹر سلطان ٹرکی شاہ ایران شاگرد کو پڑھا رہے ہیں لکھو بورڈ پر "ایران"۔ شاگرد جواب
دیتا ہے۔ ماسٹر زار روس نے بتایا تھا کہ یہ لفظ ویران ہے، ایران نہیں۔
مجھے آپ کے بچوں کے نام پڑھ کر ایسی خوشی ہوئی۔ گویا ہوٹل دی ہارٹ میں ٹھہر گیا ہوں اور میری نواسی

[1] میں نے ٹھہرنے کے متعلق گزارش کی تھی کہ ایک ہوٹل میرے یہاں ہے اس میں قیام فرمائیے اور اس کا نام HOTEL de HEART ہے

گلِ رعنا آپ کی نواسی کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

یہ بتانا کہ مسافر ہوٹل دی ہارٹ میں کب آئے گا، دشوار ہے کیونکہ بیماریوں نے اتنا زور پکڑا ہے کہ کل دوپہر سے آج سہ پہر تک کچھ نہیں کھایا اور پان چھوڑے ہوئے سات دن سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ خیال آیا اگر لکھنؤ جاؤں گا اور عمانی لکھنؤ کے پان کی گلوری مجھے بھیجیں گی تو کیونکر انکار کروں گا۔

قطب عالم سے اگر ملنا ہو بھی جائے کہ موسیٰ کی طرح انجان میں رہوں گا یا خضر کی طرح قطب عالم کو انجان پاؤں گا۔ یہ تو تصورات اور تخیلات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی ملکنیں ہیں ورنہ آدم نہ بود و من بدم حوا نہ بود و من بدم۔ او خود نہ بود و من بدم من عاشق دیرینہ ام۔

آج شام کو ایک منسٹر صاحب کے آنے میں مجھے بھی ان کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ ان کا نام نوری ہے۔ اور وہ بیرسٹر بھی ہیں اور میرے پرانے دوستوں میں ہیں۔ بیاور کے رہنے والے ہیں۔ اگر آج رات کو ان سے ملوں اور کہوں کہ آپ ری پبلک کو مانتے ہیں یا نہیں اور وہ جواب دیں (آیم نو۔ ری) تو میں کہوں گا جس مقام پر آپ رہتے ہیں اس کا نام بھی فارسی ہندی سے مرکب ہے۔ پہلا لفظ بیا دوسرا لفظ وَر۔ بیا ور۔ اور وَر ہندی میں طاقتدار اور غالب کو کہتے ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہم، شعبان تک اگر میں اپنے جسم سے باہر نہ چلا گیا تو اُس کے بعد رمضان میں آؤں گا تاکہ روزہ نہ رکھنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ وجود و شہود کی بحث میں نے اس لئے پسند کی کہ ساری عمر عام فہم وجودی رہا ہوں اور مولانا سید ظہور احمد وحشی شاہجہان پوری نے میری شان میں ایک فارسی غزل لکھی تھی جس میں میرے وجودی عقائد کو بہت شاعرانہ انداز سے ظاہر کیا تھا۔ وجود، شہود، کبود، بہت سے قوافی تھے۔

حضرت اکبر فرمایا کرتے تھے آنے والے انقلاب کے سیلاب میں سب بہہ جائیں گے فقط صوفی باقی رہیں گے۔ آپ کی کتاب تصوف کو جب پڑھتا ہوں اکبر یاد آتے ہیں۔ آپ کے کچھ مسوّدات قرن اول کے، کہیں ملیں تو میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی زندگی کے ارتقائی درجوں کو سمجھ سکوں۔ نہ آپ کے لئے نہ اپنے لئے، نہ قوم کے لئے، نہ ملک کے لئے بلکہ ہوٹل "دی ہارٹ" کے لئے۔

دمشق کے ہوٹل دار السرور میں ٹھہرا ہوا تھا کہ غالب پاشا گورنر شام ملنے آئے۔ میں نے کہا آپ ملک عرب کے گورنر ہیں۔ آپ کا قرآن عربی میں، حدیث عربی میں۔ پھر آپ عرب بچوں کی ابتدائی تعلیم میں عربی کو داخل کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا۔ میں نے ابھی مرکزی حکومت کو لکھا ہے۔ کل وہ بات یاد آئی۔ جب بنارس سے پیام ادب کتاب آئی۔ جس میں جواہر لال کا ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے۔ میں نے خیال کیا غالب پاشا باوجود غالب نام کے مغلوب تھے اور جواہر لال باوجود بڑے حاکم کے عوام کے محکوم ہیں۔

آپ شعر بھی کہتے ہیں؟ اور اگر کہتے ہیں تو کس زبان میں۔ اور جب آپ خواب دیکھتے ہیں تو ملنے والوں سے بات کس زبان میں کرتے ہیں۔

میرے بچوں کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ بڑا لڑکا حسین دوسرے علی تیسرے نصیر پاشا ان کے بعد حسن
ابوطالب پیر بھی۔ بڑی لڑکی حور بانو مر گئی۔ دوسری لڑکی روح بانو۔ تیسری کوثر۔ حسین کے چار لڑکے سلمان۔ عثمان۔
امان۔ عدنان۔ ایک لڑکی قدسیہ۔ علی کے دو لڑکے ولی اور وصی اور دو لڑکیاں طاہرہ قرۃ العین اور فریدہ۔ ندیم
کے بڑے لڑکے ندیم دوسرے نوعم۔ ایک لڑکی گل رعنا۔

میری بینائی بہت کمزور ہے۔ دائیں آنکھ سے کچھ تھوڑا سا نظر آتا ہے۔ بائیں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر
وقت ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ گردہ، معدہ، جگر خراب ہے۔ آنتیں بھی خراب ہیں۔ نیند بھی کم آتی ہے مگر غصہ زیادہ
آتا ہے۔ اور یہ قرآن کی بتائی ہوئی مومن کی شان نہیں ہے باقی سب صفات مومن میرے اندر ہیں۔ ایک کوتاہی میرے
ذہن اور دماغ میں پیدا ہو گئی ہے کہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہوں کہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ نگران کو کام کرنا نہیں
آتا۔ مجھے کام کرنا آتا ہے لیکن کام لینا نہیں آتا۔ اس واسطے میرے کسی کام میں ترتیب اور موزونیت باقی نہیں رہی
ہے۔ اور اس کی وجہ سے دماغی اور ذہنی اذیت میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔ گڈ بائی مائی ڈیئر اپیل۔

۱۵ اپریل ۱۹۵۰ء

حسن نظامی

(۲۱)

بنام جناب شفا گوالیاری بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از درگاہ شریف دہلی۔ محبی جناب شفا صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی کتاب آیات شفا پہنچی اور آج ۱۹ ستمبر کا کارڈ بھی پہنچا۔ شکریہ۔ میں آپ کے کلام کے
مجموعے کی نسبت منادی میں کچھ لکھوں گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ نے نام ایسا رکھا ہے جس پر مجھے اعتراض ہے
کیونکہ اس میں آیات کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر اس مجموعے میں آیات شفا کا بھی ذکر آ جاتا تو بات موزوں ہو جاتی مثلاً
فیہ شفاء للناس وغیرہ تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بہرحال میں اعتراض نہیں کروں گا اور تعارف کر دوں گا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۵۱ء

مخلص حسن نظامی

(۲۲)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد

از دفتر اخبار منادی دہلی — ۲۶ دسمبر ۱۹۵۲ء

السلام علیکم۔ دسمبر ۵۲ء کا رسالہ سب رس آج ملا۔ فوراً پڑھا۔ سہ ماہی کرنے کی تجویز بہت نامناسب
ہے۔ اس کو ہفت روزہ کر دیجئے اور سائز کتابی یعنی $\frac{30\times20}{16}$ کر دیجئے۔ صفحات ۱۶ ہوں یعنی صرف ایک جز۔
اب تک نام کے لحاظ سے سب رس ناکام ہے کیونکہ اس میں دوسرے رسالوں کا رس نہیں ہوتا۔
ہفت روزہ کرنے اور صفحات ۱۶ تک محدود ہو جانے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ اب بڑے سائز کے ۸۴
صفحات ہوتے ہیں۔ ۱۶ صفحات کرنے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ ترتیب کا خلاصہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اردو کے
مشہور (مگر ادبی) رسالوں سے نظم و نثر اقتباس کر لیجئے تاکہ سب رس نام صادق آئے۔ قیمت بھی لاگت کے اندر رکھئے
بہت جلد اشاعت بڑھ جائیگی خرچ کم ہو جائیگا۔ میں بیماری کے سبب منادی کی خدمت نہیں کر سکتا اور کئی ماہ سے اخبار بند ہے (حسن نظامی)

اب ڈاکٹر قمرالدین صاحب[1] سے معلوم کرکے زحمت کا وقت آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اور در دولت پر حاضر ہوں گا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی ہے دوپہر کے بعد آئیں گے۔

نیازمند حسن نظامی

بنام ہاشمی صاحب

(۲۵)

مخلص نواز ہاشمی صاحب۔

السلام علیکم۔ ۷؍ رمضان کا خط آج ۱۲؍ کو ملا۔ میرا ارادہ شروع رمضان میں حیدرآباد آنے کا تھا۔ مگر مقامی مجبوریات کے سبب ملتوی کرنا پڑا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یاد فرمایا تھا۔ اور میں نے سیٹیں بھی ریزرو کرالی تھیں۔ اب انشاء اللہ عید کے بعد ارادہ کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

(۲۶)

از آرام محل سوماجیگوڑہ — متصل بنگلہ نواب لیاقت جنگ

محبی جناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

السلام علیکم۔ آپ نے خواتین دکن کی نسبت جو کتابیں دی تھیں وہ دہلی میں رہ گئی ہیں۔ اور اب مجھے کتاب دکن یونین میں خواتین دکن کا ذکر لکھنا ہے۔ لہٰذا ایک ایک جلد سب کتابوں کی ہادی منزل میں بھیج دیجئے۔ اور آپ نے جتنی کتابیں لکھی ہوں وہ بھی بھیج دیجئے یا ان کی فہرست یعنی نام وغیرہ بھیج دیجئے تاکہ آپ کے تذکرے میں ان کو لکھوں۔

مخلص نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

(۲۷)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر۔ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو

السلام علیکم۔ لفافہ ملا۔ کارڈ واپس ارسال ہیں۔ انیس الغربا انجمن نے مجھے عورتوں کے زنانہ جلسہ میں مدعو کیا ہے جو ۱۰۔ ربیع الاول کو ہوگا۔ اور کوئی جلسہ تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔

خواب شائع نہیں ہوں گے۔ قواعد انجمن خواتین شائع کر دیئے جائیں گے۔ رسالۂ امن کا شکریہ۔ آپ نے خواجہ بانو کو جمعہ کی صبح کو بلایا ہے مگر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک جمعہ پرسوں ہے۔ آپ مہاراجہ بہادر کے ہاں ٹیلی فون کے ذریعہ خبر دے دیجئے کہ کون جمعہ مقصود ہے۔

سید صاحب کے مزاج کا حال نہ لکھا میں نے مہاراجہ بہادر سے کل ان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] خواجہ صاحب کے ایک خلیفہ جن کو ہلالی شاہ خطاب دیا تھا۔ خواجہ صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

(۴)

(۳)

(۲)

(۱)

BIRTH PLACE OF KALIDAS

(۲) شکنتلا - مترجم ماہر مکھن سنگھ
(۳) سگھڑ نشش
(۴) کمار سمبھو } دوسری ہندی میں ہی
(۵) میگھ دُت - کنہیا لال
کسی ہندی کتب فروش سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں۔

۲۶ر نومبر ۱۹۳۷ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

(۶)

انجمن ترقی اُردو (ہند) "دارالسلام" نمبر ۱ - دریا گنج - دہلی - میرے مکرم تسلیم - ۱۲ر حال کا اشفاق نامہ پہنچ کر شکریہ کا موجب ہوا۔ مشاعرے کی بابت معلوم ہوا - بہتر تھا کہ مشاعرے کی صدارت کے لئے آپ کسی بڑے اور بہتر شاعر کو تلاش کرتے۔ رہا میرا یہاں اپنی جنوری یا کہئے نئے سال کی مصروفیتوں کے بارے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مشاعرے کے لئے وقت ضرور نکلے گا۔ لیکن کس تاریخ کو؟ یہ میں ایک ہفتہ کے اندر عرض کروں گا۔ کچھ تعینات جنوری اور فروری میں ایسے ہیں جو پکی چاہتے ہیں اسی کا انتظار ہے - مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ٹل جائے۔
میری رائے میں دن کا مشاعرہ ٹھیک ہوگا اگر آپ کے حاضرین کو ناپسند نہ ہو۔ یہ ممکن یا مناسب نہ ہو تو رات کو ہی

۱۵ر دسمبر ۳۹ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۷)

انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم سابقہ عریضہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جنوری میں کئی تقریبوں میں یہاں اور باہر رکا ہوا ہوں - فروری کی ۳ر تاریخ کو سنیچر ہے - یا تو اس تاریخ شب کو یا ۴ر فروری کو دن کے وقت آپ اپنا مشاعرہ رکھ دیں - ۲ر فروری کو یہاں ریڈیو میں میری تقریر ہے - اس لئے ۳ر فروری کی رات یا ۴ر فروری کا دن ٹھیک ہوگا - دن اور رات کا فیصلہ آپ اپنی اور اپنے سامعین کی سہولت کے لحاظ سے کریں۔
یہ تو فرمایئے کہ یہ مشاعرہ ہوگا یا مناظرہ اور کہ طرحی ہوگا یا کیسا - تاریخ اور وقت کی تعیین کے بعد ان امور سے بھی مفصل مطلع فرمایئے۔

۱۸ر دسمبر ۳۹ء

اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۸)

انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم - پہلا عریضہ حاضر خدمت ہوا ہوگا - مشاعرہ کی تاریخ کے بارے میں اب یہ [illegible] کہ ۳ر فروری کے بدلے ۱۱ر فروری (اتوار) کو دن کے وقت مشاعرہ رکھئے اگر دن کا وقت مقامی مصلحتوں کی رو سے مناسب نہ ہو تو ۱۰ر فروری (سنیچر) کی شب مقرر کر دیجئے۔
۳ر فروری کو کلکتہ میں انجمن پنجاب کا سالانہ اجلاس ہے اور مجھے منتظمان نے شرکت کے لئے بہت

مجبور کیا ہے۔ ان کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور ہمارے آگرے کے مشاعرہ کی تاریخ کا ابھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ اس لئے مجھے لکھنؤ کی دعوت منظور کرلینی پڑی۔ جواب مزید عنایت ہو۔

۱ر جنوری سنہ ۵۱ء   اخلاص کیش دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور   **(۹)**

میرے کرم تسلیم۔ ہر حال کے نوازش نامے کا شکریہ۔ میں آپ کی دقتوں کو سمجھا۔ مشاعرے کی تاریخ ۲۰ر جنوری ہی رہنے دیجئے۔ میرے پروگرام کا تو یہ حال ہے کہ اگلے ہی دن (۲۸ر جنوری کو) یہاں ایک ایسی تقریب کا وارنٹ پہلے سے موجود ہے۔ خیر۔ یہ تو ہوا۔ آپ یہاں کے شاعروں کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ اور بھی ... میں اب آدھی صدی کے بعد پھر آیا ہوں دلی میں۔ میں سبھی کو اچھا سمجھتا ہوں۔ آپ زیادہ کو بلانا نہیں چاہتے۔ چند نام لکھے دیتا ہوں۔ بلانا نہ بلانا آپ کی مرضی پر ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ فلاں کو نہ بلایا تو کیفی کو گلہ ہوگا، سمجھ گئے آپ:۔

۱۔ پروفیسر ظفر تاباں۔ رانجس کالج۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ مسٹر اکبر حیدری۔ "اکبر منزل" مچھلی والاں۔ دہلی

۳۔ منشی عبدالخالق نہال۔ کوچہ سعد اللہ۔ پھول منڈی۔ دہلی۔

لکھنؤ سے جن اصحاب کے نام لکھ دوں خوف ہے کہ وہ آ نہ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ کھانسی زکام لے کر یہاں سے گئے ہیں اور شروع فروری ہی میں ان کے ہاں ہنگامہ ہونے کو ہے۔ میں سراج اور قدیر کا نام لکھتا۔ بہر حال آپ جسے چاہیں بلائیں۔

شاید کسی خط میں اسی تقریب کے بارے میں کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۶ر جنوری سنہ ۵۱ء   اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام آغا محمد صادق صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج کوئٹہ   **(۱۰)**

۱۔ دریا گنج دہلی۔ جناب مکرم تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:۔

(۱) پیڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں۔

(۲) ریوڑیاں رَ مکسور اور وَ ساکن ہیں اور ڑ مکسور۔

(۳) غرّہ۔ اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں سرفرد بھی لکھ دیا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

(۴) شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی ہستی تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اس کے معنی ہونگے زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک ایسی بیماری ہے۔ اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہوگئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم

سے شفا ہو گئی ہے جسم کو متعدد ہے۔

۲۳ر نومبر سنہ ۴۸ء

نیاز کیش برجوہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۱)

انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج، دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ والا نامے کا شکریہ۔ ۲۲ سال کو آپ یاد فرماتے ہیں سبحان اللہ کتنی سعید تقریب ہے۔ حضرت آج کل سفر واقعی سقر صورت ہو گیا ہے۔ کل پنجاب جا رہا ہوں ایک ادبی جلسے میں۔ یہاں کو واپسی کا خیال ہے اگر اس وقت اس بڈھے جسم میں کچھ دم کس باقی رہا تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہ جا سکا تو مقالہ بھیج دوں گا مگر آپ کس غرض سے طلب فرماتے ہیں۔ پتہ انگریزی میں لکھا کیجئے؎

۷ر فروری سنہ ۴۹ء

اخلاص کیش برجوہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۲)

میرے مکرم تسلیم۔ ایک تکلیف دے رہا ہوں جس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ جب سے شمالی ہند میں یہ گڑبڑ ہوئی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی خیریت معلوم نہ ہو سکی۔ ہاشمی صاحب فریدآبادی کو لکھا۔ اُن سے بھی جواب نہ ملا۔ حالات ہی ایسے تھے اگر آپ کو مولوی صاحب کا پتہ معلوم ہو کہ کہاں ہیں تو مہربانی سے مطلع فرمایئے۔ ہاشمی صاحب غالباً رام پور میں ہوں اُن سے آپ دریافت کر سکیں گے۔

دہلی سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ انجمن کا دفتر۔ بعض کہتے ہیں کتب خانہ بھی۔ جلا دیا گیا وہاں اس وقت بھارت انشورنس کمپنی کا دفتر ہے، کتب خانہ میں بہت نایاب رسالہ اور کتابیں تھیں۔ یہ علمی نقصان پورا نہ ہو سکے گا۔

میں کسی طرح گرتا پڑتا یہاں بمبئی پہنچ گیا ہوں اور بہار کے موسم تک یہیں ٹھہروں گا۔

پھر معافی کی استدعا اور شکریہ کے ساتھ

ابھی کسی نے کہا مولوی صاحب بھوپال میں ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا وہاں کس کے پاس ہیں۔ شعیب صاحب کے پاس۔ یا۔؟

یکم دسمبر سنہ ۴۸ء

نیاز کیش برجوہن دتاتریہ کیفی

بنام حبیب کیفوی

(۱۳)

آل پاکستان انجمن ترقی اردو۔ شاردا مندر۔ ہسپتال روڈ۔ کراچی ۱۔

عزیز حبیب! مولوی صاحب نے آج تمہارا خط دیا۔ مدت بعد خیریت معلوم ہوئی۔ خیر دیر آید درست آید۔ جموں میں تمہارے کاروبار اور سامان کا کیا ہوا۔ بچا کر گیا؟ سیالکوٹ میں کیا کرتے ہو۔ بال بچے کہاں ہیں، سب کچھ مفصل لکھو۔ نسیم کی لڑکی کا خط آیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسیم اور عمر پور میں نظر بند ہے۔ حکومت نے کوئی سیاسی

؎ اردو میں پڑھنے والے خط یہاں ڈاک کے غلط انتی دفتر میں چلے جاتے ہیں۔

پنچ نکالی ہوگی۔ پچھلی دفعہ وہ کس تحصیل میں تھا؟ میرے خیال میں وہ تحصیل اس وقت جنگاہ بنی ہوئی ہے۔ میں دہلی جاؤں تو اس کے لئے کوشش کروں گا۔

ہمارا پروگرام غیر مستقل ہے۔ اس وقت تک صرف اتنا طے ہوا ہے کہ مولوی صاحب مستقل طور پر یہاں رہیں گے اور میں دہلی میں رہوں گا۔ اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو میں دہلی جاؤں گا۔ اور ہماری زبان کو پھر جاری کروں گا صحت میری لائل پور کے مقابلے میں کچھ بہتر ہے۔ جوڑوں کی تکلیف جو رہتی تھی رہ گئی۔ اس عمر میں شفائے کلی ناممکن ہے۔ دل کی حالت بہتر ہے۔ سو پچاس قدم آہستہ خرام کر لیتا ہوں۔ گھٹنے ٹھیک نہیں ہوئے۔ یہ بڑی تکلیف ہے۔ خط جلدی لکھنا اور سب کچھ لکھنا۔ نسیم کے بال بچے جہلم میں ہیں۔ ان کا پتہ کہیں رہ گیا۔ لائل پور والوں کو معلوم ہوگا۔

۱۴ر جولائی ۱۹۴۸ء

کیفی

(۱۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ میرے مہربان۔ آداب۔ علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر تو مجھے بھی پہنچ گیا تھا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے اسے پورا نہ دیکھ سکا۔

آپ کی محنت اور دقت نظر کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ آپ نے مرزا غالب سے متعلق ان امور پر زیادہ زور دیا ہے جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے خاص کر ادیبوں اور شاعروں کے حالات لکھتے ہوئے۔ ایک ادیب بہ حیثیت ایک انسان کے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اس کا کلام تنقید کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ غالب پر کافی سے زیادہ لٹریچر نکل چکا ہے اور اس کی شاعری پر ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ اچھا ہوا کہ اس نمبر میں ان امور کی طرف کم توجہ کی گئی۔ شاعر ہو یا ادیب، فلسفی ہو یا سیاسی پہلے وہ ایک انسان اور شہری ہے۔ اس کے بعد اور کچھ۔

یہ مقصود نہیں اور نہ توقع ہے کہ اس ضخیم نمبر کے ہر مضمون کی نسبت کچھ لکھوں۔ ہر مضمون اپنی جگہ انفرادی حیثیت اور افادیت رکھتا ہے۔

آثار غالب بھی ضروری چیز ہے اس کی حیثیت تاریخی ہے۔ ایسی باتیں جو اس میں درج ہیں اکثر بھول

(نوٹ) حبیب کیفوی صاحب شاعری میں کیفی صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ آتش چنار کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جموں میں ان کا خاصا کاروبار تھا۔ موٹر، سامان کرایہ پر دیتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند و پاکستان کے ہنگاموں میں سب کچھ ضائع ہو گیا۔

مولوی صاحب سے مراد بابائے اردو مولوی عبدالحق ہیں۔

نسیم صاحب پنڈت جی کے ایک اور ہونہار شاگرد تھے۔ ریاست میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ فسادیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ پورا نام سید ذوالفقار علی تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

جایا کرتی ہیں اور یہ اعتقاد تشنہ رہ جاتا ہے۔ دنیا کو صرف اتنا یاد رہ جاتا ہے کہ برہان قاطع پر مرزا نے کچھ اعتراض کئے تھے جن پر زبردست مناظرہ چل پڑا اور بس۔

ایک اور خاص بات جو اس نمبر کے اکثر مضامین میں پائی گئی یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے آمادگی رائے سے کام لیا ہے رعب اور جنبہ داری دونوں سے دور دور رہے ہیں۔ یہ بات اس قسم کے نمبروں میں نہیں پائی جاتی۔

بیا چھا ہوا کہ مختار الدین احمد صاحب نے اصلی افادت اور معنوی اہمیت پر نظر رکھی اور اس نمبر کی تیاری میں ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کام نہ رکھا۔

۳۰ جنوری [illegible]　　　کیفیؔ

بنام شفاؔ گوالیاری

(۱۵)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ یاد دہانی غیر ضروری ہے پچھلی دفعہ آپ کا جوابی پوسٹ کارڈ تھا۔ اسی پر جواب لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا گیا تھا۔ نہیں پہنچا تو آپ کے لکھے ہوئے پتہ میں غلطی ہوگی یا ڈاکخانہ کی عنایت۔ خیر پہلا مصرع یہ ہے ؎

"کوئی محفل تھی نہ اپنی کوئی محفل میں نہ تھا"

اپنی سے پہلے نہ کا لفظ جو واقع ہوا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہ اپنی کوئی محفل تھی نہ کسی اور کی جب کہ شاعر کا منشا یہ نہیں ہے۔ لہٰذا موجودہ صورت میں پہلا مصرع غلط ہے اور بھرتی ہے کہ شاعر دل کو محفل سے تشبیہ دیتا ہے محفل کے معنی ہیں ایک جگہ آدمیوں کا جمع ہونا جہاں کوئی نہ ہو اُسے محفل نہیں کہہ سکتے۔

خیر اگر یوں بدل دیں تو یہ مصرع کچھ معنی دے سکتا ہے ؎

سر بسر سونی پڑی تھی کوئی محفل میں نہ تھا　　　وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب دل میں نہ تھا

اپنے ڈاکخانہ کو ڈانٹیے۔ والسلام

۱۴ ستمبر [illegible]　　　کیفیؔ

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزوؔ

(۱۶)

جناب مکرم۔ آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا۔ لیکن ان سردیوں میں میری طبیعت بہت ناساز رہی۔ مخزن الفوائد کی نقل کی بابت لاہور لکھا ہے۔ غالبؔ کے شاگردوں کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ سلسلہ تو مالک رام صاحب نے چھیڑ دیا ہے۔ اب انہیں کو پورا کرنے دیجئے۔ میرے اُن کے تعلقات بھی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کے سلسلے میں مداخلت کروں۔ امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۲ فروری سنہ ۵۲ء　　　کیفیؔ

بنام ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزوؔ

(۱۷)

نہیں کر سکتا، اس کا مجھ کو سخت رنج ہے۔ اب تک اس قابل نہیں ہوا ہوں کہ یہ سطریں آپ کو اپنے قلم سے لکھوں مجھے
امید ہے میری مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ درگزر کریں گے۔ اور مجھے معذور رکھیں گے۔

۱۶ر مئی ۵۲ء

کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۸)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم بندہ۔ آداب۔ ایک زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں "انشائے داغ"
مرتبہ احسن مارہروی مرحوم آپ نے دیکھی ہوگی اس میں مرزا داغ کا ایک خط بھی ایسا نہیں جو انہوں نے رام پور سے لکھا،
تیس پینتیس برس داغ رام پور میں رہے کیا اس زمانے میں انہوں نے کسی کو خط لکھا ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خط کاتب کے
ہاتھ سے نکل کر مکتوب الیہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ بعض مقامی معاصرین یا نواب خلد آشیاں کو ضرور کبھی کوئی خط گیا ہوگا میں
نہایت ممنون ہوں گا۔ اگر اس بارے میں میری مدد کر سکیں، اگر آپ کے نجی ذخیرے میں یا سرکاری کتب خانے میں مرزا
داغ کے کچھ خطوط محفوظ ہوں تو براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اگر وہ صرف چند ایک ہیں تو ان کی نقل عنایت فرمائیے، مع
اجرت نقل کی اطلاع کے۔ اگر بہت سے ہیں تو آپ کی صلاح اور اجازت سے ان کے لئے مناسب انتظام کیا جائے گا

۱۸ر اگست ۵۲ء — جواب کا طالب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

میری غرض ان خطوط سے ہے جن کی نوعیت ادبی ہو یا جو کاتب کے کردار و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوں۔ (کیفی)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۹)

۱۷۔ علی پور روڈ دہلی۔ مہربان میرے۔ آداب۔ فرمائیے نظر عنایت میں کتنی دیر ہے۔ لکھنؤ سے تقاضا ہے اور
میں آپ کی امداد کا منتظر ہوں۔ صرف چند خطوں کے انتخاب اقتباس کافی ہوں گے جو مرزا داغ کے کردار و اخلاق کے خاص گوشوں
پر روشنی ڈالتے ہوں، اصلاح سخن سے متعلق تو طومار ہوگا۔ اسے جانے دیجئے اور جو عرض کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔

۲۷ر اگست ۵۲ء — منتظر جواب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۲۰)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ بہت بہت شکریہ۔ نقل خطوط واپس کرتا ہوں۔ میں نے
صرف ان خطوط سے استفادہ کیا ہے۔ عیش پرستی کے سلسلہ میں۔

مکتوب الیہ

صفحہ ۴ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲ ——— عیدن بائی، صفحہ ۱۰ ——— نساخ
صفحہ ۱۵ ——— حجاب، صفحہ ۱۸ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲۰ ——— محمد زیر

میں نہیں جانتا کہ کس زبان سے آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں۔

ار ستمبر ۵۲ء — نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

(۲۱)

بنام سید علی محمد رضا

۱۷ - علی پور روڈ سول لائنز دہلی - جناب من - آپ کا کارڈ مل گیا تھا - جس میں آپ نے ڈھاکنا اور ڈھانپنا کے متعلق دریافت کیا تھا۔

دونوں لفظ اُردو کے ہیں - مزید واقفیت کے لئے دیکھئے لاہور کا رسالہ [illegible] ماہ اگست سنہ ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱-

۴ ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء

آپ کا مخلص کیفی

مولانا مناظر احسن گیلانی

(۱)

بنام مولوی سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم مولانا الطاف علی صاحب دام مجدکم العالی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کے ہدایا (یعنی دفتر مصنف) اور ...... المصنفین کے شائع کردہ رسائل
مولانا فضل اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے ذریعے سے اس وقت ملے جب موسم گرما کی تعطیل کے بعد میں حیدرآباد پہنچا۔ کئی دن
سے شکریہ کا خط لکھنا چاہتا تھا۔ آج توفیق ہوئی۔ اس طباعت کی گرانی کے زمانہ میں آپ نے بڑی ہمت کا کام شروع کیا ہے۔ آپ
کے رسالوں میں میری دلچسپی کی چیز مولانا فضل حق و عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات تھے۔ میرے تعلیمی خانوادہ کے بر اکابر
ہیں البتہ حسن صاحب نے لکھا ہے ان سے واقف نہیں ہوں ...... تو خیال گزرا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر
نے اس خیرآبادی خاندان کے "چراغ سحر" حضرت مولانا برکات احمد کے حالات مجھ سے لکھوا کر معارف اعظم گڈھ میں شائع
فرمانے کی صورت نکال دی تھی۔ میرے اس مضمون کو بھی جداگانہ ان ہی بزرگوں کی سوانح عمریوں کے طریقہ سے آپ کیوں نہ شائع کرا دیں
ارشاد ہو تو میں معارف سے نکال کر اس کو بھیج دوں یا آپ کے پاس معارف کی پرانی جلدیں ہوں، یا کسی اور صاحب کے
پاس مل جائیں تو ان سے بھی نکال کر اس کو شائع کرا سکتے ہیں، اگر خواہش ہو۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ برسوں علیگڈھ
سے پھر ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تقریر کروں۔ ان کا خط مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ غالباً "قادری" کی نسبت
اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ کیا وہی قصہ ہے جس میں مجھے بلایا گیا تھا یا کوئی دوسری چیز ہے اور آنے کی صورت کیا ہوگی؟
حیدرآباد سے علی گڈھ کے آمد و رفت کا مسئلہ مصارف کے لحاظ سے بھی قابل غور ہے۔ بہرحال اگر آپ کو کچھ اس کا علم ہو
تو مطلع فرمایئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ !

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن گیلانی[1] سلمہ اللہ تعالیٰ جو خوش قسمتی سے آپ ہی کے زیرسایہ کام کر رہے ہیں موسم گرما کی تعطیل میں جب یہاں آئے تو آپ کی علمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کرتے رہے اور یہ بھی کہ چلتے چلتے اس دورافتادہ ناکارہ کو آپ نے یاد فرمایا ہے ۔ دیر تک جامعہ عثمانیہ کی پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اللہ اللہ وہ بیتے ہوئے دن افضل حسین صاحب کے بنگلے[2] میں کالج کا افتتاح ۔ آپ جیسے ہونہار فرزندانِ دکن کا اس میں داخلہ اور اس کے بعد تیس سال تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا اچانک حافظہ میں ساری باتیں کروٹیں لینے لگیں ۔ حالانکہ زیادہ تو اب آنے والے دنوں کا خیال سامنے رہتا ہے جن میں بہرحال اس خاکی دنیا سے رشتہ توڑ لینے پر مجبور رہنا پڑے گا ۔ لیکن کچھ دیر کے لئے مستقبل کی جگہ ماضی نے لے لی ۔ یاد کرتا رہا ۔ ان ساری باتوں کو یاد کرتا رہا جو یاد آسکتی تھیں ۔ باتیں جن میں خندہ کے ساتھ گریہ بھی شریک ہے ۔ گذر گئے وہ دن اور گذر جائیں گے یہ دن بھی جو اب گذر رہے ہیں ۔ "کل یوم ہو فی شان" مظہر سلمہٗ نے آپ کی جدید الاشاعت دو کتابوں[3] کا بھی ذکر کیا تھا ۔ میں نے اپنے کسی خط میں ان کتابوں کے مطالعہ کی تمنا کا اظہار کیا تھا ۔ آپ تک میری اس آرزو کو مظہر سلمہٗ پہنچائیں گے اور اتنی اہمیت آپ اس کو دیں گے کہ سننے کے ساتھ دونوں کتابیں ارسال فرمادیں گے ۔ میں اس کی توقع نہیں کرتا تھا لیکن کل آپ کا مرسلہ پارسل ملا ۔ امتنان و تشکر کے آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں ۔ اب بھی اس فقیر کی یاد یاران دکن کے دلوں میں باقی ہے اس کا خیال آیا ۔ دیر تک متاثر رہا ۔ پارسل کو کھولنے کے ساتھ بیک نشست دونوں ہی کتابوں کو پڑھ گیا ۔ دل کے زخم ہرے ہوگئے آپ نے خوب ہی تیر و نشتر تیار کئے ہیں ۔

ایک ایسے ہرے بھرے چمن کو لوگ کیوں اجاڑنا چاہتے ہیں ۔ دکن میں بھی اتنا تھا کہ بیدر، احمد نگر، بیجاپور، ایلچ پور، حیدرآباد کو کیوں بنانا چاہتے ہو ۔ اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے ہو ۔ خداوند رحیم لوگوں کی سمجھ درست کرے ۔ چند ذہنی اور فکری احساسات کے اختلاف کو اتنا اہم بنا دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو کب سمجھیں گے ۔ افکار و احساسات میں یکسانی بہر وجوہ تو دو حقیقی ماں جائے بھائیوں میں پیدا نہیں ہوسکتی ۔ دین کا اختلاف یا مذہب کا اختلاف چند ذہنی تاثرات کے سوا اور بھی کچھ ہے ۔ آخر دنیا اس راز کو کب پائے گی ۔ بھیڑوں اور بکریوں، شیروں اور لومڑیوں میں تو واقعی اختلافات ہوتے ہیں لیکن عیسائی، مسلمان، ہندو، یہودی کسی معنی میں بھی ان سبھوں میں کوئی ایسی ٹھوس خارجی بنیادیں اختلافات کی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں ۔ سب ہی تو آدمی ہیں ۔ وہی دو کان، دو ٹانگیں، دو آنکھیں، اندر باہر سب کچھ سب ہی میں تو مشترک ہے ۔ کیوں نہیں افکار و خیالات کے اختلافات کے ساتھ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذار سکتے اور کوئی ایسی زندگی چاہے بھی تو آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کہیں اس کو ایسی زندگی میسر آسکتی ہے جو احساس و افکار کے اعتبار سے قطعاً سپاٹ ہو نشیب و فراز اس میں نہ ہو ۔

---

[1] لیکچرار معاشیات چادر گھاٹ کالج [2] اس بنگلہ کی جگہ اب حیدرآباد اسٹیٹ بنک کی عالی شان عمارت بنی ہے ۔

[3] 'داستان ادب حیدرآباد' اور 'حیدرآباد فرخندہ بنیاد'

آپ کے تمہیدی کلمات سے دل بہت متاثر ہوا۔ قنوط اور یاس ابلیسی خاصیت ہے۔ ابلیس کو ابلیس کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ناامید ہے اپنے پیدا کرنے والے خالق کے متعلق یقین رکھنا چاہئے کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ حسنِ ظن خدا کے ساتھ رکھنا بھی رجائیت ہے۔ رجائیت کے رجحانات بھی آپ کی کتابوں کی جان ہیں۔ آج پر کل کو کیوں قیاس کیا جائے جب فردا ہمارے سامنے دیروزہ سے مختلف حالات کو لاسکتا ہے تو اس فردا کے نتیجے جو فرد سے پوشیدہ ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کن حالات کو ہمارے یا ہماری آئندہ نسلوں کے آگے لائیں گے۔

لاحول ولا قوۃ قلم بہکا چلا جا رہا ہے۔ اٹھایا تو تھا کہ آپ کی اس نوازش نو کا شکریہ پیش کروں لیکن جنون میں خدا جانے کیا کیا نکلتا چلا گیا۔ آپ کام کئے جائیے اور امیدوں کی امنگوں سے معمور ہو کر کئے جائیے۔ آپ کا یہ نیاز مند اگرچہ بوڑھا اور از کار رفتہ ہو چکا ہے زبان تو بند ہو چکی ہے قلم ابھی کچھ ساتھ دے رہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اپنے عزیزوں اور عنایت فرماؤں کو بھی اسی کی تاکید کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے (ترجمہ جس کا یہ ہے) کہ "قیامت ہی کیوں نہ قائم ہو رہی ہو لیکن پودا جو تیرے ہاتھ ہے اس کو نصب کر دے۔" قیامت اپنا کام کرے ہم اپنے کام کو انجام دیں۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی - گیلانی (بہار) ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

(۳)

بنام مدیر "مدینہ" بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی مدیر صاحب اخبار مدینہ! ایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ فقیر کے عریضہ کے جواب میں کئی ہفتے ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا تھا۔ جواب کی فکر ہی میں تھا کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کی مجلس ماتم میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے واپسی کے دوسرے یا تیسرے دن شب کو میرے مکان میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ پیش آیا۔ چوروں کی کافی تعداد گھر میں گھس گئی اور جو کچھ بھی لے جا سکتی تھی اطمینان کے ساتھ لے کر چمپت ہو گئی۔ ہم لوگ سوتے کے سوتے رہے۔ صبح کو آنکھیں کھلیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے چاری عورتوں کے زیور اور لباس کا کوئی حصہ جو لینے کے قابل تھا نہ بچا۔ رات کو چور آئے اور دن کو پولس کے دھاوے شروع ہوئے۔ شدید دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ مدتوں سے یہ لطیفہ بتلاتے ہوئے تھا کہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گئی۔ بندوں اور خدا کے درمیان حکومت و کومت کا کوئی واسطہ باقی نہ رہا۔ آج ملک ان ہی حالات سے گذر رہا ہے۔ کوئی دن شاید ہی گذرتا ہے جب چوری، ڈاکہ وغیرہ کی خبریں سننے میں نہیں آتیں۔ مدیہ ہے کہ مجھ جیسے بے نوا کو بھی نشانہ بنا ہی لیا گیا۔ بہرحال میں بہت شرمندہ ہوں کہ مدینہ فقیر کے نام آپ مسلسل بھیج رہے ہیں۔ بدل اشتراک کے لینے پر بھی آمادہ نہیں اور فقیر بھی اپنی کسی خدمت کو اب تک پیش نہ کر سکا۔ آج چند صفحے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو وقتی اور اصلاحی مضمون ہے دوسرا صرف تاریخی اور تیسرا صرف ذہنی۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں ہی سے ان میں ہر ایک کا تعلق ہے۔ ایک ہی دفعہ بھیج دیتا ہوں تاکہ جب جب جیسے جیسے موقع ملے ان کو شائع فرماتے رہئے۔ مدینہ کی سنجیدگی اور متانت سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات سے نیاز کے حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ پیرانہ سالی میں سیر و سفر کا مسئلہ میرے لئے کافی دشوار ہو گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی - گیلانی (بہار) یکم فروری ۱۹۵۴ء

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنام مدیر "مدینہ"

والاقدر مکرم : مخدوم مدیر صاحب "مدینہ" اسعدکم اللہ فی الدارین وایدکم بروح اللہ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! اللہ اللہ چار ساڑھے چار مہینے کی بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے بعد آپ کا یہ دعاگو مناظر احسن گیلانی، پھر ہوش میں آیا ہے۔ "مدینہ" پر بھی نظر پڑی اور "مدینہ" کے بعد "مدینہ" والے کے نوازش نامہ سے بھی سرفراز ہوا۔ "مدینہ" کو جس حال میں چھوڑ کر غائب ہوا تھا، عجیب بات ہے کہ اسی حال اور اسی روش پر اس کو پایا۔ کاظمی صاحب کا قیمتی مقالہ نہ صرف معلوماتی مقالہ ہے بلکہ ذہنی انقلاب کی کافی ضمانتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بستر علالت پر لیٹ جانے سے پہلے دماغ میں جو نقشہ مدینہ کے مقالات کے متعلق تھا، ایک بڑا پہلو ان کا اس مقالہ میں بھی آگیا ہے۔ بڑی دلچسپیوں کے ساتھ کاظمی صاحب کے اس مقالہ کو پڑھ رہا ہوں۔ کیا انگریزی میں کوئی کتاب انہوں نے لکھی ہے یا خاص مدینہ کے لئے اردو ہی میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ بعض فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے غالباً یہ ترجمہ ہوا۔

آپ نے مدینہ میں بھی اور اپنے گرامی نامہ میں اس پرانے کار رفتہ کی قلمی جولانیوں کا تماشہ دیکھنے والوں کو منتظر بنا دیا ہے۔ دنگل میں یہ بوڑھا کب اترتا ہے، اترتا بھی ہے یا نہیں، ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ دواؤں اور پرہیز کی ان سختیوں میں کیا عرض کروں کہ جی کتنا گھبراتا رہتا ہے۔ لیکن کروں کیا؟ ڈاکٹروں کے ہجوم میں ہوں تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں قلم اگر اٹھاؤں تو مدینہ ہی کیلئے اٹھاؤں۔ بس دعا فرمایئے کہ ڈاکٹری جکڑبندیوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ آپ کی طرف سے جو نوازشیں اس فقیر پر ہوتی ہیں ان کا شکر گذار ہوں۔ ان ہی دنوں میں جب پٹنہ ہسپتال کے آہنی پلنگ پر تڑپ رہا تھا چند مناجاتی مصرعے ایک خاص زبان میں دل و دماغ میں گھومنے لگے۔ خاص زبان سے مطلب یہ ہے کہ اُردویت سے زیادہ 'ہندیت' کا رنگ ان پر غالب تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہمارے بہار کی دیہاتی اور مقامی بولی کے چند الفاظ بھی شریک ہو گئے ہوں۔ آپ کے ذاتی ملاحظہ کے لئے ان کو نقل کرکے بھیج رہا ہوں۔ اگر مدینہ کے صفحات اس زبان کے متحمل ہوں تو سوچئے۔ منظوم حصہ میں کیا اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ آپ کا مرتبہ اچھے محمد صاحب مرحوم کا اسی حصہ میں نظر سے جس وقت گذرا اسی زمانہ میں یہ خطرہ دل میں پیدا ہوا۔ اتنی کڑی اور کرخت زمین میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی کہ اس کے نباہ لے جانے پر تعجب ہوا۔ "دھیم" کے قوافی کی فراہمی آسان کام نہ تھا، لیکن آپ کو کافی الفاظ مل ہی گئے۔ ہمارے دوست سعید صاحب زائر حرم کی نعتیہ نظموں کے کیا کہنے۔ ایک ایک مصرع تیر و نشتر سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں۔ بہت دنوں سے اُن کا نہ کوئی خط ہی آیا ہے اور نہ بے چارے کا حال معلوم ہے۔ جہاں رہیں مست بادۂ الست رہیں۔ موقع ہو تو سلام فقیر کا پہنچا دیجئے گا۔

ہندی آمیز نظموں میں "دھرمی" کے تخلص کو استعمال کرتا ہوں۔ اسی تخلص کی طرف یہ نظم بھی منسوب ہے۔ فقط !

مناظر احسن گیلانی — گیلانی (بہار) ۵ راگست ۱۹۵۴ء

(٧)

چشتی مرحوم کا گانا اس زمانہ میں دل کو بہلا دیا کرتا تھا۔

اللہم اغفرلہٗ وارحمہٗ

اور بحمد و جودہ بحمد اللہ ادھر خیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب[1] قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ بچوں کو پیار۔

مناظر احسن گیلانی۔ ۴ر جون ۱۹۵۶ء

(۶)

بنام مدیر "مدینہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر صاحب جریدۂ غرّا "مدینہ" ایدکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جی ہاں! "مدینہ" کا وہ شمارہ جس میں فقیر کا مقالہ "تدبیر ما" شائع فرمایا گیا ہے۔ وہ بھی ملا اور اس کے چند دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی باعث ابتہاج ونشاط ہوا۔ آپ نے حادثہ سرقہ والی خبر شائع فرما دی۔ حوادث کی خبروں کو شائع کرنا اخباری فرض ہے لیکن اس فقیر کے دوستوں، قدر فرماؤں کو آپ نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہند و پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ لوگ تفصیلات دریافت کرتے ہیں۔ بھلا اس طومار کا جواب یہ فقیر کہاں تک دے؟ اگر شکایت کا پہلو پیدا ہو سکتا ہے تو اسی تجربہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نیت بخیر ہی تھی۔ فجزاکم اللہ عنی خیر الجزاء۔

کل جو شمارہ ملا ہے اس میں دوسرا "منتھوقہ" دوکن کے قدیم دفاتر میں اصطلاح تھی، نقی کئے ہوئے کاغذات کو کہتے تھے) یعنی ویو بچہ والی داستان بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ آپ کے خط کا جواب بھی دے دوں اور "تدبیر ما" کے عنوان کی دوسری قسط بھی نقی کر دوں۔

آپ نے اپنے گرامی نامے میں فرمائش کی ہے کہ جمعیت العلماء کے عملی کاروبار کے سلسلے میں مقالات و مضامین "مدینہ" میں جو شائع ہو رہے ہیں ان کے متعلق فقیر بھی اپنے احساسات کو قلمبند کر کے خدمت والا میں ارسال کر دے۔ اس میں شک نہیں؛

توگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

آپ کے پہلے مقالہ کے اس عنوان ہی پر جھوم گیا تھا، "مدینہ غریب العلماء" کی وکالت و حمایت میں ہر قسم کی رسوائیوں کو اس زمانہ میں برداشت کرتا رہا جب غریب مولویوں کا کوئی پوچھنے والا باقی نہ رہا تھا۔ فقیر کے قلم سے ایک دفعہ ایک فقرہ نکل گیا تھا۔

ڈبوں کے بغیر جمعیت العلماء کا انجن ملک کے طول و عرض میں دوڑ رہا ہے تو بجا ہے۔ بعض بزرگوں پر یہ فقرہ کافی گراں گذرا تھا۔ بہرحال توگر حمد کے بعد مدینہ کی طرف "شکوۂ ارباب وفا" بڑی عجیب بات تھی۔ فقیر نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھا تھا۔ پھر مولانا سید محمد میاں صاحب کے جوابی مقالہ اور جواب در جواب کے سارے قصے نظر سے گذر ہی رہے ہیں۔ کاش اگر ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو آپ کے حکم کی تعمیل میں پس و پیش کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عثمان خاں وظیفہ یاب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ جو حیدرآباد میں مولانا کے پڑوسی تھے۔

[2] یہ مولانا کا آخری خط ہے۔ ۴ر جون کو اپنے بھائی مناظر احسن گیلانی لکچرار چادر گھاٹ کالج کے نام لکھ کر پوسٹ کیا جس کے وصال ۵ر جون دوقت صبح) کے بعد ان کے بھائی کو ملا یعنی ۴ر جون کی صبح بذریعہ تار وفات کی اطلاع ملی اور شام کو یہ خط ملا۔

اور وہ رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء کے بزرگوں سے نیازمندی کا تعلق رکھتا ہوں بلکہ خود اپنا ذاتی حال سب سے زیادہ مانع ہے۔ آپ شاید واقف ہوں یا نہ واقف ہوں۔ فقیر کے ساتھ ایک عجیب صورت حال پیش آئی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن وہاں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ ہی کی نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کور بخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی شکم پروری" کے نقشوں میں اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ سراسر پھوڑنے میں گذر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنہوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ داستان درد کی کافی طویل ہے۔ مختصراً عرض کرنے کے بعد امیدوار ہوں کہ اس راہ میں میری معذوری کا اندازہ آپ فرمائیں گے۔ اس "تدبیرا" کے عنوان کے تحت مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ ممکن ہے ذیلاً اس کے اندر اپنے نقطۂ نظر کا ذکر بھی آ جائے۔ سردست اس مسئلہ میں فقیر کو نہ الجھائیے تو اس پر بڑا احسان ہوگا۔

ہاں ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ فقیر کے مضامین یا "منثور نقاط" کے متعلق ایک پکا خیال بحیثیت مدیر آپ کو رکھنا چاہئے بلکہ حالات کے اقتضاؤں کو دیکھ کر آپ کو ترمیم کل و اصلاح کا بھی اختیار ہے یا سرے سے کوئی مضمون ناقابل اشاعت محسوس ہو تو ہرگز شائع نہ فرمائیے۔ میں ایک دیہات میں عزلت گزیں ہوں۔ باہر کے ماحول کے تخمینہ میں غلطی ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہی مضمون "لحم بقرہ" کے متعلق ترجمہ کر کے فقیر نے بھیجا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالات میں اس کا شائع کرنا مفید ہوگا یا مضر، میں نے تو صرف اس لئے ترجمہ کر دیا کہ مسلمانوں کے متعلق غیروں میں کچھ اس قسم کا خیال پھیل گیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے "لحم بقرہ" کا استعمال شاید ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کا خیال بھی کرنا چاہئے۔ کسی وجہ سے اور کسی عنوان سے اس ترجمہ کا شائع کرنا قرین مصلحت نظر آئے تو میری یہ التجا قبول فرمائی جائے کہ مترجم کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مطبوعہ کتاب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہے "عنوان تراشی" میں آپ کی مہارت کا لوہا دل نے مان لیا۔ یہی بات بھی ہے کہ عنوان سے مضمون کی قیمت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اور کیا عرض کروں، ممکن ہو تو فرصت سے فقیر کے اس نیاز نامے کا جواب عطا فرمائیے۔

مولوی محمد حسین صاحب اور مولانا ابن کامل صاحب سے سلام فرما دیجئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۷)

بنام ڈاکٹر زور

العزیز الاخ المکرم الدکتور زور صدر شعبۃ الاردویۃ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ضرورت سے بھی چاہتا ہوں کہ چند منٹ کے لئے آپ سے طول۔ نیز مدارا بھی سوچ رکھئے کہ دکن کے علاوہ سلطنت تاہو بہمنیہ اور طوائف الملوک دونوں عہد میں جو پائے جاتے تھے ان کا اور ان کی

(۱۱)

دس پندرہ دن سے محی الدین[1] سلمہٗ کا بھی کوئی خط وغیرہ نہیں آیا ہے۔ شاید تمہارے پاس آیا ہو تو اطلاع دیجیو۔ سکندر[2] سلمہٗ آگئے تھے چلے گئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۲)

بنام مولانا محمد عون صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبدۃ الکرام العبررہ مولانا محمد عون صاحب انصر کم اللہ فی الدارین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید کہ آپ لوگ بعافیت ہوں گے۔ فقیر کی ناسازیٔ مزاج کا حال وہی ہے جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک حیدرآبادی عزیز اور دوست ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ان ہی کے ذریعہ سے "الحاوی" کے متعلق فقیر نے دریافت کیا تھا۔ جواب میں دائرۃ المعارف کے ناظم صاحب کی طرف سے الحاوی کے حصۂ اولیٰ مطبوعہ کو لائے ہیں جنہیں بھیج رہا ہوں۔ مولانا شہاب الدین صاحب دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ان کی کتاب بھی نہیں کر ضائع نہیں ہوئی ہے بلکہ اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا، ہمارے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کو واسطۂ سفیری بنا لیجئے انشاء اللہ ان کی کوشش بارآور ہوگی۔ اپنے اعمام اور اولو الفضل والاحترام کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ "ثقافت" لاہور سے پرچہ نکل رہا ہے۔ جعفر میاں اس کے علمی سرپرست ہیں کیا انہوں نے "اجتہاد مطلق" کے دروازے کو اپنے لئے وا فرما لیا ہے؟

حضرت سجادہ صاحب کی خدمت میں سلام اور طلب دعا کی درخواست ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۳)

بنام جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب ماتھر[3]

کرم فرمائے فقیر جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب!

پرسوں خاکسار کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب سے مسرور ہوا کہ زندگی کی چند خاص مسرتوں میں اس کو شمار کروں گا یعنی آپ کی زیر تحریر کتاب "تاریخ فلسفۂ ہندی" کی جلدوں پر نظر پڑی۔ ایک چیز جس کے شوق سے ب زمانہ سے تڑپ رہا تھا۔ گو اس سلسلہ میں بعض کتابیں میرے مطالعہ سے گذر چکی تھیں لیکن آپ کی کتاب کی بات ہی اور تھی۔ اسی وقت لایا اور کل جمعہ کا سارا دن اس سے پہلے کی رات الغرض سارا وقت جو بھی مل سکا اسی کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ پہلی جلد قریب قریب ختم کر چکا ہوں میں آپ کو ایک

---

[1] مولانا کے صاحبزادے سید محی الدین احسن گیلانی بی۔ اے۔ ایس افسر واہ چھاؤنی، واہ راولپنڈی۔

[2] مکتوب الیہ کے منجھلے بھائی سید سکندر اعظم گیلانی ایم۔ اے (ڈھاکہ)

[3] جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے استاد تھے۔ اب وظیفہ پر علیحدہ ہو چکے ہیں۔

(الف)

صاحب لے گئے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی نہیں ملی۔ مجبوراً آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر اس کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہو، زائد ہو تو ہدیۃً اور زائد نہ ہو تو چند دن کے لئے عاریۃً بھیج دیجئے۔ بھیجنے کی شکل یہ آسان ہوگی۔ آپ کے اردگرد یا آپ کے خاندان کے بچوں میں کوئی لڑکا جامعہ میں پڑھتے ہوں گے۔ ان کے حوالہ کر دیجئے مجھے اس کی سخت ضرورت پیش آگئی ہے جس طرح ممکن ہو۔ کسی طرح اس تقریر کو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر کے مجھے مرہون منت فرمائیے۔ فقط!

نیازمند قدیم: مناظر احسن گیلانی

(۱۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدوم و محترم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ سے فقیر نے تو صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب کہاں ملے گی تاکہ جامعہ کے کتب خانے کے لئے اور ۱۰ کے لئے دو نسخوں کا آرڈر دے دوں۔ اگر اس کی طباعت کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو خواہ اور کوئی قدر کرے یا نہ کرے خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدر دان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پُر مواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے احسانات سے اردو زبان سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ دکن کی اردو کے آپ ہی ابوالآبا یا ہیروڈوٹس ہیں۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن...... کا اجر آپ ہی کے لئے مختص رہے گا۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کر سکتا ہے۔ اب آپ نے "دکن کے علم" کی طرف توجہ کی۔ یہ تجربہ آپ کو ہوا ہوگا کہ یہ کتنا دشوار کام ہے۔ مجھ سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ اپنی کتاب میں دکن کے لئے تو نے بہت کم جگہ رکھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سوچ کر کے اور پہلے سے ارادہ کر کے یہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی اچانک ٹپک پڑی۔ میں نے دیباچے میں جو لکھا ہے کہ اکیس بائیس دن کی محنت ہے۔ یہ شاعری نہیں واقعہ ہے۔ اس پر بھی ابتدا سے آخر تک دکن کے ساحل کو میری کتاب مسلسل چومتی چلی گئی ہے میں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلا دارالحدیث ہندوستان میں دکن ہی میں قائم ہوا۔ سب سے پہلے علم حدیث کی سرپرستی شاہان بہمنیہ ہی نے کی۔ افضل الدولہ بہادر، مولانا عبدالنبی احمد نگری، مولانا انواراللہ خاں وغیرہ کے متعلق تو مجھے بعض ایسی باتیں ملیں کہ اگر وہ نہ ملتیں تو میرا دعویٰ دلیل ہی سے مفلس رہ جاتا۔

آپ محنت کئے چلے جائیے پچھلی نسلوں کے قلب میں گذشتہ نسلوں کی بے وقعتی کا بیج شعوری غیر شعوری طور پر موجودہ طرز تعلیم نے بو دیا ہے۔ میں اس کو صرف علمی ہی نہیں بلکہ دینی کام سمجھتا ہوں۔ اگر اس غلط جذبہ کا واقعات کی روشنی میں ازالہ کیا جائے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی تائید روح القدس سے فرمائے۔ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے ایسا رکھئے جس کے نتائج دنیا سے زیادہ آخرت میں آپ کے سامنے آئیں۔

نیازمند:

مناظر احسن گیلانی

(۱۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ذرہ نواز! التحیۃ والسلام! جزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ ہر عمل کرنے کے لئے بھی ضرورت ہے کہ احسان کی قوت ہو۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے صرف اسی سے جس کے پاس سب کچھ ہے عرض کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی مفتنیوں کو بار آور فرمائے جس دوسری کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے میں نے غالباً اس کے قلمی مسودے کا مطالعہ کسی صاحب کے دکھانے سے کیا تھا مگر اس کا علم نہ تھا کہ کتاب طبع ہو گئی ہے معلوم نہیں کہاں ملتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں خدا جانے اس کا کوئی نسخہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔ اگر آ گیا تو دیکھ لوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر کے دو نسخے منگواؤں گا۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

آپ کی نظر سے خاکسار کی کتاب "تعلیم و تربیت" گذری ہے یا نہیں۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی زائد نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ جسے اشاعت ثانی کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ دلی سے منگوا تا ہوں بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ آئندہ اڈیشن میں آپ کی کتاب سے معلومات کا اضافہ اس میں کروں گا۔ جنوبی ہند کی چیزیں اس وقت بہت کم ملیں لیکن کچھ چیزوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

سجاد حیدر یلدرم

بنام جلیل قدوائی

ذرّہ جلیل

ابھی خواجہ سرور آئے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ کل موٹر سے لکھنؤ جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لیکن سوچا ہموں وہاں سے واپس آکر دوسرے ہی دن مجھے اکیڈمی کے جلسے میں الہ آباد بھی جانا ہے اور اتنی بڑی مسافت میرے لئے واقعتاً تکلیف دہ ہو جائے گی۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر اس سفر میں مجھے ہمراہ نہ لے چلیں تو حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

خاکسار: سجاد

(۲)

بنام جلیل قدوائی

ذرّہ جلیل۔ سلام مسنون!

آپ سے رخصت ہو کر بخیریت ہردوائی پہونچا:

"پھر وہی کنج قفس اور وہی صیاد کا گھر"

اب کی کا سفرِ علی گڑھ "نرن نیل لکڑی" کی نظر ہو گیا اور کسی سے نہ مل سکا۔ جب یہاں سے چلا تھا یہ سوچ کر چلا تھا کہ اور کسی سے ملوں یا نہ ملوں، آپ سے ضرور ملوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ نے اس قدر مہربانی فرمائی کہ مسز جلیل سے بھی مجھے ملا دیا۔ میں ان کی صفات و اخلاق کا بہت اچھا اثر لے کر آیا ہوں۔ خدا کرے آپ کی توقعات ان سے پوری ہوں۔ علی گڑھ میں مسز سجاد سے اکثر آپ کی نسبت گفتگو رہتی تھی اور باوجودیکہ وہ آپ کے بعض دوستوں کے سامنے آتی تھیں وہ آپ کے سامنے اس خیال سے نہیں آتیں کہ آپ بے پردگی کو معیوب سمجھیں گے مگر افسوس آپ نے اس نظریہ کو اس وقت غلط ثابت کیا جب مسز سجاد علی گڑھ میں نہیں ہیں۔ مسز جلیل کو میرا سلام اور اس سے زیادہ دعائیں کہئے۔

VIVA VOCE ATTEND

EXAMINATION REMUNERATION BILL

VIVA VOCE

appointment

میری تسلیم مسز جلیل کی خدمت میں عرض کر دیجئے گا۔ مسز سجاد بھی آپ کو اور مسز جلیل کو سلام کہتی ہیں۔

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۹-۲-۱۹۳۱ء

یہ تینوں شعر علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر صاحب کو دے دیجئے گا۔ اگر پسند کریں تو میگزین میں شائع کر دیں۔

سجاد

(۵)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ میں یہاں پہنچ تو گیا ہوں مگر ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوا۔ مکان کی بہت دقت ہے۔ ایک بنگلہ ملا جس میں ایک اور صاحب آدھے کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب۔

علی گڑھ سے غازی پور اس قدر دور ہے کہ تین دن کی چھٹی سے کم میں علی گڑھ آنا جانا اور وہاں کسی میٹنگ میں شریک ہونا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ کورٹ کی میٹنگ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگرچہ میں کوشش کروں گا کہ شریک ہو سکوں۔ اگر کورٹ کی میٹنگ میں شریک ہوا تو دوسرے روز یعنی دوشنبہ کو یہاں نہیں پہنچ سکتا۔

خلیل احمد صاحب مراد آباد کو میں نے اطلاع دے دی تھی کہ اولڈ بوائز ڈنر میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہاں بچوں کو لئے بے ٹھکانے ڈاک بنگلے میں پڑا تھا۔ غرض کہ گو ہندوستان آ گیا مگر علی گڑھ سے دور ہی رہا۔

ع آکے منزل کے قریب وارد منزل نہ ہوئے

بچی کی ولادت کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی۔ خدا اسے پروان چڑھائے اور آپ اس کی سینکڑوں خوشیاں دیکھیں۔ میں دس روپیہ سے زیادہ نکال سکتا تو بخوشی نکالتا۔ میں بہت جلد Long Furlough Preparatory To Retirement (سبکدوش ہونے سے پیشتر طویل فرلو) لینے والا ہوں۔ غالباً ایک سال کے بعد فرلو لے لوں گا اس وقت تنخواہ آدھی رہ جائے گی۔ ذمہ داریاں یہی قائم رہیں گی۔ میں تو ہندوستان چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا چاہتا ہوں۔

خاکسار: سجاد گورکھپور (یو۔پی) ۱۶-۱۱-۳۱ء

(۶)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی معاف کیجئے۔ میں جس تاریخ سے کہئے آپ کو روپیہ بھیجنا شروع کر دوں۔

میرے بھائی سید وحید الدین حیدر اناؤ میں سول سرجن ہیں۔ امید ہے آپ ان سے ملے ہوں گے۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور ۴-۶-۳۱ء

(۷)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

چونکہ مہینوں آپ نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی اس لئے جب مدتوں کے بعد آپ کا خط آیا تو میں نے بھی چپ سادھ لی۔

آپ کا اردو میں ایم اے ہونا آپ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں جس کی مبارکباد دی جائے ہاں الٰہ آباد یونیورسٹی کے لئے قابل مبارک ہے کہ اس کے ہاں سے شاید پہلا (حقیقی معنوں میں) اردو اسکالر ایم اے ہوا ہے۔ یہ خط میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میں خدا خدا کر کے غازی پور سے چھٹکارا حاصل کر رہا ہوں۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ مہینے کی چھٹی پر جا رہا ہوں۔ فلسطین۔ شام۔ ٹرکی کی سیاحت مد نظر ہے۔ خدا پوری کرے روانہ ہونے سے قبل آپ لوگوں سے ملنے علی گڑھ بھی آؤں گا۔

خواجہ منظور صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور (یو۔ پی) ۱۳-۱۲-۳۳ء

(۸)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ جواب دیر میں دینے کی معذرت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ آپ کا خط بھی دیر میں آیا تھا۔ جن Liabilities کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے بے شک انہیں پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ میرے لئے جلدی نہ کیجئے۔

میں کورٹ کی میٹنگ میں آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انشاءاللہ اس وقت ملاقات ہوگی۔

خاکسار: سجاد۔ اٹاوہ۔ ۲۱-۱۱-۳۴ء

نبی امی ﷺ

سیرت رسول پر مستند اور
کارآمد کتاب جسے سوانح نگاری
کے امام عمر ابوالنصر نے پیش
کر کے عربی دان طبقہ میں
فضیلت کی منزلیں طے کر لیں۔
اب اسے شیخ محمد احمد پانی پتی
نے اردو کے قالب میں ڈھال
کر اردو ادب کو ایک غیر
فانی کتاب دے دی اس کا
ایک ایک فقرہ عشق رسول میں
ڈوب کر لکھا گیا ہے۔
قیمت پانچ روپے

●

صاحب

مدیر نقوش کے اسکیچوں کا
مجموعہ،

اس کتاب میں مشہور ادیبوں
پر بڑے ہی معرکے کے شخصی
مضامین ہیں۔ اب تک اس
انداز کے کسی نے بھی مضامین
نہیں لکھے۔ یہی وجہ ہے
کہ اسے قبول عام کی سند بھی
حاصل ہے اور مشہور نقادوں
نے بھی اس کتاب کو
بے حد سراہا ہے۔
قیمت تین روپے

ادارہ فروغ اردو - لاہور